

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فتح الحجاب

في معارف

آيات الجهاد

• سُورَةُ الْأَنْفَالِ كُلُّهَا

• سُورَةُ التَّوْبَةِ آيَاتُ (١) (٢) (٣)

٢

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَفَظَهُ اللَّهُ تَعَالَى

سَمِعْتُمْ عَمْرُوًا فَإِنْ لَأْتُمْ

ایک شہید

● سُورَةُ التَّوْبَةِ (آيت ١ تا ٦٠)

هو لنا محمد

مؤيدان خطابی عبدالمستيد قمر الله ٨١٣٢٨

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب فتح الجنائز فی معارف آیات الجنائز (جلد دوم)
 مؤلف مولانا محمد رفیع الرحمن حفظہ اللہ
 اشاعت اول ۲۲۰۰
 اشاعت دوم ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
 تعداد ۴۴۰۰
 صفحات ۶۰۸
 قیمت ۳۳۰ روپے

ہماری مطبوعات ملنے کے پتے

مکتبۃ الایمان دکان نمبر ۱۳۱، ندیم ٹریڈ سینٹر، محلہ جنگی، عقب قصہ خوانی بازار پشاور 0321-9013592
 رحمانی کتاب گھر دکان نمبر 2، نزد نور سبجانی مسجد، لسیلہ چوک کراچی 0300-2249928
 مکتبۃ ابن مسعود، مدرسہ ابن عبد اللہ، چشمہ جات نزد کمپنی باغ کوہاٹ 0321-5782621
 مکتبۃ عثمان علیؓ، نزد بندھن شادی ہال، کوثر کالونی بہاولپور 0321-6837145
 کتب خانہ رشیدیہ، مدرسہ تعلیم القرآن، راجہ بازار راولپنڈی 051-5771798
 مکتبۃ السلام، اعظم مارکیٹ کمیٹی چوک راولپنڈی 0333-5178392
 ادارہ اشاعت الخیر، حضوری باغ ملتان، فون 061-4514929
 کشمیر نیوز ایجنسی، کوٹلی، آزاد کشمیر 05866042256



37-حق شریعت
 اردو بازار-لاہور

مکتبۃ ابن مبارک

اسٹاکسٹ

موبائل: 0321-4066827 فون: 042-7324844

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

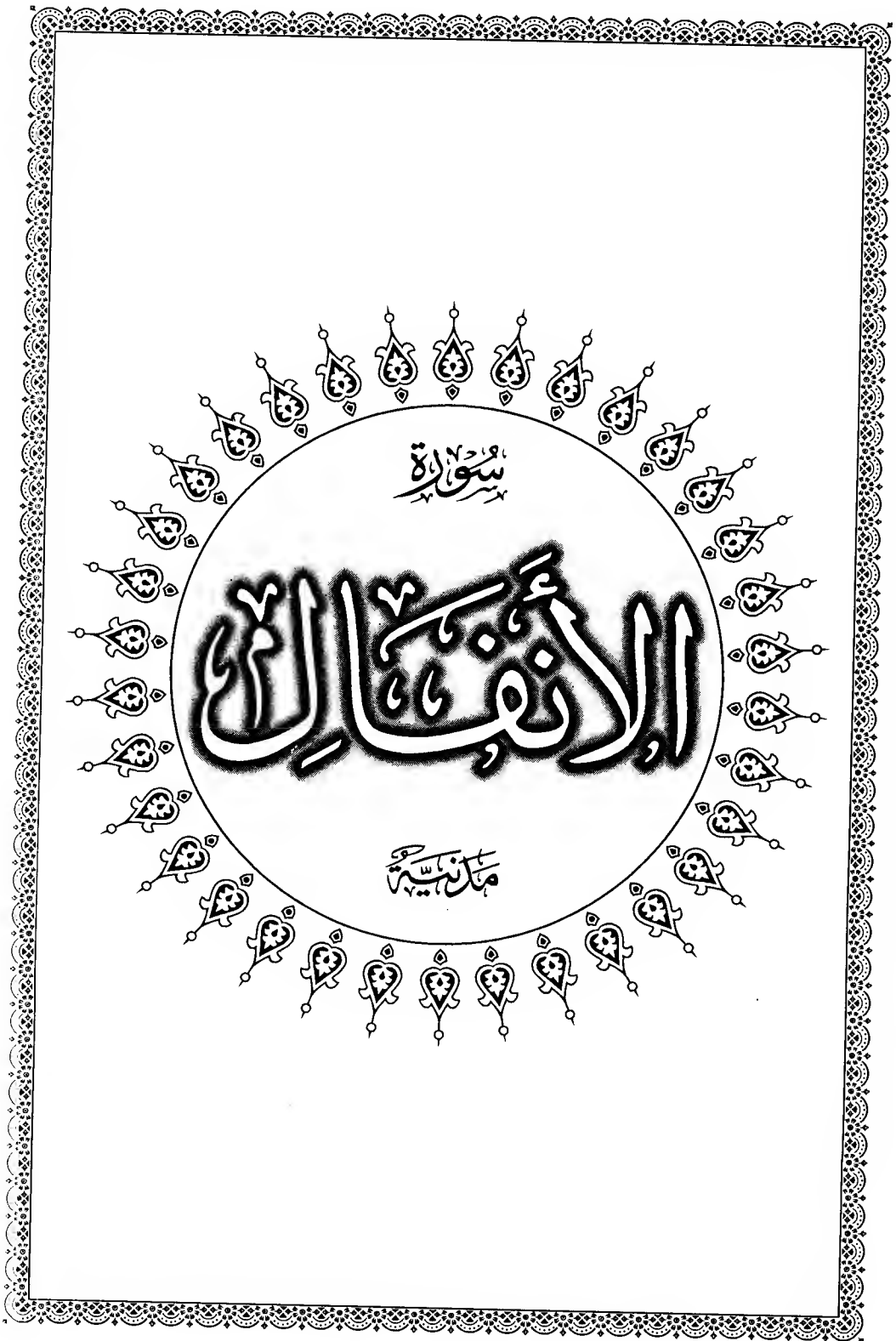
مختصر فهرست

فتح الجوّاد في معارف آيات الجهاد

جلد دوم

ابتدائیہ سورۃ الانفال	۵
معارف الجہاد سورۃ الانفال	۲۰
ابتدائیہ سورۃ التوبہ	۳۴۲
معارف الجہاد سورۃ التوبہ	۳۶۴
فہرست مضامین	۵۸۷





ابتدائیہ

تمام پچھتر آیات کے مضامین جہاد کا خلاصہ

الانفال

قوانین جنگ



وجہ تسمیہ



اہمیت



مجاہدین کی صفات



فوائد جہاد

پچھتر آیات میں مضامین جہاد کا خلاصہ

- آیت-۱ جہاد میں کامیابی کا پانچ نکاتی نصاب۔
- آیت-۲ ایمان والے مجاہدین کی پانچ صفات۔
- آیت-۳ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کے حق کام کے لئے گھر سے نکالا اور میدان بدر پہنچایا۔
- آیت-۴ کچھ لوگوں کو یہ حق کام سمجھ نہیں آ رہا تھا۔
- آیت-۵ اللہ تعالیٰ نے حق کو غالب کرنے اور کافروں کی جڑ کاٹنے کے لئے مسلمانوں کا مقابلہ مشرکین مکہ کے طاقتور لشکر سے کرایا۔
- آیت-۶ جہاد کے ذریعہ اسلام کا حق ہونا اور کفر کا باطل ہونا سب کے لئے ظاہر ہو جاتا ہے۔
- آیت-۷ مسلمانوں نے بدر کے دن اللہ تعالیٰ سے نصرت کی فریاد کی تو اس نے فریاد قبول فرمائی اور فرشتوں کو نازل کرنے کا وعدہ فرمایا۔
- آیت-۸ مجاہدین کا اصل مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ ہے فرشتوں کا نازل ہونا محض خوشخبری اور دلوں کی مضبوطی کے لئے تھا۔
- آیت-۹ غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے بارش اور غنودگی کے ذریعہ مجاہدین کی خاص نصرت فرمائی۔
- آیت-۱۰ مجاہد فرشتے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی تربیت۔ فرشتوں کا مجاہدین کے دلوں کو مضبوط کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کا کافروں کے دلوں کو رعب میں جکڑ لینا۔
- آیت-۱۱ مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے کفار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور مخالف ہیں۔
- آیت-۱۲ جہاد کے ذریعہ کافروں کو اللہ تعالیٰ کا عذاب چکھایا جاتا ہے جب کہ جہنم کا اصل اور سخت عذاب ان کے لئے آگے تیار ہے۔
- آیت-۱۳ میدان جہاد سے مقابلے کے وقت پیٹھ پھیر کر بھاگنا حرام ہے۔
- آیت-۱۴ جنگی حکمت عملی کے تحت یا کمک لینے کے لئے وقتی طور پر میدان سے پیچھے ہٹنا جائز ہے۔ اس کے علاوہ ہٹنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو آواز دینا ہے۔
- آیت-۱۵ جہاد کے دوران کافروں کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے جو نقصان پہنچتا ہے وہ حقیقت میں خود اللہ تعالیٰ کا کافروں کو پہنچاتا ہے۔ تاکہ وہ مسلمانوں کو اپنا عظیم احسان عطاء فرمائے۔

- آیت - ۱۸ اور اللہ تعالیٰ ہی کافروں کی قوت، سازش اور تدبیر کو کمزور فرما دیتا ہے۔
- آیت - ۱۹ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے اور کافروں کے لشکران کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ غزوہ بدر نے یہ بات سمجھا دی ہے اور فیصلہ کر دیا ہے۔ اے مشرک! اب تو باز آ جاؤ، ایمان لے آؤ، ورنہ تمہارا مستقبل تاریک ہے۔
- آیت - ۲۰ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو اچھی طرح سے سنو، انہیں دل سے قبول کرو اور اپنے عمل میں لاؤ خصوصاً حکم جہاد کو۔
- آیت - ۲۱ ان منافقوں اور یہودیوں کی طرح نہ ہو جو کانوں سے سنتے ہیں مگر دل میں نہیں اتارتے اور عمل میں نہیں لاتے۔
- آیت - ۲۲ دین اسلام کی بات نہ سننے، نہ سمجھنے اور نہ قبول کرنے والے کافر جانوروں سے بدتر ہیں۔
- آیت - ۲۳ اب ان میں حق قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو چکی ہے (اگر ایسے لوگ جہاد میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں تو کیا افسوس ہے؟)
- آیت - ۲۴ جہاد میں مسلمانوں کے لئے زندگی ہے۔ جہاد کا حکم جلد پورا کرو ایسا نہ ہو کہ تقدیر یا موت حائل ہو جائے، جہاد میں کچھ بھی قربان کرنے سے نہ گھبراؤ کیونکہ دنیا ہر حال میں چھوڑنی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔
- آیت - ۲۵ جہاد چھوڑنے اور نبی عن المنکر چھوڑنے کے گناہ سے بچو کہ اس کا وبال سب پر پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی سخت سزا کو یاد رکھو۔
- آیت - ۲۶ اپنی کمزوری اور قلت کا خیال کر کے اللہ تعالیٰ کا حکم جہاد ماننے میں سستی نہ دکھاؤ۔ ماضی میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری کیسی زبردست نصرت فرمائی اس کو دیکھو۔
- آیت - ۲۷ ایمان والے مجاہدین کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے اندر صفتِ امانت پیدا کریں اور ہر طرح کی انفرادی و اجتماعی خیانت سے بچیں۔
- آیت - ۲۸ مال اور اولاد کی خاطر اللہ تعالیٰ کے عظیم اجر سے محروم ہونا بڑی غلطی اور امتحان میں ناکامی ہے۔
- آیت - ۲۹ تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں نصرت، غلبہ، امتیازی شان اور قوتِ فیصلہ عطاء فرمائے گا اور تمہاری غلطیوں اور گناہوں پر اپنی مغفرت کے پردے ڈال دے گا، یعنی اپنے مال و اولاد کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر ترجیح نہ دو۔
- آیت - ۳۰ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کافروں کی سازشوں اور تدبیروں سے بہت طاقتور ہے۔ مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش کو ناکام بنا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچا لیا۔ (واقعہ شبِ ہجرت) کفار مسلمانوں کی قیادت کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور وہ ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔
- آیت - ۳۱ مشرکین قرآن پاک کے دشمن اور مخالف ہیں۔ غزوہ بدر نے قرآن پاک کی حقانیت ان پر واضح

کردی ہے، وہ ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دشمن ہیں اور دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دشمن ہیں۔

آیت - ۳۱ غزوہ بدر سے پہلے مشرکین مغالطے میں تھے اور اس قدر ضد میں تھے کہ اپنے اوپر عذاب کی بددعائیں کرتے تھے۔

آیت - ۳۲ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اور استغفار عذاب سے بچنے کے دوزر لیے ہیں۔

آیت - ۳۳ مشرکین مکہ مسجد حرام سے روکنے کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہیں، اور مسجد حرام پر اصل حق متقی مسلمانوں کا ہے۔ (فتح کی بشارت)

آیت - ۳۴ جو لوگ کعبہ شریف میں عبادت کے نام پر سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہیں ایسے لوگوں پر جہاد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے والا ہے۔

آیت - ۳۵ کفار اپنا مال اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خرچ کرتے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے، مگر ان کے ہاتھ حسرت اور مغلوبیت کے علاوہ کچھ نہیں آئے گا۔ کافروں کا مال ان کا جنگی ہتھیار ہے۔ وہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف وسیع اقتصادی جنگ چھیڑتے ہیں۔

آیت - ۳۶ کافروں کو مسلمانوں کے خلاف مال خرچ کرنے کی طاقت اس لئے دی جاتی ہے تاکہ دنیا و آخرت میں پاک اور ناپاک الگ الگ ہو جائیں اور ناپاک کو جمع کر کے اس کی ڈھیری بنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔ جہاد میں خرچ ہونے والے اموال پاک اور اسلام کے خلاف خرچ ہونے والے اموال ناپاک ہیں۔ جہاد کرنے والے پاک اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے اور ان کا ساتھ دینے والے ناپاک ہیں۔

آیت - ۳۷ کافروں کے لئے اسلام کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ مسلمان ہوتے ہی پچھلے سارے گناہ معاف۔ اور اگر وہ مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہیں تو پھر غزوہ بدر اور ماضی کے دشمنان اسلام کا انجام یاد رکھیں۔

آیت - ۳۸ ان کافروں سے برابر لڑتے رہو یہاں تک کہ ان کی قوت و شوکت ختم ہو جائے اور دین اسلام سب ادیان پر غالب آجائے اور اسلام اور قرآن نافذ ہو جائے۔ اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو ان سے قتال نہیں۔

آیت - ۳۹ کفار اگر شرارت اور جنگ سے باز نہیں آتے تو مسلمانوں کو گھبرانے کی اور بزدلی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر جہاد جاری رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا مولیٰ، حمایتی اور بہترین مددگار ہے۔

آیت - ۴۰ جہاد کے دوران کافروں سے چھینے ہوئے اموال غنیمت کی تقسیم کا شرعی قانون۔

آیت - ۴۱ غزوہ بدر میں ناہموار حالات کے باوجود مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی تاکہ حجت تام ہو جائے۔ اور مسلمانوں کی فتح اور دین کے غلبے کا جو فیصلہ ہو چکا تھا اسے پورا کر دیا جائے۔

آیت - ۴۲ غزوہ بدر میں ایک خاص نصرت یہ ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دشمن تھوڑے

دکھائے گئے۔ اس سے مسلمانوں کو بہت فائدہ ملا۔

آیت- (۶۷) غزوہ بدر کے آغاز میں مسلمانوں اور مشرکوں دونوں کے لشکر ایک دوسرے کو کم تعداد والے نظر آئے اس سے مسلمانوں کو بہت سے جنگی فوائد حاصل ہوئے۔

آیت- (۶۸) جہاد میں یقینی کامیابی کے ۶ نسخے [۱] ثابت قدمی سے لڑو۔ [۲] بہت کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔

آیت- (۶۹) [۳] جہاد کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرو اپنے امیر سے اور آپس میں ایک دوسرے سے نزاع نہ کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

[۵] اپنے اندر صفتِ صبر پیدا کرو کہ اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے۔

آیت- (۷۰) [۶] فخر، غرور، نمائش بازی، ریاکاری اور دین دشمنی سے بچو کیونکہ یہ سب شکست کے اسباب ہیں۔

آیت- (۷۱) غزوہ بدر میں شیطان کی آمد اور اس کی ذلت آمیز پسپائی۔

آیت- (۷۲) غزوہ بدر کے موقع پر منافقین کا مجاہدین کو طعنہ اور قرآن پاک کا جواب۔

آیت- (۷۳) جو کافر مسلمانوں کے مقابلے میں نکلے فرشتوں نے مار مار کر ان کی روح سختی کے ساتھ قبض کی اور جہنم کی وعید سنائی۔

آیت- (۷۴) اللہ تعالیٰ کسی کو بے جرم سزا نہیں دیتا کافروں کو یہ سزا ان کے کرتوتوں کی وجہ سے مل رہی ہے۔ (دشمنانِ اسلام سزا کے مستحق ہیں)

آیت- (۷۵) کافروں کو سزا دینے کا یہ دستور پہلے سے چلا آ رہا ہے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو بھی اسی طرح پکڑا گیا۔ (دشمنانِ دین سزا کے مستحق ہیں)

آیت- (۷۶) جب نیت اور حالت خراب ہو جاتی ہے تو نعمت چھین لی جاتی ہے۔ (دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کے مقابلے میں آپس میں اپنی حالت کو خراب کر لیا ہے)

آیت- (۷۷) جیسے فرعونیوں نے اپنی نیت اور حالت کو خراب کر لیا تو غرق کر دیئے گئے۔

آیت- (۷۸، ۷۹، ۸۰) اہل کتاب کے مقابلے میں جہاد۔ جو لوگ ہمیشہ کیلئے کفر اور بے ایمانی پر ڈٹ گئے ہیں اور بالکل بے خوف ہو کر بار بار اپنا عہد توڑتے ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور ہیں، اگر یہ میدان جنگ میں آپ کے ہاتھ آ جائیں تو ان کو ایسی سخت سزا دیجئے جسے دیکھ کر ان کے پیچھے رہنے والے یا ان کے بعد آنے والی نسلیں بھی عبرت حاصل کریں اور عہد شکنی کی کبھی جرأت نہ کر سکیں۔

آیت- (۸۱) کفار سے معاہدہ ختم کرنے کا طریقہ۔ اور خیانت سے بچنے کی سخت تاکید۔ (احکام جہاد)

آیت- (۸۲) جنگ میں مسلمانوں سے بچ کر جانے والے کافر یہ گمان نہ کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ

جائیں گے۔

آیت - ۶۰ کافروں سے لڑنے کے لئے ہر طرح کی جنگی تیاری کرو، اس سے دشمنوں پر دہشت پڑے گی، اور جہاد اور اس کی تیاری میں تم جو کچھ خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دنیا و آخرت میں دیا جائے گا۔

آیت - ۶۱ کفار کی طرف سے صلح کی پیشکش آئے تو قبول کی جاسکتی ہے۔

آیت - ۶۲ اگر کفار صلح کے نام پر آپ کو دھوکا دینا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے، اس نے پہلے بھی (غزوہ بدر میں) آپ کو اپنی خاص نصرت اور ایمان والوں کے ذریعے قوت عطا فرمائی تھی اور اسی نے اپنی غالب قدرت اور حکمت کے ساتھ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کو جوڑ دیا تھا حالانکہ زمین کے تمام خزانے خرچ کر کے بھی یہ کام نہیں کیا جاسکتا تھا۔

آیت - ۶۳ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ آپ کے لئے اور آپ کی اتباع کرنے والے مسلمانوں کے لئے کافی ہے۔

آیت - ۶۴ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کو قتل فی سبیل اللہ پر خوب ابھاریے۔ مسلمانوں کو اپنے سے دس گنا لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا لازم ہے۔

آیت - ۶۵ اب اس حکم میں نرمی کر دی گئی ہے چنانچہ مسلمانوں کے لئے اپنے سے دو گنا لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا لازمی ہے۔

آیت - ۶۶ غزوہ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑنے پر مسلمانوں کو سخت تنبیہ اور اس کی وجوہات (مجاہدین کی توجہ جہاد کے کسی مرحلے میں بھی مال کی طرف نہیں جانی چاہیے) (اسلام کی قوت اور کفر کی ذلت کے لئے ان سب مشرکوں کو قتل کر دینا چاہئے تھا)

آیت - ۶۸ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے معافی کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو فدیہ کے لینے کی وجہ سے تم پر بڑا عذاب نازل ہو جاتا۔

آیت - ۶۹ اب معافی ہو گئی ہے مال غنیمت اور فدیہ کا مال تمہارے لئے حلال اور پاکیزہ ہے۔

آیت - ۷۰ قیدیوں میں سے جو مسلمان ہو جائیں گے ان کے لئے دو وعدے اور بشارتیں۔

آیت - ۷۱ اگر یہ قیدی دھوکہ دیں گے تو دوبارہ برے انجام سے دوچار ہوں گے، اللہ تعالیٰ علیم و حکیم سے یہ نہیں چھپ سکتے۔

آیت - ۷۲ مجاہدین اور انصار ایک دوسرے کے رفیق و معاون ہیں اور ہجرت نہ کرنے والے مسلمان

تمہارے وارث نہیں ہیں۔ اسلامی جماعت اور اسلامی برادری کی بنیاد ایمان، ہجرت، نصرت اور جہاد پر ہے۔

آیت - ۴۳ کافر ایک دوسرے کے مددگار ہیں اگر مسلمان ان کے مقابلے میں اسلام کی بنیاد پر متحد اور ایک دوسرے کے مددگار نہ ہوئے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔

آیت - ۴۴ ایمان، ہجرت، نصرت اور جہاد کرنے والے ہی حقیقی مسلمان ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔

آیت - ۴۵ بعد میں مسلمان ہونے والے اگر ہجرت اور جہاد کر لیں تو وہ بھی حقیقی مسلمان ہیں باقی رہی میراث تو وہ اب رشتے داروں کا حق ہے۔

الْأَنْفَال

سورة کا نام

اس سورة کا نام ”سورة الانفال“ ہے۔ یہ مدنی بدری سورة ہے۔

مَدَنِيَّةٌ بَدْرِيَّةٌ فِي قَوْلِ الْحَسَنِ وَعُكْرَمَةَ وَجَابِرٍ وَعَطَاءٍ (القرطبي)
بعض حضرات اسے ”سورة بدر“ بھی کہتے ہیں۔

عن سعيد بن جبیر رحمہ اللہ انہ سئل الحبر عنہا فقال: تلك سورة بدر۔ (روح المعانی)
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک قول یہ ہے کہ اس سورة کی سات آیات مکی ہیں۔ وقال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: هي مدنية الاسبع آیات واذي مكربك الذين كفروا۔ الى آخر سبع آیات۔ (القرطبي)

کئی مفسرین حضرات کے نزدیک یہ پوری سورة مدنی ہے۔

زمانہ نزول

یہ سورة غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ اور اس میں غزوہ بدر سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کا حکم بیان فرمایا گیا۔ امام ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولا خلاف انها نزلت في يوم بدر وامر غنائمه۔ (البحر المحيط)
اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ سورة غزوہ بدر اور اس کی غنیمتوں کے معاملے میں نازل ہوئی۔
تفسیر کشاف میں ہے:

نزلت بعد البقرة۔ (کشاف)

کہ یہ سورة، سورة البقرہ کے بعد نازل ہوئی۔

سورة البقرہ میں فرضیت جہاد کا حکم ہے اور اس سورۃ میں جہاد کرنے کا مکمل طریقہ اور جہاد کے بہت سے احکام و فوائد کا بیان ہے۔ صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں۔ ”سورة جہاد و قتال کی ہے اور ان کے احکام بھی آگے آرہے ہیں۔“ (تفسیر ماجدی)

وجہ تسمیہ

① الانفال: جمع ہے نفل کی۔ اور اس کے معنی ہے غنائم یعنی غنیمتیں۔ قال البخاری قال ابن عباس الانفال المغانم۔ (ابن کثیر)

مال غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو جہاد میں دشمن سے چھینا جاتا ہے۔

یحتمل ان یکون المراد من هذه الانفال الغنائم، وهي الاموال المأخوذة من الکفار قهراً۔ (تفسیر کبیر)

نفلت میں نفل اس چیز کو کہتے ہیں جو اصل سے زیادہ ہو۔

الانفال جمع نفل بالفتح وهو الزیادة۔ (روح المعانی) والنفل زیادة علی الواجب۔ (القرطبی)

مال غنیمت کو انفال کیوں کہتے ہیں؟

① کیونکہ مال غنیمت پہلی امتوں کے لئے حلال نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے حلال فرمایا ہے تو اس امت کے لئے سابقہ امتوں سے جو چیزیں زیادہ حلال ہوئی ہیں یہ ان میں سے ہے۔

لانها زیادة فیما احل الله لهذه الامة مملکان محرماً علی غیرها۔ (القرطبی)

② کیونکہ مال غنیمت اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی عطا ہے۔ (فضل کے معنی استحقاق سے زیادہ عطا فرمانا)

النفل الغنیمة لانها من فضل الله وعطاؤه (المدارک)

③ کیونکہ مال غنیمت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دوسری امتوں پر زیادہ فضیلت عطا فرمائی ہے۔

لان المسلمین فضلوا بها علی سائر الامم التي لم تحل لهم۔ (روح المعانی)

④ کیونکہ مال غنیمت جہاد کے اصل مقصد سے زائد ایک چیز ہے۔ جہاد کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے کلمے کی

بلندی اور اسلام کی حفاظت ہے۔

وسمیت الغنیمة به لانها زیادة علی القيام بحماية حوزة الاسلام۔ (البحر المحیط)

لانها زیادة علی ما شرع الجهاد له وهو اعلاء كلمة الله تعالی وحماية حوزة

الاسلام۔ (روح المعانی)

حضرت لاہوری رحمہ اللہ اسی قول کو اختیار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

انفال جمع نفل کی ہے نفل کے معنی زیادہ ہے اور اس سے مراد مال غنیمت ہے، غنیمت کو مال زائد اس لئے کہا گیا ہے کہ مجاہد کی اصلی غرض میدان جہاد میں جانے کی یہ ہے کہ حق چونکہ کچلا جا رہا ہے اس لئے اگر میں نے سر دے دیا تو حق بچ جائے گا۔ اب جو مال اسے دیا جائے گا تو وہ مقصود سے زائد ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

تفسیر حقانی میں ہے :- انفال نفل کی جمع ہے۔ نفل اور نافلہ اس کو کہتے ہیں جو اصل پر زائد چیز حاصل ہو غنیمت کے مال کو اس لئے انفال کہتے ہیں کہ وہ برخلاف اور امتوں کے ایک نفع کی بات ہے تو اب جہاد سے زائد (جو اصل ہے) خاص اس امت کو حلال ہے ان (دوسری امتوں) کو حلال نہ تھا جیسا کہ اب تک عہد عتیق کے مختلف مقامات سے ثابت ہے اور نماز نفل کو بھی اس لئے نفل کہتے ہیں کہ وہ فرض سے زائد بات ہے۔ اور جو جنگ میں سردار سپاہ اسلام کو انعام کے طور پر دیتا ہے اسکو بھی نفل کہتے ہیں اس جگہ مراد مال غنیمت ہے جو کفار سے مقابلہ کے بعد لیا جاتا ہے جس کو ٹوٹ کہتے ہیں۔ (تفسیر حقانی)

نفل اور انفال مال غنیمت کو بھی کہتے ہیں اور مال غنیمت کی بعض خاص قسموں کو بھی اور جہاد میں ہاتھ آنے والے قیدیوں کو بھی۔ مگر اس سورۃ کے نام اور آغاز میں جو لفظ ”الانفال“ استعمال ہوا ہے اس کو اکثر مفسرین نے عام مال غنیمت (مطلق) کے معنی میں لیا ہے۔ تو سورۃ کی وجہ تسمیہ بھی سمجھ آ گئی کہ اس سورۃ میں مال غنیمت کا بیان ہے اور اس سورۃ میں مال غنیمت کے متعلق درج ذیل امور بیان ہوئے ہیں :

- مال غنیمت مجاہد کا مقصود نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لڑنے والے آخرت کے طلبگار مجاہد ہی کا میاب ہوتے ہیں۔ گویا کہ مجاہد کو دنیاوی اغراض سے پاک ہو کر جہاد کرنا چاہیے۔
- مال غنیمت کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا اختیار حاصل ہے۔
- مال غنیمت کی تقسیم کا قیامت تک کے لئے شرعی حکم اور قانون۔
- مال غنیمت میں ہاتھ آنے والے قیدیوں کے بعض احکامات۔
- مال غنیمت کے حلال طیب ہونے کا بیان۔ وغیرہ۔

الغرض الانفال کے بارے میں کافی کچھ اس سورۃ میں بیان فرمایا گیا ہے، باقی جن حضرات نے اس سورۃ کا نام ”سورۃ بدر“ بتایا ہے تو اس کی وجہ بھی واضح ہے کہ اس سورۃ میں غزوہ بدر کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اسے قیامت تک کے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ”کامیابی کی مثال“ بنایا گیا ہے۔ اور غزوہ بدر کو بنیاد بنا کر جہاد میں کامیابی کے طریقے سکھائے گئے ہیں۔ اور جہاد کے فوائد اور مجاہدین کے اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔ اور ان جنگی قوانین کو بیان کیا گیا ہے جن میں مسلمانوں کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ بشرطیکہ وہ ان پر عمل پیرا ہوں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نکتہ

۱ اس سورۃ کا نام مسلمانوں کو ان کا فریضہ جہاد یاد دلاتا ہے کہ ان پر وہ عمل فرض ہے جس میں انفال یعنی غنیمتیں ملتی ہیں۔

۲ اس سورۃ کا نام مسلمانوں کو ان کا شاندار ماضی یاد دلاتا ہے کہ ایک زمانے میں وہ دشمنانِ اسلام سے مالِ غنیمت چھینا کرتے تھے۔ جبکہ آج مسلمان جہاد چھوڑنے کی وجہ سے دشمنانِ اسلام کو فیکس دیکر زندگی گزار رہے ہیں۔ اور وہ غنیمت کے لفظ اور معنی سے بھی شرماتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بشارت

قرآن پاک ایک زندہ کتاب ہے اور یہ قیامت تک کے لئے آخری کتاب ہے چنانچہ اس سورۃ کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں جہاد و غنیمت کا سلسلہ جاری رہے گا اور مسلمان غنیمتیں حاصل کرتے اور اسے قرآن پاک کے حکم کے مطابق تقسیم کرتے رہیں گے۔ کچھ عرصہ قبل تک افغانستان میں یہ سلسلہ زور و شور سے جاری تھا۔ اب عراق میں بھی جاری ہو گیا ہے۔ سورۃ کا نام بتاتا ہے کہ انفال اور جہاد نے زندہ اور موجود رہنا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

سورۃ کا نام ہے سورۃ الانفال یہ نام سنتے ہی ذہن فوری طور پر انفال یعنی مالِ غنیمت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کونسا مال غنیمت؟ وہ مال غنیمت جس کے بارے میں کچھ اختلاف ہوا تھا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ یہ مال غنیمت کب ملا تھا؟ یہ غزوہ بدر میں ملا تھا۔ وہ غزوہ بدر جس میں مسلمانوں کو شاندار اور مثالی فتح نصیب ہوئی تھی۔ قرآن پاک بار بار غزوہ بدر کی فتح یاد دلاتا ہے تاکہ مسلمان مضبوط ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین کریں۔ صرف اسی پر بھروسہ کریں۔ اور اپنے اندر مجاہدینِ بدر والی صفات پیدا کریں۔ ان صفات کو بھی اس سورۃ مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک غزوہ احد کی ظاہری شکست یاد دلاتا ہے اور ان غلطیوں سے روکتا ہے جن کی وجہ سے شکست ہوئی تھی اور ان گمراہیوں سے روکتا ہے جو شکست کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔ پس اس امت کے پاس جہاد فی سبیل اللہ کا مکمل نصاب موجود ہے۔ اور اس امت کا کام دعوت و جہاد ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کلام برکت

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

سورۃ انفال اتری بعد جنگ بدر کے۔ جب ہجرت کے بعد حکم ہوا جہاد کا۔ اول جہاد تھا قریش سے جن کے ظلم سے وطن چھوڑا۔ ان پر چڑھ کر نہ جاسکتے (تھے) مکے کے ادب (کی وجہ) سے مگر راہِ پاٹ پر مسلمان دوڑے (یعنی حملہ کیا) دو تین بار، پھر دوسرے برس قریش کا قافلہ تجارت کو گیا ملک شام۔ جب (واپس) پھرنے لگے حضرت نے آپ

(یعنی خود) ان پر (حملہ کا) قصد کیا۔ خبر پا کر مکہ والے مدد کو نکلے قافلے کی۔ قافلہ بچ نکلا اور دونوں جیس بھر گئیں حق تعالیٰ نے (مسلمانوں کو) فتح دی۔ شریر شریک فرستے مارے گئے اور ستر بند میں آئے (یعنی قید ہوئے) (موضح القرآن)

یہ اقدامی جہاد تھا

ملاحظہ فرمائیے تفسیر عثمانی سے یہ دلچسپ، جامع اور علمی عبارت:

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہی سے فوجی لشکر کے مقابلہ میں نکلے تھے جو ”مدینہ“ پر از خود اقدام کرتا ہوا چلا آ رہا تھا، تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کی نیت آپ نے اول سے آخر تک کسی وقت نہیں کی۔ وہ فی الحقیقت اپنے ایک خود ساختہ اصول پر تمام ذخیرہ حدیث و سیر اور اشارات قرآنیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں۔ یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ کفار محاربین جنکی دستبرد سے مسلمانوں کی جان و مال کوئی چیز نہ بچی اور نہ آئندہ بچنے کی توقع تھی، ان کو جانی و بدنی نقصان پہنچانا تو جائز سمجھا جائے لیکن تجارتی اور مالی نقصان پہنچانا خلاف تہذیب و انسانیت ہو۔ یعنی ان کی جانیں تو ظلم و شرارت اور کفر و طغیان کی بدولت محفوظ نہیں رہیں مگر اموال بدستور محفوظ ہیں۔ گویا زندگی کے حق سے محروم ہو جائیں تو ہو جائیں پر سامان زندگی سے محروم نہ ہوں ”ان هذا المشئی عجاب“ باقی یہ دعویٰ کہ جو لوگ حملہ آور نہ ہوئے ہوں ان پر مسلمانوں کو از خود حملہ کرنا جائز نہیں کیونکہ **وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُوكُمْ** کے خلاف ہوگا۔ قطع نظر اس سے کہ یہ مسئلہ موجودہ واقعہ سے بے تعلق ہے کیونکہ کفار مکہ پہلے ہر قسم کے مظالم اور حملے مسلمانوں پر کر چکے تھے اور آئندہ کے لئے باقاعدہ دھمکیاں دے رہے تھے بلکہ اس بارہ میں ان کی سازشیں اور مراسلتیں جاری تھیں فی نفسہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ آیت ابتدائے ہجرت میں اتری تھی جس کے بعد دوسری آیات جن میں مطلق قتال کا حکم ہے نازل ہوئیں۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ صرف اتنا کہنے سے کہ حملہ آوروں کی مدافعت کرو، یہ لازم نہیں آتا کہ کسی حالت میں حملہ کرنے کی اجازت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سورة الأنفال کا مختصر و جامع خلاصہ

”سورة الأنفال“ جہاد کی بنیادی سورة ہے، اس میں قیامت تک کے لئے قوانین جنگ کا بھی بیان ہے اور جہاد کے فوائد کا بھی مفصل تذکرہ ہے اور یہ سورة ان اوصاف اور صفات کو بھی بیان کرتی ہے جو اگر مجاہدین میں پیدا ہو جائیں تو ان کا جہاد کامیاب رہتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے سورة الأنفال کی روشنی میں پندرہ قوانین جنگ..... جہاد کے بیس فائدے..... اور مجاہدین کے پچیس اوصاف۔

۱۵ قوانین جنگ

۱ ڈٹ کے لڑنا ہے پیڑھیں پھیرنی۔ [آیت ۱۵]

۲ جنگ کے دوران اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت۔ [آیت ۲۰]

- ۳ اطاعتِ امیر۔ [آیت ۲۳]
- ۴ جب کوئی جنگی تدبیر دل میں آجائے اس پر فوراً عمل کریں دیر نہ لگائیں۔ [آیت ۲۴]
- ۵ اموال میں خیانت نہ کریں کیونکہ یہ موجبِ جہنم ہے۔ [آیت ۲۷]
- ۶ تنافس کریں یعنی قربانی میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کریں۔ [آیت ۲۹]
- ۷ مسلسل اور کثرت سے ذکر کیا کریں۔ [آیت ۳۵]
- ۸ لشکر متحد رکھنا چاہئے۔ [آیت ۳۶]
- ۹ کافروں کو ہلکی مار دے کر پیچھے نہ ہٹ آؤ۔ [آیت ۵۷]
- ۱۰ جنگ سے پہلے بھرپور تیاری کرو اور دشمن کو مسلسل رعب میں رکھو۔ [آیت ۶۰]
- ۱۱ ایک جماعت ایسی رکھو جو مسلسل جہاد پر ابھارتی رہے۔ [آیت ۶۵]
- ۱۲ جب دشمن اتھار آئیں تو پہلے خوب خون ریزی کرو پھر قیدی بناؤ۔ [آیت ۶۷]
- ۱۳ جن کو قیدی بنا لو ان کو اندراہی اندر اپنے ساتھ ملا کر دشمنوں کے لئے گھر کا بھیدی بنا لو۔ [آیت ۷۰]
- ۱۴ جب کوئی مظلوم مدد کے لئے پکارے تو دیر مت لگاؤ (یہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا وقت ہوتا ہے)۔ [آیت ۷۲]
- ۱۵ جب کافروں کا آپس میں اتحاد ہو تو ان کے خلاف اتحاد کر لو۔ [آیت ۷۳]

۳۰ فوائدِ جہاد

- ۱ انسان کو حق کا راستہ عطا ہوتا ہے۔ [آیت ۵]
- ۲ اسلام کو ایسا غلبہ عطا ہوتا ہے جس کو کافر بھی تسلیم کرتے ہیں۔ [آیت ۸]
- ۳ انسانوں کی فرشتوں سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ [آیت ۱۰۹]
- ۴ اللہ تعالیٰ خرقِ عادت چیزوں سے نصرت فرماتے ہیں۔ [آیت ۱۱]
- ۵ اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب نصیب ہوتا ہے۔ [آیت ۱۷]
- ۶ انسان کو زندگی نصیب ہوتی ہے۔ [آیت ۲۴]
- ۷ جہاد کی برکت سے اللہ تعالیٰ پاکیزہ روزی اور ٹھکانہ دیتے ہیں۔ [آیت ۲۴۶]
- ۸ اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرماتے ہیں۔ [آیت ۲۹]
- ۹ اللہ تعالیٰ مجاہد کو قوت فیصلہ اور نور فراست عطا فرماتے ہیں۔ [آیت ۲۹]
- ۱۰ کافروں کو شدید مالی نقصان ہوتا ہے (دیوالیہ ہو جاتے ہیں)۔ [آیت ۳۶]
- ۱۱ حق اور باطل الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ [آیت ۳۷]
- ۱۲ کافروں کی طاقت ٹوٹ جاتی ہے۔ [آیت ۳۹]

- ۱۳ جہاد کی وجہ سے مال غنیمت ملتا ہے۔ [آیت ۴۱]
 ۱۴ کافروں پر جہت تام ہو جاتی ہے۔ [آیت ۴۲]
 ۱۵ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص خاص بشارتیں نصیب ہوتی ہیں۔ [آیت ۴۳]
 ۱۶ فلاح یعنی ترقی اور کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ [آیت ۴۵]
 ۱۷ کافروں پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ جاتا ہے۔ [آیت ۶۰]
 ۱۸ مسلمانوں میں اتحاد اور جوڑ پیدا ہوتا ہے۔ [آیت ۶۳]
 ۱۹ اللہ تعالیٰ قوت کو بڑھا دیتے ہیں۔ [آیت ۶۵]
 ۲۰ ایمان کا میل ہو جاتا ہے۔ [آیت ۷۴]

مجاہدین کے ۲۵ اوصاف

- ۱ تقویٰ۔ [آیت ۱]
 ۲ اصلاح ذات البین۔ [آیت ۱]
 ۳ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت۔ [آیت ۱]
 ۴ اللہ کا خوف۔ [آیت ۲]
 ۵ قرآن مجید سے تعلق۔ [آیت ۲]
 ۶ توکل۔ [آیت ۲]
 ۷ اقامہ صلوٰۃ۔ [آیت ۲]
 ۸ انفاق فی سبیل اللہ۔ [آیت ۳]
 ۹ استغاثہ من اللہ۔ [آیت ۹]
 ۱۰ ثابت قدمی۔ [آیت ۱۱]
 ۱۱ دعوت جہاد پر فوراً لبیک کہیں۔ [آیت ۱۵]
 ۱۲ اطاعت امیر۔ [آیت ۲۰]
 ۱۳ شکر گزاری۔ [آیت ۲۶]
 ۱۴ مال و اولاد کی قربانی دیں۔ [آیت ۲۸]
 ۱۵ نہی عن المنکر۔ [آیت ۲۷]
 ۱۶ کافروں کی طاقت کو توڑنے کا جنون سر پر سوار رہے۔ [آیت ۳۹]
 ۱۷ اجتماع اموال کی شرعی تقسیم۔ [آیت ۴۱]
 ۱۸ نزاع سے بچیں۔ [آیت ۴۶]
 ۱۹ صبر کریں۔ [آیت ۴۶]
 ۲۰ تکبر اور ریاء سے بچیں۔ [آیت ۴۷]
 ۲۱ مسلسل جہادی قوت اور عسکری تربیت کو بڑھاتے رہیں۔ [آیت ۶۰]
 ۲۲ حالات پر کڑی نظر رکھیں۔ [آیت ۶۱، ۶۲]
 ۲۳ دعوت جہاد۔ [آیت ۶۵]
 ۲۴ محب دنیا سے بچیں۔ [آیت ۶۷]
 ۲۵ قومیت، وطنیت، لسانیت کو بالائے طاق رکھ کر اسلامی رشتے کو ملحوظ رکھیں۔ [آیت ۷۲]

حضرت لاہوریؒ کی تحقیق

مولانا احمد علی لاہوریؒ نے ”سورۃ الأنفال“ کی روشنی میں درج ذیل تیرہ (۱۳) دفعاتِ جنگ بیان فرمائے ہیں اور لکھا ہے کہ دنیا کا کوئی قانون ان تیرہ (۱۳) دفعاتِ جنگ سے باہر نہیں جاسکتا۔

- ۱ صفِ قتال میں استقامت۔ [آیت ۱۵]
- ۲ میدانِ جنگ میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے مطیع رہو۔ [آیت ۲۰]
- ۳ اس کی اطاعت کو زندگی سمجھو۔ [آیت ۲۲]
- ۴ ادائے فرض میں خیانت نہ کرو۔ [آیت ۲۷]
- ۵ حصولِ فرقان کے لئے تقویٰ لازم ہے۔ [آیت ۲۹]
- ۶ غایتِ قتال (یعنی جہاد کا مقصد)۔ [آیت ۳۹]
- ۷ قانونِ تقسیمِ غنائم۔ [آیت ۴۱]
- ۸ میدانِ جنگ میں ذکرِ الہی کا تحفظ رہے۔ [آیت ۴۵]
- ۹ تلقینِ ترکِ تنازعہ (یعنی آپس میں نزاع اور جھگڑا نہ کرنے کی تلقین)۔ [آیت ۴۶]
- ۱۰ آلاتِ جنگ کی تیاری۔ [آیت ۶۰]
- ۱۱ اسلامِ مصالحت کے لئے ہر وقت تیار رہے۔ [آیت ۶۱]
- ۱۲ حکمِ تحریض علی القتال (یعنی جہاد پر ابھارنے کا حکم)۔ [آیت ۶۵]
- ۱۳ مقاصدِ سیاسیہ میں مسلمانوں کی فقط ان قوموں اور جماعتوں کا خیال رکھا جائے جو مرکز سے وابستہ ہیں۔ [آیت ۷۲]



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آیت ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

آپ سے غنیمت کا حکم پوچھتے ہیں کہہ دیجئے غنیمت کا مال اللہ تعالیٰ اور رسول کا ہے پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو

وَأَصْلَحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنْتُمْ

اور آپس میں صلح کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانو اگر

مُؤْمِنِينَ ①

ایمان والے ہو

خلاصہ

مال غنیمت کسی کا نہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تم اس مال سے بے غرض ہو جاؤ۔ تقویٰ اختیار کرو، آپس کے تعلقات اور معاملات درست رکھو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر عمل کرو۔ جن کے دلوں میں ایمان ہو وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔

فائدہ

غزوہ بدر میں خوب مال غنیمت ہاتھ آیا۔ مال غنیمت کی تقسیم کا کوئی دستور موجود نہیں تھا۔ ہجرت اور نصرت کے امتحانات سے کامیاب گذرنے والے تین سو تیرہ مجاہدین مال کی لالچ سے بہت دور تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے طالب تھے اسی لئے تو کم تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود مشرکین کے طاقتور لشکر سے ٹکرا گئے تھے۔ مگر پھر بھی مال غنیمت برکت والا مال تھا اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل اور اس کی غیبی نصرت سے ہاتھ آیا تھا۔ اس لئے تقسیم کے معاملہ پر کچھ اختلاف ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا کہ **اَلْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ** مال غنیمت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ یہ سنت ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توجہ پوری طرح سے اس مال سے ہٹ گئی اور وہ پہلے کی طرح بے غرض ہو گئے تب **وَاعْلَمُوا اَنَّ مَا غَنِمْتُمْ** کا قانون نازل فرما کر یہ مال ان کو لوٹا دیا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

اس آیت میں مجاہدین کرام کے لئے قیامت تک جہاد میں فتح اور کامیابی کا نصاب بیان فرمادیا گیا ہے۔ یہ پانچ نکاتی نصاب دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی کا ضامن ہے۔ اور اس نصاب پر عمل کرنے والے مجاہدین ہمیشہ فتح

اور غلبہ حاصل کرتے ہیں اور کامیاب رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اعلان فرمایا ہے **وَأَنْتُمْ أَكْثَرُ جَعَلُونَ** **إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ مَوَاطِنَ** کہ غلبہ تمہارے لئے ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ اور اس آیت میں وہ پانچ کام بتائے گئے ہیں جو ایمان کے تقاضے ہیں ❶ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ❷ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ❸ تقویٰ ❹ آپس کے معاملات اور تعلقات کی درستگی ❺ جہاد سے کوئی دنیاوی غرض نہ رکھنا۔

پس جس مجاہد میں اور جس جہادی جماعت میں یہ پانچ امور ہونگے وہ غزوہ بدر کی ترتیب پر آجائے گی۔ اور اللہ پاک کی مدد اور نصرت کی مستحق ہو جائے گی اور جو لشکر ان پانچ صفات سے مالا مال ہوگا اس کے سامنے دنیا کی کفریہ شیطانی طاقتیں نہیں ٹھہر سکیں گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

انوال وحوالے

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْإِنْفَالِ : ❶ ای کیف مصر فہا ومن المستحق لها۔ (تفسیر الکبیر)

وہ آپ سے غنیمت کا حکم پوچھتے ہیں کہ ان کا مصرف کیا ہے اور کون ان کا مستحق ہے؟

❷ ای الغنائم لمن ہی۔ (جلالین)

یعنی غنیمتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ یہ کس کی ہیں (کس کو ملیں گی)۔

❸ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْإِنْفَالِ ای من الانفال والمراد من هذا السؤال الاستعطاء۔ (تفسیر الکبیر)

یعنی وہ آپ سے مال غنیمت میں سے حصہ مانگتے ہیں۔ اور سوال سے مراد مانگنا ہے پوچھنا نہیں (یعنی عن من کے معنی میں ہے)

پوچھنے والے کون تھے؟

وہم اقوام من الصحابة (التفسیر الکبیر)

یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگ تھے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ یہ روایت لائے ہیں:

عن ابی امامۃ الباہلی قال سئلت عبادۃ بن الصامت عن الانفال فقال:

فینما معشر اصحاب بدر نزلت حین اختلفنا فی النفل وساءت فیہ اخلاقنا فنزعہ اللہ من

ایدینا وجعلہ الی الرسول فقسّمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بواء (قرطبی)

یعنی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہم ”اصحاب بدر“ کے بارے میں نازل ہوئی

جب ہم نے مال غنیمت میں اختلاف کیا اور ہمارے اخلاق پر اس کا برا اثر پڑا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہمارے ہاتھوں

سے لے لیا اور اپنے رسول کے حوالے کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برابر تقسیم فرمادیا۔

تفسیر جلالین میں ہے:

لما اختلف المسلمون في غنائم بدر فقال الشبان هي لنا لأننا باشرنا القتال وقال
الشيوخ كنا رداً لكم تحت الرايات ولو انكشتم لفئتم اليانا فلا تستأثروا بها نزل: يَسْكُونُكَ
يا محمد عَنِ الْاَنْفَالِ (جلالین)

جب مسلمانوں میں بدر کے مال غنیمت کے بارے میں اختلاف ہوا اور جوان کہنے لگے ہم نے جنگ لڑی ہے یہ
ہمیں ملنا چاہئے اور بزرگوں نے کہا ہم تمہارے پیچھے جھنڈوں کے نیچے تمہارے پشت و پناہ تھے اگر تم پسپا ہوتے تو
ہمارے پاس پناہ لیتے اس لئے خود کو ہم پر اس کے بارے میں ترجیح نہ دو۔

فائدہ

بے سرو سامانی کے عالم میں مسلمانوں کو عجیب فتح ملی تھی، آسمان سے حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کے
ساتھ جنگ میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے، سرزمین حجاز کے طاقتور مشرک لاشوں کے ڈھیر میں دبے پڑے
تھے، ستر قیدی مسلمانوں کے قبضے میں تھے، مظلوم مسلمانوں کے لئے عجیب خوشی کا عالم تھا بس اسی خوشی میں تھوڑی دیر
کے لئے اختلاف کی کیفیت پیدا ہوئی تو وحی کا دروازہ کھلا اور سمجھا دیا گیا کہ جس ایمان، جس اطاعت، جس
تقوے، جس باہمی اتفاق اور جس بے غرضی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فتح دی ہے وہ قائم رکھو اور اپنی نظروں کا مال
غنیمت پر نہیں اللہ تعالیٰ کی اونچی جنت، اس کی مغفرت اور آخرت کے عزت والے رزق پر رکھو۔ تم دنیا سے بے
غرض ہو کر میدان شہادت میں کووے تو تمہیں فتح بھی ملی اور مال کے انبار بھی۔ پس اخلاص اور دنیا سے اپنی بے غرضی
والی وہ کیفیت برقرار رکھو جو بندہ مومن کو اللہ تعالیٰ کی نصرت کا حقدار بنا دیتی ہے۔ اور اہل ایمان کو فتح تو اللہ تعالیٰ کی
نصرت ہی سے ملتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

جنگ میں بعضے آگے بڑھے اور بعضے پشت پر رہے۔ جب غنیمت جمع ہوئی بڑھنے والوں نے کہا یہ حق ہمارا ہے کہ
فتح ہم نے کی اور پشتی والوں نے کہا تم ہماری قوت سے لڑے حق تعالیٰ نے دونوں کو خاموش کیا کہ فتح اللہ تعالیٰ کی مدد
سے ہے۔ زور کسی کا پیش نہیں جاتا (یعنی کام نہیں آتا)۔

سو مالک مال کا اللہ ہے اور نائب اس کا رسول ہے پھر آگے بہت دور تک یہی بیان فرمایا کہ فتح اللہ کی مدد سے ہے
اپنی قوت سے نہ سمجھو۔ (موضح القرآن)

مجاہدین کی زبردست اصلاح

قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ آپ فرما دیجئے غنیمت کا مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ہے۔

”اور وہی دونوں (یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم) مالک و مختار ہیں کہ جس طرح بھی چاہیں ان کی تقسیم کا
حکم جاری کر دیں۔ اس میں تردید آگئی اس خیال کی کہ مال غنیمت اصلی حق غازیوں، مجاہدوں اور لشکر اسلامی کے

سپاہیوں کا ہے۔ ان سے وعدہ تو اجر آخرت کا ہے، ان کا صلہ موعود تو صرف جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال ہرگز ہرگز اس نیت سے نہ کریں کہ مال غنیمت کے وہ مالک و متصرف ہوں گے۔ دنیا میں ظہور اسلام سے قبل بھی بڑی بڑی متمدن و مہذب پر قوت و شوکت سلطنتیں موجود تھیں، عظیم الشان جنگیں بھی آپس میں ہو چکی تھیں اور ہوتی رہتی تھیں مصر، ہند، ایران، یونان، رومہ سب میں بڑے بڑے سیاسی اور معاشی مفکرین پیدا ہو چکے تھے، جنہوں نے غنائم جنگ سے متعلق بھی مختلف نظریے رواج دے رکھے تھے قرآن مجید نے آ کر دنیا میں پہلی بار ان سارے نظریات کو چیلنج کر دیا اور بتلایا کہ مال غنیمت نہ بادشاہ کی ملک ہے، نہ فوج کے افسروں اور سپاہیوں کی، اور نہ ملک و قوم کی بلکہ اصلاً و حقیقتاً صرف اللہ تعالیٰ کی ملک ہے!۔ سپاہیوں اور مجاہدوں میں اخلاص کامل پیدا کرنے کی کوئی صورت اس سے بڑھ کر نہیں۔ (تفسیر ماجدی)

اسلامی معیشت کا اہم اصول

﴿سوال کا جواب کتنا بلیغ و حکیمانہ ملا، کہ اس (مال غنیمت) کا بھی مالک وہی ہے جو جان اور مال ہر چیز کا مالک ہے، گویا یہ ارشاد ہوا کہ جس طرح ربوبیت اس ذات پاک کی صفت خاصہ ہے، مالکیت بھی تمام تر اسی کا وصف مخصوص ہے، ہر جان کا مالک بھی وہی، ہر مال کا مالک بھی وہی، اسلامی نظام حکومت میں قانون اسی کا، اقتدار اعلیٰ اسی کا، زمین اسی کی، اور ٹھیک اسی طرح دشمن سے حاصل کیا ہوا ہر مال بھی اسی کا!۔ اسی کو اختیار ہے کہ تقسیم کا حکم جس طرح چاہے دے یا جو کچھ چاہے کرے۔ (تفسیر ماجدی)

خلاصہ یہ ہوا کہ مجاہد کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دین کے غلبے کے لئے جہاد کرے اور روزی، روٹی کا مسئلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ مال کا مالک اللہ تعالیٰ کو سمجھے، اور اپنی نیت کو پاک رکھے۔ اور جو مال مل جائے اس کے بارے میں بھی یہی یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا رزاق مانے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مال کا اصل مالک اور اپنی روزی کا اصل ذریعہ نہ سمجھے۔ گویا ایک لفظ میں مجاہد کی نیت بھی ٹھیک کر دی گئی اور اس کا نظریہ بھی درست کر دیا گیا۔

جب نیت ٹھیک ہوئی تو اخلاص پیدا ہوا اور جب مال کے بارے میں نظریہ درست ہوا تو پھر تمام مخلوق سے مستغنی اور بے پرواہ اور روزی کے بارے میں بے فکر ہو گیا۔ بے شک ایسا مخلص، بے غرض اور بے فکر مجاہد ہی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے پوری دنیا کے کفر کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

تقویٰ اور جہاد

پھر حکم دیا گیا کہ ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تقویٰ اختیار کرو۔ یعنی ایمان کو دل میں اتارو اور اس کے تقاضوں پر عمل کرو۔ اور جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے بچو۔ تم اپنے دل پر اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں زمین کی خلافت عطا فرمائے گا۔ تم اللہ تعالیٰ کی خاطر گناہ اور نافرمانیاں چھوڑو گے تو وہ تم پر

اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دے گا۔ تم اس کی خاطر خود پر پابندیاں عائد کرو گے تو وہ اپنی نصرت نازل فرما کر تمہیں آزادی اور غلبہ عطا فرمادے گا۔ جہاد میں اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہونے کے لئے ایمان کا ہونا ضروری ہے اور ایمان کی حفاظت کے لئے تقویٰ کا ہونا ضروری ہے۔ اور تقویٰ ہی کسی جنگ کو جہاد بناتا ہے۔ حضرت دریا بادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فَاتَّقُوا اللَّهَ میں سارے حقوق اللہ کی نگہداشت آگئی۔ جنگ کا شعبہ بظاہر تمام تر دنیوی و مادی نظر آتا ہے۔ لیکن قرآن مجید نے دیکھئے اسے کس کس کر، اور اس پر ہر طرف سے کس قدر قیدیں لگا کر اسے سو فی صدی ایک شعبہ دین و روحانیت ہی کا بنادیا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

تقویٰ کا ایک عجیب معنی

ویسے تو جہاد میں ہر قدم پر تقویٰ لازمی ہے، تاکہ کسی بھی موقع پر اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محرومی نہ ہو، اور جہادی طاقت کا غلط استعمال نہ ہو۔ مگر یہاں جس تقویٰ کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے اس کا تعلق مجاہدین کے باہمی معاملات سے ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو اور اختلاف سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے امیر کی اطاعت کرو۔ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ أُمِرَ بِالْتَّقْوَىٰ وَالْإِصْلَاحِ، اٰی كُونُوا مَجْتَمِعِينَ عَلَىٰ اَمْرِ اللّٰهِ فِی الدَّعَا: اللّٰهُمَّ اَصْلِحْ ذَاتَ الْبَيْنِ، اٰی الْحَالِ التِّیْ یَقَعُ بَهَا الْاجْتِمَاعُ فَدَلَّ هَذَا عَلَى التَّصْرِیْحِ بِاَنَّهُ شَجَرٌ بَيْنَهُمْ اِخْتِلَافٌ وَاُمَالَتْ النُّفُوسُ اِلَى التَّشَاحِ: (القرطبی)

گویا کہ مجاہدین میں باہمی اتفاق تقویٰ اور اطاعت ہی سے پیدا ہو سکتا ہے۔ اور جہاد میں باہمی اتفاق و الفت کا ہونا لازم ہے۔ صاحب کشف لکھتے ہیں:

فاتقوا الله في الاختلاف والتخاصم، وكونوا متآخين في الله. یعنی آپس میں اختلاف کرنے اور جھگڑا کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں متحد ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی خاطر بھائی بھائی بن جاؤ۔ (کشف)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

معناه فاتقوا عقاب الله ولا تقدموا على معصية الله واتركوا المنازعة والمخاصمة بسبب هذه الأموال، وارضوا بما حكم به رسول الله صلى الله عليه وسلم.

یعنی اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے ڈرو اور اس کی نافرمانی نہ کرو اور آپس میں ان اموال کی وجہ سے نزاع اور جھگڑا نہ کرو۔ اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ فرمادیں اس پر راضی رہو۔ (التفسیر الکبیر)

امام ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وأمرهم بالتقوى ليزول عنهم التخاصم.

اور اللہ تعالیٰ نے انہیں تقویٰ کا حکم دیا تاکہ ان کا باہمی جھگڑا ختم ہو جائے۔ (البحر المحیط)

جہاد کے لئے بڑا خطرہ

سورۃ انفال مسلمانوں کی جہادی تربیت کرتی ہے اور انہیں فتح اور غلبے کے طریقے سکھاتی ہے۔ پہلے جملے نے مجاہد کی نیت کو درست کر دیا اور اس کے دل سے تمام دنیوی اغراض نکال کر اسے اللہ تعالیٰ کا فدا کی سپاہی بنا دیا۔ معلوم ہوا کہ جہاد کے لئے خطرناک ترین چیز مال کی محبت ہے مال کی محبت اول تو مسلمانوں کو جہاد میں آنے ہی نہیں دیتی اور اگر جہاد کرنے والوں کے دل میں یہ پیدا ہو جائے تو انہیں ناکامی کی طرف پھینک دیتی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ **قُلِ الْاِنْفَالُ لِلّٰهِ وَالنَّشْوَلِ** پھر اکثر مال ہی کی وجہ سے مجاہدین میں اختلاف اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے، جس طرح غزوہ بدر میں ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی سزا سے ڈرا کر اور تقویٰ کا حکم دے کر مجاہدین کی جماعت کو اس جھگڑے سے بچا دیا جو مال کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

صاحب مدارک بھی یہی لکھتے ہیں:

فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي الاختلاف والتخاصم وكونوا متآخين في الله. (المدارك)

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ پہلے جملے **قُلِ الْاِنْفَالُ لِلّٰهِ وَالنَّشْوَلِ** نے مجاہدین کو خلاص سکھایا اور دوسرے جملے **فَاتَّقُوا اللَّهَ** نے انہیں تقویٰ سکھایا۔ یوں نیت بھی ٹھیک ہوگئی اور اجتماعیت بھی بچ گئی۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں فاتقوه سبحانه وتعالى واجتنبوا ما انتم فيه من المشاجرة فيها والاختلاف الموجب لشق العصاء وسخطه تعالى۔

یعنی اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ڈرو اور مال غنیمت کے بارے میں اس جھگڑے اور اختلاف کو چھوڑ دو جو تمہاری قوت کے ٹوٹنے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے کا ذریعہ ہے۔ (روح المعانی)

تقویٰ کے عجیب فوائد

تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ اور اس کے کیا کیا فوائد قرآن پاک میں مذکور ہیں؟ اور تقویٰ کس طرح سے حاصل ہوتا ہے؟ ان سوالات کے جوابات معلوم کرنے کے لئے مطالعہ فرمائیں کتاب یہود کی چالیس بیماریاں ص ۱۵۴۔

مجاہدین کے باہمی تعلقات

ارشاد فرمایا **وَاصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ** یعنی آپس کے تعلقات اور معاملات کو درست کرو۔

① امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یعنی مابینکم من الاحوال التي تكون احوال الفة ومحبة واتفاق۔ اپنے باہمی حالات کو ٹھیک کرو یعنی آپس میں الفت، محبت اور اتفاق والے حالات بناؤ۔ (المدارک)

② **وَاصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ** یعنی آپس کے سابقہ (تعلقات اور معاملات) کو ایسا سنبھالو، سنوارو کہ باہمی

رشتہ و مسابقت (یعنی حسد اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے) کا نام نشان نہ رہے اور بندوں کے حقوق پوری طرح ادا کرو۔ (تفسیر ماجدی)

۳۔ مراد زبان کی حفاظت ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقال السدي فَأَتَقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ اى لاتستبوا.

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا نہ کہو گالیاں نہ دو۔ (ابن کثیر)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ من الاقوال۔ یعنی آپس کے اقوال اور باتوں کو درست کرو۔ (تفسیر کبیر)

۴۔ ہر طرح کے جھگڑوں سے بچو۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ولا تظالموا ولا تخاصموا ولا تشاجروا.

یعنی آپس میں تعلقات درست رکھو ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو، ایک دوسرے سے جھگڑا نہ کرو اور آپس میں نزاع نہ کرو۔ (تفسیر ابن کثیر)

آپس میں صلح و آشتی سے رہیں اور ذرا ذرا سی بات پر جھگڑے نہ ڈالیں۔ (تفسیر عثمانی)

۵۔ کئی مفسرین حضرات نے وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ مال غنیمت پر جو اختلاف اور کچھ کھینچا تانی ہو گئی تھی اب آپس میں صلح کر کے اور لیا ہوا مال واپس کر کے اس کی تلافی کرو۔ یعنی اختلافات اور جھگڑے کے اثرات تک کو ختم کر دو۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وعن عطاء كان الاصلاح بينهم أن دعاهم رسول الله صلى الله عليه وسلم

وقال: اقسموا غنائمكم بالعدل: فقالوا: قد أكلنا و انفقنا، فقال عليه الصلوة والسلام:

ليرد بعضكم على بعض۔ (روح المعانی)

خلاصہ مضمون

جہاد میں کامیابی کے لئے جماعت اور لشکر کا باہم متفق ہونا اور متحد ہونا ضروری ہے اور اگر اتفاق کے ساتھ ساتھ ان کے درمیان الفت اور محبت بھی ہو تو ایسے لشکر اور جماعت کی قوت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ جبکہ آپس میں اختلافات اور نزاع کی وجہ سے ہوا اکھڑ جاتی ہے اور قوت ٹوٹ جاتی ہے۔ جماعت میں اکثر اختلاف مال کی وجہ سے ہوتا

ہے تو قُلْ اَلْاِنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّهْطُوں فرما کر مجاہد کی توجہ مال سے بالکل ہٹا دی گئی۔ اختلاف کی دوسری وجہ نفس پرستی ہے تو تقویٰ کا حکم دے کر نفس امارہ کی پیروی سے روک دیا گیا۔ اور پھر صراحت کے ساتھ فرمایا گیا کہ آپس کے معاملات اور تعلقات کو درست رکھو اور ماضی میں کوئی رخنہ ان تعلقات میں پیدا ہو گیا ہو تو اس کی تلافی کر لو۔ اور آپس کے اختلافات اور جھگڑے کو تقویت زبان کے غلط استعمال کی وجہ سے ملتی ہے۔ جھوٹ، غیبت، چغیل خوری، طعنہ زنی، گالیاں اور گستاخی یہ سب کچھ زبان ہی سے ہوتا ہے۔ اور جماعت کی اجتماعیت کو توڑ دیتا ہے۔ اسلئے اپنی زبانوں کو درست کرو اور شریعت کے مطابق بناؤ۔ جب ایک دوسرے کی غیبت نہیں ہوگی، طعنہ زنی اور عیب گوئی نہیں ہوگی، ایک دوسرے پر فضول نکتہ چینی نہیں ہوگی، جھوٹ نہیں ہوگا، چغیل خوری نہیں ہوگی، گالیوں اور گستاخانہ جملوں کا تبادلہ نہیں ہوگا اور ایک دوسرے پر بہتان تراشی نہیں ہوگی تو جماعت کو کتنی قوت اور تقویت ملے گی اور آپس کے تعلقات میں کتنی الفت، محبت، اور یگانگت پیدا ہوگی؟ بے شک ایثار و ہمدردی کا ماحول پیدا ہو جائے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تنبیہ

یہ احکامات تمام مسلمانوں کے لئے ہیں اور مجاہدین کے لئے خصوصاً۔
صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

خیال کر لیا جائے، سورۃ جہاد و قتال کی ہے اور ان کے احکام ابھی آگے آرہے ہیں باوجود اس کے سورۃ کا آغاز کن عنوانات سے ہوتا ہے؟ تقویٰ الہی، سعی اصلاح، اطاعتِ خدا و رسول، پختگی ایمان وغیرہ سے، ایسے باخدا اور سرتاپا عبودیت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے مجاہدین سے کوئی بھی نسبت، قومی و نسلی منافرت میں گرفتار، وطنی تعصب کے بحران میں مبتلا یا پھر ذاتی حرص، ہوس اور نفس پرستی کی آگ میں جلتے ہوئے جباروں، کشور کشاؤں، ملک گیروں کو ہو سکتی ہے؟

کوئی نسبت بھی ان آنکھوں سے ہے پیانہ کو!

دنیا کی موجودہ متمدن اور سیکولر حکومتوں کو کوئی تصور بھی ان روحانی بلند یوں کا ہو سکتا ہے! (تفسیر ماجدی)

زبان کی حفاظت کے نسخے

زبان کی حفاظت کس قدر ضروری ہے؟ یہ حفاظت کس طرح سے ممکن ہے؟ اور اس میں کتنے عجیب فوائد ہیں؟
زبان کی حفاظت کا پورا نصاب سمجھنے کیلئے ملاحظہ فرمائیں کتاب (یہودی چالیس بیماریاں ص ۳۰۷)

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

آگے ارشاد فرمایا: **وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ** یعنی اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

۱) فی کل مایا أمر به وینہی عنه فان فی ذلک مصالح لا تعلمونہا انما یعلمہا اللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو ان تمام چیزوں میں جن کا وہ حکم دیں اور جن سے وہ روکیں، کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں جو حکمتیں (اور فائدے) ہوتے ہیں ان کو تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں۔ (روح المعانی)

۲) فیما امرتم بہ من الغنائم وغیرہا۔ مال غنیمت ہو یا اور معاملات تم ان میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ (المدارک)

جہاد اور اطاعت

یہ اطاعت ہی ایمان کا معیار ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اصلائے کہ وہی حاکم مطلق ہے اور رسول کی نیابت کہ وہی احکام الہی کا لانے والا اور ان کی پوری شرح و توضیح کرنے والا ہے۔ ان الفاظ سے توجہ اس طرف بھی دلا دی کہ طالب بہر صورت آخرت کے رہو، نہ یہ کہ دنیا کی حرص میں مبتلا ہو کر اپنی رائے و تجویز سے مال غنیمت کے حصے بخرے کرنے لگو۔ اور یہ اطاعت خدا اور رسول صرف مسئلہ جہاد و قتال و تقسیم غنائم تک محدود نہیں بلکہ چھوٹے بڑے ہر مسئلہ تک اس کا دائرہ وسیع ہے۔ (تفسیر ماجدی)

خلاصہ مضمون

حکم دیا گیا کہ غنیمت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو، خوب تقویٰ اختیار کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو۔ اور آپس کے معاملات اور تعلقات کو درست رکھو۔ یہ سب کچھ آسان تو نہیں ہے۔ آخر انسان کو روزی کی ضرورت رہتی ہے۔ تقویٰ بھی آسان نہیں اور ہر قوم کے ہاں تقویٰ کا الگ معیار ہے، تو کس چیز سے بچیں اور کس کو کریں تو سچا تقویٰ ہوگا؟ آپس میں اختلاف سے بچنا اور معاملات کو محبت پر قائم رکھنا بھی آسان نہیں ہر انسان کا مزاج الگ، رائے الگ اور جذبات الگ ہوتے ہیں۔ ان تمام کے جواب میں فرمایا گیا کہ اپنی رائے اپنی عقل اور اپنے مزاج کو ایک طرف رکھ دو اور خود کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے حوالے کر دو۔ وہ جس کام کو کرنے کا کہیں اس کو کر لو اور جس کو چھوڑنے کا فرمائیں اس کو چھوڑ دو۔ وہ جس چیز کو اچھا کہیں اس کو اچھا سمجھو اور وہ جس کو برا بتائیں اسے برا سمجھو۔ تب مال سے توجہ ہٹانا بھی آسان، روزی کا مسئلہ بھی آسان، اخلاص کا پیدا ہونا بھی آسان، تقویٰ اختیار کرنا بھی آسان اور آپس میں نہ جھگڑنا اور معاملات کو درست رکھنا بھی آسان۔ یعنی اپنے اندر فرمانبرداری کا جذبہ اس طرح بھرو کہ وہ تمہارا عقیدہ بن جائے تب تمہارے لئے سب کچھ آسان ہو جائے گا۔ فوج میں بھرتی ہونے والے افراد اپنے افسر کی فرمانبرداری کو اپنی ذمہ داری سمجھ لیتے ہیں تب وہ بے عقل مشین کی طرح ہر حکم ماننے ہیں۔ اور ہر مشقت برداشت کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر مسلمان مجاہد اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی سب سے اہم ذمہ داری سمجھ لے تو پھر اس کے لئے ہر حکم پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔ اور شریعت اس کا مزاج اور اطاعت اس کی

خوشی بن جائے گی۔ جماعت میں جب بھی اختلاف ہوگا شریعت اس کا فیصلہ کر دے گی اور سب اپنا سر جھکا دیں گے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں مسلمانوں کا شرعی امیر، شریعت کے مطابق فیصلہ کر دے گا اور جماعت دوبارہ ایک جان ہو جائے گی۔ یوں اس سورۃ مبارکہ کی پہلی آیت نے ہی مجاہدین کو مخلص، بے غرض سپاہی اور نظم و ضبط کا پابند بنادیا۔ اور ان کی جماعت کو باہمی نزاع، جھگڑے اور ٹوٹ پھوٹ سے بچادیا۔ کیا کسی جماعت کے لئے غلبے اور فتح کے اس سے بہتر کوئی نسخہ، قانون، طریقے، اور گروہ ہو سکتے ہیں؟ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان پر عمل فرمایا اور پوری دنیا پر دین کو غالب کر دیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایمان کامل

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْإِيمَانَ - (الممدارک)

یعنی ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اگر تم کامل ایمان والے ہو۔ یعنی مسلمان جس قدر اطاعت میں بڑھتا چلا جاتا ہے اسی قدر اس کے ایمان کی کیفیات بلند ہوتی چلی جاتی ہیں اور اس کے ایمان کی جڑیں دل میں مضبوط تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اس میں مسلمانوں کو یاد دلایا گیا کہ تم ایمان والے ہو اس لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تمہاری اولین ذمہ داری ہے۔ پس اس سے یہ سبق بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ مجاہدین میں اور عام مسلمانوں میں جب کوئی خرابی پیدا ہو۔ اور کوئی نافرمانی ان میں آجائے تو ان کو یاد دلایا جائے کہ تم نے تو ایمان کا دعویٰ کیا ہوا ہے۔ اور ایمان دنیا کی سب سے بڑی نعمت اور بہت بڑا عہدہ ہے پس اس نعمت اور عہدے کی لاج رکھو اور اس کی حفاظت کرو۔ اور اس کی کیفیات میں ہر لمحہ ترقی کی کوشش کرو۔ اس لئے کہ آخرت کی ہر نعمت ایمان پر موقوف ہے اور آئندہ آنے والی تمام منزلوں میں کوئی عمل بغیر ایمان کے کام نہیں آئے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ اِنْ مَكَانَتْ يَوْمَ آيَةِ ۲۴۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجَلَتْ قُلُوبُهُمْ وَاِذَا

ایمان والے وہی ہیں جب اللہ تعالیٰ کا نام آئے تو ان کے دل ڈر جائیں اور جب

تَلِيَتْ عَلَيْهِمُ اٰيَتُهُ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ

اس کی آیتیں ان پر پڑھی جائیں تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ وہ جو

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وِمِمَّا رَزَقْنَهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ

نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی سچے ایمان والے

حَقًّا لَهُمْ دَرَجَتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

ہیں ان کے رب کے ہاں ان کے لئے درجے ہیں اور بخشش ہے اور عزت کا رزق ہے

خلاصہ

جن کا ایمان حقیقی۔ اور سچا ہوتا ہے ان میں یہ پانچ صفات ہوتی ہیں:

۱۔ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل محبت اور عظمت کی وجہ سے کانپ اٹھتے ہیں۔

۲۔ جب ان کے سامنے قرآن پاک کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان مستحکم ہو جاتا ہے۔

۳۔ وہ ہر کام میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں۔

۴۔ وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں۔

۵۔ اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔

ایسے حقیقی اور سچے ایمان والے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ یہ تین انعامات عطا فرماتے ہیں:

۱۔ اپنے قرب کے اونچے اونچے درجے۔

۲۔ مغفرت یعنی بخشش۔

۳۔ اور عزت والی روزی۔

فائدہ

ایک مسلمان جس مقصد کے لئے جہاد میں نکلتا ہے اس مقصد کو اپنے دل، مال اور جسم پر نافذ کر کے نکلے تب وہ

اپنے جہاد میں سچا ہوگا اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت، فتح اور غلبے کے تمام راستے کھل جائیں گے۔

اپنے ایمان اور مقصد میں سچا ہونے کا یہ نصاب پانچ نکات پر مشتمل ہے:

۱ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ہو۔

۲ وہ کتاب اللہ سے رہنمائی لیتا ہو۔

۳ اس کی پوری نظر اور پورا اعتماد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ پر ہو۔ اپنے معاملات غیر اللہ کے سپرد نہ کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی سے امید رکھتا ہو اور نہ کسی سے ڈرتا ہو۔

۴ اس کی تمام بدنی عبادتیں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں۔

۵ اس کی تمام مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں۔

گویا یوں کہا جائے کہ اس کے دل پر حکومت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو، رہنمائی صرف اللہ تعالیٰ سے لیتا ہو، بھروسہ اور اعتماد صرف اللہ تعالیٰ پر رکھتا ہو، عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرتا ہو اور مال کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قربان کرتا ہو۔
یوں کہا جائے کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے بھرا ہوا ہو۔ یہ کیفیت نصیب ہوگی کتاب اللہ کے ساتھ بھرپور تعلق سے۔ اور کتاب اللہ سے تعلق تب نصیب ہوگا جب مادی اسباب سے نظر ہٹا کر صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے گا۔ اور مادی اسباب سے نظر تہہ بٹے گی جب خشوع والی نماز اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں بھرپور خرچ کرنے کا پورا پورا اہتمام کرے گا۔ گویا یہ پانچوں چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ اور ہر ایک چیز دوسری چیزوں کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور خلاصہ ان تمام کا یہ ہے کہ بندہ مؤمن کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ٹھیک ہو جائے۔ یہ اپنا تعلق باللہ ٹھیک کر کے میدان جہاد میں اترے گا تو پوری دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دین کو غالب کرنے کے لئے اس سے مقبول کام لیا جائے گا جس طرح حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اسلاف امت سے لیا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

مجاہدین بدر میں یہ تمام صفات موجود تھیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت فرمائی، جبریل امین علیہ السلام ان کے ساتھ جہاد میں شرکت کے لئے زمین پر اترے، مشرکین کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ فتح کے بعد تھوڑی دیر کے لئے مال غنیمت کی طرف دھیان گیا تو نصیحت اور تنبیہ کے لئے انہیں یاد دہانی کرا دی گئی۔
امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

وقال ابن عباس: هذا تحریج من اللہ ورسوله ان يتقوا ويصلحوا ذات بينهم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تنبیہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور آپس کے تعلقات کی اصلاح کریں۔ (ابن کثیر)

اقوال وحوالے

إِذَا ذَكَرَ اللَّهُ وُجِدَتْ قُلُوبُهُمْ: جب اللہ تعالیٰ کا نام آئے تو ان کے دل ڈر جائیں۔

۱ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فأدوا فرائضه۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرائض ادا کرنے والے ہوں (کیونکہ منافقین کے دل اللہ تعالیٰ کی عظمت سے خالی تھے اس لئے وہ جب اکیلے ہوتے تھے تو فرائض ادا نہیں کرتے تھے اور جب لوگوں کے سامنے فرائض ادا کرتے تو اس میں ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے خالی رہتے تھے۔) (ابن کثیر رحمہ اللہ)

۲ امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فزعت لذكره استعظاما له و تهيبا من جلاله وعزه وسلطانه۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت ان کے دل ڈر جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اعتراف میں، اور اس کے جلال، عزت اور سلطنت کے رعب سے۔ (المدارک)

۳ جب خدا کا نام درمیان میں آجائے ہیبت و خوف سے کانپ اٹھیں۔ (تفسیر عثمانی)

۴ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وروى سفيان عن السدي في قوله جل وعز الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ قال: اذا اراد ان يظلم مظلومة قيل له اتق الله كف ووجل قلبه۔ (القرطبی)

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ کسی ظلم یا گناہ کا ارادہ کرے اور کوئی اسے کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو وہ باز آجائے اور اس کا دل ڈر جائے۔

۵ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمراد ان المومن انما يكون مؤمنا اذا كان خائفا من الله۔

یعنی مراد یہ ہے کہ مومن اسی وقت حقیقی مومن ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو۔ کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:

الخوف على قسمين: خوف العقاب، وخوف العظمة والجلال۔ اما خوف العقاب فهو للعصاة واما خوف الجلال والعظمة فهو لا يزول عن قلب أحد من المخلوقين سواء كان ملکا مقربا أو نبيا مرسلًا۔

یعنی خوف کی دو قسمیں ہیں: ۱ سزا کا خوف ۲ عظمت اور جلال کا خوف۔ جہاں تک سزا کے خوف کا تعلق ہے تو وہ گناہگاروں کے لئے ہے باقی رہا عظمت اور جلال کا خوف (اور رعب) تو وہ مخلوق میں سے کسی کے دل سے ختم نہیں ہوتا خواہ کوئی مقرب فرشتہ ہو یا اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا کوئی نبی۔ (التفسیر الکبیر)

خلاصہ مضمون

ان چند حوالوں سے اللہ تعالیٰ کے خوف کی کیفیت سمجھ آ گئی کہ یہ خوف وہ نہیں جو سانپ یا شیر سے ہوتا ہے بلکہ یہ خوف محبت، احسان مندی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا خوف اور رعب ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور نہیں بلکہ اور قریب کر دیتا ہے۔ جہاد کے دوران مجاہدین کے لئے اللہ تعالیٰ کے خوف کی اہمیت بے حد زیادہ ہے اسی لئے پانچ صفات میں سے سب سے پہلے اسی کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ مجاہد کے دل میں اگر اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہو تو اس کا جہاد کسی بھی لمحے عام جنگجوؤں کی لڑائی کی طرح فساد بن سکتا ہے۔ اگر اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہوگا تو یقیناً غیر اللہ کا خوف بھر جائے گا تب اس کی قوت کمزور پڑ جائے گی۔ جہاد کے دوران جب فتح ملتی ہے تب اگر دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہو تو قدم تیزی سے ظلم اور گناہ کی طرف بڑھتے ہیں۔ جہاد میں اگر شکست ہو جائے تب اگر اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں نہ ہو تو گردنیں کافروں کے سامنے جھک جاتی ہیں اور مایوسی ذلت میں ڈال دیتی ہے۔ مجاہد کو دشمنان اسلام کی طرف سے ہر وقت دنیا کی چمک اور شہوات کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ جہاد چھوڑ دے ان حالات میں صرف اللہ تعالیٰ کی غیر مشروط محبت، عظمت اور اس کا خوف ہی اسے شراب و شباب اور گناہوں کی ذلت و عذاب سے بچا سکتا ہے۔

مجاہد ساری دنیا پر اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے نکلتا ہے۔ اگر خود اس کا دل اللہ تعالیٰ کی عظمت سے خالی ہو تو وہ کس طرح سے اعلاء کلمۃ اللہ کا مقصد حاصل کر سکتا ہے۔ جہاد میں اکثر اموال کے ڈھیر ہر وقت مجاہد کے ارد گرد رہتے ہیں۔

یہ اجتماعی اموال کسی بھی وقت اسے خیانت کی طرف کھینچ سکتے ہیں، صرف اللہ تعالیٰ کا خوف ہی اسے اس خطرناک گناہ سے بچا سکتا ہے۔ جہاد میں بعض اوقات فقر و فاقہ، آزمائش، قید و بند اور دوسری تکلیفیں آتی ہیں۔ ایسی خوفناک تکلیفیں کہ اگر دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف نہ ہو تو انسان کو کافر بناویں۔ جہاد کے دوران اسلحہ ہاتھوں میں ہوتا ہے اور قوت انسان میں غرور پیدا کر دیتی ہے تب وہ اپنے اصل مقصد کو بھول کر اکڑنے لگتا ہے اور دین کی عزت کو بھلا کر ذاتی عزت کو مقصود بنالیتا ہے ایسے حالات میں صرف اللہ تعالیٰ کا خوف ہی اسے اسلحے کے صحیح استعمال کا پابند بنا سکتا ہے۔ جہاد میں دو کام بے حد ضروری ہیں ایک امیر کی اطاعت اور دوسرا اپنے ساتھیوں کے ساتھ تعلقات کو درست رکھنا۔ عملی میدان میں یہ دونوں کام بے حد مشکل اور نفس کش ہیں صرف اللہ تعالیٰ کا سچا خوف ہی انسان کو ان دو لازمی مگر مشکل کاموں کے نبھانے کی قوت دیتا ہے۔ فاتح مجاہد کے سامنے غنیمت کے ڈھیر، بے بس عورتیں، ماضی میں ظلم کرنے والے نہتے سپاہی اور شہروں کی پرکشش چیزیں ہوتی ہیں۔ اور شکست خوردہ مجاہد کے سامنے، ذلت، محکومیت، مذاکرات، دین چھوڑنے، جہاد چھوڑنے اور دب جانے کی دعوتیں ہوتی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی محبت، عظمت اور خوف دل میں نہ ہو تو مجاہد سے دونوں جگہ غلطی ہو سکتی ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کا خوف مجاہد کے لئے ایک لازمی صفت ہے۔ اور اس زمانے میں جبکہ مسلمانوں کے دلوں پر دشمنان اسلام کی جنگی قوت کا رعب مسلط ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی

عظمت اور قوت کا قلبی یقین ہی مسلمان کو کافروں کے رعب سے نجات دلا سکتا ہے اور انہیں میدانِ عمل میں لا کر کارآمد انسان بنا سکتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَإِذَا تُلِيَتَ عَلَيْهِمُ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا

۱ آیاتِ واحکامِ الہی سن کر ان کا ایمان و یقین زیادہ مضبوط ہوتا رہے۔ (تفسیر عثمانی)

۲ ازداد و ابھایا یقیناً و طمانینۃ یعنی قرآن پاک کی آیات سن کر ان کا یقین اور اطمینان بڑھ جاتا ہے۔ (المدارک)

خلاصہ مضمون

اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلال اور خوفِ دل میں پیدا کرنے کا ذریعہ قرآن پاک ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت، قرآن پاک کی سمجھ، قرآن پاک پر عمل، قرآن پاک سے مضبوط یقین و الاطلاق۔ انسان کے دل کو اللہ تعالیٰ سے جوڑ دیتا ہے۔ اور مجاہد کے لئے میدانِ جہاد میں ثابت قدمی اسی وقت ممکن ہے جب وہ قرآن پاک سے جڑا رہے اور قدم قدم پر قرآن پاک سے رہنمائی لیتا رہے۔ اور ہر آئے دن قرآن پاک کے ذریعے اپنے ایمان کو قوت اور تازگی بخشتا رہے۔ مجاہد جب تک قرآن پاک سے جڑا رہے گا تب تک جہاد اس کے لئے آسان اور ممکن رہے گا اور اس کا جہاد شریعت کے مطابق اور مضبوط رہے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ: اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

۱ یہ بیان ہو رہا ہے مومنین کے عملی کردار کا۔ مومنین مجاہدین کا اصل بھروسہ اپنے سامانِ جنگ پر اپنے چمچاتے ہوئے ہتھیاروں پر، اپنی شاندار کٹیغیوں اور وردیوں پر نہیں ہوتا ہے، بلکہ پروردگار ہی پر ہوتا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

۲ امام نفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ وَلَا يَفُوضُونَ أُمُورَهُمْ إِلَىٰ غَيْرِ رَبِّهِمْ لَا يَخْشَوْنَ وَلَا يَرْجُونَ إِلَّا إِيَّاهُ۔ (المدارک)

یعنی اپنے رب ہی پر اعتماد رکھتے ہیں اور اپنے معاملات اپنے رب کے علاوہ کسی کے سپرد نہیں کرتے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرتے ہیں اور صرف اسی سے ہی امید رکھتے ہیں۔

۳ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أَيُّ لَا يَرْجُونَ سِوَاهُ وَلَا يَقْصِدُونَ إِلَّا إِيَّاهُ وَلَا يَلْذَنُونَ إِلَّا بِجَنَابِهِ وَلَا يَطْلُبُونَ الْحَوَائِجَ إِلَّا مِنْهُ وَلَا يَرْغَبُونَ إِلَّا إِلَيْهِ، وَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ مَاشَاءُ كَانُ، وَمَالٌ يَشَاءُ لَمْ يَكُنْ، وَأَنَّهُ الْمَتَصَرِّفُ فِي الْمَلِكِ۔ وَحَدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَلَا مَعْقِبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے امیدیں وابستہ نہیں کرتے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا قصد نہیں کرتے، اور صرف اللہ تعالیٰ کے حضور ہی پناہ لیتے ہیں اور صرف اُسی سے اپنی ضروریات کا سوال کرتے ہیں اور صرف اسی کی طرف راغب رہتے ہیں، اور پورا یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا، اور اصل بادشاہت اور اختیار اسی کا ہے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور کوئی اس کے حکم کو ہٹا نہیں سکتا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

خلاصہ مضمون

مسلمان تھوڑے اور کمزور تھے اور پوری دنیا کفر اور اس کی طاقت سے اٹی پڑی تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ پر توکل نہ ہوتا تو جہاد کبھی شروع نہ ہوتا اور نہ دین ملکوں اور شہروں تک پہنچتا۔ اللہ تعالیٰ پر توکل نے ماضی کے مسلمانوں کو جہاد کا حوصلہ بخشنا۔ اور اب بھی توکل ہی مسلمانوں کو دوبارہ جہاد پر کھڑا رکھ سکتا ہے مادی اسباب سے نظریں ہٹیں گی تو مسلمان کی آنکھیں کھلیں گی۔ مادی اسباب ہی کو دیکھا جاتا تو غزوہ بدر میں فتح کس طرح سے ہوتی؟ وہ غزوہ جس کی مثال قرآن پاک بار بار پیش فرماتا ہے ”تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ“ ہی کے زور پر لڑا گیا۔ حضرت طلوت کا جو مختصر لشکر جالوت کے بڑے اور طاقتور لشکر سے ٹکرایا وہاں بھی ”تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ“ کا زور تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کو عموالہ سے لڑنے پر ابھارا تو وہاں بھی قرآن پاک نے ”تَوَكَّلْ“ کی ترغیب دی۔

وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

کہ اگر ایمان والے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس طاقتور قوم پر حملہ کرو۔ مگر بنی اسرائیل کو ”تَوَكَّلْ“ کی کیفیت نصیب نہ ہوئی۔ دراصل جو لوگ دنیا کے طلبگار ہوتے ہیں انہیں دنیا کی ہر چیز دھوکے میں ڈالتی ہے وہ یہاں کی قوتوں کو اصل قوت اور طاقت سمجھنے لگتے ہیں۔ مگر جو لوگ آخرت کے طلبگار ہوتے ہیں ان کی نظر اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت اور اس کی مغفرت و جنت پر ہوتی ہے، تب انہیں یہاں کی قوت و طاقت مکڑی کا جالا اور چھڑکار محسوس ہوتی ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو یہ کیفیت نصیب تھی وہ سمندروں میں کود گئے، جنگلوں میں بے خوف گھس گئے اور لاکھوں افراد پر مشتمل لشکروں سے ٹکرا گئے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اور وہ جانتے تھے کہ اگر ہم مر بھی گئے تو کیا ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے پاس چلے جائیں گے۔ الغرض جہاد کے لئے ”تَوَكَّلْ“ کی کیفیت بے حد ضروری صفت ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

الَّذِينَ يَقِيمُونَ الصَّلَاةَ : وہ قائم رکھتے ہیں نماز کو۔

① جمع بین اعمال القلوب من الوجل والاخلاص والتوکل، و بین اعمال الجوارح من

الصَّلَاةُ وَالصَّدَقَةُ۔ (المدارک)

اس آیت میں جمع فرمادیا دل کے اعمال کو اور جسم کے اعمال کو۔ دل کے اعمال خوف، اخلاص اور توکل اور جسم کے اعمال نماز اور صدقہ۔

۲) اسی کے سامنے سرعہ دیت جھکانیں، اسی کے نام پر مال و دولت خرچ کریں۔ (تفسیر عثمانی)

۳) وقال قتادة: اقامة الصلوة المحافظة على مواقيتها ووضوؤها وركوعها وسجودها وقال مقاتل بن حيان: اقامتها المحافظة على مواقيتها واسباغ الطهور فيها وتمام ركوعها وسجودها وتلاوة القرآن فيها والتشهد والصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں نماز کی اقامت یہ ہے کہ اس کے اوقات اس کے وضو، اور اس کے رکوع اور سجود کی خوب حفاظت کی جائے (یعنی خوب اہتمام سے ان تمام کا لحاظ رکھا جائے) اور مقاتلؒ فرماتے ہیں نماز کی اقامت یہ ہے کہ اس کے اوقات کی حفاظت کی جائے (یعنی نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے) اور وضو اچھی طرح سے پورا پورا کیا جائے اور رکوع اور سجود مکمل ادا کئے جائیں اور نماز میں قرآن پاک کی تلاوت کی جائے اور اس میں تشہد اور درود شریف پڑھا جائے۔

خلاصہ مضمون

یہاں اقامتِ صلوٰۃ کو خاص طور ذکر فرمایا گیا اس سے ثابت ہوا کہ نماز مستقل طور پر اسلام کا رکن اور فریضہ ہے۔ اس لئے یہ رائے درست نہیں کہ نماز کو محض جہاد کی تیاری اور تربیت کے لئے فرض کیا گیا ہے۔ بلکہ نماز تو اسلام کا رکن اعظم اور سب سے بڑا اور اہم فریضہ ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

اقامة الصلوة وهو حق الله تعالى۔ (ابن کثیر)

نماز دین کی عمارت کا ستون اور مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز ہے۔ جہاد کے دوران نماز معاف نہیں ہے اور نہ کوئی مجاہد نماز سے بالاتر ہے۔ جہاد کی کامیابی کے لئے اقامتِ صلوٰۃ ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ مجاہد نماز میں جس قدر مضبوط ہوگا اسی قدر اس کا جہاد قوت پکڑے گا نماز مجاہد کو حقیقی مجاہد بنائے گی اور اسے برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔ اگر جہاد میں قبولیت اور کامیابی چاہئے تو مجاہدین کو اقامتِ صلوٰۃ کا پورا اہتمام کرنا ہوگا یہی آیت کے اس حصے کا سبق ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَمَا رَزَقْنَهُمْ يُنْفِقُونَ: اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

① والانفاق مما رزقهم الله يشمل اخراج الزكوة وسائر الحقوق للعباد من واجب

ومستحب۔ (ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرنے کا حکم زکوٰۃ اور بندوں کے تمام حقوق واجب ہوں یا مستحب سب

کو شامل ہے۔

۲ مؤمن کا شیوہ ہے کہ اطاعت الہی کو مقصد بنائے اور مال راہ خدا میں خرچ کرے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

۳ ویدخل فیہ الزکوۃ و الصدقات و الصلوات، و الانفاق فی الجہاد، و الانفاق علی

المساجد و القناطیر۔

اس میں زکوۃ بھی داخل ہے اور صدقات، صلہء رحمی، جہاد میں خرچ کرنا، مساجد اور پلوں پر خرچ کرنا بھی

شامل ہے۔ (تفسیر کبیر)

خلاصہ مضمون

یہ آخری صفت بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ تھوڑا سا غور فرمائیں بات شروع ہوئی مال غنیمت کے جھگڑے سے اور اختتام ہوا مال خرچ کرنے کی ترغیب پر۔ گویا کہ یوں سمجھایا گیا کہ تم لینے والے نہیں دینے والے بنو۔ سبحان اللہ! کیسی زبردست تربیت ہے اور ایک مسلمان مجاہد کو کیا اونچا ذہن، کیسی اونچی سوچ اور کتنا بلند وقار عطا فرمایا گیا ہے۔ حرص اور لالچ انسان کو گرا دیتی ہے اور استغناء، بے غرضی اور خرچ کرنا انسان کو بلند کر دیتا ہے۔ ساری دنیا کے فاتح دنیا کو لوٹے نکلتے ہیں جبکہ مسلمان مجاہد دنیا کو دینے نکلتا ہے۔ اے مسلمانو! اے مجاہدو! تم ساری انسانیت کو دینے والے بنو۔ اور خود اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے درجات، اس کی مغفرت اور جنت کی روزی کے طلبگار رہو۔ اگر مجاہد کا یہ نظریہ بن جائے تو کون اسے خرید سکتا ہے اور کون اسے جھکا سکتا ہے؟ مال خرچ کرنے کی صفت پیدا ہوگی تو حُب دنیا اور بخل کی رسیاں ٹوٹ جائیں گی اور جان کی قربانی پیش کرنا آسان ہو جائے گا۔ مال خرچ کرنے کی صفت مسلمانوں میں پیدا ہوگی تو وہ جہاد میں خوب مال خرچ کریں گے اور جہاد کو ترقی دیں گے اور الماریاں بھرنے کی بجائے مال کو دین پھیلانے کا ذریعہ بنائیں گے۔ مال خرچ کرنے کی صفت پیدا ہوگی تو اسلامی معاشی نظام وجود پائے گا جو مال کی ناجائز ذخیرہ اندوزی اور چند افراد کے درمیان اس کے گھومنے کا مخالف ہے۔ اور اس میں یہ اشارہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کا آپس میں ضروری تعلق ہے۔ جہاد کو پوری قوت سے جاری رکھنا ہے تو مسلمانوں کو مال خرچ کرنے کی صفت اپنانا ہوگی۔ اگر مسلمان مال کو جمع کرنے لگے تو وہ خود بزدل ہو جائیں گے اور جہاد کرنے والے مجاہدین اسباب کی کمی کا شکار ہو جائیں گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا: یہی ہیں سچے ایمان والے۔

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

انه تعالى ذكر في هذه الآية ان الرجل لا يكون مؤمناً الا اذا كان موصوفاً بالصفات الخمسة وهي الخوف من الله والاخلاص في دين الله والتوكل على الله والاتباع بالصلوة والزكاة لوجه الله تعالى۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک (کامل) ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک اس میں یہ پانچ صفات موجود نہ ہوں ❶ اللہ تعالیٰ کا خوف ❷ اخلاص ❸ توکل علی اللہ ❹ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نماز کی ادائیگی ❺ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی۔ (التفسیر الکبیر)

لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ : ان کے رب کے ہاں ان کے لئے درجے ہیں اور بخشش ہے اور عزت والا رزق ہے۔

❶ امام ابو حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لما تقدمت ثلاث صفات قلبية، وbodنية، ومالية، ترتب عليها ثلاثة اشياء..... الخ۔ یعنی پیچھے جن صفات کا ذکر تھا وہ تین طرح کی تھیں: ❶ قلبی صفات (خوف، اخلاص، توکل) ❷ بدنی صفات (نماز) ❸ مالی صفات (زکوٰۃ وغیرہ) تو اب ان کے بدلے میں تین طرح کے اجر ذکر کیے گئے۔ قلبی صفات کے بدلے اونچے درجات، بدنی صفات کے بدلے مغفرت و بخشش اور مالی اعمال کے بدلے عزت والی روزی۔ (ملخص از البحر المحیط)

❷ ایسے ہی لوگوں کو سچا اور پکا ایمان دار کہا جاسکتا ہے جو خدا کے یہاں اپنے اپنے درجات کے موافق بڑے بڑے مقامات قرب پر فائز ہوں گے جنہیں معمولی کوتاہیوں سے درگزر کر کے عزت کی روزی سے سرفراز کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

❸ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ درجات کا معنی لکھتے ہیں: ای منازل ومقامات ودرجات فی الجنة۔ پھر وہ احادیث لاتے ہیں جن میں اہل جنت کے اونچے اونچے مقامات ودرجات کا تذکرہ ہے۔ اور مغفرت کا مطلب ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

ای يغفر لهم السيئات ويشكر لهم الحسنات.

یعنی ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور ان کی نیکیوں کی قدر کی جائے گی۔

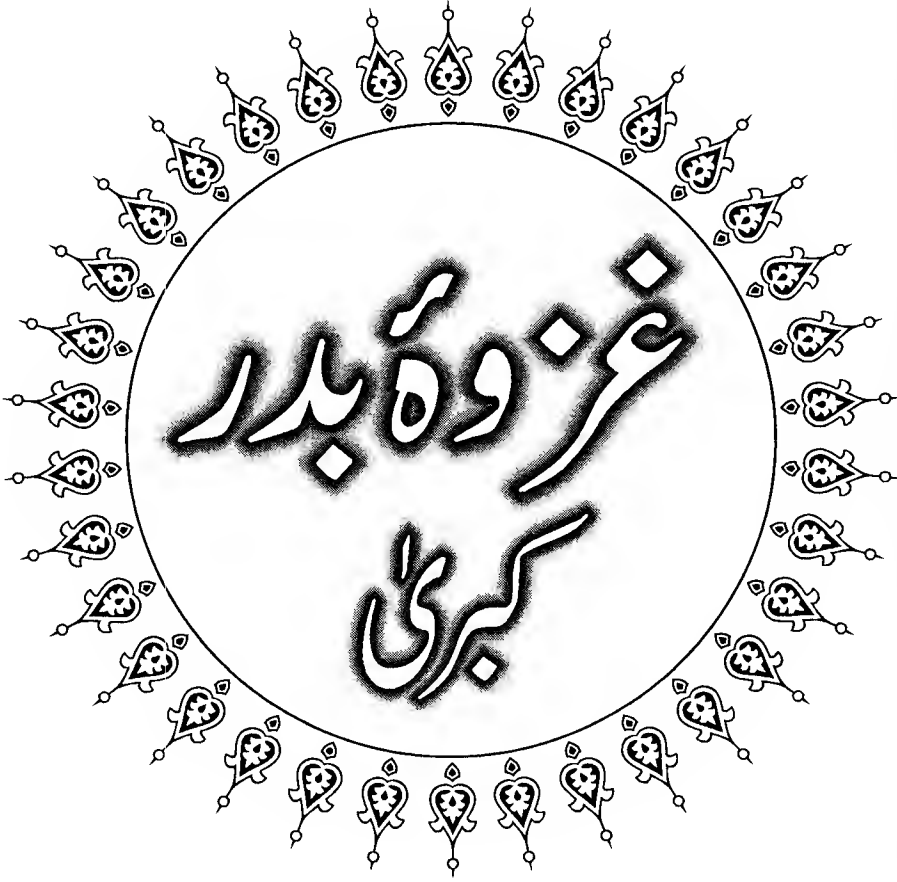
خلاصہ مضمون

بات یہاں سے شروع ہوئی تھی کہ مال غنیمت کے مسئلے پر اختلاف ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے مال غنیمت کا حکم پوچھا۔ یعنی مجاہدین کا ذہن تھوڑی دیر کے لئے دنیا کے مال کی طرف متوجہ ہوا۔ بس پھر کیا تھا قرآن پاک نے ان کو حقیر دنیا کی محبت سے ہٹا کر جنت کے اونچے درجات، وہاں کی مغفرت اور وہاں کی عزت والی روزی کی محبت کے اونچے مقام پر لا کھڑا کیا۔ سبحان اللہ!

کتنی اونچی تربیت ہے۔ اے مجاہد تیرے جہاد کا بدلہ دنیا کا حقیر مال نہیں جنت کے اونچے درجات اور وہاں کی عزت و شان والی روزی ہے۔ اللہ تعالیٰ مومن مجاہد کو اخلاص کے اونچے مقام کی طرف بلاتا ہے کہ وہ جہاد کے بدلے دنیا کی کوئی غرض نہ رکھے۔ کیونکہ اسی اخلاص اور اسی بے غرضی میں اس کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ دنیا میں فتح وغلبہ

اور آخرت میں بخشش، اونچے درجات اور شان والی روزی۔ مدینہ منورہ کے انصار نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ تشریف لانے کی دعوت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و حفاظت کا معاہدہ کیا تو انہوں نے پوچھا ہمیں اس کے بدلے کیا ملے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت! ان آیات میں بھی مجاہدین کو سمجھایا گیا ہے کہ اپنی نظریں آخرت کے اونچے درجات پر رکھو۔ باقی رہی دنیا تو مقدر کی روزی ہر انسان کو مل کر رہتی ہے۔ پھر جہاد جیسے اونچے عمل کو اس دنیوی روزی کے بدلے بیچنا نفع کا سودا تو نہیں ہے۔ اور نہ ہی دنیا کی خاطر لڑنے والوں کی جنگ کو جہاد کا مقدس نام دیا جاسکتا ہے۔ سورۃ الانفال کی ان ابتدائی آیات نے جہاد میں کامیابی کے وہ نسخے بتا دیئے جن کو اپنا کر بہت تھوڑے اور بے سروسامان مسلمان بھی پوری دنیا کو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دے سکتے ہیں۔ اور پوری دنیا کے دشمنان اسلام سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگر کسی کو اس میں شک ہے تو اس کے شک کو دور کرنے کے لئے اگلی آیت میں فرمادیا كَمَا اَخْرَجْتُمْ رِبِّكَ کہ اگر تم نے مثال دیکھنی ہے تو پھر غزوہ بدر کو دیکھو۔ غزوہ بدر کے مجاہدین میں یہ صفات موجود تھیں تو انہوں نے بے سروسامانی کے عالم میں مشرکین کے اتنے بڑے لشکر کو شکست دی اور مشرکین کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ كَمَا اَخْرَجْتُمْ رِبِّكَ جس طرح اے نبی (ﷺ) آپ کو آپ کے رب نے حق کے غلبے کے لئے گھر سے نکالا۔ تو یہ مثال اور نمونہ قیامت تک کے مسلمانوں کو دکھادیا گیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے جب بھی غزوہ بدر میں غور کیا اور اس کے مطابق عمل کیا تو وہ فاتح رہے۔ اور ان کی کم تعداد اور بے سروسامانی نے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ (واللہ اعلم بالصواب)





سورۃ الانفال آیت (۵) سے غزوہ بدر کا بیان شروع ہوتا ہے اس لئے ان آیات مبارکہ اور سورۃ انفال کے کئی مضامین کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ غزوہ بدر پر پوری نظر رہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیے غزوہ بدر کے کچھ ایمان افروز حالات (ماخوذ از سیرت المصطفیٰ ﷺ بحذف تہئیل)۔ اس مضمون میں مؤلف رحمہ اللہ نے ”مؤلف سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ کے مغالطوں کا بھی خوب ازالہ فرمادیا ہے۔
(فجزاہم اللہ احسن الجزاء)

غزوہ بدر کبریٰ

رمضان المبارک ۲ھ

یہ غزوہ غزوات اسلام میں سب سے بڑا غزوہ ہے اس لیے کہ اسلام کی عزت و شوکت کی ابتداء اور اسی طرح کفر اور شرک کی ذلت و رسوائی کی ابتدا بھی اسی غزوہ سے ہوئی۔

اور اللہ جل جلالہ کی رحمت سے اسلام کو بلا ظاہری اور مادی اسباب کے محض غیب سے قوت حاصل ہوئی اور کفر و شرک کے سر پر ایسی کاری ضرب لگی کہ کفر کے دماغ کی ہڈی چور چور ہو گئی۔ میدان بدر جس کا شاہد عدل اب تک موجود ہے اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے اس دن کو قرآن کریم میں یوم الفرقان فرمایا یعنی حق اور باطل میں فرق اور امتیاز کا دن بلکہ یہ مہینہ ہی فرقان تھا یعنی رمضان المبارک تھا جس میں حق جل و علانے قرآن مجید اور فرقان حمید کو نازل فرما کر حق اور باطل، ہدایت اور ضلالت کا فرق واضح فرمایا۔ اور پھر اسی مہینہ میں روزے فرض فرمائے تاکہ محبین و مخلصین، عاشقین و والہین کا امتحان فرمائے کہ کون اس کا محب صادق ہے کہ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک اس کی محبت میں سخت سے سخت گرمی میں شہدائے کو برداشت کرتا ہے اور کون محب کاذب ہے کہ اپنے پیٹ اور جڑوں کا زرخیز غلام ہے۔ غرض یہ کہ یہ مہینہ فرقان کا ہے کہ اس میں مختلف حیثیات اور متعدد جہات سے مخلص اور غیر مخلص کا فرق ظاہر اور نمایاں ہو جاتا ہے۔ (بدر ایک گاؤں کا نام ہے کہ جو مدینہ منورہ سے چار منزل اور اٹھائیس فرسخ یعنی تقریباً اسی میل کے فاصلے پر ہے بدر بن سحلد بن نصر بن کنانہ یا بدر بن الحارث کی طرف منسوب ہے، جو اس کا بانی تھا اور بعض کہتے ہیں کہ بدر قیس کنویں کا نام ہے کنویں ہی کے نام سے بستی مشہور ہو گئی۔ زرقانی ص ۳۰۶ ج ۱)

آغازِ قصہ

شروع رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ ابوسفیان قریش کے قافلہ تجارت کو شام سے مکہ واپس لا رہا ہے جو مال و اسباب سے بھرا ہوا ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو جمع کر کے اس کی خبر دی اور فرمایا یہ قریش کا کاروان تجارت ہے جو مال و اسباب سے بھرا ہوا ہے تم اس کی طرف خروج کرو۔ عجب نہیں کہ حق جل و علانے تم کو وہ قافلہ غنیمت میں عطا فرمائے۔

چونکہ جنگ و جدال اور قتل و قتل کا وہم و گمان بھی نہ تھا اس لیے بلا کسی جنگی تیاری اور اہتمام کے نکل کھڑے ہوئے ابوسفیان کو یہ اندیشہ لگا ہوا تھا اس لیے جب ابوسفیان حجاز کے قریب پہنچا تو ہر راہ گیر اور مسافر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے حالات اور خبریں دریافت کرتا۔ تا آن کہ بعض مسافروں سے اس کو یہ خبر ملی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے اصحاب کو تیرے قافلے کی طرف خروج کا حکم دیا ہے۔ ابوسفیان نے اسی وقت ضمضم غفاری کو اجرت دے کر کہہ روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ قریش کو اطلاع کر دے کہ جس قدر جلد ممکن ہو اپنے قافلہ کی خبر لیں اور اپنے سرمایہ کو بچانے کی کوشش کریں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو لے کر اس قافلہ سے تعارض کیلئے روانہ ہوئے ہیں۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لم اتخلف عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة غزاها الا في غزوة تبوك غير اني تخلفت عن غزوة بدر ولم يعاقب احد تخلف عنها انما خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يريد عير قریش حتى جمع الله بينهم وبين عدوهم على غير ميعاد (صحيح بخاری باب قصة غزوة بدر)

”میں کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے ہوں۔ مگر غزوہ تبوک، غزوہ تبوک کے علاوہ غزوہ بدر میں بھی پیچھے رہ گیا تھا، لیکن غزوہ بدر سے پیچھے رہ جانے والوں پر کوئی عتاب نہیں ہوا اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف قافلہ قریش کے ارادہ سے نکلے تھے۔ اتفاقاً بغیر کسی قصد کے اللہ نے مسلمانوں کو ان کے دشمنوں سے بھڑا دیا۔

ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ وہی قافلہ تھا جس کے لئے آپ نے غزوہ ذی العشرہ میں دوسو مہاجرین کو ہمراہ لے کر خروج فرمایا تھا، اب یہ قافلہ شام سے واپس آ رہا تھا چونکہ آپ کا خروج فقط قافلہ کی غرض سے تھا اس لیے عجلت میں بہت تھوڑے آدمی آپ کے ہمراہ ہو سکے اور یہ سفر چونکہ جہاد و قتال کیلئے نہ تھا اس لیے نہ جانے والوں پر کسی قسم کا عتاب اور کسی قسم کی ملامت نہیں کی گئی۔

رواگی

۱۲ رمضان المبارک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تین سو تیرہ یا چودہ یا پندرہ آدمی آپ کے ہمراہ تھے بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ اتنی جماعت میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے ایک گھوڑا حضرت زبیر بن عوام کا اور ایک حضرت مقداد کا تھا۔ اور ایک ایک اونٹ دو دو اور تین تین آدمیوں میں تھا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر میں جاتے وقت ایک اونٹ تین تین آدمیوں میں مشترک تھا۔ نوبت نوبت سوار ہوتے تھے۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیادہ چلنے کی نوبت آتی تو ابولبابہ اور علی رضی اللہ عنہ عرض کرتے یا رسول اللہ آپ سوار ہو جائیں ہم آپ کے بدلہ میں پیادہ پا چل لیں گے۔ آپ یہ ارشاد فرماتے کہ تم چلنے میں مجھ سے زیادہ قوی نہیں اور تم سے میں

زیادہ خدا کے اجر سے بے نیاز نہیں۔

بیرابی عتبہ پر پہنچ کر (جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے) تمام جماعت کا معائنہ فرمایا جو کم عمر تھے ان کو واپس فرمادیا، مقام روحاء میں پہنچ کر ابولہبہ بن عبدالمذکر کو مدینہ کا حاکم مقرر فرما کر واپس کیا۔

اس لشکر میں تین علم تھے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ میں اور دوسرا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور تیسرا کسی انصاری کے ہاتھ میں تھا۔

جب مقام صفراء کے قریب پہنچے تو مسیبہ بن عمرو جہنی رضی اللہ عنہ اور عدی بن ابی الزغباء جہنی رضی اللہ عنہ کو قافلہ ابی سفیان کے تجسس کیلئے آگے روانہ کیا۔ (طبقات الکبریٰ لابن سعد ص ۶۲ ج ۲) اور ادھر ضمضم غفاری ابوسفیان کا پیام لے کر مکہ پہنچا کہ تمہارا قافلہ خطرے میں ہے۔ دوڑا اور جلد از جلد اس کی خبر لو۔

اس خبر کا پہنچنا تھا کہ تمام مکہ میں ہل چل پڑ گئی اس لیے کہ قریش کا کوئی مرد اور عورت ایسا نہ رہا تھا کہ جس نے اپنی پوری پونجی اور سرمایہ اس میں شریک نہ کر دیا ہو۔ اس لیے اس خبر کے سنتے ہی تمام مکہ میں جوش پھیل گیا۔ اور ایک ہزار آدمی پورے ساز و سامان کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ ابو جہل سردار لشکر تھا۔ (کما رواہ مسلم و ابوداؤد والترمذی عن ابن عباس عن عمر و ابن سعد عن ابن مسعود رضی اللہ عنہم) اور موسیٰ بن عقبہ اور ابن عائد کی مغازی میں ہے کہ ساڑھے نو سو تھے، دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں لڑنے والے تو ساڑھے نو سو تھے اور بقیہ پچاس خدمت گار وغیرہ تھے۔ (زرقانی ص ۴۱۰ ج ۱)

قریش نہایت کروفر اور سامان عیش و طرب کے ساتھ گانے بجانے والی عورتوں اور طلبوں اور چیلوں کو ساتھ لے کر اکڑتے ہوئے اور اتراتے ہوئے روانہ ہوئے کما قال تعالیٰ:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّكَايَسِ (سورة الانفال آیت ۴۷)

”اے مسلمانو تم ان کافروں کی طرح مت ہو جانا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور اپنی قوت اور شوکت کو دکھلاتے ہوئے نکلے ہیں۔“

تقریباً تمام سرداران قریش لشکر ہوئے صرف ابولہب کسی وجہ سے نہ جاسکا اور اپنے بجائے ابو جہل کے بھائی عاص بن ہشام کو روانہ کیا۔ عاص بن ہشام کے ذمہ ابولہب کے چار ہزار درہم قرض تھے اور مفلس ہو جانے کی وجہ سے ادا کرنے کی استطاعت نہ رہی تھی اس لیے قرض کے دباؤ میں ابولہب کے عوض جنگ میں جانا قبول کیا۔ اور اسی طرح امیہ بن خلف ناخلف نے بھی اول اول بدر میں جانے سے انکار کیا لیکن ابو جہل کے جبر اور اصرار سے ساتھ ہو لیا۔

امیہ کے انکار کا سبب یہ تھا کہ سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت سے امیہ کے دوست تھے۔ امیہ

جب بغرض تجارت شام جاتا تو راستہ میں مدینہ میں سعد بن معاذ کے پاس اترتا اور سعد بن معاذ جب مکہ جاتے تو امیہ کے پاس اترتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت مدینہ کے بعد ایک مرتبہ سعد بن معاذ عمرہ کرنے کیلئے مکہ آئے اور حسب دستور امیہ کے پاس ٹھہرے اور امیہ سے یہ کہا کہ طواف کرنے کیلئے مجھے ایسے وقت لے چلو کہ حرم لوگوں سے خالی ہو یعنی ہجوم نہ ہو۔ امیہ دو پہر کے وقت سعد بن معاذ کو لے کر نکلا۔ طواف کر رہے تھے کہ ابو جہل سامنے سے آگیا اور یہ کہنے لگا: اے ابوصفوان (یہ امیہ کی کنیت ہے) یہ تمہارے ساتھ کون شخص ہے؟ امیہ نے کہا سعد ہے ابو جہل نے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ شخص اطمینان سے طواف کر رہا ہے۔ تم ایسے بے دینوں کو نکھکانہ دیتے ہو اور ان کی اعانت اور امداد کرتے ہو، اے سعد خدا کی قسم اگر یہ ابوصفوان یعنی امیہ تمہارے ساتھ نہ ہوتا تو تم یہاں سے صحیح و سالم واپس نہیں جاسکتے تھے۔ سعد نے بلند آواز سے کہا اگر تو مجھے طواف سے روکے گا تو خدا کی قسم میں مدینہ سے تیرا شام کام راستہ بند کر دوں گا۔ امیہ نے سعد سے کہا تم ابو الحکم (یعنی ابو جہل) پر اپنی آواز نہ بلند کرو۔ یہ اس وادی کا سردار ہے۔ سعد نے ترش روئی سے کہا کہ اے امیہ بس رہنے دے خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے تو حضور پر نور کے اصحاب اور احباب کے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ امیہ نے کہا کہ کیا میں مکہ میں مارا جاؤں گا؟ سعد نے کہا یہ مجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں اور کس جگہ مارا جائے گا۔ یسن کر امیہ گھبرا گیا اور بہت ڈر گیا اور جا کر اپنی بیوی ام صفوان سے اس کا تذکرہ کیا اور ایک روایت میں ہے کہ امیہ نے یہ کہا واللہ مایکذب محمد فکادان یحدث، خدا کی قسم محمد کبھی غلط نہیں کہتے اور قریب تھا کہ خوف و ہراس کی وجہ سے امیہ کا پیشاب اور پاخانہ خطا ہو جائے۔ (فتح الباری ص ۲۲۰ ج ۷) اور امیہ پر اس درجہ خوف و ہراس غالب ہوا کہ یہ ارادہ کر لیا کہ کبھی مکہ سے باہر نہ نکلوں گا۔ چنانچہ جب ابو جہل نے لوگوں سے بدر کی طرف نکلنے کو کہا تو امیہ کو مکہ سے نکلنا بہت گراں تھا اس کو اپنی جان کا ڈر تھا۔ ابو جہل امیہ کے پاس آیا اور چلنے کیلئے اصرار کیا۔ ابو جہل نے جب یہ دیکھا کہ امیہ چلنے پر تیار نہیں تو یہ کہا کہ آپ سردار ہیں اگر آپ نہیں نکلیں گے تو آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی نہیں نکلیں گے۔ غرض ابو جہل امیہ کو چٹا رہا اور برابر اصرار کرتا رہا۔ بالآخر یہ کہا کہ اے ابوصفوان تیرے لیے نہایت عمدہ اور تیز رو گھوڑا خرید دوں گا (تا کہ جہاں خطرہ محسوس کرو فوراً اس پر بیٹھ کر واپس آ جاؤ) امیہ جانے کیلئے تیار ہو گیا۔ اور گھر میں جا کر اپنی بیوی سے کہا کہ میرے سفر کا سامان تیار کر دو۔ بیوی نے کہا کہ اے ابوصفوان تم کو اپنے بیڑی بھائی کا قول یاد نہیں رہا؟ امیہ نے کہا میرا ارادہ تھوڑی دور تک جانے کا ہے پھر واپس آ جاؤں گا۔ پس امیہ اسی ارادہ سے روانہ ہوا اور جس منزل میں اترتا اپنا اونٹ ساتھ باندھتا، مگر قضاء و قدر نے بھاگنے کا موقع نہیں دیا۔ بدر پہنچا اور میدان قتال میں صحابہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ (بخاری شریف غزوہ بدر) غرض یہ کہ امیہ کو اپنے قتل کا یقین تھا ابو جہل کی زبردستی سے ساتھ ہو لیا ابو جہل خود بھی تباہ ہوا اور دوسروں کو بھی تباہ کیا۔

احلوا قوہم دار البوار جہنم یصلونہا وبئس القرار

قریش کی روانگی کی اطلاع اور صحابہ سے مشورہ اور حضرات صحابہ کرام کی جان نثارانہ تقریریں

روحاء سے چل کر جب آپ مقام صفراء پر پہنچے تو بسبس اور عدی رضی اللہ عنہما نے آکر آپ کو قریش کی روانگی کی اطلاع دی، اس وقت آپ نے مہاجرین اور انصار کو مشورہ کے لئے جمع فرمایا اور قریش کی اس شان سے روانگی کی خبر دی ابو بکر رضی اللہ عنہ سنتے ہی فوراً کھڑے ہو گئے اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہار جان نثاری فرمایا اور سر و چشم آپ کے اشارے کو قبول کیا اور دل و جان سے اطاعت کیلئے کمر بستہ ہو گئے اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہار جان نثاری فرمایا۔

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی جان نثارانہ تقریر

بعد ازاں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

امض لما امرک اللہ (تعالیٰ) فنحن معک واللہ لا نقول کما قالت بنو اسرائیل لموسیٰ فاذہبْ اَنْتَ وَرَبِّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا هُنَا قَاعِدُوْنَ وَلکن اذہب انت وربک فقاتلا انا معکم مقاتلون۔
”یا رسول اللہ جس چیز کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے اس کو انجام دیجئے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ ہرگز نہ کہیں گے کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ ہم بنی اسرائیل کے برخلاف یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار جہاد و قتال کرے ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد و قتال کریں گے۔“ یہ ابن اسحاق کی روایت کے الفاظ ہیں اور بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

ولکننا نقاتل عن یمینک وعن شمالک و بین یدیک وخلفک
ہم آپ کے دائیں اور بائیں آگے اور پیچھے سے لڑیں گے۔

راوی حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس وقت دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور فرط مسرت سے چمک اٹھا۔ (بخاری شریف ص ۶۲۴ غزوہ بدر)

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقداد کے لئے دعا فرمائی۔

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو قافلہ ابی سفیان کی خبر دی اور فرمایا کہ اگر تم اس کی طرف خروج کرو تو عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو غنیمت عطا فرمائے۔ ہم نے عرض کیا بہتر ہے اور روانہ ہو گئے، جب ایک دو دن کا راستہ طے کر چکے تب آپ نے ہم کو مکہ سے قریش کے روانہ ہونے کی خبر دی اور جہاد و قتال کیلئے تیار ہو جانے کا ارشاد فرمایا۔ بعض لوگوں نے کچھ تامل کیا (کیونکہ گھر سے اس ارادہ سے نہ چلے تھے) حضرت مقداد کھڑے ہوئے اور اظہار جان نثاری فرمایا کاش ہم سب ایسا ہی کہتے جیسا مقداد نے

کہا۔ (رواہ ابن ابی حاتم) یعنی کاش ابتداء میں ہم سب ایسا ہی کہتے اس لیے کہ بعد میں پھر سب نے یہی کہا دلوں میں سب کے وہی تھا جو حضرت مقداد فرما رہے تھے چنانچہ مسند احمد میں باسناد حسن مروی ہے:

قال اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم لا نقول كما قالت بنو اسرائيل ولكن انطلق انت وربك فقاتلا انا معكم
رسول الله صلى الله عليه وسلم کے سب اصحاب نے متفقہ طور پر یہ کہا: یا رسول اللہ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہ کہیں گے ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔

باوجود اس شافی اور کافی جواب کے آپ نے تیسری بار پھر یہی ارشاد فرمایا:

اشيروا على ايها الناس

اے لوگو مجھ کو مشورہ دو۔

سردار انصار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، نبی اکرم افعی العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بلیغ اشارہ اور دقیق نکتہ کو سمجھ گئے اور فوراً عرض کیا: یا رسول اللہ شاید روئے سخن انصار کی طرف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔

(چونکہ انصار نے آپ سے صرف بیعت عقبہ میں اس کا عہد کیا تھا کہ جو دشمن آپ پر حملہ آور ہوگا اس وقت ہم آپ کے حامی اور مددگار ہوں گے۔ مدینہ سے باہر جا کر آپ کے ساتھ جنگ کرنے کا وعدہ نہ تھا۔ اس لیے آپ بار بار انصار کی طرف دیکھتے تھے سعد بن معاذ نے آپ کے اس اشارہ کو سمجھ کر جواب دیا اور خوب جواب دیا، رضی اللہ عنہ وارضاه آئین۔ (البدایہ والنہایہ ۳۶۲ ج ۳، راجع عیون الاثر ص ۲۳۷ ج ۱)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی جان نثارانہ تقریر

اس پر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

يا رسول الله قد ائمتنا بك وصدقناك وشهدنا ان ما جئت به هو الحق واعطيناك على ذلك عهداً ومواثيق على السمع والطاعة ولعلك يا رسول الله خرجت لامرفا حدث الله غيره فامض لما شئت. وصل حبال من شئت واقطع حبال من شئت وسالم من شئت وعاد من شئت وخذ من اموالنا ماشئت واعطنا ما شئت وما اخذت منا كان احب الينا مما تركت واما امرت به من امرنا فامرنا تبع لامرك لئن سرت حتى تاتي برك الغماد لنسيرن معك فوالذي بعثك بالحق لو استعرضت بنا هذا البحر. اخضناه وما تخلف منا رجل واحد وما نكره ان نلقى عدونا انا لصبر عند الحرب صدق عند اللقاء ولعل الله يريك منا ما تقر به عينك فسر بنا على بركة الله. (زرقانی ص ۴۱۳ ج ۱)

یا رسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اور اس امر کی گواہی دی کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وہی حق

ہے اور اطاعت اور جان نثاری کے بارے میں ہم آپ کو پختہ عہد و میثاق دے چکے ہیں۔ یا رسول اللہ آپ مدینہ سے کسی اور ارادہ سے نکلے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوسری صورت پیدا فرمادی جو منشاء مبارک ہو اس پر چلے اور جس سے چاہیں تعلقات قائم فرمائیں اور جس سے چاہیں تعلق قطع کریں اور جس سے چاہیں صلح کریں اور جس سے چاہیں دشمنی کریں ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے مال میں سے جس قدر چاہیں لیں اور جس قدر چاہیں ہم کو عطاء فرمائیں (اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہمارے اموال اصل میں آپ کی ملک ہیں۔ اگر ہمارے مال میں سے ہمارے لیے آپ کچھ چھوڑیں گے تو گویا وہ آپ کا عطیہ ہوگا) اور مال کا جو حصہ آپ لیں گے وہ اس حصہ سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوگا کہ جو آپ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے اور اگر آپ ہم کو برک الغنم دجانے کا حکم دیں گے تو بالضرور ہم آپ کے ساتھ جائیں گے۔ قسم اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہم کو سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں گے تو ہم اسی وقت سمندر میں کود پڑیں گے اور ہم میں کا ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم دشمنوں سے مقابلہ کرنے کو کمزورہ نہیں سمجھتے البتہ تحقیق ہم لڑائی کے وقت بڑے صابر اور مقابلہ کے سچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے آپ کو وہ چیز دکھائے گا جس کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی پس اللہ کے نام پر ہم کو لے کر چلے۔



بعض روایات میں سعد بن معاذ کے بجائے سعد بن عبادہ کا ذکر آیا ہے مگر یہ صحیح نہیں، راوی کا وہم ہے اس لیے کہ سعد بن عبادہ بالاتفاق بدر میں حاضر نہیں ہوئے تفصیل کیلئے زر قانی کی مراجعت کی جائے۔ (زر قانی ج ۱ ص ۴۱۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے یہ جان نثارانہ جوابات سن کر مسرور ہوئے اور فرمایا اللہ کے نام پر چلو اور تم کو بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ابو جہل یا ابوسفیان کی دو جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پر ضرور فتح و نصرت عطا کروں گا۔

اور مجھ کو قوم کفار کے پچھاڑے جانے کی جگہیں دکھلا دیں گئی ہیں کہ فلاں شخص فلاں جگہ اور فلاں شخص فلاں جگہ پچھاڑا جائے گا۔

وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى: وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّكُمْ تَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشُّكُوكِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَيِّطَ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ لِيُخَيِّطَ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝ (سورة الانفال آیت ۷، ۸)

اور اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تم سے یہ وعدہ کرتا تھا کہ کافروں کی دو جماعتوں میں سے ایک جماعت تم کو دے گا اور تم یہ پسند کرتے ہو کہ غیر ذی شکوت جماعت تم کو ملے اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ حق کو اپنی آیات سے ثابت کرے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ظاہر طور پر واضح ہو جائے۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب

ادھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو یہ خبر دی کہ مجھ کو قوم کے پچھاڑے جانے کی جگہیں دکھائی گئیں اور ادھر مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ضمضم غفاری کے مکہ پہنچنے سے پہلے یہ خواب دیکھا کہ ایک شتر سوار آیا اور ابلح میں اونٹ بٹھا کر بآواز بلند یہ پکار رہا ہے:

الا انفروا یا آل غدر لم صار عکم فی ثلاث

اے اہل غدر اپنے مقتل اور بچھڑنے کی جگہ کی طرف تین دن میں نکل جاؤ۔

(چونکہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول سے غدر کیا تھا اس لیے عالم رویا میں ان کو آل غدر کہا گیا اور عجب نہیں کہ غدر سے شیطان مراد لیا گیا ہوا اور چونکہ مشرکین شیطان کے تابع تھے اس لیے ان کو آل غدر کہا گیا ہو۔ واللہ اعلم) لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے پھر وہ اپنا اونٹ لیے ہوئے مسجد حرام میں گیا اور پھر یہی آواز دی اس کے بعد جبل ابی قیس پر چڑھا اور اوپر سے پتھر کی ایک چٹان پھینکی۔ جب وہ چٹان پہاڑ کے دامن میں پہنچی تو چور چور ہو گئی اور مکہ کا کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں اس کا کوئی ٹکڑا جا کر نہ گرا ہو۔

عاتکہ نے یہ خواب اپنے بھائی حضرت عباس سے ذکر کیا اور کہا اے بھائی خدا کی قسم آج میں نے یہ خواب دیکھا ہے اور اندیشہ ہے کہ تیری قوم پر کوئی بلا اور مصیبت آنے والی ہے۔ دیکھو اس خواب کو کسی سے بیان نہ کرنا عباس گھر سے باہر نکلے اور اپنے دوست ولید بن عتبہ سے اس خواب کا ذکر کیا اور یہ تاکید کی کہ اس خواب کا کسی اور سے ذکر نہ کرنا مگر ولید نے اپنے باپ عتبہ سے اس خواب کا لفظ بلفظ تذکرہ کر دیا اسی طرح بات تمام مکہ میں پھیل گئی۔ دوسرے تیسرے روز حضرت عباس مسجد حرام میں گئے تو دیکھا کہ ابو جہل ایک مجمع کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ ابو جہل نے حضرت عباس کو دیکھتے ہی یہ کہا کہ اے ابو الفضل تمہارے مرد تو نبوت کے مدعی تھے ہی اب تمہاری عورتیں بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگیں میں نے دریافت کیا کیا بات ہے؟ ابو جہل نے عاتکہ کے خواب کا ذکر کیا اسی اثناء میں ضمضم غفاری ابوسفیان کا پیام لے کر اس شان سے مکہ میں پہنچا کہ پیراہن چاک ہے اور اونٹ کی ناک کٹی ہوئی ہے اور یہ پکارتا آ رہا ہے کہ اے گروہ قریش اپنے کاروان کی خبر لو اور جلد از جلد ابوسفیان کے قافلہ کی مدد کو پہنچو۔

یہ خبر سنتے ہی قریش پورے ساز و سامان کے ساتھ مکہ سے نکل کھڑے ہوئے اور بدر میں پہنچ کر خواب کی تعبیر بحالت بیداری آنکھوں سے دیکھ لی۔ (وقال الہیثمی رواہ الطبرانی مرسلًا وفيہ ابن لہیعة وفيہ ضعف وحديثه حسن۔ مجمع الزوائد) موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں ہے کہ ضمضم غفاری جب مکہ آیا تو قریش کو عاتکہ کے خواب سے ڈر پیدا ہو گیا۔

فائدہ

عاتکہ بنت عبدالمطلب کے اسلام میں اختلاف ہے ابن سعد فرماتے ہیں کہ عاتکہ مسلمان ہوئیں اور مدینہ کی

طرف ہجرت کی۔ (اصابہ ترجمہ عاتکہ بنت عبدالمطلب)

جہیم بن الصلت کا خواب

غرض یہ کہ قریش پورے ساز و سامان کے ساتھ گاتے بجاتے روانہ ہوئے جب مقام جھہ میں پہنچے تو جہیم بن صلت نے یہ خواب دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہے اور ایک اونٹ اس کے ہمراہ ہے، وہ آکر کھڑا ہوا اور یہ کہتا ہے قتل ہوا عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ابوالحکم بن ہشام یعنی ابو جہل۔ اور امیہ بن خلف اور فلاں فلاں۔ بعد ازاں اس شخص نے اونٹ کو ایک برچھا مار کر لشکر میں چھوڑ دیا۔ لشکر میں کا کوئی خیمہ ایسا نہ رہا جس پر اس کے خون کے چھینٹے نہ پڑے ہوں۔ ابو جہل کو جب اس خواب کی اطلاع ہوئی تو بہت برہم ہوا اور یہ کہا کہ یہ بنی المطلب میں دوسرا نبی پیدا ہوا ہے کل کو جب مقابلہ ہوگا تب اس کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ میں ہم میں سے کون قتل ہوگا۔

بسببہ اور عدی رضی اللہ عنہما جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے قافلہ کی جاسوسی کے لئے روانہ فرمایا تھا۔ جب مقام بدر پر پہنچے تو ایک ٹیلہ کے نیچے جہاں ایک پانی کا چشمہ تھا اپنے اونٹوں کو بٹھلایا اتنے میں دو عورتیں دکھائی دیں جن میں سے ایک دوسری پر اپنے قرض کا تقاضہ کرتی تھی تو اس نے یہ کہا کہ کل یا پرسوں قریش کا قافلہ شام سے آنے والا ہے اس وقت محنت و مزدوری سے جو کماؤں گی اس سے تیرا حق ادا کر دوں گی۔

مجدی بن عمرو جہنی بھی پانی کے چشمہ پر موجود تھا اور یہ تمام گفتگو سن رہا تھا جب قرضدار عورت نے قرض خواہ عورت سے یہ کہا کہ کل یا پرسوں قریش کا قافلہ آنے والا ہے اس وقت قافلہ کا کچھ کام کر کے تیرا حق ادا کر دوں گی تو مجدی نے یہ کہا سچ کہتی ہے اور یہ کہہ کر بیچاؤ کر دیا۔ بسببہ اور عدی رضی اللہ عنہما یہ سنتے ہی اونٹ پر سوار ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ کی اطلاع دی۔

بسببہ اور عدی رضی اللہ عنہما کے چلے جانے کے بعد ابوسفیان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل و حرکت کی خبر لینے کی غرض سے اس مقام پر پہنچا اور مجدی بن عمرو سے دریافت کیا کہ کیا تم نے کسی کو یہاں آتے جاتے دیکھا ہے؟ مجدی نے کہا کسی کو نہیں دیکھا صرف دو سواروں کو دیکھا کہ اس ٹیلہ کے نیچے آکر اونٹ بٹھلائے اور پانی پلایا اور مشکیزہ پانی سے بھر کر چل دیئے ابوسفیان فوراً اس مقام پر پہنچا وہاں کچھ یونگنیاں پڑی تھیں ایک یونگنی کو اٹھا کر توڑا اس میں سے ایک گٹھلی برآمد ہوئی۔ ابوسفیان نے اس گٹھلی کو دیکھ کر کہا: خدا کی قسم یشرب (مدینہ) کے کھجور کی گٹھلی ہے۔ فوراً وہاں سے واپس ہوا اور قافلہ کا رخ بدل دیا۔ اور ساحل کے راستے سے قافلہ کو بچا کر صحیح سالم لے گیا اور قریش کو یہ پیام دے کر بھیجا:

انکم خرجتم لتمنعوا عیرکم ورجالکم واما لکم وقد نجاها اللہ فارجعوا۔

یعنی تم صرف اس لیے نکلے تھے کہ قافلہ کو اور اپنے آدمیوں کو اور اپنے اموال کو بچا لو اللہ نے سب کو بچالیا۔ لہذا تم سب مکہ واپس ہو جاؤ۔ ابو جہل نے کہا جب تک ہم بدر پہنچ کر تین دن تک کھاپی کر اور گا بجا کر خوب مزے نہ اڑالیں اس وقت تک ہرگز واپس نہ ہوں گے۔

اُغس بن شریق سردار بنی زہرہ نے کہا کہ اے بنی زہرہ تم فقط اپنے اموال کی حفاظت کیلئے نکلے تھے سو اللہ نے تمہارے اموال بچالے اب ہمیں لڑنے کی ضرورت نہیں ہے وجہ ہم کو ہلاکت میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے جیسا کہ یہ شخص (ابو جہل) کہتا ہے لہذا تم واپس ہو جاؤ۔ قبیلہ بنی زہرہ کے تمام لوگ اپنے سردار اُغس بن شریق کے کہنے سے واپس ہو گئے اور بنی زہرہ میں سے کوئی شخص بھی بدر میں شریک نہیں ہوا اور دیگر بعض نے بھی یہی کہا کہ جب ہمارا قافلہ صحیح سالم بچ گیا تو اب جنگ کی کیا ضرورت رہی؟ مگر ابو جہل نے ایک نہ سنی اور بدر کی طرف روانہ ہوا۔

اور ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے اصحاب کے بدر پر پہنچ گئے مگر قریش نے پہلے پہنچ کر پانی کے چشمہ پر قبضہ کر لیا اور مناسب موقعوں کو اپنے لیے چھانٹ لیا۔ بخلاف مسلمانوں کے کہ ان کو نہ پانی ملا اور نہ جگہ مناسب ملی۔ ریتلا میدان تھا جہاں چلنا ہی دشوار تھا ریت میں پیرھنس دھنس جاتے تھے۔ حق جل و علانے بارانِ رحمت نازل فرمائی جس سے تمام ریت جم گیا۔ اور پانی جمع کرنے کیلئے مسلمانوں نے چھوٹے چھوٹے حوض بنائے تاکہ پانی وضو اور غسل کے کام آ سکے، سورۃ الانفال میں حق تعالیٰ شانہ نے اس احسان کو ذکر فرمایا ہے:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَ بِهِ وَ يَذْهَبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ (سورۃ الانفال آیت ۱۱)

اور اللہ تعالیٰ تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دور کر دے اور تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے قدموں کو جمادے۔

یہ پانی اگرچہ مسلمانوں نے اپنی ضرورت کے لئے جمع کیا تھا مگر نبی اکرم رحمت عالم رافت مجسم نے اپنے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کو اس سے پینے کی اجازت دی۔

جب شام ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص اور چند صحابہ کو قریش کی خبر لینے کیلئے روانہ فرمایا اتفاق سے ان کو دو غلام ہاتھ آ گئے ان کو پکڑ لائے اور دریافت کرنا شروع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے ان غلاموں نے کہا ہم قریش کے سہ قہ ہیں پانی لانے کیلئے نکلے ہیں۔ ان لوگوں کو ان کے کہنے کا کچھ یقین نہ آیا اور یہ سمجھ کر ان کو کچھ مارا کہ شاید مار پیٹ کے خوف سے ابوسفیان کا کچھ حال بتلائیں جب ان کو کچھ مار پڑی تو کہنے لگے کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ یسن کر ان لوگوں نے مارنا چھوڑ دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ جب ان غلاموں نے سچ کہا تو تم نے ان کو مارا اور جب جھوٹ کہا تو چھوڑ دیا۔ خدا کی قسم یہ قریش کے آدمی ہیں (یعنی ابوسفیان کے ہمراہیوں میں سے نہیں) آپ نے فرمایا کہ قریش کہاں ہیں؟ ان غلاموں نے کہا واللہ اس مقتضی ٹیلے کے پیچھے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنے لوگ ہیں؟ جواب دیا کہ بہت ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کی تعداد کتنی ہے؟ غلاموں نے کہا ہم کو ان کی شمار اور تعداد معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا روزانہ کھانے کیلئے کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ جواب دیا کہ ایک دن نو اور ایک دن

دس۔ آپ نے فرمایا ہزار اور نو سو کے درمیان ہیں۔

بعد ازاں آپ نے دریافت کیا کہ سرداران قریش میں سے کون کون ہیں؟ انہوں نے کہا عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ ابوالبختری بن ہشام اور حکیم بن حزام اور نوفل بن خویلد اور حارث بن عامر اور طعیمہ بن عدی اور نضر بن الحارث اور زمعہ بن اسود اور ابو جہل بن ہشام اور امیہ بن خلف اور نبیہ اور منبہ پسران حجاج اور سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدود۔ یہ سن کر آپ اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ فرمایا کہ مکہ نے آج اپنے تمام جگر گوشوں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے۔ الغرض اس طرح آپ نے قریش کا حال معلوم کیا۔

جنگ کی تیاری

جب صبح ہوئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کی تیاری کی اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے سے آپ کے قیام کیلئے ٹیلہ پر ایک چھپر بنایا گیا:

ان سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ قال یا نبی اللہ الا نبی لک عریشا تكون فيه ونعد عندک رکائبک ثم نلقى عدونا فان اعزنا الله واطهرنا كان ذالك ما احببنا وان كانت الاخرى جلست على رکائبک فلحقت بمن ورائنا من قومنا فقد تخلف عنک اقوام یا نبی اللہ ما نحن باشد لک حبا منهم ولو ظنوا انک تلقى حربا ماتخلفوا عنک یمنعک اللہ بهم یناصحون ویجاهدون معک فاثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرا ودعاه بخیر ثم بنی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عریش فکان فیہ۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی کیا آپ کے لئے ایک چھپر نہ بنادیں جس میں آپ تشریف رکھیں اور سواریاں آپ کے قریب تیار رکھیں پھر ہم دشمن سے جا کر مقابلہ کریں پس اگر اللہ نہ ہم کو عزت دی اور دشمن پر غلبہ عطا فرمایا تو ہماری عین تمنا ہے اور اگر خدا نخواستہ دوسری صورت پیش آئی تو آپ سوار ہو کر ہماری قوم کے باقی ماندہ لوگوں سے جا ملیں قوم کے جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں اے پیغمبر خدا ہم ان سے زیادہ آپ کے محبت نہیں۔ اگر ان کو کسی وجہ سے اس میں بھی یہ گمان ہوتا کہ آپ کو جنگ کا سامنا ہوگا تو ہرگز پیچھے نہ رہتے شاید اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ آپ کی حفاظت فرماتا اور وہ نہایت اخلاص اور خیر خواہی سے آپ کے ساتھ جہاد کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ کی تعریف کی اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی بعد ازاں آپ کیلئے ایک چھپر بنایا گیا آپ اس میں رہے۔

یہ چھپر ایک ایسے بلند ٹیلے پر بنایا گیا جس پر کھڑے ہو کر تمام میدان کا رزار نظر آتا تھا۔

حضرت انس حضرت عمر سے راوی ہیں کہ جس شب کی صبح کو میدان کا رزار گرم ہونے والا تھا اس شب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہم کو میدان کا رزار کی طرف لے کر چلتے تھے کہ اہل مکہ کی قتل گاہیں ہم کو آنکھوں سے دکھلا دیں چنانچہ آپ اپنے دست مبارک سے اشارہ فرماتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے هذا مصرع فلاں غدا ان شاء اللہ۔ یہ ہے

فلاں کی قتل گاہ صبح کو ان شاء اللہ اور مقام قتل پر ہاتھ رکھ کر نام بنام اسی طرح صحابہ کو ہلاتے رہے قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا کسی ایک نے بھی اس جگہ سے سرمو تجاوز نہ کیا جہاں آپ نے اپنے دست مبارک سے اس کے قتل کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ (رواہ مسلم۔ باب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یقتل ببدر)

بعد ازاں آپ اور آپ کے یار غار رفیق جان نثار صدیق المہاجرین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس عریش، چھپر میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی اور صدیق الانصار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ چھپر کے دروازہ پر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ بدر کی شب میں کوئی شخص ہم سے ایسا نہ تھا جو سو نہ رہا ہو سوائے آپ کی ذات بابرکات علیہ الف الف صلوات والف الف تحیات کہ تمام شب نماز اور دعا گریہ و زاری میں گزاری۔ اسی طرح صبح کردی۔ (رواہ الطبرانی وابن جریر وابن خزیمہ وغیرہم)

طلوع فجر ہوتے ہی آپ نے یہ آواز دی الصلاة عباد اللہ۔ اے اللہ کے بند نماز کا وقت آ گیا۔ آواز کا سننا تھا کہ سب جمع ہو گئے۔ آپ نے ایک درخت کی جڑ میں کھڑے ہو کر سب کو نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہو کر اللہ کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کی ترغیب دی۔ (رواہ ابن ابی شیبہ واحمد وابن جریر وصحیحہ منتخب کنز العمال ص ۹۸ ج ۴)

بعد ازاں آپ نے اصحاب کی صفوں کو سیدھا کیا ادھر کفار کی صفیں تیار تھیں ماہ رمضان المبارک کی سترہ تاریخ ہے اور جمعہ کا روز ہے کہ ایک طرف سے حق کی جماعت اور دوسری طرف سے باطل کی جماعت میدان فرقان کی طرف بڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قریش کی عظیم الشان جماعت کو پورے ساز و سامان کے ساتھ میدان کارزار کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو بارگاہ ایزدی میں یہ عرض کیا:

اللهم هذه قریش قد اقبلت بخيلائها وفخرها تحادك وتكذب رسولك اللهم فنصرك الذي وعدتني اللهم احنهم الغداة۔

اے اللہ یہ قریش کا گروہ ہے جو تکبر اور غرور کے ساتھ مقابلہ کیلئے آیا ہے تیری مخالفت کرتا ہے اور تیرے بھیجے ہوئے پیغمبر کو جھٹلاتا ہے، اے اللہ اپنی فتح و نصرت نازل فرما جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا اور اے اللہ ان کو ہلاک کر۔

(سیرۃ ابن ہشام فتح الباری، باب قول اللہ تعالیٰ اذ تستغيثون ربکم الی قوله شدید العقاب)

بعد ازاں آپ نے لشکر اسلام کو مرتب فرمایا۔ ترتیب اور صف آرائی کے وقت دست مبارک میں ایک تیر تھا، صف میں سے سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ ذرا آگے کو نکلے ہوئے تھے آپ نے بطور تلافی سواد بن غزیہ کے پیٹ پر تیر کا ایک ہلکا سا کوچہ دے کر فرمایا استویا سواد۔ اے سواد سیدھا ہو جا۔

سوا رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یا رسول اللہ اوجعتنی وقد بعثک اللہ بالحق والعدل فاقدنی۔

یا رسول اللہ آپ نے مجھ کو درد مند کیا اور تحقیق اللہ نے آپ کو حق اور عدل کے ساتھ بھیجا ہے میرا بدلہ دیجئے
آپ نے شکم مبارک سے پیرا ہن شریف کو اٹھا کر سوا سے فرمایا: اپنا بدلہ لے لو۔

سوا رضی اللہ عنہ نے شکم مبارک کو گلے لگا لیا اور بوسہ دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ شاید یہ آخری ملاقات ہو۔ آپ
مسرور ہوئے اور سوا بن غزیہ رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے خیر فرمائی۔ (اصابہ۔ ترجمہ سوا بن غزیہ انصاری رضی اللہ عنہ)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر اسلام کو مرتب اور اس کی صفوں کو صفوں ملائکہ کی طرح درست اور ہموار فرما کر
عریش (چھپر) میں تشریف لے گئے صرف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ عریش میں داخل ہوئے اور سعد
بن معاذ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر عریش کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔

ابو جحش ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وسمیت صدیقاً وکل مہاجر سواک یسمی باسمہ غیر منکر
سبقت الی الاسلام واللہ شاهد وکنت جلیساً بالعریش المشہر
وبالغار اذ سمیت بالغار صاحباً وکنت رفیقاً للذبی المطہر

”آپ کا نام صدیق رکھا گیا، اور ہر مہاجر آپ کے سوا دوسرے نام سے پکارا جاتا ہے۔ آپ نے اسلام کی طرف
سبقت کی اور اللہ گواہ ہے اور چھپر میں آپ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نشین تھے۔ اور اسی طرح غار میں بھی
آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اسی وجہ سے آپ کو یار غار کہا جاتا ہے۔ (الاستیعاب لابن عبد البر، ترجمہ
ابی بکر رضی اللہ عنہ)

قریش جب مطمئن ہوئے تو آغاز جنگ سے پہلے عمیر بن وہب نجفی کو مسلمانوں کی جماعت کا اندازہ لینے کیلئے
بھیجا۔ عمیر بن وہب گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کے ارد گرد پھر کر واپس آئے اور یہ کہا کہ کم و بیش تین سو آدمی ہیں
لیکن مجھ کو ذرا مہلت دو کہ یہ دیکھ آؤں کہ مسلمانوں کی مدد کیلئے اور جماعت تو کہیں کمین گاہ میں چھپی ہوئی نہیں۔
چنانچہ عمیر گھوڑے پر سوار ہو کر دور دور ایک چکر لگا کر واپس آئے اور یہ کہا کہ کوئی کمین اور مدد نہیں۔ لیکن اے گروہ
قریش میں یہ دیکھتا ہوں کہ یہ مدینہ کے اونٹ موت احمر (قتل) کو اپنے اوپر لا دے ہوئے ہیں اس قوم کا سوائے ان کی
تلواروں کے کوئی پناہ اور سہارا نہیں خدا کی قسم میں یہ دیکھتا ہوں کہ ان لوگوں میں سے ہر ایک جب اپنے مقابل کو نہ
مار لے گا اس وقت تک ہرگز نہ مارا جائے گا۔ پس اگر ہمارے آدمی بھی انہیں کے برابر مارے گئے تو پھر زندگی کا لطف
ہی کیا رہا۔ سوچ کر کوئی رائے قائم کر لو۔

حکیم بن حزام نے کہا بالکل درست ہے اور اٹھ کر عتبہ کے پاس گیا اور کہا اے ابوالولید آپ قریش کے سردار اور

بڑے ہیں کیا آپ کو یہ پسند نہیں کہ ہمیشہ خیر اور بھلائی کے ساتھ آپ کا ذکر ہوتا رہے؟ عتبہ نے کہا: کیا ہے؟ حکیم نے کہا لوگوں کو لوٹا لے چلو۔ اور عمرو بن حضری کا خون بہا اپنے ذمہ لے لو۔ عتبہ نے کہا میں عمرو بن حضری کا خون بہا اور بیت کا ذمہ دار ہوں لیکن ابو جہل سے بھی مشورہ کر لو اور کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا:

میدان کارزار میں عتبہ کی تقریر

اے گروہ قریش واللہ تم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب سے جنگ کر کے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ یہ سب تمہارے قرابت دار ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنے باپ اور بھائی بنی الاعام بنی الاخال کے قاتلوں کو دیکھتے رہو گے۔ محمد اور عرب کو چھوڑ دو۔ اگر عرب نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ختم کر دیا تو تمہاری مراو پوری ہوئی اور اگر اللہ نے ان کو غلبہ دیا تو وہ بھی تمہارے لیے باعث عزت و شرف ہوگا کیونکہ وہ تمہاری ہی قوم کے ہیں ان کا غلبہ تمہارا غلبہ ہے دیکھو میری نصیحت کو رد مت کرو اور مجھ کو سفیہ اور ناولان نہ بناؤ۔

حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں ابو جہل کے پاس آیا ابو جہل اس وقت زرہ پہن کر ہتھیار سجا رہا تھا۔ میں نے کہا عتبہ نے مجھ کو یہ پیام دے کر بھیجا ہے۔ ابو جہل سنتے ہی غصہ سے بھڑک اٹھا اور یہ کہا کہ عتبہ اس لیے بھی لڑائی سے جان چراتا ہے کہ اس کا بیٹا ابو حذیفہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ اس پر کوئی آنچ نہ آئے۔ خدا کی قسم ہم ہرگز واپس نہ جائیں گے جب تک اللہ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مابین فیصلہ نہ کرے اور عمرو بن الحضری کے بھائی عامر بن الحضری کو بلا کر یہ کہا کہ یہ تیرا حلیف، عتبہ لوگوں کو لوٹا کر لے جانا چاہتا ہے اور تیرے بھائی کا خون تیری آنکھوں کے سامنے ہے، عامر نے سنتے ہی واعمرہ واعمرہ، ہائے عمر وہائے عمرو کا نعرہ لگانا شروع کیا جس سے تمام فوج میں جوش پھیل گیا۔ اور سب لڑائی کیلئے تیار ہو گئے۔

فائدہ

ابو جہل علاء بن حضری کے خون کا ذکر لوگوں کو محض جوش دلانے کیلئے کرتا تھا اصل مقصد جس کے لئے قریش مکہ سے نکلے تھے وہ کاروان تجارت کی حفاظت تھی جب وہ بچ نکلا تو لوگ جنگ کیلئے آمادہ نہ تھے اور قدم قدم پر واپسی کا مسئلہ زیر بحث آتا تھا، لہذا کسی علامہ کا یہ گمان کرنا کہ قریش محض علاء بن حضری کے خون کا بدلہ لینے کیلئے مدینہ پر حملہ کرنے کی نیت سے نکلے تھے بالکل غلط ہے تمام روایات کے خلاف ہے۔

آغاز جنگ

ابو جہل کی طعن آمیز گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ عتبہ بھی ہتھیار سجا کر جنگ کیلئے تیار ہو گیا اور گروہ مشرکین میں سب سے پہلے عتبہ بن ربیعہ ہی اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر میدان میں آیا۔ اور لاکر اپنا مبارز اور مقابل طلب کیا۔

لشکر اسلام میں سے تین شخص مقابلہ کیلئے نکلے۔ عوف اور معوذ پسران حارث اور عبداللہ بن رواحہ۔

(عوف اور معوذ کے والد کا نام حارث ہے اور والدہ کا نام عفرآء ہے۔ عفرآء بھی صحابیہ ہیں۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں: عفرآء میں ایک خاص خصوصیت ہے جو کسی اور صحابیہ میں نہیں پائی جاتی۔ وہ یہ کہ عفرآء نے اول نکاح حارث سے کیا، حارث سے تین بیٹے ہوئے عوف اور معوذ اور معاذ۔ حارث کے بعد بکیر بن یلیل سے نکاح کیا جس سے چار لڑکے ہوئے، ایاس، عاقل، خالد اور عامر۔ اور یہ ساتوں بیٹے تین پہلے شوہر کے اور چار دوسرے شوہر کے سب کل کے کل غزوہ بدر میں شریک رہے ایسی صحابیہ جس کے ساتوں لڑکے بدر میں شریک ہوئے ہوں صرف عفرآء رضی اللہ عنہا و عنہم ہیں۔ زرقانی ص ۴۱۶ ج ۱)

عتبہ نے پوچھا تم کون ہو؟ ان لوگوں نے کہا رھط من الانصار یعنی ہم گروہ انصار سے ہیں۔ عتبہ نے کہا مالنا بکم من حاجة یعنی ہم تم سے مطلب نہیں ہم تو اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں۔ اور کسی شخص نے لکار کر یہ آواز دی:

یا محمد اخرج الينا اكفاء نا من قومنا

اے محمد ہماری قوم میں سے ہماری جوڑ کے ہم سے لڑنے کو بھیجو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو حکم دیا کہ صف قتال کی طرف واپس آ جائیں اور حضرت علی اور حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن الحارث کو نام بنام مقابلہ کیلئے نکلنے کا ارشاد فرمایا۔ حسب الارشاد یہ تینوں مقابلہ کیلئے نکلے، چروں پر چونکہ نقاب تھے اس لیے عتبہ نے دریافت کیا تم کون ہو عبیدہ نے کہا میں عبیدہ ہوں حمزہ نے کہا میں حمزہ ہوں علی نے کہا میں علی ہوں۔ عتبہ نے کہا:

نعم اكفاء كرام

ہاں تم ہمارے جوڑ اور برابر کے ہو اور محترم ہو۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

قوموا یا بنی ہاشم بحقکم الذی بعث اللہ بہ نبیکم ان جاؤا بباطلهم لیطفئوا نور اللہ

اے بنی ہاشم اٹھو اس حق کے ساتھ جس کو اللہ نے تمہارے نبی کو دے کر بھیجا ہے۔ یہ باطل کو لے کر اللہ کا نور

بجھانے آئے ہیں۔

ذکر قتل عتبہ و شیبہ و ولید

اس کے بعد جنگ شروع ہو گئی۔ عبیدہ، عتبہ کے مقابلہ میں نکلے اور حمزہ، شیبہ کے اور علی، ولید کے مقابل ہوئے۔

حضرت علیؑ اور حضرت حمزہؑ نے تو اپنے اپنے مقابل کا ایک ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔ عبیدہ رضی اللہ عنہ خود بھی زخمی ہوئے اور اپنے مقابل کو بھی زخمی کیا۔ بالآخر عتبہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ پر تلوار کا ایسا وار کیا جس سے

حضرت عبیدہؓ کے پیر کرٹ گئے۔ حضرت علیؓ اور حمزہؓ اپنے اپنے مقابل سے فارغ ہو کر حضرت عبیدہؓ کی امداد کو آ پہنچے اور عتبہ کا کام تمام کیا اور عبیدہؓ کو اٹھا کر آپ کے خدمت میں لے آئے، عبیدہؓ کی پٹلی کی ہڈی سے خون جاری تھا، عبیدہؓ نے دریافت کیا: یا رسول اللہ کیا میں شہید ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس پر عبیدہؓ نے کہا کاش اگر ابوطالب زندہ ہوتے تو یقین کرتے کہ ان کے اس شعر کے ہم زیادہ مستحق ہیں:

ونسلمہ حتی نصرع حولہ

ونذہل عن ابنائنا والحلائل

ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کر سکتے ہیں کہ جب ہم سب ان سے پہلے قتل کر دیئے جائیں اور اپنے بیٹوں اور بیویوں سے بے خبر ہو جائیں۔ اور اس کے بعد یہ شعر پڑھے:

فان یقطعوا رجلی فانی مسلم ارجی بہ عیشاً من اللہ عالیہا

والبسنى الرحمن من فضل منه لباسا من الاسلام غطی المساویا

(اگر کافروں نے میرا پیر کاٹ دیا تو کوئی مضائقہ نہیں اس کے صلہ میں اللہ عز و جل سے بہت ہی بلند عیش کا امیدوار ہوں) یعنی پیر قطع ہو جانے سے یہ حیات فانیہ قطع ہو گئی مگر اس کے بدلے میں ایسی حیات ملے گی جو کبھی منقطع نہ ہوگی) اور کیوں نہ امید کروں خداوند مہربان ہی نے محض اپنی مہربانی سے مجھ کو اسلام کا لباس پہنایا جس نے تمام برائیوں کو ڈھانک لیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جس جسم پر اسلام اور تقویٰ کا لباس نہ ہو تو وہ عریاں اور برہنہ ہے۔ عالم شہادت والے اگرچہ اس عریانی کا احساس نہ کر سکیں لیکن عالم غیب کے رہنے والے اس برہنگی کو ضرور محسوس کرتے ہوں گے۔ حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ جب حضرت لبید رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے تو یہ شعر کہا:

الحمد لله اذ لم یاتنی اجلی

حتى اکتسیت من الاسلام سربالا

یہ شعر بھی اسی کاموید ہے اگر اندیشہ طوالت نہ ہوتا تو کتاب وسنت سے کچھ اور شواہد ذکر کرتا، حضرات اہل علم ادنیٰ توجہ سے معلوم کر سکتے ہیں۔

(ایک روایت میں ہے کہ جب صحابہ نے یہ حالت دیکھی تو عبیدہؓ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنا رخسار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر رکھ کر کہا: یا رسول اللہ! اگر ابوطالب زندہ ہوتے اور ہم کو دیکھتے تو وہ جان لیتے کہ ہم ان سے زیادہ اس شعر کے مستحق ہیں اس کے بعد وفات پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اشہد انک شہید میں گواہی دیتا ہوں کہ تو شہید ہے۔ (رواہ الشافعی، البدایہ والنہایہ ص ۲۷۷ ج ۳)

فائدہ

عتبہ اور شیبہ اصل میں جنگ سے اس لیے جان چراتے تھے کہ اول تو عاتکہ اور پھر جہیم بن صلت کے خواب کی وجہ سے پریشان تھے اور پھر یہ کہ مکہ سے چلتے وقت یہ ماجرا پیش آیا کہ عداس رضی اللہ عنہ نے (جو عتبہ اور شیبہ کے غلام تھے اور نصرانیت سے تابہ ہو کر طائف کی واپسی میں حضور کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہو چکے تھے) جب عتبہ اور شیبہ بدر کے لئے روانہ ہونے لگے تو جاتے وقت عداس نے عتبہ اور شیبہ کے پیچ پکڑے اور یہ کہا:

بابی وامی انتما واللہ انہ لرسول اللہ وما تساقان الا الی مصارعکما۔

میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں خدا کی قسم وہ یعنی محمد بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔ اور نہیں ہانکے جارہے ہو تم مگر اپنے اپنے مقتل (قتل گاہ) کی طرف اور رو پڑے۔ عاص بن شیبہ نے حضرت عداس کو روتے ہوئے دیکھ کر رونے کا سبب دریافت کیا تو عداس نے کہا کہ میں اپنے ان آقاؤں کی وجہ سے روتا ہوں کہ دونوں اللہ کے رسول سے قتال اور جنگ کیلئے جارہے ہیں، عاص نے کہا: کیا واقعی وہ اللہ کے رسول ہیں؟ عداس کا نپ اٹھے اور یہ کہا:

ای واللہ انہ لرسول اللہ الی الناس کافۃ

ہاں خدا کی قسم تحقیق وہ اللہ کے رسول ہیں جو تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

حضرت عداس کا یہ کلام عتبہ اور شیبہ کے دل میں اتر چکا تھا کہ یہ سب لوگ مارے جائیں گے۔ اس لیے عتبہ اور شیبہ جنگ سے جان چراتے تھے، فقط ابو جہل کے طعن کی وجہ سے عتبہ اور شیبہ نے سبقت کی۔ ابو جہل بار بار عتبہ اور شیبہ کو بزلی اور نامردی کا طعنہ دیتا تھا۔ اس لیے سب سے پہلے یہ دونوں جنگ کی طرف بڑھے تاکہ اپنے سے بزلی اور نامردی کے طعنہ کو دور کریں ابو اسید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن یہ ارشاد فرمایا اپنے تیروں کو وقت کیلئے بچا رکھنا۔ جب کا فر تم پر ہجوم کر دیں اور قریب آجائیں اس وقت تیر مارنا۔ (بخاری شریف غزوہ بدر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ خداوندی میں دعاء فتح

عتبہ اور شیبہ کے قتل کے بعد میدان کا رزار گرم ہو گیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھپر سے برآمد ہوئے اور صحابہ کی صفوف کو ہموار کیا۔ اور پھر ابو بکر صدیق کو ساتھ لیے ہوئے عریش (چھپر) میں واپس تشریف لے گئے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تلوار لیکر چھپر کے دروازے پر کھڑے ہو گئے حضور پر نور نے جب اپنے اصحاب اور احباب کی قلت اور بے سروسامانی کو اور اعداء کی کثرت اور قوت کو دیکھا تو نماز کیلئے کھڑے ہو گئے اور دو رکعت نماز پڑھی اور دعاء میں مشغول ہو گئے اور یہ دعاء مانگتے تھے:

اللہم انی انشدک عہدک ووعدک اللہم ان شئت لم تعبد

اے اللہ میں تیرے عہد اور وعدہ کے وفا کی درخواست کرتا ہوں اے اللہ اگر تو چاہے تو تیری پرستش نہ ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خشوع و خضوع کی ایک خاص کیفیت طاری تھی، بارگاہ خداوندی میں کبھی سرسجود و تضرع و ابتهال فرماتے اور کبھی ساکنانہ اور فقیرانہ ہاتھ پھیلا پھیلا کر فتح و نصرت کی دعا مانگتے تھے۔ محویت کا یہ عالم تھا کہ دوش مبارک سے چادر گر گر پڑتی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ میں نے بدر کے دن کچھ قتل کیا اور آپ کی طرف آیا دیکھا کہ آپ سرسجود ہیں اور یا حی یا قیوم کہتے جاتے ہیں میں لوٹ گیا اور قتال میں مصروف ہو گیا اور کچھ دیر بعد پھر آپ کی طرف آیا پھر اسی حال میں پایا۔ تین مرتبہ اسی حال میں پایا چوتھی بار اللہ نے آپ کو فتح دی۔ (رواہ النسائی والحاکم فتح الباری۔ باب قول اللہ تعالیٰ ان تستغیثون ربکم)

صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب بدر کا دن ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مشرکین مکہ ایک ہزار ہیں اور آپ کے اصحاب تین سو سے کچھ زیادہ ہیں تو آپ عریش (چیمبر) میں تشریف لے گئے اور مستقبل قبلہ ہو کر بارگاہ خداوندی میں دعائے کیلئے ہاتھ پھیلائے:

اللهم انجز لی ما وعدتنی اللهم ان تهلك هذه العصابة من اهل الاسلام لا تعبد فی الارض اے اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا فرما۔ اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر زمین میں تیری پرستش نہ ہوگی۔

اس لیے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور یہ امت آخری امت ہے اگر خدا نخواستہ آپ اور آپ کے صحابہ ہلاک ہو گئے تو پھر زمین پر کوئی اللہ کی عبادت کرنے والا نہ رہے گا، نیز اس دعا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فتح و نصرت کی دعائے فقط مسلمانوں کی جان بچانے کیلئے نہ تھی بلکہ اس لیے کہ زمین پر اللہ جل جلالہ کی عبادت اور بندگی باقی رہے ایسا نہ ہو کہ زمین اللہ کی عبادت سے خالی رہ جائے۔

دیر تک ہاتھ پھیلائے ہوئے یہی دعا فرماتے رہے کہ اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر زمین پر تیری پرستش نہ ہوگی۔ اسی حالت میں چادر مبارک دوش مبارک سے گر پڑی۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر اٹھا کر دوش مبارک پر ڈال دی اور پیچھے سے آکر آپ کی کمر سے چٹ گئے، یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ ابو بکر نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا:

حسبك فقد الححت علی ربك

بس کافی ہے تحقیق آپ نے اللہ کے حضور میں بہت الحاج آہ وزاری کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حق جل و علاء کی عظمت و جلال اور شان استغناء و بے نیازی پر تھی۔ کما قال اللہ

تعالیٰ: اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ۔ وقال اللہ تعالیٰ: وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ اِنْ يَّشَاءِ يَذْهَبْكُمْ اس لیے چشمہاے مبارک سے گریہ وزاری کے چشمے جاری اور رواں تھے لیکن حضرت ابو بکر کو آپ کی اس بے تابانہ اور

مضطربانہ الحاح و زاری سے یقین آ گیا کہ آپ کی دعا مستجاب اور مقبول ہوئی، کما قال اللہ تعالیٰ:

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ (سورۃ النمل آیت ۶۲)

آیا وہ ذات کہ جو مضطرب اور بے قرار کی دعا کو قبول کرتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے۔

غرض یہ کہ صدیق اکبر مقام رجا میں تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام خوف میں تھے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

شبہ یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت کا وعدہ تھا تو حضور پر نور کیوں اس درجہ مضطرب تھے؟

جواب یہ ہے کہ حق جل شانہ کی طرف سے حق کی فتح و نصرت کا وعدہ مجمل تھا کوئی زمان و مکان اور کوئی واقعہ اور محل معین نہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حق جل و علاء کی شان بے نیازی پر تھی کہ وہ مالک مطلق ہے جو چاہے سو کرے۔ مقام ربوبیت کا ادب یہی ہے کہ باوجود وعدہ برحق کے اس سے ڈرتا رہے اور یہ سمجھتا رہے کہ کوئی شے کسی حال میں اس پر واجب نہیں بندہ کا کام مانگنے کا ہے وہ جو کچھ عطا فرمائے وہ اس کا فضل اور انعام ہے اور اگر وعدہ نصرت کا وقت معین بھی ہو تو اس میں یہ احتمال ہے کہ ممکن ہے کہ اس وعدہ کا وقوع اور تحقیق ایسے مخفی اسباب و شرائط پر معلق ہو جن سے اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت کی بناء پر اپنے پیغمبروں کو بھی آگاہ نہ کیا ہو۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ اللَّهُ تَعَالَىٰ پر یہ امر واجب نہیں کہ کسی واقعہ اور کسی وعدہ کے اسباب و شروط سے انبیاء کرام کو آگاہ کرے بسا اوقات حکمت بالغہ کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ اصل حقیقت سرکھتم رہے تاکہ بندہ کی نظر سے اللہ کی عظمت اور ہیبت اور شان لا ابالی اوجھل نہ ہو جائے۔

اس لیے حضرات انبیاء کرام کا اس طرح کی والہانہ اور مضطربانہ دعا مانگنا اس لیے نہیں ہوتا کہ ان کو وعدہ خداوندی پر وثوق نہیں ہوتا بلکہ خداوند ذوالجلال کی بے نیازی کا خوف ان پر غالب ہوتا ہے۔ (ماخوذ از مدارج النبوة)

اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

كفأك منا شدتك ربك فانه سينجز لك ما وعدك

بس اللہ سے آپ کا یہ سوال کافی ہے تحقیق وہ اپنے وعدہ کو ضرور پورا فرمائے گا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِذْ سَخَّرَ لَكُمْ دَرَكَتَهُمَا فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرَوِّينَ ۖ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ (سورۃ الانفال آیت ۹، ۱۰)

یاد کرو اس وقت کو کہ جب تم اللہ سے فریاد کر رہے تھے پس اللہ نے تمہاری دعا قبول کی کہ میں تمہاری ایک ہزار

فرشتوں سے مدد کروں گا جو یکے بعد دیگرے آنے والے ہوں گے اور نہیں بنایا اللہ نے اس امداد کو مگر محض تمہاری بشارت اور خوشخبری کیلئے اور اس لیے کہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور حقیقت میں مدد نہیں مگر اللہ کی جانب سے بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ اس وقت عریش (چھپر) سے باہر تشریف لائے اور زبان مبارک پر یہ آیت تھی:

سَيَهْزِمُ الْجَمْعُ وَيُوثِقُ الدُّبُرَ - (سورۃ القمر آیت ۴۵)

عنقریب کافروں کی یہ جماعت شکست کھائے گی اور پشت پھیر کر بھاگے گی۔

ابن اسحق کی روایت میں ہے کہ دعا مانگتے مانگتے آپ پر نیند طاری ہو گئی، تھوڑی دیر بعد آپ بیدار ہوئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

ابشر يا ابا بکر اتاك نصر الله هذا جبريل اخذ بعنان فرسه يقوده على ثناباه الغبار
اے ابوبکر تجھ کو بشارت ہو تیرے پاس اللہ کی مدد آ گئی، یہ جبریل امین گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے ہیں دانتوں پر ان کے غبار ہے۔

اہل اسلام کی امداد کیلئے آسمان سے فرشتوں کا نزول

اول حق تعالیٰ نے ایک ہزار اور پھر تین ہزار اور پھر پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی امداد کیلئے اتارے۔

نکتہ

چونکہ اس جنگ میں کفار و مشرکین کی امداد کیلئے ابلیس لعین اپنا لشکر لے کر حاضر ہوا اس لیے حق جل و علانے مسلمانوں کی امداد کیلئے جبریل و میکائیل و اسرافیل کی سرکردگی میں آسمان سے اپنے فرشتوں کا لشکر نازل فرمایا چونکہ شیطان خود سراقہ بن مالک کی شکل میں اور اس کے لشکر کے لوگ بنی مدج کے مردوں کی شکل میں ظاہر ہوئے (جیسا کہ دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے)

اسی وجہ سے فرشتے بھی مردوں ہی کی شکل میں نمودار ہوئے جیسا کہ علامہ سیہلی اور امام قرطبی نے تصریح کی ہے۔ اور جن حضرات کی امداد اور اعانت کیلئے آسمان سے فرشتے اترے وہ حضرات اگرچہ صورتہ انسان تھے مگر معنی فرشتے تھے اور بلاشبہ اس کا مصداق تھے۔

نقش آدم لیک معنی جبریل رستہ از جملہ ہوا و قال وقیل

ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ (جو صحابہ بدر بین میں سے ہیں) فرماتے ہیں کہ بدر کے دن فرشتے زرد رنگ کے عماموں میں اترے شیلے مونڈھوں کے درمیان چھوڑے ہوئے تھے۔ (رواہ ابن جریر باسناد حسن) اور ایسا ہی ابن ابی حاتم نے زیر بن عوام سے روایت کیا ہے اور زبیر رضی اللہ عنہ خود بھی بدر کے دن زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے عماموں کا رنگ سیاہ تھا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ سفید تھا۔ حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ صحیح روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عماموں کا رنگ زرد تھا۔ سیاہ اور سفید رنگ کے بارے میں جس قدر بھی روایتیں ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔

نکتہ

عجب نہیں کہ فرشتوں کے عماموں کا رنگ زرد، مسلمانوں کے فرحت و مسرت کیلئے رکھا گیا ہو اس لیے کہ زرد رنگ کو دیکھ کر فرحت و مسرت ہوتی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

صَفَرَاءُ فَأَقَمَ لُغَمًا تَسْمُرِينَ

دیکھنے والوں کو فرحت اور مسرت بخشتا ہے۔

الحیصل حق جل شانہ نے مسلمانوں کی امداد کیلئے فرشتوں کا لشکر آسمان سے نازل فرمایا۔ اول تو ملائکہ کا فقط نزول ہی موجب خیر و برکت تھا۔ جیسے غزوہ جنین میں فقط ملائکہ کا نزول ہی فتح کا باعث ہوا، (کما سیاتی ان شاء اللہ تعالیٰ) دوسرا انعام حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ مسلمانوں کو روحانی طور پر تقویت پہنچائیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنْ يَمُوتُوا (سورة الانفال آیت ۱۲)

اس وقت کو یاد کرو کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم اہل ایمان کو ثبات اور استقامت میں قوت پہنچاؤ۔

جس طرح حق تعالیٰ نے شیطان کو دلوں میں وسوسے ڈالنے کی قدرت دی ہے اسی طرح ملائکہ مکر میں کو دلوں میں نیک باتوں کے القاء کی قدرت عطا فرمائی ہے جس کو لمحہ اور الہام کہتے ہیں۔ سو فرشتوں نے مسلمانوں کے دلوں میں خداوند و الجلال سے سرکشی کرنے والوں کے مقابلہ میں سرفروشی اور جانبازی کا القاء کیا کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کرنے والوں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو۔ نعم المولیٰ اور نعم النصیر اللہ تمہارا حامی اور مددگار ہے اور اس کے فرشتوں کا لشکر تمہاری پشت پناہی کیلئے حاضر ہے۔ پھر کیا فکر اور کیا غم ہے اور فتح و شکست کا مدار دلوں کی قوت اور ضعف پر ہے۔ اس طرح مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔

تیسرا انعام حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ فرشتوں کو مسلمانوں کے دشمنوں سے جہاد اور قتال کا حکم دیا۔ چوتھا انعام یہ فرمایا کہ فرشتوں کو ان کا معین اور مددگار بنایا، اصل جہاد کرنے والے صحابہ تھے، فرشتے ان کے تابع تھے جیسا کہ ممدکم کا لفظ اس طرف اشارہ کرتا ہے۔

پانچواں انعام یہ فرمایا کہ کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈالا۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ

فرشتوں کو طریقہ جہاد و قتال کی تعلیم

فرشتوں کو چونکہ آدمیوں کے قتل کا طریقہ معلوم نہ تھا اس لیے حق تعالیٰ نے ان کو قتل کا طریقہ بتلایا:

فَاصْبِرُوا فَوْقَ الْكَفَّارِ وَاصْبِرُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ (سورۃ انفال آیت ۱۲)

اے فرشتوں پس مارو کافروں کی گردنوں پر اور کاٹ دو ان کے ہر پور (جوڑ) کو۔

ربیع بن انس سے مروی ہے کہ بدر کے دن فرشتوں کے مقتولین انسانوں کے مقتولین سے علیحدہ طور پر پہچانے جاتے تھے، مقتولین ملائکہ کے گردنوں اور پوروں پر آگ کے سیاہ نشان تھے۔ (فتح الباری باب شہود الملائکہ بدر)

صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مسلمان مرد ایک مشرک کے پیچھے دوڑا اوپر سے ایک کوڑے اور سوار کی آواز سنائی دی کہ اے جیروم (جیروم حضرت جبرئیل کے گھوڑے کا نام ہے زر قانی ص ۳۱۶ ج ۱) آگے بڑھ۔ اس کے بعد جو اس مشرک پر نظر پڑی تو دیکھتے کیا ہیں کہ وہ مشرک زمین پر چپت پڑا ہوا ہے اور اس کی ناک اور چہرہ کوڑے کی ضرب سے پھٹ کر نیلا ہو گیا ہے۔

انصاری نے آکر یہ تمام واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا آپ نے سن کر فرمایا: تو نے سچ کہا، یہ تیسرے آسمان کی امداد تھی۔

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے لئے یہ ارشاد فرمایا:

هَذَا جَبْرِئِيلُ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ عَلَيْهِ أَدَاةُ الْحَرْبِ

یہ ہیں جبرئیل جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہیں سامان جنگ سے آراستہ ہیں۔ (بخاری شریف باب شہود الملائکہ بدر)

سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن ہم نے یہ دیکھا کہ ہم میں کا کوئی شخص جب مشرک کی طرف اشارہ کرتا ہے تو قبل اس کے کہ تلوار اس تک پہنچے اس کا سر کٹ کر زمین پر گر جاتا ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ان کے تلمیذ بیہقی نے اور نیز ابو نعیم نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔

سہیل بن سعد راوی ہیں کہ ابو اسید نے مجھ سے یہ کہا کہ اے بھتیجے اگر میں اور تو بدر میں ہوتے تو میں تجھ کو وہ گھائی دکھلاتا جہاں سے فرشتے ہماری امداد کیلئے برآمد ہوئے تھے جس میں کوئی شک اور شبہ نہیں۔ (رواہ الطبرانی وفیہ سلامۃ بن روح وثقہ ابن حبان وضعفہ غیر لغفلۃ فیہ)

الحاصل جنگ بدر میں مسلمانوں کی امداد کیلئے آسمان سے فرشتوں کا نازل ہونا اور پھر مسلمانوں کے ساتھ ہو کر ان کا جہاد و قتال کرنا، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے صراحۃً ثابت ہے جس میں کسی کے انکار اور شبہ کی گنجائش نہیں۔ فرشتوں کا گھوڑوں پر سوار ہونا یہ بھی متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے بعض روایات میں ہے کہ اہلک گھوڑوں

پرسوار تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ملائکہ نے سوائے بدر کے اور کسی موقع پر قتال نہیں کیا۔ ہاں مسلمانوں کی فقط تائید اور تقویت اور تکثیر جماعت اور سکینت و طمانیت کیلئے فرشتوں کا نازل ہونا دوسرے مواقع میں بھی ثابت ہوا ہے۔ مثلاً غزوہ حنین میں ملائکہ کا نزول سورہ توبہ میں مذکور ہے، کما قال اللہ تعالیٰ:

وَأَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا

اور ایسے لشکر اتارے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے۔

مگر بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں غزوہ احد میں بھی جبریل و میکائیل کا قتال کرنا مذکور ہے لیکن وہ قتال تمام مسلمانوں کی طرف سے نہ تھا۔ صرف ذات بابرکات علیہ افضل الصلوٰات والتحیات کی حمایت و حفاظت کیلئے تھا۔

نکتہ

چونکہ یہ عالم عالم اسباب ہے، اس لیے حق جل و علانے عالم اسباب کی رعایت سے فرشتوں کو لشکر کی صورت میں مسلمانوں کی امداد کیلئے نازل فرمایا ورنہ ایک ہی فرشتہ سب کیلئے کافی تھا۔ اصل فاعل تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر اس عالم میں اس کی قدرت کا ظہور اسباب اور وسائل کے ذریعہ سے ہوتا ہے اس لیے عالم اسباب کے طریقے کے مطابق فرشتوں کا ایک لشکر مسلمانوں کی مدد کیلئے بھیجا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عریش سے باہر تشریف لائے اور جہاد و قتال کی ترغیب دی اور فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے آج جو شخص صبر و تحمل اخلاص اور صدق نیت کے ساتھ اللہ کے دشمنوں سے سینہ سپر ہو کر جہاد کرے گا اور پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو ضرور جنت میں داخل فرمائے گا۔

عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اس وقت کچھ کھجوریں تھیں جن کے کھانے میں مشغول تھے۔ یکا یک جب یہ کلمات طیبات ان کے کان میں پہنچے تو سنتے ہی بول اٹھے:

بخ بخ فما بینی و بین ان ادخل الجنة الا ان يقتلنی هؤلاء

واہ واہ میرے اور جنت کے مابین فاصلہ ہی کیا رہ گیا مگر صرف اتنا کہ یہ لوگ مجھ کو قتل کر ڈالیں۔

اور کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور تلوار لے کر جہاد شروع کیا اور لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ابن ہشام ص ۱۸ ج ۲۔ طبقات ابن سعد ص ۱۶ ج ۲)

عوف بن حارث نے عرض کیا: (باپ کا نام حارث اور ماں کا نام عفراء ہے یعنی معاذ اور معوذ کے بھائی)

یا رسول اللہ ما یضحک الرب من عبده

یا رسول اللہ پروردگار بندہ کی کیا چیز ہنساتی ہے، یعنی خوش کرتی ہے؟ (یعنی جس امر سے بندہ کو خداوند ذوالجلال کی انتہائی رضا مندی حاصل ہو۔ جس مقام پر خوشنودی کے ساتھ بشارت و کرامت مسرت و محبت کا اظہار مقصود ہو وہاں

بجائے رضا کے خُحک کا استعمال ہوتا ہے تاکہ انتہائی خوشنودی اور انتہائی رضا مندی اور غایت محبت پر دلالت کرے اس لیے کہ آپ قابسا اوقات اپنے خادم سے راضی ہوتا ہے مگر اس کا اظہار نہیں کرتا۔ خُحک کا لفظ خوشنودی اور اس کے اظہار دونوں پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ کے حق میں حدیث میں آیا ہے: اللہم الق طلحة یضحک الیک وتضحک الیہ۔ اے اللہ طلحہ سے اس حال میں ملاقات فرما کہ وہ تجھ کو دیکھ کر ہنسے اور تو اس کو دیکھ کر ہنسے۔ یعنی ایسی ملاقات فرما کہ جو انتہائی رضا مندی اور انتہائی محبت کو ظاہر کرتی ہو۔ خُحک خداوندی کے یہ معنی ہیں خوب سمجھ لو۔ (روض الانف ص ۶۹ ج ۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندہ کا برہنہ ہو کر خدا کے دشمن کے خون سے اپنے ہاتھ کو رنگ دینا۔ عوف رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی زرہ اتار کر پھینک دی اور تلوار لے کر قتال شروع کیا یہاں تک شہید ہو گئے، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ابو جہل کی دعاء اور لوگوں کو جنگ کیلئے جوش دلانا

عتبہ اور شیبہ اور ولید کے قتل ہو جانے کے بعد ابو جہل نے لوگوں کو یہ کہہ کر ہمت اور جرأت دلائی اور جنگ پر آمادہ کیا: اے لوگو عتبہ اور شیبہ اور ولید کے قتل ہونے سے گھبراؤ نہیں ان لوگوں نے غلٹ سے کام لیا قسم ہے لات اور عزی کی ہم اس وقت تک ہرگز واپس نہ ہوں گے جب تک ہم ان کو رسیوں میں نہ باندھ لیں گے۔ اور اس کے بعد ابو جہل نے اللہ سے یہ دعا مانگی: اے اللہ ہم میں سے جو قرابتوں کا قطع کرنے والا اور غیر معروف امور کا مرتکب ہو اس کو ہلاک فرما۔ اور ہم میں سے جو تیرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو آج اس کو فتح اور نصرت دے۔

اس پر اللہ جل جلالہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِنْ تَسْتَعِزُّوْا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ تَعُوْذُوْا نَعُوْذْ وَلَنْ نَّغْنِيَّ عَنْكُمْ فَمَنْكُمْ شَيْئًا وَكَوْكَرْتُ وَآَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورة الانفال آیت ۱۹)

اگر تم فتح طلب کرتے تھے تو دیکھ لو تمہارے سامنے فتح آگئی اب اگر آئندہ کو باز آ گئے تو تمہارے لیے بہتر ہے اور تمہاری جماعت ذرہ برابر تمہارے کام نہ آئے گی اگرچہ وہ جماعت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

(اخرجہ ابن اسحاق والحاکم وصحیحہ والبیہقی عن عبد اللہ بن ثعلبہ بن صغیر، خصائص کبریٰ ص ۲۰۳ ج ۱۔ زاد المعاد ص ۸۹ ج ۲۔ وقال ابن کثیر۔ اخرجہ الامام احمد والنسائی ورواہ الحاکم ثم قال صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ۔ البدایہ والنہایہ ص ۲۸۲ ج ۳)

دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابو جہل کی دعاء کے بعد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے دعائے کیلئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا: اے پروردگار اگر (خدا نخواستہ) یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین میں کبھی تیری پرستش نہ ہوگی۔ ایک طرف ابو جہل دعاء مانگ رہا تھا اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشغول دعاء تھے۔ اس کے بعد فریقین میں گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ اس وقت آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عریش سے باہر تشریف لائے اور صحابہ کو جہاد و قتال کی ترغیب دی اور یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص خدا کی راہ میں مارا جائے گا حق تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کے اشارے سے ایک مشت خاک لے کر مشرکین کے چروں پر پھینک ماری اور صحابہ کو حکم دیا کہ کافروں پر حملہ کرو مشرکین میں کوئی بھی ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ اور ناک اور منہ میں یہ مٹی نہ پہنچی ہو۔

خدا ہی کو معلوم ہے کہ اس مشت خاک میں کیا تاثیر تھی کہ اس کے پھینکنے ہی دشمن بھاگ اٹھے۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا دَمِيَّتْ إِذْ دَمِيَّتْ وَلَكِنَّ اللَّهَ دَعَىٰ (سورة الانفال آیت ۱۷)

اور نہیں پھینکی وہ مشت خاک آپ نے جس وقت کہ آپ نے پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی۔

یعنی ظاہر اگرچہ آپ نے ایک مٹھی خاک کی پھینکی لیکن ایک ہزار لشکر جرار کے ہر فرد کی آنکھ اور ناک میں اس مشت خاک کے ریزوں کا پہنچنا آپ کا کام نہ تھا بلکہ یہ اللہ کا کام اور اس کی قدرت کا ایک کرشمہ تھا۔

جب جنگ کی شدت ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ شاہت الوجوہ (یہ چہرے خراب ہوئے) پڑھ کر ایک مٹھی سنگریزے قریش کی طرف پھینکے اور صحابہ کو حملہ کا حکم دیا۔ ایک لمحہ کی مہلت اور ایک لحظہ کا وقفہ نہ گزرا کہ اعداء اللہ کے چہروں پر حسی اور معنوی ذلت کا غبار چھا گیا اور آنکھیں ملنے لگیں۔ ادھر مسلمانوں نے دھاوا بول دیا۔ ابن شہاب زہری اور عروہ بن الزبیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مشت خاک کی عجب شان بنائی ہر شخص سرنگوں اور حیران تھا کہ کہاں اور کدھر جائے۔

مشت خاک کا پھینکنا تھا کہ کفار کا تمام لشکر سر اسیمہ ہو گیا اور بڑے بڑے بہادر اور جانناز قل اور قید ہونے لگے اور مسلمان خدا کے دشمنوں کے قتل کرنے اور گرفتار کرنے میں مشغول ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عریش میں تشریف فرما تھے اور سعد بن معاذ دروازہ پر تلوار لے کر ذات قدسی صفات اور ملکی سمات علیہ افضل الصلوات والتحيات کی حفاظت کر رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ صحابہ قریش کو گرفتار کرنے میں مشغول ہیں اور سعد بن معاذ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار اس درجہ نمایاں ہیں کہ گویا کراہت اور ناگواری کوئی محسوس شے ہے جو سعد کے چہرہ میں رکھی ہوئی نظر

آئی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اے سعد غالباً تجھ کو قریش کا گرفتار کرنا ناگوار ہے۔ سعد نے عرض کیا:

اجل والله يا رسول الله كانت اول وقعة اوقعها الله تعالى باهل الشرك فكان الانخان في القتل احب الى من استبقاء الرجال۔ (سيرة ابن هشام ص ۱۸ ج ۲)

ہاں خدا کی قسم یا رسول اللہ یہ پہلا حادثہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل شرک پر نازل فرمایا۔ میرے نزدیک خدا کے ساتھ شرک کرنے والوں کا قتل اور خوریزی ان کے زندہ چھوڑنے سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔

جن کے قلوب حق جل وعلاء کی توحید و تفرید سے لبریز ہو چکے ہوں ان کے دلوں میں خدا کے ساتھ شرک کرنا والوں کیلئے کہاں گنجائش ہو سکتی ہے۔ نیز تخلیق باخلاق اللہ کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ شرک کو معاف نہ کیا جائے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا (سورة النساء آیت ۴۸)

تحقیق اللہ تعالیٰ شرک معاف نہیں کرتا البتہ جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہو اس کو معاف کر دیتا ہے جس کیلئے چاہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اس نے بڑے ہی جرم کا ارتکاب کیا۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشتر ہی یہ ارشاد فرمایا تھا کہ کچھ لوگ بنی ہاشم اور دیگر قبائل کے رضاء و رغبت سے نہیں بلکہ قریش کے محض جبر اور اکراہ سے آئے ہیں، ان کو قتل نہ کیا جائے۔ ہمیں ان سے قتل و قاتل کی ضرورت نہیں لہذا تم میں سے جو شخص ابوالہتیری بن ہشام اور عباس بن عبدالمطلب کو پائے تو قتل نہ کرے اس لیے صحابہ بجائے قتل کے ان لوگوں کی گرفتاری کے درپے رہے۔

چنانچہ مجزہ بن زیاد انصاری نے جب ابوالہتیری کو دیکھا تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تیرے قتل سے منع کیا ہے۔

ابوالہتیری کے ساتھ ایک رفیق بھی تھا جو مکہ سے اس کے ساتھ آیا تھا جس کا نام جنادة بن مایجہ تھا۔ ابوالہتیری نے کہا میرا رفیق بھی مجزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہرگز نہیں، خدا کی قسم ہم تیرے رفیق کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صرف تیری بابت حکم دیا ہے۔ ابوالہتیری نے کہا خدا کی قسم یہ مجھ سے ممکن نہیں کہ میں اپنے ساتھی کو چھوڑ دوں۔ کل کو مکہ کی عورتیں مجھ کو یہ طعنہ دیں گی کہ فقط اپنی جان بچانے کیلئے اپنے رفیق کو چھوڑ دیا۔ اور یہ رجز پڑھتا ہوا حملہ کیلئے آگے بڑھا:

لن يسلم ابن حرة زميله حتى يموت او يرى سبيله

ایک شریف زادہ اپنے رفیق کی اعانت اور دستگیری سے کبھی دستکش نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ مر جائے یا پناہ راستہ دیکھے۔

ابوالہتیری کا مقابلہ پراٹا تھا کہ مجزہ رضی اللہ عنہ کی تلوار نے کام تمام کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

والذی بعثک بالحق لقد جہدت ان یستأسرفاً تیک بہ فابی الا ان یقاتلنی فقاتلته فقتلته
قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا البتہ تحقیق میں نے پوری کوشش کی کہ ابو لہٰزِی قید ہو جائے
اور میں اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کروں لیکن نہ مانا یہاں تک کہ مقابلہ اور مقابلہ کیا تو میں نے اس کو قتل کر دیا۔

امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کا قتل

امیہ بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا جس وقت جنگ بدر کا کوئی وہم و گمان
بھی نہ تھا اس وقت سعد بن معاذ کی زبانی مکہ ہی میں اپنے قتل کی پیشین گوئی سن چکا تھا۔ اس لیے بدر کے موقع پر جنگ
میں شریک ہونے سے جان چراتا رہا۔ ابو جہل نے یہ کہہ کر کہ اُد رکوا عیدکم اپنے تجارتی قافلہ کی خبر لو (یعنی قافلہ
ابی سفیان کی) لوگوں کو جنگ کیلئے آمادہ کیا امیہ نے پہلو تہی کی۔ ابو جہل نے کہا اے ابوصفوان آپ اسن وادی کے
سردار ہیں آپ کی پہلو تہی کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی پہلو تہی کریں گے۔ ابو جہل برابر اصرار کرتا رہا۔ امیہ جب مجبور
ہو گیا تو یہ کہہ خدا کی قسم میں ایک نہایت عمدہ بہادر تیز روانٹ خریدوں گا تا کہ جب موقع ملے تو راستہ ہی سے واپس
آ جاؤں اور اپنی بیوی ام صفوان سے جا کر کہا کہ سفر کا سامان تیار کر دے۔ ام صفوان نے کہا کیا تم کو اپنے بیٹے کی بھائی کا
قول (کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے) یاد نہیں رہا؟ امیہ نے کہا: نہیں، خوب یاد
ہے۔ میرا ارادہ جانے کا نہیں تھوڑی دور تک ساتھ جاتا ہوں اور پھر موقع پا کر واپس ہو جاؤں گا، اسی طرح تمام منزلیں
طے کرتا ہوا بدر تک پہنچ گیا۔ (بخاری شریف باب من یقتل بہدر)

جب بدر کے میدان میں آیا تو بلال رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی کہ جن کو امیہ مکہ میں گرم پتھروں پر لٹایا کرتا تھا، بلال
نے امیہ کو دیکھتے ہی انصار کو لاکارا۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت سے امیہ کے دوست تھے، وہ یہ چاہتے
تھے کہ امیہ قتل نہ ہو بلکہ گرفتار اور اسیر ہو جائے (شاید اللہ تعالیٰ اس بہانہ سے اس کو ہدایت نصیب فرمائے اور ہمیشہ کے
عذاب سے نجات پائے)

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں کچھ زر ہیں تھیں جو کافروں سے چھینی تھیں۔ ان کو تو زمین پر ڈال دیا
اور امیہ اور اس کے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بلال نے دیکھ کر آواز دی پکڑو کفر کے سردار امیہ کو، نہ بچوں میں اگر امیہ بچ
جائے۔ انصاریہ آواز سنتے ہی دوڑے۔ حضرت عبدالرحمن نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا، انصار نے اس کو قتل کر دیا اور
امیہ کی طرف دوڑے عبدالرحمن رضی اللہ عنہ امیہ کے اوپر لیٹ گئے مگر انصار نے اسی حالت میں پیروں کے نیچے سے
تلواریں چلا کر امیہ کو قتل کیا۔ جس سے حضرت عبدالرحمن کے پیر پر زخم آیا اور مدتوں تک اس زخم کا نشان باقی رہا۔
حضرت عبدالرحمن بن عوف فرمایا کرتے تھے: خدا بلال پر رحم فرمائے میری زر ہیں بھی گئیں اور میرے قیدی بھی
ہاتھ سے گئے۔ (صحیح بخاری کتاب الوکالۃ)

ابو جہل عدو اللہ، فرعون امت رسول اللہ کا قتل

حضرت عبدالرحمن بن عوف فرماتے ہیں کہ میں بدر کے دن صف میں کھڑا تھا اچانک نظر جو پڑی تو دیکھتا کیا ہوں کہ میرے دائیں بائیں انصار کے دونو جوان ہیں۔ اس لیے مجھ کو اندیشہ ہوا (کہ لوگ آ کر مجھ کو دولڑکوں کے درمیان کھڑا دیکھ کر نہ آگھیریں) اسی خیال میں تھا کہ ایک نے آہستہ سے کہا اے چچا مجھ کو ابو جہل دکھاؤ کہ کون سا ہے؟ میں نے کہا اے میرے بھتیجے ابو جہل کو دیکھ کر کیا کرو گے؟ اس نو جوان نے کہا میں نے اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ اگر ابو جہل کو دیکھ پاؤں تو اس کو قتل کر ڈالوں یا خود مارا جاؤں اس لیے کہ مجھ کو خبر ملی ہے کہ ابو جہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرتا ہے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر اس کو دیکھ پاؤں تو میرا سایہ اس کے سایہ سے جدا نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ ہم میں سے جس کی موت پہلے مقدر ہو چکی ہے نہ مر جائے۔

ان کی یہ گفتگو سن کر دل سے یہ آرزو جاتی رہی کہ کاش میں بجائے دولڑکوں کے دو مردوں کے مابین ہوتا۔ میں نے اشارہ سے ابو جہل کا بتایا۔ وہ دونوں سنتے ہی شکرے اور باز کی طرح ابو جہل پر دوڑے اور اس کا کام تمام کیا۔ (بخاری شریف کتاب المجہاد باب من لم یتمسک بالاسلاب، و بخاری شریف جلد دوم باب غزوہ بدر) یہ دونوں جوان حضرت عفرائ رضی اللہ عنہما کے بیٹے معاذ اور معوذ تھے۔

عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن ابی بکر بن حزم، معاذ بن عمرو بن الجموح سے راوی ہیں کہ میں ابو جہل کی تاک میں تھا جب موقع ملا تو اس زور سے تلوار کا وار کیا کہ ابو جہل کی ٹانگ کٹ گئی۔

ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے (جو فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے) باپ کی حمایت میں معاذ کے شانہ پر اس زور سے تلوار ماری کہ ہاتھ کٹ گیا لیکن تسمہ (چمڑا) لگا رہا ہاتھ بیکار ہو کر لٹک گیا۔ مگر سبحان اللہ معاذ شام تک اسی حالت میں لڑتے رہے۔ جب ہاتھ کے لٹکنے سے تکلیف زیادہ ہونے لگی تو ہاتھ کو قدم کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا کہ وہ تسمہ (چمڑا) علیحدہ ہو گیا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے۔ مگر معوذ بن عفر ابو جہل سے فارغ ہو کر لڑائی میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ جام شہادت نوش فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فتح کے بعد ابو جہل کی لاش کی تلاش

ابو جہل اگرچہ زخمی خوب ہو چکا تھا لیکن زندگی کی رمت ابھی کچھ باقی تھی۔ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا کہ: ہے کوئی جو ابو جہل کی خبر لائے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے جا کر لاشوں میں تلاش کیا، دیکھا کہ اس میں کچھ رمت باقی ہے۔

یہ بخاری کی روایت ہے ابن اسحاق اور حاکم کی روایت میں ہے کہ ابن مسعودؓ نے ابو جہل کی گردن پر پیر رکھ کر یہ کہا:

اخزاک اللہ یا عدو اللہ

ذلیل اور رسوا کیا تجھ کو اللہ نے اے اللہ کے دشمن
اور بعد ازاں اس کا سر کاٹا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر لاکر ڈال دیا اور یہ عرض کیا:
هذا رأس عدو الله ابى جهل
یہ سر ہے اللہ کے دشمن ابو جہل کا
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
الله الذی لا اله الا هو
قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں یہ ابو جہل کا ہی سر ہے؟
میں نے عرض کیا:

نعم والله الذی لا اله غیرہ
ہاں قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، یہ ابو جہل ہی کا سر ہے۔
آپ نے اللہ کا شکر کیا اور تین مرتبہ زبان مبارک سے یہ فرمایا:

الحمد لله الذی اعز الاسلام واهله
حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے اسلام کو اور اسلام والوں کو عزت بخشی۔
بعض روایات میں ہے کہ آپ نے سجدہ شکر بھی ادا فرمایا (عمدة القاری باب قتل ابی جہل) اور ابن ماجہ کی روایت
میں ہے کہ آپ نے (اس شکر یہ میں) ایک دو گانہ پڑھا۔ (رواہ ابن ماجہ عن عبد اللہ بن ابی اوفی)
ایک روایت میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ابو جہل کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ابو جہل
نے آنکھیں کھولیں اور کہا اے بکریوں کے چرانے والے البتہ تو بہت اونچے مقام پر چڑھ بیٹھا ہے۔ میں نے کہا:

الحمد لله الذی مکننی من ذلك
حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھ کو یہ قدرت دی۔

پھر کہا: کس کو فتح اور غلبہ نصیب ہوا؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو۔ پھر کہا: تیرا کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا:
تیرا سر قلم کرنے کا۔ کہا: اچھا یہ میری تلوار ہے اس سے میرا سر کاٹنا، یہ بہت تیز ہے تیری مراد اور مدعا کو جلد پورا کرے
گی اور دیکھو میرا سر شانوں کے پاس سے کاٹنا تاکہ دیکھنے والوں کی نظروں میں مہیب ہیبت ناک معلوم ہو اور جب محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف واپس ہو تو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ میرے دل میں بہ نسبت گزشتہ کے آج کے دن
تمہاری عداوت اور بغض کہیں زیادہ ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعد ازاں میں نے اس کا سر قلم کیا اور
لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ اللہ کے دشمن ابو جہل کا سر ہے۔ اور اس کا پیام پہنچایا۔
آپ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ یہ میرا اور میری امت کا فرعون تھا جس کا شر اور فتنہ موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے شر

اور فتنہ سے کہیں بڑھ کر تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے فرعون نے مرتے وقت تو ایمان کا کلمہ پڑھا مگر اس امت کے فرعون نے مرتے وقت بھی کفر اور تکبر ہی کے کلمات کہے اور ابو جہل کی تلوار ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی۔ (کذا فی شرح السیر الکبیر للامام السرخسی رحمہ اللہ ص ۷ ج ۲)

یعنی جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فضائل و کمالات میں تمام انبیاء و مرسلین (صلوات اللہ علیہم اجمعین) سے افضل و برتر تھے۔ اسی طرح آپ کی امت کا فرعون تمام امم کے فرعون سے کفر اور شقاوت میں بڑھ کر تھا کہ مرتے وقت بھی اس کی آنکھ نہ کھلی اور سکرات موت نے بھی اس کے کفر اور تکبر کو متزلزل نہ کیا بلکہ کفر اور تکبر میں اور اضافہ ہو گیا۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذلک آمین)

نکتہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنّت کی طرف جانے کا قصد فرمایا تو یہ ارشاد فرمایا:

لیقم معی من لم یکن فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر فقام ابن مسعود فحملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع نفسه۔ (بنیہ شرح الہدایۃ للحافظ البعینی ص ۲۸۶ ج ۱)

میرے ساتھ چلے کیلئے وہ شخص اٹھے جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر نہ ہو آپ کے اس ارشاد کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ہمراہ لے گئے۔

عجب نہیں کہ ابو جہل کے آخری قتل کی سعادت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس لیے حاصل ہوئی ہو کہ یہ اللہ کے خاص بندے تھے جن کا قلب تکبر اور غرور کے شوائب سے پاک اور منزہ تھا اور ابو جہل غرور مجسم اور سر اپا تکبر تھا جس کے قلب میں جزاء تجزی کے مقدار بھی تو اضع کا نام و نشان نہ تھا۔ اس لیے ابو جہل کا قتل حق جل و علا نے ایسے مبارک اور مسعود شخص کے ہاتھ سے مقدر فرمایا کہ جو اللہ کا ایسا خاص بندہ ہو کہ جس کے قلب میں ذرہ برابر بھی غرور اور تکبر نہ ہو۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔ رضی اللہ عن عبداللہ ابن مسعود وارضاه وجزاه عن الاسلام ما یحبہ ویرضاه آمین)

فائدہ

ابو جہل کا اصل لقب ابوالحکم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کا لقب عطا فرمایا۔ (فتح الباری باب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یقتل ببدر) یعنی جہل مطلق کا باپ اور مربی جب تک زندہ رہا اس وقت تک برابر اس سے ہرقسم کی جہالت کا توالد اور تاسل ہوتا رہا۔

عکاشہ بن حصن رضی اللہ عنہ کی لڑتے لڑتے تلوار ٹوٹ گئی، آپ نے ایک چھڑی مرحمت فرمائی جو عکاشہ کے ہاتھ میں جاتے ہی تیغ براں بن گئی اسی سے قتال کیا یہاں تک اللہ نے فتح دی۔ اس تلوار کا نام عون تھا۔ ہر غزوہ میں یہ تلوار

ساتھ رہتی۔

عبیدہ بن سعید بن العاص بدر کے دن غرق آہن تھا سوائے آنکھوں کے کوئی شے دکھائی نہیں دیتی تھی۔ حضرت زبیر نے تاک کر اس کی آنکھ میں ایسا نیزہ مارا کہ پار ہو گیا اور وہ فوراً ہی مر گیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اوپر پیر رکھ کر پوری قوت کے ساتھ نیزہ کھینچا تب نکلا لیکن اس کے کنارے ٹیڑھے ہو گئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور یادگار اس نیزہ کو حضرت زبیر سے مانگ لیا۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر کے پاس رہا، پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی اور پھر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے پاس رہا۔ معرکہ بدر میں حضرت زبیر کے زخم آئے ایک زخم شانہ پر اس قدر گہرا آیا کہ عروہ بن زبیر بچپن میں اس زخم میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ عبد الملک بن مروان نے عروہ بن الزبیر سے کہا تم زبیر کی تلوار پہچانتے ہو۔ عروہ نے کہا ہاں۔ عبد الملک نے کہا کس طرح؟ عروہ نے کہا: اس میں بدر کے دن دندانے پڑ گئے تھے۔ عبد الملک نے کہا بچ کہتے ہو اور تائید کیلئے یہ مصرع پڑھا:

بہن فلول من قراع الكتائب (صحیح بخاری غزوہ بدر)
ان تلواروں میں دندانے ہیں بڑے بڑے لشکروں کے مارنے سے۔

اسیران بدر

بجاء اللہ فتح مبین پر لڑائی کا خاتمہ ہوا، قریش کے ستر آدمی قتل اور ستر گرفتار اور اسیر ہوئے مقتولین کی لاشوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا مگر امیہ بن خلف کہ اس کی لاش اس قدر پھول گئی تھی کہ جب زرہ نکالنے کا ارادہ کیا تو اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اس لیے وہیں مٹی میں دبا دی گئی۔

جب عتبہ بن ربیعہ کی لاش کنویں میں ڈالی جانے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ عتبہ کے بیٹے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر حزن اور ملال کے آثار ہیں۔ آپ نے فرمایا اے ابو حذیفہ کیا باپ کی اس حالت کو دیکھ کر تیرے دل میں کچھ خیال گزرا ہے؟ ابو حذیفہ نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا کی قسم کوئی خیال نہیں، صرف اتنی بات ہے کہ میرا باپ صاحب رائے اور حلیم اور بردبار اور صاحب فضل تھا، اس لیے امید تھی کہ یہ فہم و فراست اسلام کی طرف رہنمائی کرے گی۔ لیکن جب اس کو کفر پر مرتے دیکھا تو رنج ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے خیر فرمائی۔

مقتولین بدر کی لاشوں کا کنویں میں ڈالوانا

حضرت انس بن مالک، ابو طلحہ رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوبیس

سرداران قریش کی لاشوں کے متعلق ایک نہایت خبیث، ناپاک اور گندے کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا، کنویں میں جو ڈالے گئے وہ سردار کفار تھے اور باقی مقتولین کسی اور جگہ ڈلوادئے گئے۔ اور آپ کی یہ عادت شریفہ تھی کہ جب آپ کسی قوم پر غلبہ اور فتح پاتے تو تین شب وہاں قیام فرماتے۔ اسی عادت کے مطابق جب تیسرا روز ہوا تو آپ نے سواری پر زین کسے کا حکم دیا۔ حسب الحکم پھر آپ چلے اور صحابہ آپ کے پیچھے چلتے تھے۔ صحابہ کو یہ خیال تھا کہ شاید کسی ضرورت کیلئے تشریف لے جا رہے ہیں یہاں تک کہ آپ اس کنویں کے کنارے پر جا کھڑے ہوئے اور نام بنام فلاں بن فلاں کہہ کر آواز دی اور یا عتبہ اور یا شیبہ اور یا امیہ اور یا اباجہل، اس طرح نام لے کر پکارا اور یہ فرمایا: تم کو یہ اچھا معلوم نہ ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے، تحقیق جس چیز کا ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا، ہم نے اس کو حق پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو حق پایا؟

یہ بخاری کی روایت ہے۔ ابن اسحاق کی روایت میں اس قدر اور اضافہ ہے: اے گڑھے والو تم اپنے نبی کے حق میں بہت برا قبیلہ تھے، تم نے مجھ کو جھٹلایا اور لوگوں نے میری تصدیق کی تم نے مجھ کو نکالا اور لوگوں نے ٹھکانہ دیا، تم نے مجھ سے قتال کیا اور لوگوں نے میری مدد کی۔ امین کو تم نے خائن بتلایا اور صادق کو کاذب کہا۔ اللہ تم کو بری جزا دے۔ بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا آپ بے جان لاشوں سے کلام فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میرے کلام کو تم ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر وہ جواب نہیں دے سکتے۔

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک طویل قصیدہ میں فرماتے ہیں:

ینادیہم رسول اللہ لما
قذفناہم کبا کب فی القلب
الم تجدوا کلامی کان حقاً
وامر اللہ یاخذ بالقلوب
فما نطقوا ولونطقوا لقالوا
صدقتم وکنت ذارائج مصیب

جب ہم نے ان کی جماعتوں کو کنویں میں پھینک دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آواز دی۔ کیا تم نے میری بات کو حق نہیں پایا اور اللہ تو دلوں کا مالک ہے۔ پس کوئی جواب نہیں دیا اور اگر بالفرض جواب دیتے تو یہی کہتے کہ آپ نے سچ کہا اور آپ ہی کی رائے صائب اور درست تھی۔

فتح کی بشارت کیلئے مدینہ منورہ کا صدر روانہ کرنا

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتح مبین کی بشارت اور خوشخبری سنانے کے لئے مدینہ منورہ کا قصد روانہ فرمائے اہل عالیہ کی طرف عبداللہ بن رواحہ کو اور اہل سافلہ کی طرف زید بن حارثہ کو روانہ فرمایا۔ اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ یہ بشارت اس وقت ہمارے کانوں میں پہنچی جس وقت کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی صاحبزادی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو مٹی دے رہے تھے۔ ان کی تیار داری کیلئے حضور پر نور عثمان غنی کو مدینہ چھوڑ آئے تھے اسی وجہ سے حضرت عثمان بدر میں شریک نہ ہو سکے، مگر چونکہ یہ تخلف حضور پر نور کے حکم سے تھا اس لیے حضرت عثمان حکماً بدر میں شریک کیے گئے۔ میں نے دیکھا کہ زید بن حارثہ کو لوگ گھیرے ہوئے ہیں اور زید مصلے پر کھڑے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں مارا گیا عتبہ بن ربیعہ اور شبہ بن ربیعہ اور ابو جہل بن ہشام اور زمعہ بن الاسود اور ابوالختر ی بن ہشام اور امیہ بن خلف اور نبیہ اور منبہ پسران حجاج۔

میں نے کہا اے والد کیا یہ خبر سچ ہے؟ زید نے کہا ہاں خدا کی قسم بالکل حق ہے۔

زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ کو مدینہ منورہ روانہ فرمانے کے بعد آپ روانہ ہوئے اور اسیران بدر کا قافلہ آپ کے ہمراہ تھا۔ مال غنیمت عبداللہ بن کعب انصاری کے سپرد فرمایا۔

جب آپ مقام رواء میں پہنچے تو آپ کو کچھ مسلمان ملے جنہوں نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو اس فتح مبین کی مبارکباد دی۔ اس پر سلمہ بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کس چیز کی مبارکباد دیتے ہو۔ خدا کی قسم بڑھیوں سے پالا پڑا، رسی میں بندھے ہوئے اونٹوں کی طرح ان کو ذبح کر کے ڈال دیا۔ (یعنی ہم نے کوئی بڑا کام ہی نہیں کیا جس پر ہم مبارک باد کے مستحق ہوں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یں کر مسکرائے اور یہ فرمایا: یہی تو مکہ کے سادات اور اشراف تھے۔

مال غنیمت کی تقسیم

فتح کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں تین روز قیام فرمایا۔ تین روز قیام کے بعد مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہوئے اور مال غنیمت عبداللہ بن کعب کے سپرد فرمایا اور مقام صفراء میں پہنچ کر مال غنیمت کو تقسیم فرمایا۔ ہنوز مال غنیمت کی تقسیم کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اصحاب بدر مال غنیمت کے تقسیم میں مختلف الرائے ہو گئے۔ جو ان یہ کہتے تھے کہ مال غنیمت ہمارا حق ہے کہ ہم نے کافروں کو قتل کیا۔ بوڑھے چونکہ جھنڈوں کے نیچے رہے اور قتل و قتال میں زیادہ حصہ نہیں لیا، وہ یہ کہتے تھے کہ ہم کو بھی مال غنیمت میں شریک کیا جائے اس لیے کہ جو کچھ فتح ہوا وہ ہماری ہی پشت پناہی سے فتح ہوا، اگر خدا نخواستہ تم کو شکست ہوتی تو ہماری ہی پناہ لیتے اور ایک جماعت کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہی تھی وہ اپنے کو اس مال کا مستحق سمجھتی تھی۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ

آپ سے مال غنیمت کا حکم پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ مال غنیمت اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا ہے۔ یعنی مال غنیمت کے مالک حق تعالیٰ اور رسول اللہ اللہ کے نائب ہیں جس طرح مناسب سمجھیں تقسیم کر دیں۔ مقام صفراء میں

پہنچ کر آپ نے یہ تمام مال مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔

علاوہ ازیں مال غنیمت میں سے ان آٹھ آدمیوں کو بھی حصہ دیا کہ جو آپ کے حکم سے یا اجازت سے بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔

① حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اہلیہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کی وجہ سے مدینہ میں چھوڑ گئے تھے۔

② طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور

③ سعید بن زید رضی اللہ عنہ، ان دونوں صاحبوں کو مدینہ سے یوسفیان کے قافلہ کی خبر لینے کیلئے روانہ کیا تھا۔

④ ابولبابہ، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہی میں بغرض انتظام چھوڑ گئے تھے۔

⑤ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ ان کو عالیہ میں چھوڑ گئے تھے۔

⑥ حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ ان کو کسی وجہ سے بنی عمرو بن عوف کی طرف واپس لوٹا دیا تھا۔

⑦ حارث بن الصممہ رضی اللہ عنہ اور

⑧ خوات بن جہیر رضی اللہ عنہ یہ دونوں اصحاب اگرچہ معرکہ بدر میں شریک نہیں ہوئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر کی غنیمت میں سے حصہ دیا اور بدریتین میں شامل فرمایا۔ واللہ اعلم

فائدہ

جاننا چاہئے کہ یہ آیت یعنی يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ دربارہ تقسیم غنائم مجمل ہے اور وَاَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ الاية مفصل ہے جس میں مال غنیمت کی تقسیم کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ ابو عبیدہ اس طرف گئے ہیں کہ غنائم بدر میں خمس نہیں نکالا گیا مگر امام بخاری اور امام ابن جریر وغیرہ اس طرف گئے ہیں کہ غنائم بدر میں خمس نکالا گیا تھا جیسا کہ صحیحین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان دو اونیوں کے بارے میں کہ جن کے کوہانوں کو حضرت حمزہ نے کاٹ ڈالا تھا یہ منقول ہے کہ ان میں سے ایک اونٹنی وہ تھی کہ جو بدر کے خمس میں سے ان کو ملی تھی حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہی قول صحیح اور رائج ہے۔

اور اسی مقام صفراء میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں میں سے نضر بن حارث کے قتل کا حکم دیا۔ اور صفراء سے چل کر جب مقام عرق الظبیه میں پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا حکم دیا اور اسی جگہ اس کی گردن ماری گئی۔ نضر بن حارث کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اور عقبہ بن ابی معیط کو عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اور باقی قیدیوں کو لے کر حضور مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔

فائدہ

نضر اور عقبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھے بد زبان اور دریدہ دہن تھے۔ قول اور فعل سے آپ کی تذلیل اور توہین سب و شتم میں استہزاء اور تمسخر میں، ہاتھ اور زبان سے ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا تھا۔ اس لیے خاص طور پر تمام قیدیوں سے صرف ان دو کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ اسی عقبہ بن ابی معیط نے جبکہ آپ بارگاہ خداوندی میں سر بسجود تھے۔ آپ کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھ لا کر رکھی تھی اور آپ کا گلا گھونٹا تھا، دلائل ابی نعیم میں باسناد صحیح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر تھوکا تھا۔ الغرض ذات قدسی صفات علیہ الف صلوات والف الف تحیات کا استہزاء اور تمسخر تو اس کی غذا ہی تھی۔

نبی اللہ کا مقابلہ اور مقاتلہ محاربہ اور مجادلہ اگرچہ جرم عظیم اور خسران مبین ہے لیکن اللہ کے نبی کی شان میں گستاخانہ کلمات زبان سے نکالنا سب و شتم کرنا، اس کے ساتھ استہزاء و تمسخر کرنا یہ جرم محاربہ اور مقاتلہ کے جرم سے کہیں زیادہ شدید اور سخت ہے کیونکہ یہ منصب نبوت کی توہین ہے۔

الغرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منزل بمنزل ٹھہرتے ہوئے اور قیدیوں کا قافلہ ہمراہ لیے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے۔

اسیران بدر کی مسلمانوں میں تقسیم اور ان کے ساتھ سلوک اور احسان کا حکم

مدینہ منورہ پہنچ کر قیدیوں کو صحابہ میں تقسیم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا:

استو صوابا لا ساری خیرا۔ قیدیوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر وقال الحافظ الہیثمی اسنادہ حسن)

چنانچہ صحابہ کا یہ حال تھا کہ جن کے پاس قیدی تھے وہ اول کھانا قیدیوں کو کھلاتے اور بعد میں خود کھاتے اور اگر نہ پچتا تو خود کھجور پر اکتفا کرتے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے عینی بھائی ابو عزیز بن عمیر بھی قیدیوں میں تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں انصار کے جس گھر میں تھا ان کا یہ حال تھا کہ صبح و شام جو تھوڑی بہت روٹی پکتی وہ تو مجھ کو کھلا دیتے اور خود کھجور کھاتے۔ میں شرماتا اور ہر چند اصرار کرتا کہ روٹی آپ کھائیں لیکن نہ مانتے اور یہ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے (قال ابی شیبہ رواہ الطبرانی فی الصغیر والکبیر واسنادہ حسن۔ مجمع الزوائد ص ۸۶ ج ۶)

اسیران بدر کی بابت مشورہ

مدینہ منورہ پہنچ جانے کے چند روز بعد آپ نے صحابہ سے اسیران بدر کے بارہ میں مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے۔ اس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسیران بدر کے بارہ میں صحابہ سے مشورہ

طلب کیا کہ اس بارہ میں رائے دیں۔ اور ابتداء از خود یہ ارشاد فرمایا:

ان الله امكنكم منهم

تحقیق اللہ نے تم کو ان پر قدرت دی ہے۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مناسب یہ ہے کہ سب کی گردن اڑا دی جائے۔ رحمت عالم رافت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند نہ فرمایا اور دوبارہ یہ ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَمَنَكُمْ وَأَنَامَهُمْ أَخْوَانَكُمْ بِالْأَمْسِ

اے لوگو تحقیق اللہ نے تم کو ان پر قدرت دی ہے اور کل یہ تمہارے بھائی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی عرض کیا۔ آپ نے پھر وہی ارشاد فرمایا کہ اللہ نے تم کو ان پر قدرت دی ہے اور کل یہ تمہارے بھائی تھے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں (مسند احمد۔ وقال الہیثمی رواہ احمد عن شیخہ علی بن عاصم بن صہیب وهو کثیر الخطاء لا یرجع اذا قیل له الصواب وبقیۃ رجال احمد رجال الصحیح)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ لوگ آپ ہی کی قوم کے ہیں میری رائے میں ان کو فدیہ لے کر آؤ اور فرمایا عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی ہدایت دے اور پھر یہی لوگ کافروں کے مقابلے میں ہمارے معین اور مددگار ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رائے کو پسند فرمایا۔ (صحیح مسلم باب الامداد بالملئكة في غزوة بدر واباحة الغنائم)

کو گمراہ کریں گے اور نہیں جنیں گے مگر بدکار اور کفر کرنے والے کو۔
اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی:

رَبَّنَا أَطْمِسْ عَلٰی أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتّٰی يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ (سورۃ یونس آیت ۸۸)

اے ہمارے پروردگار مٹا دے ان کے مالوں کو اور مہر کر دے ان کے دلوں پر کہ نہ ایمان لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھیں۔

اور اے ابوبکر تیری شان حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی سی ہے، جنہوں نے یہ دعا مانگی، ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی:

فَمَنْ يَّبْعَنِيْ فَاِنَّهُ وِثِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورۃ ابراہیم آیت ۳۶)

پس جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے وابستہ ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو آپ بڑے کثیر المغفرت اور کثیر الرحمت ہیں اور اس کو ایمان کی توفیق دے سکتے ہیں۔
اور عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن یہ فرمائیں گے:

اِنْ نُّعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ نَّغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (سورۃ المائدہ آیت ۱۱۸)

اے اللہ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں آپ ان کے مالک ہیں اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمائیں تو آپ بڑے غالب اور حکمت والے ہیں جس مجرم کو چاہیں معاف کریں اور آپ کی معافی حکمت سے خالی نہیں ہو سکتی۔

آپ کی شان رحمۃ للعالمین نے حضرت ابوبکر کی رائے کو پسند کیا اور قیدیوں کو فد یہ لے کر چھوڑ دینے کا حکم دیا۔
حاکم فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، حافظ ذہبی نے بھی تلخیص میں اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے۔ (متدرک ص ۲۱ ج ۳)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عبد اللہ بن عمر اور ابو ہریرہ اور ابو ایوب انصاری سے بھی مروی ہے۔
(البدایۃ والنہایۃ ص ۶۹۸ ج ۳) آپ صحابہ سے مشورہ فرما ہی رہے تھے کہ وحی نازل ہوئی کہ آپ صحابہ کو قتل اور فد یہ کا اختیار دے دیں جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ جبرئیل امین نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اسیران بدر کے بارے میں آپ اپنے اصحاب کو اختیار دیں چاہیں قتل کریں اور چاہیں فد یہ لے کر آزاد کر دیں مگر شرط یہ ہے کہ سال آئندہ تم میں سے اتنے ہی قتل کیے جائیں گے۔ صحابہ نے کفار

سے فدیہ لینے اور سال آئندہ اپنے قتل ہونے کو اختیار کیا۔ (رواہ الترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم باسناد صحیح عن علی رضی اللہ عنہ)

مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ابو عبیدہ سے مرسل روایت ہے کہ جبریل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر یہ عرض کیا کہ آپ کے رب نے اسیران بدر کے بارے میں آپ کو اختیار دیا ہے آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آج ہم ان کو ان سے فدیہ لے کر آزاد کر دیں تاکہ ہم کو ان کے مقابلے میں اس سے ایک گونہ قوت حاصل ہو اور سال آئندہ حق تعالیٰ جس کو چاہیں شہادت کی عزت و کرامت سے سرفراز فرمائیں۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ سال آئندہ ہم میں سے ستر آدمی جنت میں داخل ہوں۔ (طبقات ابن سعد ص ۱۴ ج ۲)

فدیہ لینے پر عتاب الہی کا نزول

الحاصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کی رائے کو پسند فرمایا اور فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا حکم دیا اور دیگر اکابر صحابہ کی فدیہ لینے کی رائے اس لیے تھی کہ شاید یہی لوگ آئندہ چل کر مسلمان ہو جائیں اور اسلام کے معین و مددگار بنیں اور فدیہ سے فی الحال جو مال حاصل ہو وہ جہاد میں مدد دے اور دینی کاموں میں اس سے سہارا لگے اور ممکن ہے کہ فدیہ کا مشورہ دینے والوں میں کچھ افراد ایسے بھی ہوں کہ جن کا زیادہ مقصود حصول مال و منال ہو جس کا منشاء حب دنیا ہے اگرچہ وہ دنیاے حلال ہی ہو یعنی مال غنیمت اس پر بارگاہ خداوندی سے عتاب ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُفْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَصَ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۚ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُم مِّنْ عَدُوِّكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (سورة الانفال ۶۷-۶۸)

کسی نبی کیلئے یہ لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی آئیں یہاں تک کہ ان کو قتل کرے اور زمین میں خوب ان کا خون بہائے تم دنیا کا مال و منال چاہتے ہو اور اللہ آخرت کی مصلحت چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو اس چیز کے بارے میں جو تم نے لی ہے ضرور تم کو بڑا عذاب پہنچتا۔

اس خطاب سرِ پاپا عتاب کے اصل مخاطب وہی لوگ ہیں جنہوں نے زیادہ تر مالی فائدہ اور دنیاوی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر فدیہ کا مشورہ دیا تھا جیسا کہ تُرِيدُونَ عَرَصَ الدُّنْيَا سے مترشح ہوتا ہے۔ باقی جن حضرات نے محض دینی اور اخروی مصالح کی بناء پر فدیہ کا مشورہ دیا تھا وہ فی الحقیقت اس عتاب میں داخل نہیں اور حضور پر نور نے محض صلہ رحمی اور رحمت کی بناء پر فدیہ کی رائے کو پسند فرمایا اور تاکہ دوسروں کو مالی فائدہ پہنچ جائے اور دوسروں کو مالی نفع پہنچانے کا تصور جو دو کرم ہے اور غایت درجہ محمود ہے اور اپنے لیے مالی فائدے کو ملحوظ رکھنا یہ ناپسندیدہ ہے۔ آیت میں عتاب ان

لوگوں پر ہے جن کی زیادہ نظر مالی فائدہ پر تھی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبر عتاب ربانی سن کر رو پڑے، حضرت عمر فرماتے ہیں میں نے رونے کا سبب دریافت کیا آپ نے فرمایا:

ابکی للذی عرض علی اصحابک من اخذهم الفداء لقد عرض علی عذابہم ادنیٰ من
ہذہ الشجرۃ (صحیح مسلم ص ۲۹۳ ج ۲)

تیرے ساتھیوں پر فدیہ لینے کی وجہ سے من جانب اللہ جو عذاب پیش کیا گیا اس کی وجہ سے روتا ہوں میرے
سامنے ان کا عذاب اس درخت سے زیادہ قریب پیش کیا گیا۔

فائدہ

عذاب فقط دکھلایا گیا اتنا نہیں گیا، مقصود فقط تنبیہ تھی۔ بعد ازاں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر اس وقت عذاب
آتا تو سوائے عمر کے کوئی نہ بچتا اور ایک روایت میں ہے کہ اور سوائے سعد بن معاذ کے۔

چونکہ سعد بن معاذ کی بھی یہی رائے تھی کہ قتل کیے جائیں اس لیے حضرت عمر کے ساتھ ان کو مستثنیٰ کیا گیا۔ عبداللہ
بن رواحہ اگرچہ فدیہ کے مخالف تھے مگر ان کا خیال یہ تھا کہ ان سب کو آگ میں جلا دیا جائے جس کو شریعت پسند نہیں
کرتی اس لیے عبداللہ بن رواحہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ چونکہ اس غزوہ سے احقاق حق اور ابطال باطل اور کافروں کی جڑ
کاٹنی مقصود تھی۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَيِّطَ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ لِيُخَيِّطَ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَكُمْ
كُزَّةُ الْمَجْرُمُونَ ۝ (سورة الانفال ۷-۸)

اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ حق کو اپنے وعدوں سے ثابت کرے اور کافروں کی بیخ کنی کرے تاکہ علانیہ طور پر حق کا حق
ہونا اور باطل کا باطل ہونا واضح ہو جائے اگرچہ مجرمین کو ناگوار ہو۔

اسی لیے اس غزوہ میں من جانب اللہ خاص طور پر فرشتوں کو قتل مشرکین کا حکم دیا گیا تھا، کما قال اللہ تعالیٰ:

فَاصْبِرُوا قَوِّمُوا أَمْوَالَكُمْ وَأَصْبِرُوا مِنْهُمْ كُلِّ بَنَانٍ (سورة الانفال آیت ۱۲)

کافروں کی گردنوں پر مارو اور ان کے ہر پور (جوڑ) کو کاٹ ڈالو۔

اور دوسری آیت میں ارشاد فرماتے ہیں:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَتَخَسَّوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۖ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ ۖ وَإِمَّا
فِدَاءٌ حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۖ (سورة محمد آیت ۴)

پس جب کافروں سے جنگ کرو تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ان کا خون خوب بہا چکو تو پھر ان کو قید کرو
اور قید کرنے کے بعد یا تو ان پر احسان کرو یا ان سے فدیہ لے لو اور یہ حکم اس وقت تک ہے کہ جب لڑائی اپنے ہتھیار

ڈال دے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جب تک اعداء اللہ کی اس درجہ خونریزی نہ ہو جائے کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے اور حق کی ہیبت و بدیہ قائم نہ ہو جائے اس وقت تک فدیہ لینا جائز نہیں۔

ہاں اسلام کی عظمت و ہیبت و بدیہ اور شوکت قائم ہو جانے کے بعد اگر فدیہ لے کر آزا کردیں تو مضائقہ نہیں۔ اس موقع پر منشاء خداوندی یہ تھا کہ کافی خونریزی کی جائے تاکہ دلوں میں اسلام کی ہیبت اور شوکت بیٹھ جائے اور کفر کی جڑ کٹ جائے اور آئندہ کے لئے کفر اسلام کے مقابلہ میں سر نہ اٹھا سکے۔ مسلمانوں نے چونکہ اعداء اللہ کی کافی خونریزی سے قبل فدیہ لیا اس لیے بارگاہ خداوندی سے عتاب آیا۔

یہ وقت ترحم کا نہ تھا بلکہ شدت اور سختی کا تھا و قال ابو الطیب:

و وضع الندی فی موضع السیف بالعلی

مضر کو وضع السیف فی موضع الندی

بخشش اور کرم کو تلوار کی جگہ رکھنا ایسا ہی مضر ہے جیسا کہ تلوار کو رحم اور کرم کی جگہ رکھنا مضر ہے۔ دنیا کی کوئی حکومت بدون قتل اور خونریزی کے قوی اور مستحکم نہیں ہو سکتی:

لن یسلم الشرف الرفیع من الاذی

حتی یراق علی جوانبہ الدم

یعنی شرف رفیع ایذا سے محفوظ نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس کے اطراف و جوانب میں خون نہ بہا دیا جائے۔

اسلام تو فقط مجرمین کے قتل کا حکم دیتا ہے لیکن جن حکومتوں کو تہذیب اور تمدن کا دعویٰ ہے وہ اپنا بدیہ قائم کرنے کے خیال میں مجرم اور غیر مجرم کا کوئی فرق نہیں کرتیں۔ بلا کسی استثناء کے قتل عام کا حکم دے ڈالتی ہیں، جس میں بے قصور عورتیں اور بچے سب ہی شامل ہوتے ہیں اور اس مہذب لشکر سے جو حیاء سوز افعال ظہور میں آتے ہیں وہ دنیا سے مخفی نہیں، مشین گنوں اور توپوں اور ہوائی جہازوں سے بمباری کر کے نہایت بے رحمی اور بے دردی کے ساتھ تمام شہر کو چند منٹ میں نذر آتش کر دیا جاتا ہے۔

بھگوانہ اسلام اس قساوت اور بے رحمی اور سنگدلی سے بالکل پاک اور منزہ ہے، اسلام نے جہاد میں جاتے وقت اپنے پیروؤں کو بچوں، عورتوں، بوڑھوں، راہبوں کے قتل کی سختی سے ممانعت کی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

شبہ یہ ہے کہ منجانب اللہ فدیہ اور قتل دونوں کا اختیار دے دیا گیا تھا تو پھر فدیہ لینے پر کیوں عتاب آیا۔ علامہ طیبی طیب اللہ ثراہ و جعل الجیزۃ مثواہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ یہ اختیار فقط ظاہری اور صوری تھا۔ لیکن معنوی اور حقیقی

لحاظ سے وہ اختبار (یعنی امتحان) تھا کہ دیکھیں اعداء اللہ کے قتل کو اختیار کرتے ہیں یا سامان دنیا کو جیسا کہ ازواج مطہرات نے جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مزید نان و نفقہ کا تقاضہ کیا تو یہ آیت اتری:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۚ وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا (سورۃ احزاب آیت ۲۸، ۲۹)

اے نبی آپ اپنی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو جوڑا دے کر مناسب طرح سے رخصت کر دوں اور اگر اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے عالم آخرت میں تم میں سے جو نیکوکار ہیں ان کیلئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت میں ظاہر اگرچہ ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ خواہ دنیا اور اس کی زینت کو اختیار کریں اور خواہ اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کریں لیکن حقیقت میں یہ اختیار نہیں تھا بلکہ اختبار یعنی امتحان اور آزمائش تھی۔ اور جیسا کہ ہاروت ماروت کا تعلیم سحر کیلئے بابل میں اتارنا محض فتنہ اور امتحان ابتلاء اور آزمائش کے لئے تھا، جادو کے سیکھنے اور نہ سیکھنے کا اختیار دینا مقصود نہ تھا۔

اور جیسا کہ شب معراج میں آپ کے سامنے شراب اور دودھ کے دو برتن پیش کیے گئے اور آپ نے دودھ کو اختیار کیا اس پر جبریل نے فرمایا کہ اگر آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپ کی امت گمراہی میں پڑ جاتی۔

خلاصہ کلام

یہ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام نے جو فدیہ کا مشورہ دیا وہ محض دینی اور اخروی مصلحت کی بناء پر تھا اور بعض نے زیادہ تر مالی فوائد کو پیش نظر رکھ کر فدیہ لینے کا مشورہ دیا اس لیے یہ آیت عتاب نازل ہوئی اور اس عتاب کے اصل مخاطب وہی لوگ ہیں کہ جن کو زیادہ تر مالی فائدہ پیش نظر تھا۔ جیسا کہ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا کے لفظ سے مترشح ہوتا ہے اور مطلب عتاب کا یہ ہے کہ تم اللہ کے رسول کے اصحاب ہو کر دنیا کے فانی مال و متاع اور حقیر اسباب پر کیوں نظر کرتے ہو۔ اے اصحاب رسول تم جیسے سابقین اور مقربین کی شان جلیل اور منصب عالی کے ہرگز ہرگز مناسب نہیں کہ دنیا کے حلال (مال فدیہ وغنیمت) پر نظر کرو باقی حضور پر نور نے جو فدیہ کی رائے کو پسند فرمایا اس کا منشاء محض صلہ رحمی اور رحم دلی تھا۔ معاذ اللہ معاذ اللہ حضور پر نور اور صدیق اکبر کے سامنے ذرہ برابر بھی مالی فائدہ پیش نظر نہ تھا، اس لیے وہ اس عتاب میں داخل نہیں بارگاہ رسالت میں تو پوری دنیا ہی کا وجود و عدم برابر تھا، وہاں فدیہ کے دراہم معدودہ پر کیا نظر ہوتی۔

فضائل بدر مبین

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے قصہ

میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

لعل الله اطلع الى اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد وجبت لكم الجنة
تحقیق اللہ نے اہل بدر کی طرف نظر فرمائی اور یہ کہہ دیا جو چاہے کرو، جنت تمہارے لیے واجب ہو چکی ہے۔
(بخاری شریف باب فضل من شہد بدر)

معاذ اللہ اعملوا ما شئتم (جو چاہے کرو) سے اہل بدر کو گناہوں کی اجازت دینا مقصود نہیں بلکہ ان کے صدق اور اخلاص کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بارگاہ خداوندی میں اہل بدر کی مخلصانہ جانبازی اور محبانہ اور والہانہ سرفروشی مسلم ہو چکی ہے۔ مرتے دم تک ان لوگوں کا قدم جادہ محبت و وفا سے کبھی ڈگمگانے والا نہیں ان کے قلوب اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور اطاعت سے لبریز ہیں۔ معصیت اور نافرمانی کی ان کے دلوں میں کہیں گنجائش نہیں اگر مقتضائے بشریت کسی وقت کوئی معصیت صادر ہو جائے گی تو فوراً توبہ اور استغفار کی طرف رجوع کریں گے۔ بہر حال اہل بدر جو کچھ بھی کریں جنت ان کیلئے واجب ہے اطاعت کریں گے تب جنت واجب ہے اور اگر بالفرض بمقتضائے بشریت معصیت کر بیٹھیں گے تو فوراً توبہ اور استغفار اور تضرع اور ابتهال کریں گے جس سے ان کیلئے جنت اور مغفرت واجب ہو جائے گی بلکہ عجب نہیں کہ اور درجے بلند ہو جائیں جیسا کہ آدم علیہ السلام کے توبہ سے اور درجے بلند ہوئے۔
(تفصیل کیلئے مدارج السالکین کی مراجعت کریں)

بارگاہ خداوندی سے اعملوا ما شئتم کا خطاب انہی حضرات کو ہو سکتا ہے جن کے قلوب حق جل و علاء کی محبت و عظمت، خوف اور خشیت رغبت اور ہیبت سے لبریز ہوں اور ایسے ہی جنت کی بشارت ان لوگوں کو دی جاتی ہے جن کو ہر وقت اپنے نفس سے نفاق کا اندیشہ رہتا ہو۔ (ہذا توضیح ما قالہ الحافظ ابن قیم فی شرح ہذا الحدیث فی کتاب الفوائد ص ۱۶)
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لن يدخل النار احد شهد بدر
جو شخص بدر میں حاضر ہوا وہ ہرگز جہنم میں نہ جائے گا۔

یہ حدیث مسند احمد میں ہے سند اس کی شرط مسلم پر ہے۔ (فتح الباری باب فضل من شہد بدر)
رافعتہ بن رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سوال کیا کہ آپ اہل بدر کو کیا سمجھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: سب سے افضل اور بہتر۔ جبریل علیہ السلام نے کہا اسی طرح وہ فرشتے جو بدر میں حاضر ہوئے سب فرشتوں سے افضل اور بہتر ہیں۔ (صحیح بخاری باب شہود الملائکۃ بدر)

تعداد بدریین

حضرات بدریین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تعداد میں روایتیں مختلف ہیں مشہور تو یہ کہ تین سو تیرہ تھے۔

اشتبہ اور اختلاف کی وجہ سے محدثین کے اقوال مختلف ہیں حافظ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں سب کو جمع کر دیا اور تین سو تریسٹھ نام شمار کرائے تاکہ کسی قول کی بناء پر بھی کوئی نام رہنے نہ پائے۔ احتیاطاً سب کو ذکر کر دیا۔ یہ مطلب نہیں کہ بدر بین کی تعداد تین سو تریسٹھ ہے۔ مسند احمد اور مسند بزاز اور معجم طبرانی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اہل بدر بین تین سو تیرہ تھے۔

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کے لئے روانہ ہوئے تو کچھ دور چل کر اصحاب کو شمار کرنے کا حکم دیا۔ جب شمار کیے گئے تو تین سو چودہ تھے آپ نے ارشاد فرمایا پھر شمار کرو۔ دوبارہ شمار کر ہی رہے تھے کہ دور سے دبلہ اونٹ پر ایک شخص سوار آتا ہوا نظر آیا۔ اس کو شامل کر کے تین سو پندرہ ہوئے۔ (رواہ الطبرانی والبیہقی)

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو تین سو پندرہ آدمی آپ کے ہمراہ تھے (رواہ البیہقی واسنادہ حسن)

یہ تین روایتیں ہیں لیکن حقیقت میں سب متفق اور متحد ہیں اس لیے کہ اگر اس آخری شخص اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شمار کیا جائے تو تین سو پندرہ تھے اور اگر اس آخری شخص اور آپ کی ذات بابرکات علیہ افضل الصلوات والتحيات کو اصحاب کے ساتھ شمار نہ کیا جائے تو پھر تعداد تین سو تیرہ ہے اس سفر میں کچھ صغیر اسن یعنی کم عمر بچے بھی آپ کے ہمراہ تھے جیسے براء بن عازب، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، جابر بن عبداللہ مگر ان کو قتال کی اجازت نہ تھی۔

اگر ان کم سن بچوں کو بھی بدر بین میں شمار کر لیا جائے تو پھر تعداد تین سو انیس ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل بدر تین سو انیس تھے۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن میں اور ابن عمر چھوٹے سمجھے گئے۔ اس روز مہاجرین ساٹھ سے کچھ اوپر تھے اور انصار دو سو چالیس سے کچھ زائد تھے۔ (بخاری شریف)

براء بن عازب فرماتے ہیں ہم یہ کہا کرتے تھے کہ اصحاب بدر تین سو دس سے کچھ زیادہ تھے جتنے طالوت کے ساتھ تھے جنہوں نے نہر کو پار کیا۔ اور خدا کی قسم نہر سے وہی لوگ پار ہوئے جو بڑے پکے مؤمن اور مخلص تھے۔ (بخاری شریف)

یہ تمام تفصیل فتح الباری باب عدۃ اصحاب بدر میں مذکور ہے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی امداد کیلئے ستر جن بھی حاضر ہوئے تھے۔

آنحضرت آدمی ایسے تھے کہ جو اس غزوہ میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے لیکن اہل بدر میں شمار کیے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے ان کو حصہ عطا فرمایا:

① عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رقیہؓ کی علالت کی وجہ سے مدینہ

چھوڑ گئے تھے۔

۱۴۲ طحہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما ان دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے قافلہ کے تجسس کیلئے بھیجا تھا۔

۴ ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ روماء سے مدینہ پر اپنا قائم مقام بنا کر واپس فرمایا۔

۵ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو عوالی مدینہ پر مقرر فرمایا۔

۶ حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ، بنی عمرو بن عوف کی طرف سے آپ کو کوئی خبر پہنچی تھی اس لیے آپ نے حارث بن حاطب کو بنی عمرو کی طرف واپس بھیجا۔

۷ حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوٹ آ جانے کی وجہ سے مقام روماء سے واپس فرمادیا تھا۔

۸ خوات بن جہیر رضی اللہ عنہ پنڈلی میں چوٹ آ جانے کی وجہ سے مقام صفراء سے واپس کر دیئے گئے تھے۔ یہ ابن سعد کا بیان ہے، مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ لگایا جو اس وقت حبشہ میں تھے اور کہا جاتا ہے کہ سعد بن مالک رضی اللہ عنہ یعنی سہل کے والد نے راستہ میں انتقال فرمایا اور صبیح رضی اللہ عنہ مولیٰ اچھے بیماری کی وجہ سے واپس ہوئے۔

اسماء ملائکہ بدرتین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین

جنگ بدر میں فرشتوں کا آسمان سے مسلمانوں کی امداد کیلئے نازل ہونا اور پھر ان کا جہاد و قتال میں شریک ہونا، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے معلوم ہو چکا ہے لیکن روایات حدیث سے صرف تین فرشتوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں جو ہدیہ ناظرین ہے:

۱ افضل الملائکۃ المکرمین امین اللہ تعالیٰ بینہ و بین الانبیاء والمرسلین سیدنا جبریل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ (رواہ البخاری عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

۲ سیدنا میکائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام

۳ سیدنا اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ (اخرجه احمد والبراز ابو یعلیٰ والحاکم وصحیحہ والبیہقی عن علی رضی اللہ عنہ وخصائص کبریٰ ص ۲۰۱ ج ۱)

اسماء شہداء بدر رضی اللہ عنہم ورضوانہ

قال الله عز وجل وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۚ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ

مِّنْ خَلِيفَتِهِمْ إِلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۸﴾

مکن گریہ بر گور مقتول دوست
بر در خرمی کن کہ مقبول اوست

① عبیدہ بن الحارث بن مطلب مہاجر بن رضی اللہ عنہ

معرکہ بدر میں پیر کٹ گیا تھا مقام صفراء میں پہنچ کر وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں دفن فرمایا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ مقام صفراء میں نزول فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم یہاں مشک کی خوشبو پاتے ہیں، آپ نے فرمایا تعجب کیا ہے یہاں ابو معاویہ کی قبر ہے (ابو معاویہ حضرت عبیدہ بن الحارث کی کنیت ہے) (استیعاب الحافظ ابن عبد البر ص ۳۲۵ ج ۱) ترجمہ عبیدہ بن الحارث بر حاشیہ اصحابہ۔

② عمیر بن ابی وقاص مہاجر بن رضی اللہ عنہ

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی ہیں، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بدر کے لئے لوگ جمع ہوئے تو میں نے بھائی عمیر کو دیکھا کہ ادھر ادھر چھپتا پھرتا ہے۔ میں نے کہا اے بھائی تجھ کو کیا ہوا؟ کہا مجھ کو اندیشہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو دیکھ پائیں اور چھوٹا سمجھ کر واپس فرمادیں اور میں جانا چاہتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ مجھ کو شہادت نصیب فرمائے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا معائنہ فرمایا تو عمیر بھی پیش کیے گئے۔ آپ نے صغیر السن ہونے کی وجہ سے واپسی کا حکم دیا۔ عمیر یہ سن کر رو پڑے، آپ نے ان کا یہ ذوق و شوق دیکھ کر اجازت دیدی۔ بالآخر جنگ میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ عمیر رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت سولہ سال کی تھی۔

③ ذوالشمالین بن عبد عمر و مہاجر بن رضی اللہ عنہ

امام زہری اور ابن سعد اور ابن سمعان فرماتے ہیں کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخص کے دو نام ہیں اور جمہور محدثین کے نزدیک دو شخص ہیں۔ ذوالشمالین تو جنگ بدر میں شہید ہوئے اور ذوالیدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی زندہ رہے۔

④ عاقل بن البکیر مہاجر بن رضی اللہ عنہ

سابقین اولین میں سے ہیں دار ارقم میں مشرف باسلام ہوئے۔ پہلا نام ان کا غافل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے غافل کے عاقل نام رکھا۔ اصحابہ ترجمہ عاقل بن البکیر رضی اللہ عنہ۔ مشرف باسلام ہونے سے قبل آخرت سے غافل اور بے خبر تھے۔ اسلام لانے سے عاقل اور ہوشیار بنے اس لیے ان کا یہ نام تجویز فرمایا واللہ اعلم۔ غزوہ بدر میں شہید ہوئے۔ عمر اس وقت چونتیس سال کی تھی۔

۵) مجبج بن صالح مولیٰ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما

سعید بن مسیب سے منقول ہے کہ قتال کے وقت حضرت مجبج کی زبان پر یہ الفاظ تھے: انا مہجع والی ربی ارجع میں مجبج ہوں اور اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والا ہوں (رواہ ابن ابی شیبہ)

۶) صفوان بن بیضاء مہاجر رضی اللہ عنہ

بدری ہونا تو ان کا مسلم ہے لیکن غزوہ بدر میں ان کا شہید ہونا مختلف فیہ ہے۔ ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ اور ابن سعد کہتے ہیں غزوہ بدر میں طعیمہ بن عدی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ ابن حبان کہتے ہیں: ۳۰ھ میں اور حاکم کہتے ہیں ۳۸ھ میں وفات پائی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (اصابہ ترجمہ صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ)

۷) سعد بن خیشمہ انصاری رضی اللہ عنہ

صحابی اور صحابی کے بیٹے، شہید اور شہید کے بیٹے، سعد غزوہ بدر میں شہید ہوئے اور باپ یعنی خیشمہ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔

حضرت سعد بیعت عقبہ میں بھی شریک تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عمرو کا ان کو نقیب بنایا تھا۔ (اصابہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عیر ابی سفیان کیلئے خروج کا حکم دیا تو خیشمہ نے سعد سے کہا اے بیٹا ہم میں سے ایک کا بچوں اور عورتوں کی حفاظت کیلئے گھر رہنا ضروری ہے تم ایثار کرو اور مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جانے کی اجازت دو اور تم یہاں ٹھہرو۔ اس پر سعد رضی اللہ عنہ نے صاف انکار کر دیا اور یہ عرض کیا:

لو کان غیر الجنة آثر تک به انی ارجو الشهادة فی وجہی هذا

جنت کے سوا اگر اور کوئی معاملہ ہوتا تو ضرور ایثار کرتا اور آپ کو اپنے نفس پر ترجیح دیتا لیکن میں اس سفر میں اپنے شہید ہونے کی قوی امید رکھتا ہوں۔

بعد ازاں باپ اور بیٹے کے مابین قرعہ اندازی ہوئی، قرعہ سعد کے نام پر نکلا۔ بیٹے باپ سے زیادہ خوش نصیب نکلے اور شاداں و فرحان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ معرکہ بدر میں عمرو بن عبدو دیا طعیمہ بن عدی کے ہاتھ سے شہید ہوئے، رضی اللہ عنہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

۸) مبشر بن عبدالممنذ رانصاری رضی اللہ عنہ

۹) یزید بن حارث انصاری رضی اللہ عنہ

۱۰) عمیر بن الحما انصاری رضی اللہ عنہ

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن یہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! ثوب جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ عمیر نے کہا بنی خ (واہ واہ) آپ نے ارشاد

فرمایا: اے عمیر کس چیز نے تجھ کو بخ نکھنے پر آمادہ کیا؟ عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم کچھ بھی نہیں مگر صرف یہ امید کہ شاید میں بھی جنت والوں میں سے ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فانک من اهلها پس تحقیق بلاشبہ تو اہل جنت سے ہے۔ بعد ازاں کھجوریں نکال کر کھانا شروع کیں مگر فوراً ہی پھینک دیں اور یہ کہا کہ اگر ان کے کھانے میں مشغول ہو گیا تو پھر زندگی بڑی طویل ہے۔ کھجوریں پھینک کر قتال میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ عمیر نے تلوار ہاتھ میں لی اور یہ کلمات ان کی زبان پر تھے:

رکضاً الى الله بغير زاد

الا التقى وعمل المعاد

والصبر في الله على الجهاد

وكل زاد عرضة النفاذ

غير التقى والبر والرشاد

اللہ کی طرف بغیر توشہ کے دوڑو۔ مگر تقویٰ اور عمل آخرت اور جہاد فی سبیل اللہ پر صبر کا توشہ ضرور ہمراہ لے لو۔ اور ہر توشہ معرض فنا میں ہے۔ مگر تقویٰ اور بھلائی اور رشد کا توشہ کبھی نہ خراب ہو سکتا ہے اور نہ فنا۔ (استیعاب للحافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ ص ۲۸۲ ج ۲۔ حاشیہ اصابع، واصابہ ص ۳۱ ج ۲۔ ترجمہ عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ زرقانی ص ۱۴۲ ج ۱۔ البدایہ والنبایہ ص ۲۷ ج ۳)

۱۱ رافع بن معلیٰ انصاری رضی اللہ عنہ

۱۲ حارث بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ

حارث بن سراقہ بن حارث رضی اللہ عنہما صحابی اور صحابی کے بیٹے۔ شہید اور شہید کے بیٹے۔ بیٹے یعنی حضرت حارث غزوہ بدر میں شہید ہوئے اور حضرت سراقہ غزوہ حنین میں۔ (فتح الباری باب فضل من شہد بدر) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حارث بدر میں شہید ہوئے اور وہ نوجوان تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے واپس تشریف لائے تو حارث کی والدہ ربیع بنت نصر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ مجھ کو حارث سے کس قدر محبت تھی۔ پس اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں اور اللہ سے ثواب کی امید رکھوں اور اگر دوسری صورت ہے تو پھر آپ دیکھ لیں گے کہ میں کیا کروں گی، یعنی خوب گریہ وزاری کروں گی۔ آپ نے فرمایا: کیا دیوانی ہو گئی؟ ایک جنت نہیں اس کیلئے بہت سی جنتیں ہیں اور تحقیق وہ بلاشبہ جنت الفردوس میں ہے۔ (صحیح بخاری باب فضل من شہد بدر ا ص ۵۶۷ ج ۲)

۱۳) عوف بن حارث انصاری رضی اللہ عنہ

۱۴) معوذ بن حارث انصاری رضی اللہ عنہ

یہ دونوں بھائی ہیں والدہ کا نام عفراء ہے عوف بن حارث کی شہادت کا واقعہ پہلے گزر چکا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اصحاب بدر میں شہید ہوئے حق جل و علاء نے ان پر تجلی فرمائی اور اپنے دیدار پر انوار سے ان کی آنکھوں کو منور فرمایا اور کہا اے میرے بندو کیا چاہتے ہو؟ اصحاب نے عرض کیا: اے پروردگار جن نعمائے جنت سے تو نے ہم کو سرفراز فرمایا کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی نعمت ہے؟ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا: بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ چوتھی مرتبہ اصحاب نے یہ عرض کیا اے پروردگار ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں پھر ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائیں تاکہ پھر تیری راہ میں قتل ہوں جیسے اب قتل ہوئے۔ (رواہ الطبرانی و رجالہ ثقات۔ و ہذا موقوف لفظ مرفوع حکما لانہ لا مدخل للرای فیہ واللہ اعلم ۱۲)

اسلام کے مقابلہ میں قوم اور وطن کی حمایت

غزوہ بدر اسلام اور کفر کا معرکہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا ہے کہ حق اور باطل میں فرق ہونے کا دن ہے۔

مکہ میں کچھ لوگ ایسے تھے کہ جو اسلام تو قبول کر چکے تھے مگر جب حضور پر نور نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو یہ لوگ اپنی قوم اور قبیلہ کے لحاظ سے مکہ ہی میں رُکے رہے، جب جنگ بدر کا موقع آیا تو ان میں سے کچھ لوگ بدر میں قوم کفار کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کیلئے آئے اور جنگ بدر میں مارے گئے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْنَاهُمْ لَمْ يَكُنْ ظَالِمِينَ أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا قَالُوا لَكَ مَاؤُكُمْ هُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَسَاءَتْ مُصِيرًا
إِنَّ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا قَالُوا لَكَ مَاؤُكُمْ هُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَسَاءَتْ مُصِيرًا
عَسَى اللَّهُ أَنْ يَغْفِرَ لَهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا عَفُورًا (سورة النساء آیت ۹۷، ۹۸، ۹۹)

تحقیق جن لوگوں کی فرشتوں نے ارواح قبض کیں در آن حالانکہ وہ لوگ اپنی جانوں پر بڑے ظلم کرنے والے تھے۔ فرشتوں نے ان سے کہا کہ تم کس حال میں تھے ان لوگوں نے کہا کہ ہم بیچارہ اور لاچار تھے زمین میں اس لیے ہجرت نہ کر سکے۔ فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ قوم اور وطن کو چھوڑ کر وہاں ہجرت کر جاتے پس ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بہت بُرا ٹھکانہ ہے مگر جو مرد اور عورتیں اور لڑکے در حقیقت بے چارہ اور بے بس ہیں اور ہجرت کیلئے کوئی چارہ نہیں پاتے پس ایسے لوگوں کے متعلق امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قصور کو معاف کر دے اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ان ناسا من المسلمین كانوا مع المشرکین یکترون سواد المشرکین علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینتہی السهم فیرمی بہ فیصیب احدهم فیقتله او یضرب فیقتل فانزل اللہ
 إِنَّ الَّذِینَ تَوَقَّعَهُمُ الْمَلَائِکَةُ ظَالِمِیْنَ أَنْفُسِهِمْ الْآیَۃ۔ (بخاری شریف ص ۶۶۱ ج ۲ کتاب التفسیر سورۃ نساء)
 غزوہ بدر میں کچھ مسلمان مشرکین کی تعداد اور جماعت بڑھانے کیلئے کفار مکہ کے ساتھ نکلے تو میدان میں کوئی تیر
 آ کر اس مسلمان کے لگتا اور اس سے وہ مارا جاتا اور کبھی تلوار کی ضرب سے وہ مارا جاتا۔ پس جو مسلمان بدر میں کافروں
 کے ساتھ آئے تھے اور مارے گئے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ إِنَّ الَّذِینَ تَوَقَّعَهُمُ الْمَلَائِکَةُ الْآیَۃ۔
 اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کو امام بخاری کتاب الفتن ص ۱۰۴۹ میں دوبارہ لائے ہیں اور اس پر یہ
 ترجمہ رکھا (باب من کرہ ان یکثر سواد الفتن او الظلم) یعنی اہل فتنہ اور اہل کفر اور معصیت کی تعداد بڑھانے کی
 کراہت کا بیان۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ اپنے ترجمہ قرآن میں: إِنَّ الَّذِینَ تَوَقَّعَهُمُ الْمَلَائِکَةُ ظَالِمِیْنَ
 أَنْفُسِهِمْ..... الخ کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں یعنی بتبرک ہجرت ازدار الحرب بدار الاسلام وبتکثیر
 سواد کفار واللہ اعلم۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے کافروں کی فوج میں جانا تاکہ فتنہ کافروں کی تعداد
 زیادہ معلوم ہو یہ بھی ناجائز ہے۔ اگرچہ مسلمانوں سے نہ لڑنے کا ارادہ ہے اور نہ لڑے۔ مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے کفار کی
 فوج میں بھرتی ہونا حرام ہے۔ حضرات اہل علم فتح الباری ص ۱۳۲ ج ۱۳ و عمدة القاری ص ۵۴۵ اور قسطلانی کی مراجعت
 کریں اور مزید تفصیل اگر درکار ہو تو تفسیر ابن کثیر اور تفسیر قرطبی اور تفسیر درمنثور کی مراجعت کریں۔
 اور حدیث میں ہے من کثر سواد قوم فهو منهم۔ یعنی جو شخص کسی قوم کی جماعت اور تعداد کو بڑھائے وہ اس
 قوم سے ہے۔

غزوہ بدر پر دوبارہ نظر

غزوہ بدر کا بیان ختم ہوا اور اس بارے میں آیات اور صحیح اور صریح روایات ناظرین کے سامنے آ گئیں۔ جن سے
 یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ بدر سے مقصد قریش کے اس کاروان تجارت پر
 یلغار کرنا تھا کہ جو ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آ رہا تھا۔ قریش مکہ کے کسی حملہ کا دفاع مقصود نہ تھا۔ علامہ
 شبلی کی سیرۃ النبی میں رائے یہ ہے کہ غزوہ بدر کا مقصد کاروان تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا بلکہ آپ کو مدینہ ہی میں یہ خبر آ گئی
 تھی کہ قریش ایک عظیم جمعیت لے کر مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے نکلے ہیں، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی
 مدافعت کے قصد سے نکلے اور بدر کا معرکہ پیش آیا۔ غزوہ بدر سے آپ کا مقصود کاروان تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا بلکہ
 قریش کے حملہ کا دفاع مقصود تھا۔ علامہ شبلی کا خیال ختم ہوا۔

علامہ شبلی کا یہ خیال تمام محدثین اور مفسرین کی تصریحات بلکہ تمام صحیح اور صریح روایات کے خلاف ہے۔

① روی ابن ابی حاتم عن ابی ایوب قال قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن بالمدينة انی اخبرت عن غیر ابی سفیان فهل لکم ان تخرجوا الیہا لعل اللہ یغنمناھا قلنا نعم فخرجنا فلما سرنا یوما او یومین قال قد اخبروا خبرنا فاستعدوا للقتال فقالوا لا واللہ مالنا طاقة بقتال القوم (ولکننا اردنا العیر) فاعاده فقال له المقداد لا نقول لك كما قالت بنو اسرائیل۔ الحدیث (فتح الباری ص ۴۲۲ ج ۷ وزرقانی ص ۴۱۳)

ابن ابی حاتم نے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے مدینہ میں یہ فرمایا کہ مجھ کو یہ خبر دی گئی ہے کہ ابوسفیان کا تجارتی قافلہ آ رہا ہے کیا تم کو یہ مرغوب ہے کہ تم اس تجارتی قافلہ کے لینے کیلئے خروج کرو، عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس قافلہ کے اموال کو بطور غنیمت ہم کو عطا فرمائے۔ صحابہ نے عرض کیا ہاں ہم کو یہ امر مرغوب ہے اس کے بعد ہم روانہ ہو گئے۔ ایک یا دو روز کی منزل قطع کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ کفار مکہ کو ہماری روانگی کی اطلاع مل چکی ہے اور وہ تیار ہو کر ہمارے مقابلہ اور مقاتلہ کیلئے آرہے ہیں تم بھی ان سے جہاد و قتال کیلئے تیار ہو جاؤ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ خدا کی قسم (ظاہر اسباب میں) ہم میں یہ طاقت نہیں کہ ہم مٹھی بھر جماعت قریش کے اس مسلح لشکر جبار کا مقابلہ کر سکیں۔ جزایں نیست ہم تو ابوسفیان کے کاروان تجارت پر حملہ کرنے کیلئے نکلے تھے یعنی ہمیں اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ قریش سے اس طرح مقابلہ کرنا پڑے گا کہ کچھ تیار ہو کر نکلتے۔ آپ نے اسی کام کا اعادہ فرمایا۔ مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم بنی اسرائیل کی طرح آپ سے یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار جاکر لو، ہم تو یہیں بیٹھیں ہیں بلکہ ہم آپ کے دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے ہر طرف سے اور ہر طرح سے لڑیں گے۔

② اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے:

لما سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بابی سفیان مقبلا من الشام ندب المسلمین الیہم وقال هذه غیر قریش فیہا اموالہم فاخرجوا الیہا لعل اللہ ان ینفلکموها فان ندب الناس فخف بعضهم وثقل بعضهم وذلك انہم لم یظنوا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلقى حربا وكان ابو سفیان قد استنفر حین دنا من الحجاز یتجسس الاخبار۔ الحدیث (البدایہ والنہایہ ص ۲۵۶ ج ۳۔ تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۸ ج ۲ سورۃ انفال وزرقانی ص ۴۱۱ ج ۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا کہ ابوسفیان تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس آ رہا ہے تو آپ نے مسلمانوں کو اس کی طرف خروج کی دعوت دی اور یہ فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ آ رہا ہے جس میں ان کے بے شمار اموال

ہیں پس تم اس پر حملہ کرنے کیلئے نکلو شاید اللہ تعالیٰ وہ تمام اموال تم کو غنیمت میں عطا فرمائے۔ پس کچھ لوگ آپ کے ہمراہ نکلے اور کچھ نہیں نکلے جس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں سے کوئی جنگ پیش آ جائے گی۔ ابوسفیان کو اس کا کھٹکا لگا ہوا تھا اس لیے وہ برابر جستجو میں تھا یہاں تک کہ جب ابوسفیان کو یہ پتہ لگ گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلہ پر حملہ کیلئے خروج فرمایا ہے تو فوراً ضمضم غفاری کو قاصد بنا کر مکہ روانہ کیا (إلى آخر القصة)

اس لیے حافظ عسقلانیؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

والسبب في ذلك ان النبي صلى الله عليه وسلم ندب الناس الى تلقي ابى سفيان لاخذ ما معه من اموال قريش وكان من معه قليلا فلم يظن اكثر الانصار انه يقع قتال فلم يجز معه منهم الا القليل ولم ياخذوا اهبة الاستعداد كما ينبغي بخلاف المشركين فانهم خرجوا مستعدين ذابين عن اموالهم۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۲)

غزوہ بدر کا سبب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کی طرف خروج کی دعوت دی تاکہ اس کے ذخائر اموال پر قبضہ کریں کیونکہ اس قافلہ میں اموال بہت تھے اور آدمی کم تھے۔ (تیس چالیس تھے) اس لیے اکثر انصار کو یہ گمان بھی نہ ہوا کہ نوبت قتال کی آئے گی اس لیے بہت تھوڑے آدمی آپ کے ساتھ نکلے اور لڑائی کی خاص تیاری نہیں کی بخلاف مشرکین کے کہ وہ پوری تیاری کے ساتھ مکہ سے نکلے تاکہ اپنے اموال کی حفاظت اور مدافعت کریں۔

ابوسفیان کو جب یہ خبر ملی کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا روان تجارت پر حملہ کرنے کیلئے مدینہ سے روانہ ہوئے ہیں تو اس نے فوراً ضمضم غفاری کو پیغام دے کر مکہ روانہ کیا:

يا معشر قريش اللطيمة اللطيمة اموالكم مع ابى سفيان قد عرض لها محمد في اصحابه لا ارى ان تدركوها الغوث، الغوث۔ (البدایة والنہایة ج ۳ ص ۲۵۸)

اے گروہ قریش دوڑو اور خبر لو اپنے ان اونٹوں کی جو کپڑوں اور سامان سے لدے ہوئے ہیں اور خبر لو اپنے مالوں کی، محمد اپنے اصحاب کے ساتھ ان سے تعرض کیلئے روانہ ہو گئے ہیں میں گمان نہیں کرتا کہ تم اپنے اموال کو صحیح و سالم پاسکو گے المدد المدد یعنی جلد از جلد قافلہ کی مدد کو پہنچو۔

ابوسفیان نے ضمضم غفاری کے روانہ کرنے کے بعد نہایت احتیاط سے کام لیا اور ساحل کے راستے سے قافلہ کو بچا کر نکل گیا اور جب قافلہ مسلمانوں کی زد سے نکل گیا تو ابوسفیان نے ایک دوسرا پیغام قریش کے نام روانہ کیا وہ پیغام یہ تھا:

قال ابن اسحاق ولما رأى ابوسفیان انه قد احزر عيره ارسل الى قريش انكم انما خرجتم

لتمنعوا عیرکم ورجالکم واموالکم فقد نجاها اللہ فارجعوا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۲۶۶)
محمد بن اسحق کہتے ہیں کہ جب ابوسفیان نے دیکھا کہ آپ اپنے قافلہ کو مسلمانوں سے بچا کر نکال لے گیا تو قریش کی طرف ایک پیغام بھیجا کہ تم فقط اپنے کاروان تجارت اور آدمیوں اور مالوں کی حفاظت کیلئے آئے تھے اللہ نے ان سب کو بچالیا لہذا تم اب مکہ لوٹ جاؤ۔

ابوسفیان کا یہ پیغام قریش کو اس وقت پہنچا کہ جب قریش مقام جحفہ میں پہنچ چکے تھے لوگوں نے چاہا کہ لوٹ جائیں مگر ابو جہل نے قسم کھالی کہ ہم اسی شان سے بدر تک جائیں گے اور بغیر لڑے واپس نہ ہوں گے، مگر اخص بن شریق نے ابو جہل کی بات کو نہ مانا اور بنی زہرہ سے مخاطب ہو کر یہ کہا:

یا بنی زہرۃ قد نجی اللہ لکم اموالکم وخلص لکم صاحبکم مخرمۃ بن نوفل وانما نفرتم لتمنعوه ومالہ فاجعلوا بی جنبہا وارجعوا فانہ لا حاجۃ لکم بان تخرجوا فی غیر صنعۃ لا مایقول هذا قال فرجعوا فلم یشہدہا زہری واحد۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۲۶۶)

اے بنی زہرہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مالوں کو بچالیا اور تمہارے ساتھی مخرمہ کو بھی بچالیا۔ تم تو فقط مالوں کو مسلمانوں کی دست برد سے بچانے کیلئے نکلے تھے سو وہ بچ نکلے، لہذا تم سب لوٹ جاؤ بے ضرورت نکلنے سے کیا فائدہ؟ اخص کے کہتے ہی تمام بنی زہرہ راستہ ہی سے لوٹ گئے اور ایک آدمی بھی بنی زہرہ میں کا بدر کے معرکہ میں شریک نہیں ہوا۔

بنو ہاشم تو اول ہی سے جنگ میں جانا نہیں چاہتے تھے، عاتکہ بنت عبدالمطلب کے خواب کی وجہ سے چلنے پر آمادہ نہ تھے۔ پھر جہیم کے خواب نے اور متردد کر دیا اور پھر جب ابوسفیان کا پیغام آ گیا کہ کاروان تجارت صحیح سالم بچ نکلا تو اور بہت سے تردد میں پڑ گئے چنانچہ طالب بن ابی طالب اور کچھ لوگ ان کے ساتھ مکہ واپس چلے گئے پھر جب اخص بن شریق بنی زہرہ کو لے کر واپس ہو گیا تو اور تذذبذ میں پڑ گئے مگر ابو جہل کی ضد اور ہٹ دھرمی اور اس کے رعب کی وجہ سے بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ عتبہ اور شیبہ ابتداء ہی سے چلنے پر تیار نہ تھے اور آخر وقت تک یہ چاہتے رہے کہ مکہ واپس ہو جائیں، جیسا کہ مفصل گزر چکا۔

کیا اب اس قسم کی صریح اور ناقابل تاویل روایات کے بعد بھی کسی مؤول؟؟؟ کیلئے یہ گنجائش ہے کہ یہ کہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کاروان تجارت پر حملہ کرنے کیلئے نہیں نکلے تھے بلکہ قریش کی جو جمعیت مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کیلئے نکلی تھی حضور پر نور اس کی مدافعت کیلئے بدر میں تشریف لے گئے تھے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ہمراہ لے کر جب مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو آپ کا مقصد صرف قریش کا کاروان تجارت تھا ابو جہل اور اس کی جمعیت کا وہم و گمان بھی نہ تھا بلکہ نفس الامری میں کہیں اس کا وجود اور نام و نشان بھی نہ تھا۔

جیسا کہ ابو جہل اور قریش کے کہیں حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ہم کوئی جمعیت لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوں بلکہ جب ابوسفیان کے قاصد ضمضم غفاری نے مکہ پہنچ کر یہ خبر سنائی کہ تمہارا کاروان تجارت خطرہ میں ہے مسلمان اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت مکہ میں ہلچل مچ گئی اور قریش ابو جہل کے سرکردگی میں بڑی شان و شوکت سے زرہیں پہن کر اور پوری طرح مسلح ہو کر اپنے کاروان تجارت کو بچانے کیلئے نکلے۔ قریش کو مقام جحفہ میں پہنچ کر ابوسفیان کی طرف سے اطلاع ملی کہ قافلہ صحیح سالم پہنچ نکلا ہے اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام صفراء میں پہنچ کر اطلاع ملی کہ کاروان تجارت تو نکل گیا ہے اور قریش پوری تیاری کے ساتھ مسلح ہو کر آ رہے ہیں۔ چونکہ مسلمان کسی جنگ کی نیت سے نہیں نکلے تھے اس لیے آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ لہذا کسی علامہ کا یہ خیال کرنا کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول سے آخر تک کسی وقت بھی تجارتی قافلہ پر حملہ کی نیت نہیں کی بلکہ ابتداء ہی سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سفر شرع فرمایا وہ قریش کے اس فوجی لشکر کے مقابلہ اور دفاع کیلئے تھا جو از خود مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے اقدام کرتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ یہ خیال ایک خیال خام ہے جو اپنی ایک مزعوم درایت اور خود ساختہ اصول پر مبنی ہے جس پر تمام ذخیرہ احادیث نبویہ اور ارشادات قرآنیہ اور روایات سیرت اور واقعات تاریخیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں۔ افسوس اور صد افسوس کہ جن اعداء اللہ نے اللہ کے نبی اور اس کے متبعین کو جانی اور مالی نقصان پہنچایا ہو اور ان کو ان کے گھروں سے نکالا ہو اور ان کے اموال پر ناجائز قبضے کیے ہوں اور آئندہ کیلئے بھی ان کے یہی عزائم ہوں اور ایک لمحہ کیلئے اسلام اور مسلمانوں کے مٹانے کی تدبیر سے غافل نہ ہوں سوا اگر مسلمان ان کو جانی یا مالی نقصان پہنچانے کیلئے کوئی اقدام کریں تو اس کو خلاف تہذیب اور خلاف انسانیت سمجھا جائے اور جن روایات میں کچھ تاویل چل سکے وہاں تاویل کر لی جائے اور جہاں تاویل نہ چل سکے ان کا ذکر ہی نہ کیا جائے تاکہ اپنے خود ساختہ اصول پر زندہ پڑے۔ یہ شان علم اور امانت کے خلاف ہے۔ قَدْ أَطِيسَ بُبْدُ وَلَهَا وَتَحْفَوْنَ كَثِيرًا غزوہ بدر سے پہلے جس قدر ہمیں روانہ کی گئیں وہ اکثر و بیشتر قریش کے تجارتی قافلوں ہی پر حملہ کرنے کیلئے روانہ کی گئیں پھر غزوہ بدر ہی میں کیوں اشکال پیش آیا۔

رہا یہ دعویٰ کہ مسلمانوں کو کافروں پر ابتداء از خود حملہ کرنا جائز نہیں جب تک کہ کفار از خود حملہ نہ کریں۔ مطلب یہ کہ جہاد کیلئے از خود اقدام جائز نہیں بلکہ جب کافر ابتداء حملہ آور ہوں تو ان کا دفاع کیا جائے۔ سو اس کا جواب ابتداء میں بحث جہاد میں بالتفصیل گزر چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ کفار مکہ جو مسلمانوں کو تیرہ برس تک جانی اور مالی ہر قسم کا نقصان پہنچا چکے ہوں اور ہر قسم کے مظالم ان پر کر چکے ہوں اور آئندہ کیلئے باقاعدہ دھمکیاں دے رہے ہوں اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں سرگرداں ہوں اور اس بارے میں مراسلتیں جاری کرتے ہوں ان کے جان و مال پر مسلمانوں کیلئے از خود حملہ کرنا جائز نہ ہو عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔

خلاصہ کلام

یہ کہ ان تمام روایات سے روز روشن کی طرح یہ امر واضح ہو گیا کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ سے کاروان تجارت کے ارادہ سے نکلے تھے اور قریش مکہ اور ابو جہل اسی کاروان تجارت کے بچانے کیلئے نکلے تھے۔ مؤمن و کافر سب کا مطمح نظر یہی کاروان تجارت تھا اور ہر دو فریق یہی سمجھے ہوئے تھے، علامہ سمجھیں یا نہ سمجھیں، نیز غزوہ بدر سے پہلے جو غزوات اور سرایا پیش آئے وہ اکثر و بیشتر اقدامی تھے دفاعی نہ تھے۔ ابتداء حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوئی۔



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيَةُ ۶۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ

جیسے تیرے رب نے تجھے تیرے گھر سے سچائی کے ساتھ نکالا اور بے شک ایک جماعت

الْمُؤْمِنِينَ لَكِرَهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ

مسلمانوں میں سے ناپسند کرنے والی تھی۔ وہ تجھ سے حق بات میں اس کے ظاہر ہو چکنے کے بعد

كَأَنَّمَا يَسَاقُوْنَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶

بھگڑتے تھے گویا وہ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں

خلاصہ

جس طرح آپ کے رب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ”حق کام“ یعنی قتال فی سبیل اللہ کے لئے اپنے گھر سے میدان جہاد کی طرف نکالا۔ جبکہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ قریشی لشکر سے لڑنے پر راضی نہیں تھے۔ وہ ایک حق بات میں جو بالکل واضح اور اٹل تھی آپ سے بحث کر رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کھلی آنکھوں سے نظر آنے والی موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔

رابط

اوپر مقابلہ کفار میں کامیاب ہونے کا جو مدارِ اعظم تھا اس کا بیان تھا آگے کامیابی کے واقعات ذکر کر کے اس بارہ میں اپنے انعامات یاد دلاتے ہیں۔ (بیان القرآن)

غزوہ بدر کا تذکرہ

ان آیات میں غزوہ بدر کا ذکر ہے اور رکوع کے ختم تک بلکہ اس کے بعد بھی متعدد آیات میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے اور پھر مزید تفصیل اس سورت کے پانچویں اور چھٹے رکوع میں بیان فرمائی ہے، غزوہ بدر کا کچھ تذکرہ سورہ آل عمران کے رکوع دوم اور کچھ آل عمران کے رکوع نمبر ۱۲ میں گذر چکا ہے۔ (انوار البیان)

جامع تفسیر

یعنی سوچو کہ اس جنگ بدر میں شروع سے آخر تک کس طرح حق تعالیٰ کی تحریک و تائید اور امداد و توفیق مسلمانوں کے حق میں کار فرما رہی..... خدا ہی تھا جو نصرت دین اسلام کے حق (سچے) وعدے کر کے اپنے نبی کو ایک امر حق یعنی کفار کے ساتھ جہاد کرانے کے لئے مدینہ سے باہر بدر کے میدان میں اس وقت لے آیا جبکہ ایک جماعت مسلمانوں کی لشکر

قریش سے نبرد آزمانی کرنے پر راضی نہ تھی۔ یہ لوگ ایسی سچی اور طے شدہ چیز میں پس و پیش کر رہے تھے اور جیتیں نکال رہے تھے جس کی نسبت بذریعہ پیغمبر انہیں ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ یقیناً خدا کی فرمائی ہوئی اٹل بات ہے (یعنی اسلام و پیروان اسلام کا بذریعہ جہاد غالب و منصور ہونا) ابو جہل کے لشکر سے مقابلہ کرنا ان کو اس قدر شاق اور گراں تھا جیسے کسی شخص کو آنکھوں دیکھتے موت کے منہ میں جانا مشکل ہے تاہم خدا اپنی توفیق سے ان کو میدان جنگ میں لے گیا اور اپنی امداد سے مظفر و منصور واپس لایا۔ پس جیسے خدا ہی کی مدد سے ازاول تا آخر یہ مہم سر ہوئی مال غنیمت بھی اسی کا سمجھنا چاہیے وہ اپنے پیغمبر کے ذریعہ جہاں بتلائے خرچ کرو (تنبیہ) **كَمَا أَخْرَجَكَ** الخ۔ کے کاف کو میں نے اپنی تقریر میں صرف تشبیہ کے لئے نہیں لیا بلکہ ابو حیان کی تحقیق کے موافق معنی تعلیل پر مشتمل رکھا ہے جیسے **وَإِنْ كَرِهَ كَمَا هَذَا** میں علماء نے تصریح کی ہے اور **كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ** الی آخر آیات کے مضمون کو میں نے **الْأَنْفَالِ** **بِلَا وَالتَّهْوِيلِ** کا ایک سبب قرار دیا ہے۔ ابو حیان کی طرح ”اعزك الله“ وغیرہ مقدر نہیں مانا۔ نیز تقریر آیت میں صاحب ”روح المعانی“ کی تصریح کے موافق اشارہ کر دیا ہے کہ **كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ** بالتحقیق میں صرف آن خروج من البيت مراد نہیں۔ بلکہ خروج من البيت سے دخول فی الجہاد تک کا ممتد اور وسیع زمانہ مراد ہے جس میں **إِنْ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَنُكَرِهُونَ** **يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ** وغیرہ سب احوال کا وقوع ہوا۔ ایک فریق کی کراہیت تو عین خروج من المدينة ہی کے وقت ظاہر ہو گئی جسے صحیح مسلم اور طبری کے حوالہ سے سورۃ الانفال کے پہلے فائدہ میں بیان کر چکے ہیں اور مجادلہ کی صورت غالباً آگے چل کر لشکر کی اطلاع ملنے پر مقام صفراء میں پیش آئی۔ اس کے سمجھ لینے سے بعض مبطلین کے مغالطات کا استیصال ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ایک وضاحت

مستند عربی تفاسیر میں اس آیت کی وہی تفسیر بیان کی گئی ہے جو تفسیر عثمانی کے حوالے سے ابھی عرض ہوئی ہے۔ جبکہ بعض اردو مؤرخین اور مفسرین کفار و مستشرقین کے اعتراضات سے مغلوب ہو کر مغالطے میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ان میں سے بعض کو اس بات پر شرم محسوس ہو رہی ہے کہ مشرکین مکہ کے تجارتی قافلے پر مسلمانوں نے حملے کا ارادہ کیوں کیا؟ اور بعض کو اس بات سے انکار ہے کہ ابو جہل کے لشکر کے مقابلے میں بھی خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پہل فرمائی اور اقدام کیا۔ حالانکہ ان دونوں باتوں میں ذرہ برابر اشکال یا اعتراض کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے ابوسفیان کے تجارتی قافلے پر حملے ہی کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نکلنا حق تھا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے جہاد کے عظیم کام کے لئے نکالا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو مالی اور جانی نقصان پہنچانا، انہیں کمزور کرنا اور مسلمانوں کے دفاع کو مضبوط کرنا یہ وہ اہم کام تھا جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فکر رکھتے تھے۔ پھر ابو جہل کے لشکر سے مقابلے کا فیصلہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا اور یہ وہ کام تھا جس کی تعریف میں قرآن پاک کی آیات پر آیات نازل ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان عظیم کارناموں پر شرم محسوس کرنا خود باعث شرم

ہے اور ان کارناموں پر تاویل کے پردے ڈالنا اپنی تاریخ کو مسخ کرنا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جہاد ”حق“ ہے

۱ اپنے نبی کو ایک امر حق یعنی کفار کے ساتھ جہاد کرانے کے لئے مدینہ سے باہر بدر کے میدان میں اس وقت لے آیا۔ (تفسیر عثمانی)

۲ یُجَادُّونَكَ فِي الْحَقِّ القتال۔ (جلالین) یعنی حق سے مراد قتال ہے۔

۳ الحق الذی جادلوا فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلقی النفیر لایثارہم علیہ تلقی العیر۔ (المدارک)

وہ ”حق“ جس میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کر رہے تھے ابو جہل کے لشکر سے مقابلہ کرنا تھا۔

۴ ومعنی فی الْحَقِّ ای فی القتال۔ یہاں ”حق“ کا معنی ہے ”قتال“ (القرطبی)

۵ یعنی وہ اس مصلحت کے کام میں یعنی جہاد اور مقابلہ لشکر میں بعد اس کے کہ اس کا ظہور ہو گیا..... الخ۔ (بیان القرآن)

ایک شبہ کا جواب

معرکہ (بدر) کے آئینی اور قانونی پہلو پر زمانہ حال کے ایک ماہر فن ”قانون بین الممالک“ (انٹرنیشنل لا) کے خیالات سننے کے قابل ہیں۔ (وہ لکھتے ہیں)

”قریشی قافلوں کو لوٹ لینا ڈاکہ اس وقت سمجھا جائے جب یہ بے قصور ہوں اور لوٹنے والے حکومت نہیں بلکہ خانگی افراد ہوں۔“ (تفسیر ماجدی)

کَمَا کی ترکیب

کَمَا أَخْرَجَكَ میں کَمَا کا کاف تشبیہ کے معنی میں ہے، تعلیل کے معنی میں ہے یا قسم کے معنی میں ہے حضرات مفسرین نے تینوں طرح کے اقوال لکھے ہیں۔ پھر یہ جملہ ”موضع نصب“ میں ہے یا موضع رفع میں اس میں بھی دونوں طرح کے اقوال ہیں۔ پھر اگر کاف تشبیہ کا ہے تو مشبہ کیا ہے اس میں بھی مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔ ایک دلچسپ قول ملاحظہ فرمانے سے پہلے چند عبارات طلبہ علم کے لئے حاضر خدمت ہیں:

۱ قال الزجاج: الكاف في موضع نصب ای الانفال ثابتة لك كما اخرجك ربك من بيتك بالحق ای مثل اخرجك ربك من بيتك بالحق۔ والمعنی: امض الامر لك في الغنائم ونفل من شئت وان كرهوا۔ (القرطبی)

حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے تقریباً اسی قول کو لیا ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کمایں کاف امض سے متعلق ہے

تقدیریوں ہوگی امض لامر اللہ تعالیٰ فی انفال وان کرہوا کما امضیت امر اللہ فی الخروج من البيت جس طرح ایک گروہ لڑنے کو ناپسند کرتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پروانہ کی اور اللہ تعالیٰ کا فریضہ بجالائے، اسی طرح اب تقسیم مال غنیمت میں بھی ان کی پروانہ کیجئے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

۱۱ قال ابو عبیدة: هو قسم ای والذی اخرجک فالکاف بمعنی الواو وما بمعنی الذی (القرطبی) صاحب البحر المحیط نے اس قول کو رد کیا ہے۔

۱۲ وکما خبر مبتدأ محذوف ای: هذه الحال فی حال کراہتہم لہا مثل اخرجک فی حال کراہتہم، وقد کان خیراً لہم۔ (جلالین)

صاحب تفسیر حقانی نے بھی اسی ترکیب کو اختیار فرمایا ہے۔

۱۳ کما کے کاف میں تشبیہ کی طرح تغلیل کا معنی بھی ہے۔ (البحر المحیط)

خلاصہ کلام

کاف کے معنی اور ترکیب میں کئی اقوال ہیں امام ابو حیان الاندلسی رحمہ اللہ نے البحر المحیط میں پندرہ اقوال نقل کرنے کے بعد اس سلسلے میں اپنا ایک خواب بھی لکھا ہے اور ایک سولہواں قول اختیار فرمایا ہے۔ ان تمام سولہ اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کے لئے نکلنے کو بہت سی چیزوں کے لئے بطور مثال کے پیش فرمایا ہے۔ اور غزوہ بدر کو مسلمانوں کی کامیابی اور غلبے کے لئے ایک نمونہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فکان المعنی ان خرجت لاعزاز دین اللہ وقتل اعدائہ نصرک اللہ وامدک بالملائکۃ۔ (البحر المحیط)

یعنی گویا کہ معنی یہ ہوا کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبے اور اس کے دشمنوں کو قتل کرنے کے لئے نکلے تو اللہ پاک نے آپ کی نصرت فرمائی اور فرشتوں کے ذریعے آپ کو مدد بھیجی۔

بیان القرآن کے حوالے سے اس آیت کا جو ربط ماقبل سے بیان کیا گیا ہے وہ بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کچھلی آیات میں مسلمانوں کو فتح اور غلبے کا جو نصاب بتایا گیا ہے اب اس آیت سے کچھ واقعات سنا کر اس کی تصدیق کی جا رہی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک دلچسپ قول

بعض مفسرین حضرات نے اس آیت کو آیت (۱۲) کے قاضی بٹو کے ساتھ جوڑا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ تمہیں نکالا ہے اور تمہاری ہر طرح سے مدد کی ہے اس لئے تم کافروں کو خوب مارو اور قتل کرو۔

چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

كما اخرجك ربك من بيتك بالحق و غشاكم النعاس امانة منه و انزل من السماء ماء ليطهركم به، و انزل عليكم من السماء ملئكة مردفين فاضربوا فوق الاعناق و اضربوا منهم كل بنان۔ (القرطبی)

یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک حق کام کے لئے گھر سے نکالا اور اپنی طرف سے اونگھ بھیج کر آپ لوگوں کو امن و سکون دیا اور آسمان سے پانی برس کر آپ لوگوں کو پاک کیا اور آسمان سے آپ لوگوں کی مدد کے لئے پے در پے فرشتے نازل کئے اس لئے اب آپ لوگ کافروں کی گردنوں اور ان کے جوڑوں پر ماریں۔ (یعنی ان کو خوب قتل کریں)

دفع اشکال

بعض مسلمانوں کا مشرکین کے طاقتور لشکر سے ٹکرانے کو ناپسند کرنا محض طبعی طور پر تھا اور مشورہ میں ان کے اہتمام کو مجادلہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس طرح صاحب مدارک اور صاحب بیان القرآن نے وضاحت فرمائی ہے۔ اور صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

کہاں تین سو تیرہ اور وہ بھی بے سرو سامان کہاں نو سو پچاس اور پھر ہر طرح مسلح و با ساز و سامان، خوف و اندیشہ بالکل قدرتی تھا اور یہ طبعی کیفیت ہر گز مورد عتاب نہیں، یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی متقی و صالح شخص سانپ یا شیر کا اچانک سامنا ہو جانے پر ڈر جائے خوف، حزن وغیرہ کے طبعی جذبات سے تو حضرات انبیاء علیہم السلام تک مستثنیٰ نہیں رکھے گئے چہ جائیکہ غیر انبیاء اور شرف صحابیت کا جو مرتبہ بھی فرض کیا جائے، بہر حال بشریت کے ماتحت ہی رہے گا پھر ”فریقاً“ سے اشارہ یہ بھی نکل رہا ہے کہ یہ خوف و تردد بھی سب کو نہ تھا۔ (تفسیر ماجدی)

صاحب مدارک لکھتے ہیں:

و یحتمل ان یكونوا مخلصین وان یکون ذلك کراهة طبع لانهم غیر متأهبین له۔ (المدارک)

انسان محض اپنی عقل سے جہاد کا مسئلہ نہیں سمجھ سکتا، اس لئے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کر رہے تھے۔ اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن سے ٹکرانا، امن اور عافیت کا گھر چھوڑ کر موت کے میدان کی طرف نکلنا، آسان قافلہ چھوڑ کر طاقتور دشمن سے جنگ کو اختیار کرنا یہ سب کچھ عقل سے بہت اونچا ہے، اس لئے حکم دیا گیا کہ بس اطاعت کرو۔ جب انہوں نے اطاعت کی تو جہاد کے فائدے کھل کھل کر سامنے آنے لگے۔ یہ صورت حال قیامت تک قائم ہے جو لوگ صرف عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں ان کو جہاد کبھی سمجھ میں نہیں آتا اور وہ اس عظیم الشان نعمت سے محروم رہتے ہیں۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم پر لپک کہتے ہیں اور آخرت کی زندگی کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں ان کو جہاد سمجھ میں آ جاتا ہے اور وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے مجاہد اور سپاہی بن کر اونچے اونچے کارنامے بھی سرانجام

دیتے ہیں اور خود بھی اونچے درجات کے مستحق بنتے ہیں۔ غزوہ بدر سے لیکر آج تک کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے اور پھر ان آیات کو سامنے رکھیے تو پوری بات سمجھ آ جاتی ہے اللہ پاک اپنے پیارے بندوں کو خود گھر سے نکال کر میدان جہاد میں پہنچاتا ہے اور پھر ان پر اپنی رحمتوں اور نصرتوں کی بارش برسا دیتا ہے جبکہ عقل کے ترازو میں جہاد کو تولنے والے موت کے خوف سے کانپتے لرزتے اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ جہاد کی نعمت اور اونچے درجات سے محروم رہتے ہیں اور اس موت سے بھی نہیں بچ سکتے جس سے بچنے کی خاطر وہ جہاد میں نہیں نکلتے۔ غزوہ بدر کے موقع پر بھی کچھ منافقین اسی طرح کے قیل و قال میں پیچھے رہ گئے۔ امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قال الشيخ ابو منصور رحمه الله: يحتمل انهم منافقون كرهوا ذلك اعتقاداً. (المدارك)

ہاں چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر نکلنے کا تاکید کی حکم نہیں فرمایا تھا اس لئے بعض مخلص ایمان والے بھی نہ جاسکے مگر جن کو اللہ تعالیٰ لے گیا وہ اصحاب بدر کہلائے۔ یعنی تاریخ اسلام کی سب سے اعلیٰ اور ممتاز جماعت جسے آسمان کے فرشتے بھی رشک سے دیکھتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جہاد میں نکالنا ایک عظیم الشان نعمت ہے

کَمَا أَخْرَجَكَ کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان اور انعام بیان فرمایا ہے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کے لئے گھر سے نکالا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

جیسا انعام اول کا حاصل ”اخراج“ تھا۔ (بیان القرآن)

یعنی جہاد کے لئے گھر سے نکالنا اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔

مسلمان اگر اس حقیقت پر غور کریں اور ربك کے الفاظ کو سمجھیں کہ آپ کے رب نے آپ کو جہاد کے لئے نکالا تو انہیں جہاد میں نکلنے کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو جائے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اسباق

غزوہ بدر میں مسلمانوں کے لئے بے شمار اسباق ہیں ان دو آیات سے یہ سبق بھی ملا کہ مسلمانوں کو جہاد کے لئے اپنے گھروں سے نکلنے رہنا چاہئے اور جہاد کے مسئلہ کو عقل پر تولنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر پورا کرنا چاہئے۔

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيَةُ ۸۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ

اور جس وقت دو جماعتوں میں سے ایک کا اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے

غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَيِّطَ الْحَقَّ

جس میں کانٹا نہ ہو وہ تمہیں ملے اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اپنے حکم سے حق کو ثابت کر دے

بِكَلِمَتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۚ لِيُخَيِّطَ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ

اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ تاکہ حق کو ثابت کر دے اور باطل کو مٹا دے

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝۸

اگرچہ گنہ گار ناراض ہوں

خلاصہ

اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو یاد کرو جب اس نے تم سے وعدہ فرمایا کہ وہ مشرکین کے لشکر اور ان کے قافلے میں سے ایک پر تمہیں غالب فرمائے گا۔

تمہاری خواہش تھی کہ تجارتی قافلے کا سامنا ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تمہیں مشرکین کے لشکر سے جہاد کا حکم دے کر حق کا حق ہونا سب پر ظاہر فرمادے اور باطل کی جڑ کاٹ دے۔ تاکہ مشرکین کے نہ چاہنے کے باوجود دین اسلام غالب آجائے اور کفر و شرک مغلوب ہو جائے۔

اقوال وحوالے

کافروں سے مقابلہ اللہ تعالیٰ کا انعام

اس انعام کا حاصل ”مقابلہ کفار“ ہے جس کا انجام خیر ہوا جیسا انعام اول کا حاصل ”اخراج“ تھا۔ (بیان القرآن)

یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ انعام ذکر فرمایا ہے کہ اس نے تمہیں طاقتور کافروں کے مقابلے میں لاکھڑا کیا۔ کمزور مسلمانوں کا اتنے طاقتور دشمن سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جانا خود ایک بہت بڑی بات تھی۔ جو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے انعام سے ممکن ہوئی مسلمانوں کے اس طرز عمل سے ہی اسلام کا حق اور سچ ہونا ظاہر ہو جاتا ہے ورنہ کون اپنی جان خطرے میں ڈالتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کلام برکت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یا قافلہ یادد (یعنی مشرکین کا لشکر) ہمارے ہاتھ لگے گا، لوگ چاہنے لگے کہ قافلہ ہاتھ لگے اور بہتر ہوا یہی کہ کفر کا زور ٹوٹا۔ (موضح القرآن)
صاحب تفسیر عثمانی لکھتے ہیں:

مسلمان چاہتے تھے کہ ”تجارتی قافلہ“ پر حملہ ہو کہ کاٹنا چھپے اور بہت سامان ہاتھ آ جائے لیکن خدا کی مرضی یہ تھی کہ اس چھوٹی سی بے سروسامان جماعت کو کثیر التعداد اور مرتب و پر شوکت لشکر سے بھڑا کر اپنی باتوں سے سچ کو سچ کر دکھائے اور کفار مکہ کی جڑ کاٹ ڈالے تاکہ اس طرح اس کے وعدوں کی سچائی حیرت انگیز طریقہ پر ظاہر ہو کر سچ کا سچ اور جھوٹ کا جھوٹ ہونا کفار کے علی الرغم صاف صاف آشکار ہو جائے، چنانچہ یہی ہوا۔ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے جن میں ابو جہل بھی تھا اور ستر ہی قید ہوئے اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور مشرکین مکہ کی بنیادیں ہل گئیں
فلله الحمد والمنه۔ (تفسیر عثمانی)

حق کا حق ہونا ظاہر فرمادے

غور فرمائیں ان دو آیات میں یہ جملہ دوبار استعمال ہوا ہے پہلے ارشاد فرمایا:

وَيُؤَيِّدُ اللَّهُ أَنْ يَحْقُقَ الْحَقُّ بِكَلِمَتِهِ وَيَقْطَعَ دَائِرَ الْكُفْرَيْنِ ۝

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اپنے ”کلمات“ سے حق کو ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔
اس کے فوراً بعد فرمایا:

لِيُحَقِّقَ الْحَقُّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ

ترجمہ: تاکہ حق کو ثابت کر دے اور باطل کو مٹا دے۔

اب یہاں دو سوال ہیں پہلا یہ کہ حق تو حق ہوتا ہے تو اسے ثابت کرنے اور اس کا احقاق کرنے کے کیا معنی ہیں؟
اور دوسرا یہ کہ یہ جملہ دوبار آیا ہے تو کیا دونوں جگہ ایک ہی مطلب ہے یا ہر جگہ الگ مفہوم ہے؟
امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

المراد من تحقيق الحق وابطال الباطل، باظهار كون ذلك الحق حقاً واطهار كون ذلك الباطل باطلاً

یعنی ”احقاق حق“ اور ”ابطال باطل“ کا مطلب یہ ہے کہ حق کا حق ہونا بالکل ظاہر کر دیا جائے (کہ دوست دشمن سب کو نظر آ جائے) اور باطل کا باطل ہونا بالکل واضح کر دیا جائے (کہ خود اہل باطل بھی محسوس کرنے لگیں)۔
(التفسیر الکبیر)

اور دوسرے سوال کے جواب میں امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لیس ہہنا تکریر لان المراد بالا ول سبب ما وعد به فی هذه الواقعة من النصر والظفر بالأعداء والمراد بالثانی تقویۃ القرآن والدين ونصرة هذه الشریعة لان الذی وقع من المومنین یوم بدر بالکافرین کان سببا لعزة الدين وقوته ولهذا السبب قرنه بقوله ویبطل الباطل الذی هو الشک وذلك فی مقابلة الحق الذی هو الدين والایمان۔ (التفسیر الکبیر)

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ پہلے جملے اَنْ یُحِیَّ الْحَقُّ سے مراد غزوہ بدر کی فتح ہے اور دوسرے جملے لِیُحِیَّ الْحَقُّ سے دین، قرآن اور اس شریعت کا غلبہ مراد ہے کیونکہ غزوہ بدر کی فتح سے پورے دین کو قوت ملی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

لِیُحِیَّ الْحَقُّ ای یظهر دین الاسلام ویعزه ویبطل الباطل ای الکفر۔ (القرطبی)

مطلب یہ ہوا کہ جب جہاد میں مسلمانوں کو اپنے سے طاقتور دشمن پر غلبہ ملتا ہے تو اس سے حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا سب کو کھلی نظروں سے دکھائی دینے لگتا ہے اور اہل باطل کو احساس ہوتا ہے کہ وہ غلطی پر ہیں اور حق کے متلاشی لوگوں کو حق کا نور صاف نظر آ جاتا ہے اس کی وجہ سے لوگ کفر چھوڑ کر جو حق اسلام قبول کرتے ہیں اور حق کو قبول کر لینا ان کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اس لئے اہل حق کا فرض بنتا ہے کہ وہ کفر کو مغلوب کرنے اور اسلام کو غالب کرنے کی بھرپور محنت کریں تاکہ عام انسانوں کے لئے حق کا حق ہونا بالکل واضح اور ظاہر ہو جائے۔ صاحب تفسیر الفرقان لکھتے ہیں:

کلمہ حق کو بلند و برتر کرنا باب ایمان و اخلاص کا فرض ہوگا۔ کیونکہ کفر تو پیدا ہی اس لئے ہوا ہے کہ اس کے ابطال میں اہل ایمان اپنی پوری سعی و کوشش کا اظہار کریں تاکہ ان کی صف دوسرے لوگوں سے ممتاز نظر آنے لگے۔ (تفسیر الفرقان)

خلاصہ یہ ہوا کہ حق تو حق ہے مگر اس کا حق ہونا جہاد کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے چنانچہ اللہ پاک نے مسلمانوں کو معرکہ بدر میں لاکھڑا کیا ان کو جہاد کی توفیق عطا فرمائی جس کی برکت سے حق کا حق ہونا سب کو سمجھ آ گیا اور باطل کا بطلان بھی ظاہر ہو گیا اور کافروں کی جڑ کٹ گئی۔ مسلمان جب بھی غزوہ بدر کی ترتیب پر آئیں گے اور جہاد کو زندہ کریں گے تو اسی طرح حق کا بول بالا ہوگا اور باطل کو ذلت اور کمزوری کا سامنا کرنا ہوگا۔ مگر یہ صورتحال اہل باطل کے سرغٹوں کو پسند نہیں آئے گی وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ میں یہی بتایا گیا ہے چنانچہ وہ جہاد اور مجاہدین کے خلاف خوب شور مچائیں گے یا بالفاظ دیگر انہیں بدنام کرنے کی کوشش کریں گے۔ تو مسلمانوں کو اس سے پریشان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان کی عزت یا ذلت کافروں کی زبانوں پر موقوف نہیں ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کلمات سے کیا مراد ہے؟

آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے: وَيُرِيدُ اللَّهُ اَنْ يُحِیَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ حق کو اپنے ”کلمات“ کے ذریعہ ثابت کر دے۔
اس آیت میں ”کلمات“ سے کیا مراد ہے؟
امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بکلماتہ ای بوعده: یعنی اپنے وعدہ کے مطابق حق کو غالب اور باطل کو مغلوب کر دے۔ اور وعدے سے مراد وہ وعدہ ہے جو ان آیات میں فرمایا ہے۔

① یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ○ (الدخان ۱۶)

ترجمہ: جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں۔ یعنی ابوجہل اور اس کے ساتھیوں سے۔

② يُبْطِشُهُ عَلَى الدَّيْنِ كُلِّهِ (التوبہ ۳۳ فتح ۲۸)

ترجمہ: تاکہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو سب دینوں پر غالب کرے۔ (القرطبی)
دوسرا قول یہ ہے کہ ”کلمات“ سے مراد جہاد کا حکم ہے چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:
بکلماتہ ای بامرہ ای اکم ان تجاہدوہم۔
یعنی تمہیں کفار کے خلاف جہاد کا حکم دے کر حق کو غالب اور کفر کو مغلوب فرما دے۔ (القرطبی)
امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بکلماتہ بآياته المنزلة في محاربة ذات الشوكة وبما امر الملائكة من نزولهم للنصرة وبما قضى من قتلهم وطرحهم في قليب بدر۔ (المدارك)

کلمات سے مراد وہ آیات ہیں جن میں مسلح قریشی لشکر سے لڑنے کا حکم ہے، اور فرشتوں کو نصرت کے لئے نازل فرمانے کا حکم اور مشرکین کے قتل اور ان کو بدر کے کنوئیں میں ڈالنے کا (کنوینی) حکم۔
وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ: اگرچہ مجرموں کو اسلام کا غلبہ ناپسند ہو۔

ظاہر بات ہے کہ کافر مجرم ہیں اور وہ کبھی بھی حق کے غلبے کو پسند نہیں کر سکتے۔ اگر مسلمان اس حقیقت کو دل میں بٹھالیں تو امت مسلمہ کی جان اس جملے سے چھوٹ جائے گی کہ اسلام کا فرد کی نظر میں بدنام ہو رہا ہے۔ یقیناً ہر وہ عمل جس سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا وہ عمل اسلام دشمنوں کی نظر میں برا اور بدنام ہوگا تو کیا مسلمان اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی بدعتی اور رائے سے متاثر ہو جائیں گے؟ العیاذ باللہ العیاذ باللہ۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اسباق

غزوہ بدر میں مسلمانوں کے لئے بے شمار اسباق ہیں ان دو آیات سے یہ سبق ملا کہ مسلمانوں کو کفر کی اصل طاقت پر دار کرنا چاہیے اور جہاد کے عمل کو زندہ رکھنا چاہیے تاکہ حق کا حق ہونا دینا پر ثابت ہو جائے۔ ☆☆☆

”غوث“ (کا معنی) مدد اور ”استغاثہ“ (کا مطلب) مدد طلب کرنا۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدان بدر میں جا پہنچے۔ گرمی کے دن تھے اور بدر میں جو پانی تھا اس کو اول آ کر مشرکین مکہ نے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ ادھر تو غنیم (یعنی دشمن) کی کثرت کہ وہاں مع ساز و سامان مکہ کے تختہ پناہ ہزار بہادر جنگ جو تھے۔ ادھر تھیں تین سو آدمی بھوکے

پیا سے، بے سروسامان ایسی حالت میں مسلمان اپنے پروردگار سے مدد کے خواہاں ہوئے اور اسی سے فریادری کے امیدوار ہوئے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس حالت کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک خیمہ میں گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رو قبلہ (یعنی قبلہ رخ) ہو کر ہاتھ اٹھا کر نہایت عجز و انکساری سے دعاء کرنی شروع کی کہ یا الہی تو اپنے وعدہ کو پورا کر، اگر اہل حق کی یہ جماعت ماری گئی تو پھر زمین پر تیرا کوئی نام لینے والا نہ رہے گا دعاء کرتے کرتے آپ کی رداء (چادر) مبارک مونڈھوں (یعنی کندھوں) سے گر پڑی ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر ڈالی اور ہاتھ تھام کر عرض کی۔

یا نبی اللہ! بس کیجئے آپ کی دعاء خدا نے قبول کر لی وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا تب یہ آیت **لَا تَسْتَغِيثُونَ دَبَكُمْ فَاَسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّي مُبِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرَدِّفِيْنَ** ۵ لے کر جبریل علیہ السلام نازل ہوئے یعنی (اللہ تعالیٰ نے) فریاد قبول کر لی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو یہ جبریل گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے مسلح ہو کر آ رہے ہیں **مُرَدِّفِيْنَ** کے معنی یکے بعد دیگرے چنانچہ اولاً ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہوا تھا پھر تین ہزار ہو گئے پھر پانچ ہزار جیسا کہ آل عمران میں ہے۔ اس بات پر تو تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ بدر کے روز آسمان سے مسلح ہو کر مسلمانوں کی مدد کو فرشتے نازل ہوئے جو مسلمانوں کو بھی دکھائی دیئے مگر اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے جنگ کی کہ نہیں؟ کتب احادیث سے جنگ کرنا بھی ثابت ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص ایک مشرک پر حملہ کرنے دوڑا تو اس کے مارنے سے پیشتر ہی وہ زمین پر مرا پڑا تھا اور اس کے منہ پر کوڑے کا نشان تھا اور کوڑے کی آواز کے ساتھ یہ آواز بھی سنائی دی تھی **اَقْدَمَ حِيْزُومَ بَعْضُ كَهْتَبِ هِيْ جَنْگٍ نِّهِيْ كِ صَرْفِ مَسْلَمَانُوْ كِ اَطْمِيْنَانِ كِ لِنَ نَازِلِ هُوَ** تھے جیسا کہ اس جملہ میں **وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى** الخ۔ سے پایا جاتا ہے کہ یہ صرف تمہارے اطمینان کے لئے تھا ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے مگر یہ بات تو جب بھی پائی جاتی ہے کہ جب فرشتوں کا جنگ کرنا تسلیم کر لیا جائے۔ (تفسیر حقانی)

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وروی مسلم عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال:

لما كان يوم بدر نظر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى المشركين وهم الف واصحابه ثلثمائة وسبعة عشر رجلاً فاستقبل نبي الله صلى الله عليه وسلم القبلة ثم مد يديه، فجعل يهتف بربه: اللهم انجز لي ما وعدتني، اللهم أتنى ما وعدتني، اللهم ان تهلك هذه العصابة من اهل الاسلام لاتعبد في الارض فما زال يهتف بربه ما دا يديه مستقبل القبلة حتى سقط رداؤه عن منكبيه، فأتاه ابو بكر فأخذ رداؤه فلقاه على منكبيه ثم التزمه من

ورائہ وقال یا نبی اللہ: کفک مناشدتك ربک، فانه سینجز لك ما وعدک فانزل اللہ تعالیٰ اِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ الْاٰیة فامده اللہ بالملئکة۔ (القرطبی)

اس روایت کا اردو خلاصہ تفسیر حقانی کی عبارت میں گذر چکا ہے اصل عربی روایت ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ امت کے علماء کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں مجاہدین کے لئے اسی طرح اور اسی کیفیت میں دعاؤں کا اہتمام فرمائیں جس کیفیت کو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ اور خود مجاہدین بھی اسی طرح کی عاجزی، آہ وزاری اور انابت والی دعاؤں کا اہتمام کریں۔

جنگ کا ماحول بننے ہی فوراً دعا

واستغاثتهم انهم لما علموا انه لا بد من القتال طفقوا يدعون اللہ يقولون ای ربنا انصرنا علی عدوک یا غیاث المستغیثین اغثنا۔ (المدارک)

یعنی اس آیت میں جس فریاد کا ذکر ہے وہ یہ تھی کہ جب مسلمانوں نے دیکھ لیا کہ اب جنگ یقینی ہے تو فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کے لئے لپکے وہ کہہ رہے تھے اے ہمارے رب اپنے دشمن کے مقابلے میں ہماری نصرت فرما اے فریاد کرنے والوں کی فریاد کو پہنچنے والے ہماری مدد فرما۔ (المدارک)

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو جہاد میں دشمن کی کثرت اور طاقت دیکھ کر بھاگنے اور خوف زدہ ہونے کی بجائے فوراً دعا کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے۔

مجاہدین اپنی نظر صرف اللہ تعالیٰ پر رکھیں

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ نَبه علی ان النصر من عنده جلّ وعزّ لا من الملائکة، ای لولا نصره لما انتفع بکثرة العدد بالملائکة۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی کہ اصل مدد اللہ جل شانہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ فرشتوں کی طرف سے یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہوتی تو فرشتوں کے ذریعہ تعداد کے بڑھ جانے سے بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا۔

امام شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولا تحسبوا النصر من الملائکة فان الناصر هو الله لكم وللملائکة۔ (المدارک)

یعنی یہ خیال نہ کرو کہ نصرت فرشتوں کی طرف سے ہے کیونکہ تمہارا اصل مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔

معلوم ہوا کہ مجاہدین کے لئے جب فرشتوں پر بھروسہ کرنا درست نہیں ہے تو پھر کسی اور چیز یا شخصیت پر نظریں جمائے رکھنا کہاں درست ہو سکتا ہے؟ مسلمان اللہ تعالیٰ کے لئے جہاد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کی نصرت فرماتا ہے اور اسے غلبہ اور کامیابی عطا فرماتا ہے۔ مسلمانوں کے اسی عقیدے اور نظریے کو درست رکھنے کے لئے حضرت

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا تھا تا کہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہ بنے کہ فتوحات ان کی وجہ سے ہو رہی ہیں۔ اسباب اور شخصیات سے فائدہ ضرور پہنچتا ہے مگر ان سے فائدہ پہنچنا بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے اس لئے مجاہد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی چیز پر نظر نہ رکھے اور نہ اپنے جہاد کی اللہ تعالیٰ پر توکل کے علاوہ کوئی اور بنیاد بنائے۔ آج بہت سے لوگ امام مہدی رضی اللہ عنہ کے انتظار میں جہاد چھوڑے بیٹھے ہیں انہیں بھی اس آیت پر غور کرنا چاہیے۔

عَزَّ وَجَلَّ حَكِيمٌ

چنانچہ بتقاضائے اسم عزیز وہ بالکل براہ راست اور بلا کسی واسطہ کے بھی امداد پر قادر رہے لیکن بتقاضائے اسم حکیم وہ رعایت اسباب بھی رکھتا ہے اور اس لئے مدد واسطوں اور ذریعوں سے پہنچاتا ہے۔ (تفسیر ما جدی)

اسباق

غزوہ بدر میں مسلمانوں کے لئے بے شمار اسباق ہیں ان دو آیات سے یہ سبق بھی ملا کہ مسلمانوں کو دشمنوں کی کثرت دیکھ کر دل نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ خوب عاجزی، آہ وزاری اور یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور نصرت اور غلبے کی فریاد کرنی چاہیے اور یہ سبق بھی ملا کہ امت مسلمہ کے خواص کو مجاہدین کے لئے خوب دعائیں کرنی چاہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد ایسا مبارک عمل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے بھی شریک ہوتے ہیں اور یہ لازمی سبق بھی ملا کہ اصل نصرت اور غلبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے پھر اس کی مرضی وہ جس طرح سے چاہے مدد فرمائے مسلمانوں کو اپنی نظر ”اسباب نصرت“ پر نہیں بلکہ ناصر حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ پر رکھنی چاہیے۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكْنِيَّةٌ آيَةٌ ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذْ يَغْشٰیكُمْ النُّعَاسُ اَمْنَةٌ مِنْهُ وَ يُنْزِلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ

جس وقت اس نے تم پر اپنی طرف سے تسکین کیلئے اونگھ ڈال دی اور تم پر

السَّمَاءِ مَاءً لَّیْطِہْرَکُمْ بِہِ وَ یُذْہِبُ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ

آسمان سے پانی اتارا تاکہ اس سے تمہیں پاک کر دے اور شیطان کی نجاست

وَ لَیْرَبِّطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ یُثَبِّتَ بِہِ الْاَقْدَامَ ۝۱۱

تم سے دور کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے قدم جما دے

خلاصہ

غزوہ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے جنگ سے پہلے مجاہدین کی مزید دو طرح سے نصرت فرمائی۔ ۱۔ ان پر سکون والی اونگھ طاری فرمادی ۲۔ اس سے پہلے خوب زوردار بارش نازل فرمائی۔ ان دونوں سے مجاہدین کو یہ فائدے عطا فرمائے۔

۱۔ اونگھ کی وجہ سے ان کے دماغ اور جسم پر سکون ہو گئے اور ہر طرح کا خوف جاتا رہا۔

۲۔ بارش کی وجہ سے انہیں طہارت حاصل ہوئی، شیطانی نجاست اور وسوسے دور ہوئے، اور ریتلی زمین چلنے پھرنے کے قابل ہوئی۔

۳۔ نصرت کے یہ مناظر دیکھ کر ان کے دل مضبوط ہو گئے اور قدم خوب جم گئے۔

اقوال و حوالے

جامع تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین حضرات نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اور جن روایات کو ذکر فرمایا ہے ان سب کا خلاصہ درج ذیل جامع عبارت میں آ گیا ہے۔

”بدر کا معرکہ فی الحقیقت مسلمانوں کے لئے بہت ہی سخت آزمائش اور عظیم الشان امتحان کا موقع تھا، وہ تعداد میں تھوڑے تھے، بے سروسامان تھے، فوجی مقابلہ کے لئے تیار ہو کر نہ نکلے تھے مقابلہ میں ان سے لگنی تعداد کا لشکر تھا۔ جو پورے ساز و سامان سے کبر و غرور کے نشہ میں سرشار ہو کر نکلا تھا، مسلمانوں اور کافروں کی یہ پہلی ہی قابل ذکر ٹکڑھی پھر صورت ایسی پیش آئی کہ کفار نے پہلے سے اچھی جگہ اور پانی وغیرہ پر قبضہ کر لیا مسلمان نشیب میں تھے، ریت بہت

زیادہ تھی جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھستے تھے، گردوغبار نے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ پانی نہ ملنے سے ایک طرف غسل و وضو کی تکلیف، دوسری طرف تشنگی (یعنی پیاس) ستا رہی تھی۔ یہ چیزیں دیکھ کر مسلمان ڈرے کہ بظاہر آثار شکست کے ہیں، شیطان نے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ اگر واقعی تم خدا کے مقبول بندے ہوتے تو ضرورتاً تیزاویزی (یعنی اللہ تعالیٰ کی نصرت) تمہاری طرف ہوتی اور ایسی پریشان کن اور یاس انگیز صورت حال پیش نہ آتی اس وقت حق تعالیٰ نے قدرت کاملہ سے زور کا مینہ برسایا جس سے میدان کی ریت جم گئی غسل و وضو کرنے اور پینے کے لئے پانی کی افراط ہو گئی، گردوغبار سے نجات ملی۔ کفار کا لشکر جس جگہ تھا وہاں کیچڑ اور پھسلن سے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔ جب یہ ظاہری پریشانیوں دور ہوئیں تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک قسم کی غنودگی طاری کر دی۔ آنکھ کھلی تو دلوں سے سارا خوف و ہراس جاتا رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رات بھر ”عریش“ میں مشغول دعا رہے اخیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خفیف سی غنودگی طاری ہوئی جب اس سے چونکے تو فرمایا خوش ہو جاؤ کہ جبریل علیہ السلام تمہاری مدد کو آ رہے ہیں عریش سے باہر تشریف لائے تو سَيَهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ۔ زبان مبارک پر جاری تھا بہر حال اس بارانِ رحمت نے بدن کو احداث سے اور دلوں کو شیطان کے وساوس سے پاک کر دیا۔ ادھر ریت کے جم جانے سے ظاہری طور پر قدم جم گئے اور اندر سے ڈر نکل کر دل مضبوط ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

اونگھ کے دو فائدے

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفى امتنان الله عليهم بالنوم فى هذه الليلة وجهان: احدهما ان قواهم بالا ستراحة على القتال من الغد۔ الثانى ان امنهم بزوال الرعب من قلوبهم كما يقال الامن منيم والخوف مسهر۔

یعنی جنگ سے پہلی رات اللہ تعالیٰ نے انہیں اونگھ دے کر دو فائدے عطا فرمائے پہلا یہ کہ انہیں آرام دے کر اگلے دن کی لڑائی کے لئے قوت عطا فرمادی اور دوسرا یہ کہ ان کے دلوں سے رعب دور کر کے انہیں امن و سکون عطا فرمادیا۔ جیسا کہ کہاوت ہے کہ امن نیند لاتا ہے اور خوف بے خوابی میں مبتلا کرتا ہے۔ (القرطبی)

ایک قول یہ ہے کہ یہ اونگھ عین لڑائی کے وقت طاری ہوئی تھی و قیل غشاهم فى حال التقاء الصفین۔

(القرطبی)

۷ رمضان المبارک کی رات بارش ہو گئی

فانزل الله المطر ليلة بدر السابعة عشرة من رمضان حتى سالت الاودية۔ (القرطبی)

یعنی اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کی سترہویں رات خوب بارش برسا دی۔

طہارت اور جہاد

اس آیت مبارکہ سے یہ نکتہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جہاد اور طہارت کا آپس میں مضبوط جوڑ ہے۔ طہارت کی حالت میں مومن مضبوط ہوتا ہے، اس پر خاص رحمت نازل ہوتی ہے، دشمن اس پر حاوی نہیں ہو سکتے اور رحمت کے فرشتے اس کے ساتھ موجود رہتے ہیں۔ پس اشارہ معلوم ہوا کہ مجاہدین کو جہاد کے دوران طہارت یعنی غسل و وضو اور لباس کی پاکی کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ اس سے انہیں قوت اور نصرت ملتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بارانِ رحمتِ مشرکین کے لئے زحمت

طبقات ابن سعد میں ہے کہ ”وہ وادی پوئی تھی“ اللہ تعالیٰ نے ابرو کو بھیجا، جس نے اسے ترک کر دیا، مسلمان چلنے سے نہ رکے، مشرکین کے ہاں اس قدر بارش ہوئی کہ وہ چلنے کے قابل نہ رہے، حالانکہ ان کے درمیان صرف ایک ریت کا ٹیلہ تھا، اس شب کو مسلمانوں پر غنودگی طاری ہو گئی، اور پھر چند صفحہ آگے چل کر ہے ”مسلمان اڑتی ہوئی بالو (یعنی ریت) پر اترے تھے، بارش ہوئی جس سے وہ مثل کوہ صفا کے ہو گئی لوگ اس پر آسانی سے دوڑتے تھے۔ (تفسیر ماجدی)

جہاد سب سے افضل عبادت

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کے ذیل میں یہ وجد آفرین نکتہ لکھا ہے: قال مالک ببلغنی ان جبریل علیہ السلام قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: آپ حضرات میں مجاہدین بدر کا کیا مقام ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم میں سب سے بہتر شمار کئے جاتے ہیں حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا ہمارے ہاں بھی ایسا ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ مخلوقات کی فضیلت ذات کی وجہ سے نہیں اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے لہذا مالک کے لئے افضل عمل ہمیشہ کی تسبیح کا اہتمام ہے اور ہمارے لئے افضل عمل اخلاص اور عبادت ہے۔ پھر عبادات میں سے وہ عبادات زیادہ اونچی ہیں جن کو شریعت نے افضل قرار دیا ہے۔ پھر امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وافضلها الجہاد وافضل الجہاد یوم بدر لان بناء الاسلام كان عليه. (القرطبی)
اور سب سے افضل عبادت جہاد ہے اور سب سے افضل جہاد بدر کے دن کا جہاد ہے کیونکہ اسلام کی بنیاد اسی پر ہے۔ (القرطبی)

دشمنوں کو اقتصادی نقصان پہنچانے کے لئے حملہ جائز ہے

امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ودل خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم لتلقى العیر علی جواز النفر للغنیمۃ لانھا کسب

حلال الخ۔

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے نکلنا اس بات کی دلیل ہے کہ غنیمت کے لئے حملہ کرنا جائز ہے کیونکہ وہ مال حلال ہے۔ اس سے امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک کی تردید ہوگئی جو اسے مکروہ سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ تو دنیا کی خاطر جنگ کرنا ہوا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

وما جاء ان من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو سبيل الله دون من يقاتل للغنيمة
يراد به اذا كان قصده وحده وليس للدين فيه حظ۔ یعنی حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ جہاد فی
سبیل اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمے کی بلندی کے لئے لڑے نہ کہ غنیمت کیلئے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ جب کسی کی میت
صرف غنیمت کی ہو اور اس میں دین کا کوئی فائدہ مقصود نہ ہو تو وہ لڑائی جہاد نہیں ہوگی۔ (القرطبی)

قتال میں اونگھ اللہ تعالیٰ کی نعمت

وعن ابن عباس رضي الله عنهما: "النعاس في القتال امانة من الله تعالى، وفي الصلوة
وسوسة من الشيطان" انتهى وعن ابن مسعود رضي الله عنه شبهه هذا الكلام وقال: النعاس
عند حضور القتال علامة امن من العدو وهو من الله تعالى وهو في الصلوة من الشيطان قال
ابن عطية: وهذا انما طريقة الوحي فهو لا محالة يسند۔ (البحر المحيط)
یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قتال میں نیند اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور امن کے ہوتی
ہے اور نماز میں نیند شیطانی وسوسہ کی وجہ سے ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح
کا کلام مروی ہے وہ فرماتے ہیں جنگ کے وقت اونگھ کا آنا دشمن سے امن کی علامت ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی
طرف سے ہوتی ہے اور نماز میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ باتیں وحی
سے ہی معلوم ہو سکتی ہیں (عقل سے نہیں) اس لئے یہ روایت یقیناً مرفوع ہے یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی
حدیث ہے۔ (تفسیر البحر المحیط)

چھ وجوہات

غزوہ بدر کے موقع پر طاری ہونے والی غنودگی کس طرح سے اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت تھی؟ حضرت امام رازی رحمہ
اللہ نے دلچسپ تقریر فرمائی ہے اور اس اونگھ کے خصوصی نعمت ہونے پر چھ وجوہات ذکر فرمائی ہیں شائقین تفسیر کبیر میں
ملاحظہ فرمائیں۔

اسباق

غزوہ بدر میں مسلمانوں کے لئے بے شمار اسباق ہیں اس آیت مبارکہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ طہارت اور پاک جہاد
کے لئے بے حد مفید ہوتی ہے پس مجاہدین اس کا اہتمام اور التزام کریں۔ آیت سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جنگ

کے دوران مجاہدین کے پاس وافر پانی ہونا چاہیے چنانچہ پانی کے انتظام کا بھی حتی الامکان اہتمام کیا جائے۔ اسی طرح ذہنی سکون اور آسودگی قلبی اطمینان اور ثبات قدمی بھی مجاہدین کے لئے ضروری ہے۔ مجاہدین کا اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہو تو یہ تمام چیزیں نصیب ہو جاتی ہیں پس تعلق باللہ کو مضبوط کیا جائے اور دوران جہاد اس کے مذاکرے کا خوب خوب اہتمام کیا جائے۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ اِلَى مَثَلِ نَبِيِّهِ ﷺ آیت ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذْ یُوحِیْ رَبُّكَ اِلَی الْمَلٰئِکَةِ اِنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبَّتُوا الَّذِیْنَ

جب تیرے رب نے فرشتوں کو حکم بھیجا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کے دل ثابت

اٰمَنُوْا سَآئِقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الرَّحْبَ فَاَضْرِبُوْا

رکھو میں کافروں کے دل میں دہشت ڈال دوں گا پس گردنوں پر مارو

فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاَضْرِبُوْا مِنْهُمْ کُلَّ بَنَانٍ ۝۱۲

اور ان کے پور پور پر مارو

خلاصہ

غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی نصرت کے لئے فرشتوں کو نازل فرمایا اور ان فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم ایمان والوں کے دل مضبوط کرو۔ میں کافروں کے دلوں پر دہشت طاری کر دوں گا۔ اور تم جنگ میں شریک ہو کر کافروں کی گردنوں اور جوڑوں پر مارو۔

ملخص مضامین

۱ غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام کی قیادت میں فرشتوں کو نازل فرمایا۔

۲ اکثر روایات سے ثابت ہے کہ فرشتوں نے جنگ میں بھی حصہ لیا۔

۳ اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو اپنی معیت کا یقین دلایا کہ تسبیح و تقدیس کی طرح عمل جہاد میں بھی تمہیں میرا قرب اور معیت نصیب رہے گی۔

۴ فرشتوں کی ذمہ داری لگائی گئی کہ وہ مجاہدین کا حوصلہ بڑھائیں اور ان کے دل مضبوط کریں۔ چنانچہ فرشتوں نے جنگ میں شریک ہو کر، دلوں میں الہام ڈال کر، نصرت کی آوازیں لگا کر اور اپنی روحانی محبت کا اثر دکھا کر یہ ذمہ داری ادا کی۔

۵ اللہ پاک نے فرشتوں کو جنگ کی تربیت دی اور انہیں سمجھایا کہ انسان کے کن اعضاء پر مارنے سے وہ مرتا ہے یا جنگ کے قابل نہیں رہتا۔

ایک سوال کا جواب

اللہ پاک نے ایمان والوں کے دل مضبوط کرنے کا حکم فرشتوں کو دیا اور کافروں کے دلوں میں رعب ڈالنے کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ اس میں یہ نکتہ بیان فرماتے ہیں:

کافروں کے دل قابل نہیں فرشتوں کے الہام کے سورعب ڈالنا اپنی طرف لیا اور (فرشتوں کو) مسلمانوں کے دل ثابت کرنے کو حکم فرمایا۔

اس جنگ میں فرشتے ہاتھوں سے بھی لڑے ہیں۔ (موضح القرآن)

جامع تفسیر

”جنگ بدر کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس معرکہ میں خود ابلیس لعین کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک مد لجی کی صورت میں مشعل ہو کر ابوجہل کے پاس آیا اور مشرکین کے خوب دل بڑھائے کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، میں اور میرا سارا قبیلہ تمہارے ساتھ ہے۔ ابلیس کے جھنڈے تلے بڑا بھاری لشکر شیطین کا تھا۔“

یہ واقعہ آگے آئے گا۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی کمک پر شاہی فوج کے دستے جبریل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام کی کمانڈ میں یہ کہہ کر بھیجے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر شیطین آدمیوں کی صورت میں مشعل ہو کر کفار کے حوصلے بڑھا رہے ہیں اور ان کی طرف سے لڑنے کو تیار ہیں اور مسلمانوں کے قلوب کو سو سے ڈال کر خوفزدہ کر رہے ہیں تو تم مظلوم و ضعیف مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرو ادھر تم ان کی ہمت بڑھاؤ گے ادھر میں کافروں کے دلوں میں دہشت اور رعب ڈال دوں گا۔ تم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر ان ظالموں کی گردنیں مارو اور پور پور کاٹ ڈالو۔ کیونکہ آج ان سب جہنمی و انسی کافروں نے مل کر خدا اور رسول سے مقابلہ کی ٹھہرائی ہے سو انہیں معلوم ہو جائے کہ خدا کے مخالفوں کو کیسی سزا ملتی ہے۔ آخرت میں جو سزا ملے گی اصل تو وہی ہے لیکن دنیا میں بھی اس کا تھوڑا سا نمونہ دیکھ لیں اور عذاب الہی کا کچھ مزہ چکھ لیں۔ روایات میں ہے کہ بدر میں ملائکہ کو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان کے مارے ہوئے کفار کو آدمیوں کے قتل کئے ہوئے کفار سے الگ شناخت کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے یہ ایک نمونہ دکھا دیا کہ اگر شیاطین الجن والانس ایسے غیر معمولی طور پر حق کے مقابل جمع ہو جائیں تو وہ اہل حق اور مقبول بندوں کو ایسے غیر معمولی طریقہ سے فرشتوں کی کمک پہنچا سکتا ہے۔ باقی ویسے تو فتح و غلبہ بلکہ ہر چھوٹا بڑا کام خدا ہی کی مشیت اور قدرت سے انجام پاتا ہے۔ اسے نہ فرشتوں کی احتیاج ہے نہ آدمیوں کی، اور اگر فرشتوں ہی سے کوئی کام لے تو ان کو وہ طاقت بخشی ہے کہ تنہا ایک فرشتہ بڑی بڑی بستیوں کو اٹھا کر پٹک سکتا ہے یہاں تو عالم تکلیف و اسباب میں ذرا سی تنبیہ کے طور پر شیطین کی غیر معمولی دوزدھوپ کا جواب دینا تھا اور بس۔ (تفسیر عثمانی)

فرشتوں کا دلوں کو مضبوط کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ ایمان والوں کے دلوں کو مضبوط کریں۔ مفسرین نے اس ”حکم الہی“ کے

بارے میں کئی اقوال لکھے ہیں:

۱ قال الحسن: بالقتال ای فقاتلوا۔ یعنی حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ قتال کے ذریعہ ان کے دلوں کو مضبوط کرو مطلب یہ کہ تم بھی لڑو۔ (البحر المحیط)

۲ وقال مقاتل بشروهم بالنصر۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد کی خوشخبری سناؤ۔

فكان الملك يسير امام الصف في صورة الرجل، فيقول ابشروا فان الله ناصركم۔ چنانچہ فرشتہ آدمی کی شکل میں مجاہدین کے سامنے سے گذرتا اور کہتا خوش ہو جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے۔ (البحر المحیط)

۳ وذكر الزجاج انهم يثبتونهم بأشياء يلقونها في قلوبهم تقوى بها۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرشتے مجاہدین کے دلوں میں ایسی باتوں کا القاء کرتے تھے جن سے ان کے دل مضبوط ہوتے تھے اور ان میں قوت پیدا ہوتی تھی۔ (البحر المحیط)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ان الشيطان كما يمكنه القاء الوسوسة الى الانسان، فكذلك الملك يمكنه القاء الالهام اليه۔ (التفسير الكبير)

یعنی جس طرح شیطان کے لئے انسان کے دل میں وسوسہ ڈالنا ممکن ہے اسی طرح فرشتے کے لئے اس کے دل میں الہام کرنا بھی ممکن ہے۔

۴ وذكر الثعلبي نحوه قال: صححوا عزائمهم ونياتهم على الجهاد۔ ثعلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ اے فرشتو! ایمان والوں کے عزائم اور جہاد کے بارے میں ان کی نیتوں کو ٹھیک رکھو۔ (البحر المحیط)

۵ وقال ابن عطية نحوه، قال: يحتمل أيضاً أن يكون التثبيت الذي امر به ما يلقيه الملك في قلب الانسان من توهم الظفر، واحتقار الكفار، ويجرى عليه من خواطر تشجيعه۔ ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے دلوں کو مضبوط کرنے کا جو حکم دیا ہے ممکن ہے اس سے مراد وہ الہام ہو جو فرشتہ کسی انسان کے دل میں ڈالتا ہے کہ اسے فتح ملنے والی ہے اور کارفرحق و کمزور ہیں اور وہ اس الہام سے اس کے بہادری کے جذبات کو ابھارتا ہے۔ (البحر المحیط)

کافروں کے دلوں پر رعب بہت بڑی الہی نعمت

ارشاد فرمایا کہ میں کافروں کے دلوں پر رعب اور دہشت ڈال دوں گا جہاد میں کامیابی کے لئے یہ سب سے بڑی نصرت اور نعمت ہے اور ایمان والے جب اللہ تعالیٰ کے لئے جان قربان کرنے کا سچا جذبہ اور ارادہ دل میں بھر لیتے

ہیں تو اللہ پاک ان کا رعب اور دہشت کافروں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ تب کافران کے سامنے بے بسی محسوس کرتے ہیں۔ امام ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولا معونة اعظم من القاء الرعب في قلوب الكفرة.
یعنی کافروں کے دلوں پر رعب ڈالنے سے زیادہ بڑی مدد اور کوئی نہیں ہے۔ (البحر المحیط)
امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وهذا من النعم الجليلة، وذلك لأن امير النفس هو القلب، فلما بين الله تعالى انه ربط قلوب المومنين بمعنى انه قواها وازال الخوف عنها ذكر انه القى الرعب والخوف في قلوب الكافرين فكان ذلك من اعظم نعم الله تعالى على المومنين.

یعنی کافروں کے دلوں پر رعب کا ڈالنا بہت بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ اس لئے کہ دل انسان کا حکمران ہے جب اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس نے ایمان والوں کے دلوں کو مضبوط فرمادیا اور ان سے خوف کو زائل فرمادیا تو ارشاد فرمایا کہ اس نے کافروں کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیا ہے پس یہ ایمان والوں پہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام تھا۔ (التفسیر الکبیر)

اسباق

غزہ بدر میں مسلمانوں کے لئے بے شمار اسباق ہیں اس آیت مبارکہ سے ایک طرف تو جہادی تربیت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اللہ پاک نے فرشتوں کو خود یہ تربیت عطا فرمائی۔ اور دوسری طرف یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدین کو ایسی صفات اپنی چاہیں جن کی بدولت میدان جہاد میں فرشتے ان کے ساتھ مل کر لڑیں اور اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال دے۔ ظاہر بات ہے کہ جب دل دنیا کی محبت سے پاک ہوں، جہاد کی نیت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کے لئے جان قربان کرنے کا جذبہ دل میں پختہ ہو تو ایسے مجاہدین کے لئے فرشتے بھی نازل کئے جاتے ہیں اور دشمنوں کے دلوں میں ان کا رعب بھی ڈال دیا جاتا ہے۔ نیز اس میں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ مسلمانوں کو کافروں اور شیطانوں کے اتحاد سے نہیں گھبرانا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر میدان جہاد میں نکلنا چاہیے، اللہ تعالیٰ بہت خاص طریقوں سے مجاہدین کی نصرت فرماتا ہے حتیٰ کہ فرشتوں تک کو نازل فرماتا ہے اور دشمنوں کے دلوں کو رعب میں جکڑ لیتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُهَا ۲۵۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقَّوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ۚ وََمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ

یہ اس لیے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ

وَرَسُوْلَهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذَوْقُوْهُ

اور اس کے رسول کا مخالف ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ یہ تو کچھ لو اور جان

وَ اَنْ يَّلْکِفِرَیْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

لو کہ بے شک کافروں کیلئے دوزخ کا عذاب ہے

خلاصہ

کافروں کو یہ سزا اس لئے دی جا رہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن، مخالف اور باغی ہیں۔ اور یہ تو صرف سزا کا پکھایا جانا ہے اصل دردناک عذاب تو ان کے لئے آخرت میں تیار ہے۔

سب سے بڑے مجرم

ہر حکومت اپنے مخالفوں، دشمنوں اور باغیوں کو سزا دینا جائز سمجھتی ہے۔ کوئی بھی اسے ظلم قرار نہیں دیتا۔ جن درندوں اور انسانوں سے دوسرے انسانوں کی جانوں کو خطرہ ہو ان کو بھی مار دیا جاتا ہے اور اسے کوئی ظلم قرار نہیں دیتا۔ تو وہ کافر جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں، جو قانون الہی کو نہیں مانتے، جو مسلمانوں کی جان اور ایمان کے درپے ہیں، جو زمین کو کفر اور فساد سے بھرنا چاہتے ہیں، جو حق کو مٹا کر باطل کا غلبہ چاہتے ہیں ایسے بدترین لوگوں کو مارنا، ان کے مارنے کا حکم دینا اور ان کے مقابلے میں فرشتے نازل کرنا بھی ظلم نہیں بالکل عین انصاف اور عین عدل ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مجاہدین کی شان

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کافروں کو یہ سزا اس لئے دی گئی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اولیاء کی مخالفت کی اور ان کے مقابلے میں اترے۔

شَاقَّوْا اللّٰهَ اِیْ اَوْلِیَآئِهِ۔ (القرطبی)

پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے اترتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے مد مقابل کو اپنا دشمن قرار دیتا ہے اور اس کی ہلاکت کے لئے فرشتے اتارتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اصل عذاب باقی ہے

ان هذا الذي نزل بهم في ذلك اليوم شيء قليل مما اعده الله لهم من العقاب في القيمة. (التفسير الكبير)

یعنی بدر کے دن ان کافروں پر جو حالات آئے وہ اس عذاب کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے قیامت میں تیار کر رکھا ہے۔

اسباق

اس آیت سے مسلمانوں کو بہت بڑا سبق ملا کہ دنیا میں سب سے بڑا اور سب سے قابل نفرت جرم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت ہے۔ پس جو لوگ کفر کرتے ہیں اور پھر اس کفر کی حمایت میں لڑتے ہیں اور مسلمانوں کو ختم کرنے کیلئے جنگ کرتے ہیں وہ لوگ دنیا کے سب سے بڑے مجرم ہیں۔ اگر ہر مسلمان اس نظریئے کو دل میں اتار لے اور دوستی اور دشمنی کے اس معیار کو سمجھ لے تو امت مسلمہ متحد اور طاقتور ہو جاتی ہے۔ اس آیت میں **شَاَقُوا اللَّهَ** کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ **شَقَّ** ایک طرف کو کہتے ہیں۔ یعنی جن لوگوں نے ایمان اور مسلمانوں کی شق چھوڑ کر کفر اور دشمنی کی شق اختیار کی ہے وہ سزا کے مستحق ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک شق (طرف) اور ان کے دشمنوں کو دوسری شق (طرف) قرار دے کر مسلمانوں کو ایک امت، ایک ملت اور ایک جماعت بنادیا اور ان کے لئے دوستی اور دشمنی کا بالکل واضح معیار مقرر فرمادیا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا دشمن ہے وہ مسلمانوں کا دوست نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح یہ آیت مسلمانوں میں جذبہ جہاد کو بھی زندہ کرتی ہے کہ اے مسلمانو! اگر تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے تو پھر تم ان لوگوں کا مقابلہ کرو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔ اگر کسی انسان کا محبوب اس کو کسی کے بارے میں بتا دے کہ وہ میرا بدترین دشمن ہے تو اس انسان کے دل میں اپنے محبوب کے دشمن کے لئے خود بخود شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ اپنے محبوب کے ساتھ اس کی محبت سچی ہو۔ اسی طرح اس آیت میں جہاد کا عدل و انصاف ہونا بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اسلام خواہ مخواہ کسی کی جان نہیں لیتا۔ یہ اسلام دشمن کا فر اپنے جرم اور ظلم کی انتہا کو پہنچ گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت پر اتر آئے ہیں اس لئے ان کو مارنا روئے زمین پر اور تمام انسانیت پر احسان ہے۔ اسی طرح اس آیت سے یہ سبق بھی ملا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خاطر جہاد میں نکلتے ہیں اور اپنی جان پیش کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اتنے مقرب بن جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کو اپنا دشمن قرار دیتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُهَا ۱۲۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحَفًا فَلَا

اے ایمان والو جب تم کافروں سے میدان جنگ میں ملو تو

تَوَلَّوْهُمْ الْأَدْبَارَ ۝۱۵ وَمَنْ يُؤْلِهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبرَةً إِلَّا مُتَحَرِّفًا

ان سے پیٹھیں نہ پھيرو۔ اور جو کوئی اس دن ان سے پیٹھ پھیرے گا مگر یہ کہ

لَقِتَالٍ أَوْ مُتَحَرِّفًا إِلَى فِتْنَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ

لڑائی کا ہنر کرتا ہو یا فوج میں جا ملتا ہو سو وہ اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر پھرا

وَمَا لَهُ جَهَنَّمُ وَيُسَّ النَّصِيرُ ۝۱۶

اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور بہت برا ٹھکانہ ہے

خلاصہ

مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ جہاد میں جنگ کے دوران دشمن کو پیٹھ دکھائیں یعنی میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ جو مسلمان یہ سخت جرم کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہو جائے گا اور جہنم میں ڈالا جائے گا۔ ہاں جنگی چال چلنے کے لئے یا پیچھے اپنے لشکر میں آ کر قوت حاصل کرنے کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔

یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے

بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ آیت میں جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ غزوہ بدر کے ساتھ خاص ہے۔ مگر جمہور کے نزدیک یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔

ویروی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما وسائر العلماء ان الآية باقية الى يوم القيمة۔

(القرطبی)

صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

نحاک رحمہ اللہ (وغیر ہم) کہتے ہیں کہ یہ حکم خاص جنگ بدر کے لئے تھا کیونکہ یہاں جنگ تھی اور نیزیومئذ کی قید سے یہی سمجھا جاتا ہے جمہور کے نزدیک یہ قول ضعیف ہے اور یومئذ سے مراد یوم الزحف (جنگ کا دن) ہے نہ یوم بدر اور جنگ بدر کے بعد یہ آیت اتری ہے اور اس کے لفظ عام ہیں۔ (تفسیر حقانی)

اس حکم کی مکمل وضاحت

احکام القرآن میں امام ابو بکر بکرمہ اللہ نے اس آیت سے جو مسائل بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱ جس جنگ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود موجود ہوتے تھے اس میں مسلمانوں کے لئے کسی بھی حالت میں میدان سے بھاگنا جائز نہیں تھا۔

فہذا کان حکمہم اذا کانوا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم قل عدد العدو أو کثر اذلم یحد اللہ فیہ شیئاً۔

اس مسئلے کی دلیل کے طور پر انہوں نے سورۃ آل عمران آیت (۱۵۵) اور سورۃ توبہ آیت (۲۵) کو ذکر فرمایا ہے۔ (دونوں آیات ملاحظہ فرمائیں)

۲ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں موجود نہ ہوں تو مسلمانوں پر لازمی تھا کہ اپنے سے دس گنا دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اور پیچھے نہ پھیریں ہاں اگر دس گنا سے زائد ہوں تو قوت حاصل کرنے کے لئے پیچھے ہٹ سکتے ہیں جیسا کہ سورۃ الانفال آیت (۶۵) میں ہے۔

فکان علی العشرین ان یقاتلوا المائتین ولا یهربوا عنہم، فاذا کان عدد العدو اکثر من ذلک اباح لہم التحیز الی فئۃ من المسلمین نصرة لمعاودة القتال۔

۳ پھر یہ حکم سورۃ الانفال کی آیت (۶۶) کے ذریعہ منسوخ ہو گیا اور مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا کہ اپنے سے دو گنا دشمن کے مقابلے سے نہ بھاگیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر ایک آدمی دو افراد کے مقابلے سے بھاگ گیا تو وہ فرار ہونے والا ہے اور اگر تین کے مقابلے سے بھاگ گیا تو وہ فرار ہونے والا نہیں۔ پس اگر مد مقابل لشکر دو گنا سے زائد ہو تو بھاگ کر واپس اپنے لشکر میں آنا تاکہ قوت حاصل کر کے پھر حملہ کر سکے یہ جائز ہے لیکن اگر کوئی اس صورت میں بھی بھاگ کر ایسے لوگوں کے پاس آیا جن سے اسے کوئی مدد نہیں مل سکتی تو وہ بھی آیت کی وعید میں شامل ہوگا۔

فکتب علیکم ان لا یفرمائیۃ من مائتین وقال ابن عباس رضی اللہ عنہما: ان فر رجل من رجلین فقد فر وان فر من ثلاثۃ فلم یفر قال الشیخ یعنی بقولہ ”فقد فر“ الفرار من الزحف المراد بالآیۃ، والذی فی الآیۃ ایجاب فرض القتال علی الواحد لرجلین من الکفار فان زاد عدد الکفار علی اثنین فجائز حینئذٍ للواحد التحیز الی فئۃ من المسلمین فیہا نصرة فاما ان اراد الفرار لیلحق بقوم من المسلمین لانصرۃ معہم فہو من اهل الوعد المذکور فی قولہ تعالیٰ وَمَنْ یُؤْتِہُمْ یَوْمَئِذٍ ذُبُرًا الْآیۃ۔

۲) اگر مسلمانوں کا لشکر بارہ ہزار کی تعداد میں ہو تو ان کے لئے میدان چھوڑ کر بھاگنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ مگر یہ کہ وہ جنگی چال چلیں یعنی تحریف کے لئے پیچھے ہٹیں۔ تحریف یہ ہے کہ دشمن کو دھوکا دینے کے لئے جگہ بدلی جائے، تنگ جگہ سے کشادہ جگہ آیا جائے یا کشادہ جگہ سے ہٹ کر تنگ جگہ دشمن کو گھیرا جائے یا دشمن پر خفیہ گھات لگائی جائے۔ الغرض کوئی بھی جنگی چال اور تدبیر مقصود ہو تو وہ تحریف کہلاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب مجاہدین کی تعداد بارہ ہزار ہو تو ان کے لئے دشمن کے مقابلے سے بھاگنا جائز نہیں ہے خواہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بارہ ہزار کا لشکر قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتا اور ایک روایت میں ہے کہ بارہ ہزار کا لشکر اگر متحد ہو تو اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

فاذا بلغوا اثني عشر ألفاً فان محمد بن الحسن ذكر ان الجيش اذا بلغوا كذلك فليس لهم ان يفروا من عدوهم وان كثر عددهم، ولم يذكر خلافا بين اصحابنا فيه، واحتج بحديث الزهري عن عبيد الله بن عبد الله ان ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خير الاصحاب اربعة وخير السرايا اربع مائة وخير الجيوش اربعة آلاف، ولن يوتى اثنا عشر الفا من قلة ولن يغلب وفي بعضها: "ما غلب قوم يبلغون اثني عشر ألفاً اذا اجتمعت كلمتهم وذكر الطحاوي أن مالكا سئل فقيل له: ايسعنا التخلف عن قتال من خرج عن احكام الله وحكم بغيرها؟ فقال له مالك: ان كان معك اثنا عشر الفا مثلك لم يسعك التخلف والا فأنت في سعة من التخلف وكان السائل له عبد الله بن عمر بن عبد العزيز بن عبد الله بن عمر وهذا المذهب موافق لما ذكر محمد بن الحسن. والذي روى عن النبي صلى الله عليه وسلم في اثني عشر الفا فهو اصل في هذا الباب وان كثر عدد المشركين، فغير جائز لهم ان يفروا منهم وان كانوا اضعافهم لقوله صلى الله عليه وسلم اذا جتمعت كلمتهم وقد اوجب عليهم بذلك جمع كلمتهم. (احكام القرآن)

میدان جنگ سے بھاگنا حرام ہے

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حرم الله ذلك على المومنين حين فرض عليهم الجهاد وقتال الكفار. یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر مقابلے کے وقت بھاگنا حرام فرمادیا ہے جب ان پر جہاد اور کافروں سے لڑنا فرض ہو۔ (القرطبی) صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اجتنبوا السبع الموبقات۔

یعنی ان سات گناہوں سے بچو جو ہلاک کرنے والے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جہاد سے مقابلہ کے وقت بھاگنے کو بھی ان میں سے شمار فرمایا ہے۔ (القرطبی)

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما الفرار من الزحف من اکبر الكبائر۔ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جہاد میں مقابلے سے بھاگنا بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے۔ (المحر الحیط)

دشمنوں کی تعداد اگر دگنی سے زیادہ ہو تو پیچھے ہٹنا اگرچہ جائز ہے مگر اس وقت بھی زیادہ افضل ڈٹ کر لڑنا ہے۔

فہما کان فی مقابله مسلم اکثر من اثنين فيجوز الانهزام، والصبر احسن۔ (القرطبی)

یہ عبارت لکھنے کے بعد امام قرطبی رحمہ اللہ نے غزوہ موتہ کا ذکر چھیڑا ہے جس میں تین ہزار مسلمانوں نے دولاکھ دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا..... اور طارق بن زیادہ رحمہ اللہ کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے تفسیر قرطبی

زبردست جنگی تدبیر

آیت مبارکہ میں ایک طرف تو مسلمانوں کو مقابلے میں پیٹھ پھرنے سے سخت نفرت دلائی گئی ہے تاکہ وہ پوری قوت اور استقامت سے ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ دوسری طرف انہیں جنگ کے دواہم اصول سکھائے گئے ہیں:-

۱ تَحَرُّفٌ ۲ تَحْيِزٌ

تَحَرُّفٌ: یعنی خوب تدبیر، چال بازی اور پینتیرے بدل بدل کر حملہ کرنا اور ہر آن نئی حکمت عملی سے دشمن کو نقصان پہنچانا۔ اس پورے نظام کو تَحَرُّف کے جامع لفظ سے بیان فرمایا ہے۔

التَّحَرُّفُ : الزوال عن جهة الاستواء فالمتحرف من جانب الى جانب لمكايد الحرب غير منهزم۔ (القرطبی)

تَحْيِزٌ: یعنی دوسرا کام یہ ہے کہ مجاہدین کی کمر مضبوط رکھنا میدان جنگ کے پیچھے ایسا نظام قائم کرنا کہ مجاہدین وہاں پہنچ کر مضبوط ہو سکیں اور نئی مدد اور کمک حاصل کر کے دشمن پر دوبارہ حملہ کر سکیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مبارکہ اور پورے مدینہ منورہ کو مجاہدین کا فتنہ بنادیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی نظام قائم فرمایا تھا۔ اس نظام کی بدولت مسلمانوں کا جہاد کبھی کمزور نہیں ہو سکتا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قرآنی ماحول

میدان جنگ میں ڈٹ کر لڑنا اور پیٹھ نہ پھیرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ قرآن پاک نے اس مشکل حکم کو آسان بنانے کے لئے اسے بیان کرنے سے پہلے ایک زبردست ماحول قائم فرمایا۔ اس آیت سے پہلے والی آیات پڑھ کر دیکھ لیجئے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا خود اپنے نبی کو جہاد میں نکالنا، جہاد کا مقصد حق کا حق ہونا سب پر آشکارہ کرنا، جہاد میں فرشتوں کا اترنا، کافروں اور مشرکوں کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہونا، ان تمام باتوں کو بیان فرما کر حکم دیا

گیا کہ میدان جہاد سے پیٹھ پھیرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرض سے منہ موڑنا، حق کو مغلوب رکھنا، کافروں کا حوصلہ بڑھانا، شہادت کی موت سے بھاگنا، فرشتوں کے سامنے مسلمانوں کو رسوا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو مسلمانوں پر ہنسنا کہاں جائز ہو سکتا ہے؟ ابتدا سے تمام آیات کو پڑھتے جائیے ہر آیت مسلمانوں میں جہاد کے لئے ہمت اور ثابت قدمی پیدا کرتی ہے۔ اور اس کے لئے جان دینے کو بھاگنے کی بنسبت آسان بناتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جرم پر استغفار

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جس سے یہ جرم سرزد ہو گیا ہو یعنی وہ مقابلے سے بھاگا ہو تو اسے چاہیے کہ استغفار کا اہتمام کرے جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے:

فان فر فلیستغفر اللہ عزوجل: روی الترمذی عن بلال بن یسار بن زید قال: حدثنی ابی عن جدی سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول۔ من قال استغفر اللہ الذی لا الہ الا هو الحی القيوم واتوب الیہ غفر اللہ له وان کان قد فر من الزحف۔ (القرطبی)

اسباق

آیت مبارکہ میں بہت سے اسباق ہیں مثلاً:

۱ مسلمانوں کی ایسی قلبی، ذہنی، اور جسمانی تربیت کی جائے کہ وہ جہاد میں ڈٹ کر لڑ سکیں اور پیٹھ پھیر کر اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق نہ ہوں۔

۲ ہر مسلمان کی کم از کم اتنی جہادی تربیت ضرور ہو کہ وہ دوافر کا مقابلہ کر سکے۔ (اشارۃ)

۳ مجاہدین کا تعلق باللہ مضبوط ہو، ان کے مقاصد بلند ہوں، ان کے عزائم اونچے ہوں اور انہیں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق ہو تو وہ میدان میں ڈٹ کر لڑ سکتے ہیں۔

۴ جہاد میں پینترے بدل بدل کر حملہ کرنا چاہئے۔

۵ میدان جنگ سے قریب ایسی چھاؤنیاں اور معسکر بنانے چاہئیں جو مجاہدین کو پناہ و کمک دے سکیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

الحاق

ملاحظہ فرمائیے یہ مفید عبارت:-

”جنگ میں کامیابی کے لئے اولین قانون یہ ہے کہ یُقَاتِلُوا رَفِی سَبِيلِهِ صَفًّا کَا تَهُمُّ بُيَاْن مَرْصُوصٍ ۝ کا صحیح نقشہ سامنے آجائے، کوئی سپاہی اپنی جگہ سے نہ ہٹے اور پہاڑ کی طرح جم جائے۔“ دشمن کو پشت دکھانا اور میدان جنگ سے منہ موڑنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اپنی جان بچانا مقصود ہے، ایک شخص کے بھاگنے سے تمام فوج بھاگنا شروع کر دے گی، دشمن غالب آجائے گا اور مسلمان دوسروں کے غلام بن جائیں گے، یہی وجہ ہے کہ شریعت

نے اس کو اعظم ترین جرائم میں سے شمار کیا، اس کے ارتکاب پر غضب الہی کے نزول سے ڈرایا اور اس کے مرتکب کو دوزخ کی وعید سنائی اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ایک شخص کے بھاگنے سے فوج کی نظم و ترتیب (ڈسپلن) جاتی رہے گی، رعب میں فرق پڑ جائے گا اور سب کے سب مسلمان بتلائے آلام و مصائب ہونگے، لسان نبوت نے اس فرار عن الزحف کو اکبر الکبائر میں شمار کیا، چنانچہ بخاری میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ترجمہ) سات مہلک چیزوں سے بچو لوگوں نے پوچھا وہ کون سی چیزیں ہیں آپ نے جواب دیا کہ ۱) شرک باللہ ۲) جادو ۳) نفس انسانی کا قتل جس کو خدا نے حرام قرار دیا ہے البتہ جہاں قانون اس کے قتل کا فیصلہ کر دے تو کوئی گناہ نہیں۔ ۴) سود کا کھانا۔ ۵) یتیم کا مال کھانا۔ ۶) لڑائی کے دن میدان جنگ سے بھاگنا۔ ۷) شریف و پاکدامن مسلمان عورتوں پر تہمت لگانا۔

حافظ ابوالقاسم طبرانی، ثوبان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جو شخص ان تین جرائم کا مرتکب ہو اس کا کوئی عمل صالح مفید و نافع نہ ہوگا الشُّرک بِاللّٰہِ وَعَقْوُقُ الْوَالِدِیْنِ وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں بشیر بن معبد سے روایت کیا ہے کہ وہ بیعت کی غرض سے دربار رسالت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند شرائط پیش کیں، جن میں سے ایک شرط یہ تھی کہ ان اجاہد فی سبیل اللہ (کہ میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کروں گا) بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے فرار عن الزحف کے خوف سے اس شرط ماننے سے انکار کیا تو آپ نے فرمایا فبم تدخل الجنة پھر جنت میں کیسے داخل ہو گے اس پر میں نے اس شرط کو بھی قبول کر لیا اور بیعت سے شرف اندوز ہوا۔ قرآن حکیم نے بھاگنے کی صرف دو صورتوں میں اجازت دی ہے: (الف) لڑائی کے لئے موجودہ مقام مناسب نہ ہو اور ماہرین فنِ حرب کے مشورہ سے اس کا تبدیل کرنا ضروری معلوم ہو (ب) خیال یہ ہو کہ اور زیادہ فوج لیکر دشمن پر حملہ کیا جائے۔ ان دونوں صورتوں میں بھاگنا جائز ہے لیکن ظاہر ہے کہ اگرچہ اس میں صورت تو بھاگنے کی ہے مگر اس نام سے اس کو تعبیر نہیں کیا جاسکتا، بہر حال اتنی بات معلوم ہو گئی کہ قانون جنگ اور ماہرین فن کی رائے سے جہاں بھاگنا ضروری ہوگا شریعت اس پر ہرگز مؤاخذہ نہ کرے گی۔ جرم اس صورت میں ہوگا جبکہ اپنی جان بچانے کی فکر ہوگی۔ (تفسیر الفرقان)

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُهَا ۱۸۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ

سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کیا اور تو نے مٹی نہیں پھینکی جب کہ پھینکی تھی

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی وَلَیْبِلٰی الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَاءٌ حَسَنًا ۚ اِنَّ

بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی اور تاکہ ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان کرے بے شک

اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۱۷ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِیْنَ ۝۱۸

اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ تو ہو چکا اور بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے

خلاصہ

غزوہ بدر میں جو مشرک قتل ہوئے انہیں حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے قتل فرمایا اور خاک کی وہ مٹھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف پھینکی وہ بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ یہ سب اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر خوب احسان فرمائے، انہیں عظیم الشان فتح اور غلبے کی نعمت عطا فرمائے۔ اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی قوت اور سازش کو کمزور فرمانے والا ہے۔

عظیم الشان نعمت

ان آیات میں بَلَاءٌ کے معنی احسان اور نعمت کے ہیں۔

البلاء ههنا النعمة. (القرطبی) یعنی بَلَاءٌ یہاں پر نعمت کے معنی میں ہے والمراد من هذا البلاء الانعام اى ينعم عليهم نعمة عظيمة بالنصرة والغنيمة والا جرو الثواب. یعنی یہاں بَلَاءٌ سے مراد انعام ہے کہ اللہ پاک نے انہیں نصرت، غنیمت، اجر اور ثواب کا بڑا انعام دینا تھا۔ (التفسیر الکبیر)

وقيل بالشهادة لمن استشهد يوم بدر.

اور ایک قول یہ ہے کہ اس بہترین انعام سے مراد شہادت ہے جو غزوہ بدر میں چودہ حضرات کو نصیب ہوئی۔ (المحر الحیط)

خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ پاک نے مسلمانوں کی نصرت فرمائی، ان کے دشمنوں کو قتل فرمایا اور خاک کی ایک مٹھی کو پورے لشکر کی آنکھوں تک پہنچایا۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا تاکہ مسلمانوں کو بہت بڑی نعمت دی جائے اور ان پر پرکشش

احسان فرمایا جائے۔ پس مسلمان جب بھی غزوہ بدر کی ترتیب پر آئیں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بلاء حسن اور عطاء جمیل کے امیدوار ہوں گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

عُجْب اور انانیت کا خاتمہ

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

روى أن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم لما صدروا عن بدر ذكر كل واحد منهم ما فعل: قتلْتُ كذا، ففعلْتُ كذا ففجاء من ذلك تفاخروا نحو ذلك..... الخ. (القرطبي)

صاحب تفسیر حقانی اسی بات کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں ”مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ بدر کے بعد بعض کہتے تھے کہ میں نے یوں کیا، کوئی کہتا تھا کہ میں نے بہادری کی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ سب کچھ اُس (یعنی اللہ تعالیٰ) کے فضل سے ہوا بلکہ نبی علیہ السلام نے بھی جو بوقت مقابلہ ایک ریت اور کنکروں کی مٹھی پھینکی تھی کہ جس سے وہ سب آنکھیں ملتے رہ گئے جس سے مسلمانوں نے ان کا کام تمام کیا یہ بھی ہمارے یہ قدرت کا کام تھا اس جملہ سے ہمیشہ کے لئے عُجْب اور انانیت کا خاتمہ کر دیا۔ (تفسیر حقانی)

جہاد میں فتح کے بعد اگر ذاتی بہادری کے قصے زور پکڑ جائیں اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کا تذکرہ کم ہو جائے تو اس سے ”جہادی نظریے“ کو سخت ٹھیس پہنچتی ہے۔ اور مسلمان اللہ تعالیٰ کو بھلا کر افراد کی قوت اور تدبیر پر نظر کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ افراد نہیں رہتے یا قوت کمزور ہوتی ہے تو پھر وہ جہاد میں نہیں نکلتے۔ اس لئے ان کو سمجھایا گیا کہ تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ تم تو بس اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنی جان کا نذرانہ لے کر نکلے تب اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنے احساناتِ عالیہ کی بوچھاڑ فرمادی۔ اور اس نے ہی تمہیں اجر و ثواب دینے کے لئے کافروں کے قتل اور ہزیمت کا سبب بنایا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو اس کی کیا ضرورت ہے؟ یہ اس کا احسان ہے کہ اُس نے تم سے وہ کام لیا جو وہ فرشتوں سے لیا کرتا تھا۔ یعنی اپنے دشمنوں کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دیا۔ اور انہیں قتل کروایا۔ اس لئے اپنی ذات اور کارنامے پر نظر نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کو یاد رکھو اور اس بات کا یقین کر لو کہ جہاد میں جو نصرت آتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ موجود ہے اس لئے اسی پر بھروسہ کر کے ہمیشہ جہاد میں نکلتے رہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

رمی یعنی پھینکنے کے واقعات

رمی کہتے ہیں پھینکنے کو اور پھینک کر مارنے کو۔ اس آیت میں کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

غزوہ بدر میں کنکریوں کی مٹھی پھینکنے کی طرف؟

غزوہ حنین میں خاک کی مٹھی پھینکنے کی طرف؟

غزوہ اُحد میں ابی بن خلف کو نیزہ مارنے کی طرف؟

غزوہ خیبر میں مارے گئے اس تیر کی طرف جو یہودی سردار ابن ابی الحقیق کو لگا؟
مفسرین نے چاروں اقوال لکھے ہیں اور ترجیح پہلے قول کو دی ہے کہ یہ غزوہ بدر کا واقعہ ہے۔

وذلك ان جبريل عليه السلام قال للنبي صلى الله عليه وسلم خذ قبضة من التراب فاخذ قبضة من التراب فرمى بها وجوههم فما من المشركين من احد الا واصاب عينيه ومنخريه وفمه تراب من تلك القبضة وقاله ابن عباس- (القرطبي)

ایک ایمان افروز اشارہ

حضرت لاہوری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تم فقط جم کر کھڑے رہو اور اپنی وسعت کے مطابق کام کرتے جاؤ فتح تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگی۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

یعنی مسلمان جب جان کی قربانی کے لئے خود کو پیش کر دیتے ہیں۔ اور دشمنان اسلام کے مقابلے میں اتر آتے ہیں تو باقی کام اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ وہی حقیقت میں دشمنوں کو قتل کرتا ہے اور وہی کفار کے لشکروں کو شکست دیتا ہے۔ ظاہری طور پر اگر چہ قتل وغیرہ کی نسبت مجاہدین کی طرف ہوتی ہے مگر حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی مجاہدین کے کمزور اعمال میں قوت اور تاثیر ڈالتا ہے اور وہی ان کی طرف سے جہاد و قتال میں کافی ہو جاتا ہے۔ بس یہ اس کا کتنا بڑا احسان ہے کہ کرتا وہ ہے اور اجر مجاہد کو دیتا ہے۔ اور کروانا مجاہد سے ہے اور نسبت اپنی طرف کرتا ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کلام برکت

جب شدت جنگ ہوئی تب حضرت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک مٹھی کنکریاں اس لشکر کی طرف پھینکیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہر کسی کی آنکھ میں خاک پہنچی اس کے بعد شکست کھائی۔ یہ فرمایا کہ مسلمان سمجھیں کہ فتح ہماری قوت سے نہیں سب اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے تو کسی بات میں اپنا دخل نہ کریں۔ (موضح القرآن)

ذَلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ

ترجمہ: یہ تو ہو چکا اور بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے۔ ذَلِكُمْ سے مراد وہ عظیم احسان ہے جو مسلمانوں پر فرمایا:

إشارة الى البلاء الحسن- (البحر المحيط)

یعنی غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی یہ ساری نصرتیں اس لئے ہوئیں تاکہ مسلمانوں پر احسان ہو اور کافروں کی قوت کو توڑ دیا جائے۔

یعنی الغرض اہل المؤمنین و توهین کیدا لکافرین۔ (البحر المحیط)
اللہ تعالیٰ کافروں کو کس طرح سے کمزور فرماتا ہے۔ چند عبارات ملاحظہ فرمائیں:

۱) والمعنى أن الله عز وجل يلقي في قلوبهم الرعب حتى يتشتتوا ويتفرق جمعهم فيضعفوا والكيد المكر۔ (القرطبي)

یعنی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے جس سے وہ بکھر جاتے ہیں اور ان کی وحدت ٹوٹ جاتی ہے پس وہ کمزور ہو جاتے ہیں یہاں کید سے مراد مکر یعنی سازش و تدبیر ہے۔

۲) توهين الله تعالى كيدهم يكون باطلاع المؤمنين على عوراتهم والقاء الرعب في قلوبهم، وتفريق كلمتهم، ونقض ما ابرموا بسبب اختلاف عزائمهم۔ (التفسير الكبير)
اللہ تعالیٰ کافروں کی تدبیر کو کئی طریقوں سے کمزور فرماتا ہے۔ (مثلاً) مسلمانوں کو ان کی کمزوریوں پر مطلع فرما دیتا ہے ان کے دلوں پر رعب ڈال دیتا ہے ان کے درمیان اختلاف ڈال دیتا ہے۔ ان کے ارادوں میں اختلاف ڈال کر ان کی پوری ترتیب کو توڑ دیتا ہے۔

نکتہ

مطلب یہ ہوا کہ کافر جس قدر بھی قوت بنالیں اور جس قدر بھی مضبوط سازش تیار کر لیں اللہ تعالیٰ ان کی قوت اور سازش کو توڑ دیتا ہے۔

تفسیر عثمانی میں ہے:

یعنی اس وقت بھی خدا نے کفار مکہ کے سب منصوبے خاک میں ملا دیئے اور آئندہ بھی ان کی تدبیروں کو مست کر دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)
حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ اعداء اسلام کی قوت پامال ہو جائے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)
ان دونوں آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمان اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر، اس کی رضا کی خاطر دشمنان اسلام کے مقابلے میں اترتے ہیں تو اللہ پاک کی نصرت خود میدان میں لڑتی ہے۔ تب مسلمانوں کو فتح اور اجر کا انعام دیا جاتا ہے اور کافروں کی طاقت اور سازش کو توڑ دیا جاتا ہے۔ پس مسلمانوں کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کافروں کی طاقت اور ان کی سازشوں کا رد نہ کرتے رہیں اور گھر بیٹھ کر اعداد و شمار جمع کر کے خوف سے کانپتے رہیں۔ بلکہ ان کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے میدان میں اتریں اور اس بات کا یقین رکھیں کہ ذَلِكَ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ اللہ تعالیٰ کافروں کے مکر اور ان کی سازش کو مکڑی کے جالے کی طرح کمزور اور بے وقعت بنا دے گا۔ پس وہ مفکرین جو ہر وقت کافروں کی ترقی اور طاقت سے مسلمانوں کو ڈراتے رہتے ہیں اس آیت پر غور فرمائیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اسباق

- ۱ جہاد میں جو کامیابی مسلمانوں کو ملتی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی نصرت کا نتیجہ ہوتی ہے۔
- ۲ جہاد اللہ تعالیٰ پر توکل کے زور پر لڑا جاتا ہے اور اسی کی نصرت سے کامیاب ہوتا ہے پس مسلمان اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے جہاد میں نکلتے رہیں۔
- ۳ مجاہدین کو فتح کے بعد عجب، فخر اور انانیت سے بچنا چاہئے۔
- ۴ مسلمانوں کو دشمنان اسلام کے مد مقابل آنا چاہیے تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کا احسان نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ کافروں کی تدبیر اور طاقت کو توڑ دے۔
- ۵ مجاہدین سے اللہ تعالیٰ اتنی محبت فرماتا ہے کہ کرتا خود ہے اور اجر ان کو دیتا ہے اور کرواتا ان سے ہے اور نسبت اپنی طرف فرماتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حوالہ

کرتا خود ہے اور اجر مجاہدین کو دیتا ہے۔ اس جملے کا پورا مطلب سمجھنے کے لئے اس آیت پر تفسیر بیان القرآن کی تقریر ملاحظہ فرمائیں۔ اور کرواتا ان سے ہے اور نسبت اپنی طرف فرماتا ہے۔ اس جملے کی وضاحت کے لئے اس آیت پر تفسیر الفرقان کی تقریر ملاحظہ فرمائیں۔



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكْنِيَّةٌ آیت ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنْ تَسْتَغْفِرُوْا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ

اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو تمہارا فیصلہ آپکا اور اگر باز آؤ تو تمہارے لیے

خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْذُوْا نَعُوْذُ ۚ وَلَنْ تُعْنِيَ عَنْكُمْ فِئْتَكُمْ

بہتر ہے اور اگر پھر یہی کرو گے تو ہم بھی پھر یہی کریں گے اور تمہاری جمیعت تمہارے ذرا بھی کام نہ آئے گی

شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۹

اگرچہ وہ بہت ہوں اور بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے

خلاصہ

غزوہ بدر کی وجہ سے مشرکین کا گھمنڈ اور مغالطہ ٹوٹ گیا۔ وہ خود کو حق پر سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے فیصلہ مانگتے تھے۔ اب غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے اور جو حق ہے اس کو غالب فرما دیا ہے۔ اب مشرکین کو چاہیے کہ کفر و شرک سے باز آ کر اسلام قبول کریں اور خیر پائیں لیکن اگر وہ باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ پھر ایمان والوں کی نصرت فرمائے گا اور انہیں غلبہ دے گا۔ اور مشرکین کے بڑے لشکر اور جتھے ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ اس لئے کہ یہ قانون اٹل ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

شان نزول

بعض حضرات کے نزدیک اس آیت میں خطاب مسلمانوں سے ہے لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ خطاب مشرکین سے ہے۔

والصحيح انه خطاب للكفار۔ (القرطبي)

القول الاول وهو قول الحسن ومجاهد والسدي انه خطاب للكفار۔ (التفسير الكبير)

۱ فانهم لمانفروا الى نصره العير تعلقوا باستار الكعبة وقالوا اللهم انصرنا هدى

الطائفتين، وافضل الدينين۔ (القرطبي)

یعنی مشرکین مکہ جب اپنے قافلے کی مدد کے لئے لشکر بنا کر نکلنے لگے تو کعبہ شریف کے پردوں سے چٹ کر یہ دعاء کرنے لگے اے ہمارے پروردگار دونوں جماعتوں میں سے جو ہدایت یافتہ جماعت ہے اور دونوں دینوں میں سے جو افضل دین ہے اس کی نصرت فرما۔

(آیت میں بتایا گیا کہ تمہاری دعاء قبول ہوئی اور ہدایت یافتہ جماعت اور افضل دین کو فتح مل گئی)

۲) وروی انه قال اللهم ايننا كان اقطع للرحم وافجر فاهلكه الغداة. (التفسير الكبير)

روایت ہے کہ ابو جہل نے ان الفاظ میں دعاء کی۔ اے ہمارے پروردگار ہم (مشرکوں اور مسلمانوں) میں سے جو قطع رحمی کرنے والا اور زیادہ نافرمان ہو اسے کل ہلاک کر دے۔

۳) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

مکے کی سورتوں میں ہر جگہ کافروں کا کلام نقل فرمایا کہ ہر گھڑی کہتے ہیں متیٰ هذا الفتح یعنی کب ہوگا یہ فیصلہ؟ سواب فرمایا کہ یہ فیصلہ آ پہنچا اور اگر باز آؤ یعنی کفر سے (تو تمہارے لئے بہتر ہے) اور اگر پھر کرو گے یعنی لڑائی تو ہم پھر کریں گے یعنی مدد۔ (موضح القرآن)

اب تم نے دلیل دیکھ لی ہے

جہاد میں فتح کے بعد کافروں کو آسانی سے اسلام کی دعوت دی جاسکتی ہے کیونکہ اگر وہ پہلے خود کو حق پر سمجھتے تھے تو اب ان کا مغالطہ دور ہو گیا ہے اور اگر وہ اسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید دیکھنا چاہتے تھے تو وہ بھی ان کو نظر آ چکی ہے۔ حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

کفار سے کہہ دو کہ اگر تم اسلام کے حق میں تائید الہی دیکھنا چاہتے تھے تو دیکھ چکے اگر پھر سر اٹھاؤ گے تو اسی طرح پکچے جاؤ گے تمہاری مادی طاقت اللہ تعالیٰ کی طاقتوں کے مقابلے میں بے کار ہے اللہ تعالیٰ مؤمنوں کی حمایت میں ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

”یہ خطاب کفار مکہ کو ہے، وہ ہجرت سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے مَتٰی هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی ہمارے تمہارے درمیان یہ فیصلہ کب ہوگا؟ سو پورا فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا مگر ایک طرح کا فیصلہ آج میدان بدر میں بھی تم نے دیکھ لیا کہ کیسے خارقِ عادت طریق سے تم کو کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں سے سزا ملی۔ اب اگر نبی علیہ السلام کی مخالفت اور کفر و شرک سے باز آ جاؤ تو تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بہتری ہے۔ ورنہ اگر پھر اسی طرح لڑائی کرو گے تو ہم بھی پھر اسی طرح مسلمانوں کی مدد کریں گے اور انجام کار تم ذلیل و خوار ہو گے۔ جب خدا کی تائید مسلمانوں کے ساتھ ہے تو تمہارے جتنے اور جماعتیں خواہ کتنی ہی تعداد میں ہوں کچھ کام نہ آئیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے

آیت کے آخر میں ایک ”اٹل قانون“ ارشاد فرمایا دیا کہ **وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ**
امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ای من کان اللہ فی نصرہ لم تغلبہ فئۃ وان کثرت۔
 یعنی اللہ تعالیٰ جس کا مددگار ہو اس پر کوئی جماعت غالب نہیں آ سکتی خواہ وہ بہت بڑی جماعت ہو۔ (القرطبی)
 یہ آیات غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئیں اور اس میں مستقبل کا پورا نقشہ بیان فرما دیا گیا۔ حالانکہ ابھی مشرکین کی طاقت کافی حد تک باقی تھی۔ اُحد، خندق اور حنین میں انہوں نے اس طاقت کا بھرپور مظاہرہ بھی کیا۔ جبکہ مسلمان ابھی تک کمزور تھے ان حالات میں تمام مشرکین کو اسلام کی دعوت اور دوبارہ جنگ کرنے کی صورت میں تباہی کی دھمکی دی جا رہی ہے۔ اور اعلان کیا جا رہا ہے کہ اب مسلمان غالب ہو کر رہیں گے۔ غزوہ بدر کے بعد کئی مرحلے اور اتار چڑھاؤ آئے مگر پھر ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ اسلام غالب آ گیا۔ مسلمان جزیرہ عرب پر چھا گئے اور شرک اور مشرکین مٹ کر رہ گئے۔ غزوہ بدر کے ساتھ اس آیت کو جوڑنے سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ مسلمان جب بھی جہاد کا احیاء کریں گے اور غزوہ بدر کی ترتیب پر آئیں گے تو ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اسباق

- ① مسلمان اگر کمزور ہوں تو کافروں کو یہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ وہ (کافر) حق پر ہیں اس لئے جہاد کے ذریعے ان کی قوت توڑی جائے تاکہ ان کا مغالطہ دور ہو اور وہ کفر و شرک سے باز آ جائیں۔
 - ② جہاد میں مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی نصرت والی معیت نصیب ہوتی ہے۔ مجاہدین اگر ”اللہ تعالیٰ کے ساتھ“ ہونے کا یقین دل میں رکھ کر جہاد کریں تو عجیب و غریب قوت، برکت اور نصرت اپنے ساتھ محسوس کریں۔
- ان اللہ معنا..... ان معی ربی..... اللہ معنا.....
 بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے..... یقیناً میرا رب میرے ساتھ ہے..... اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے.....
 یہ بہت نفع مند اور اہم ترین سبق ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيَتٌ ۲۵۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانو

وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ۚ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ

اور سن کر اس سے مت پھرو۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا

لَا يَسْمَعُونَ ۚ

اور وہ سنتے نہیں

خلاصہ

ایمان والوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کا حکم سن کر منہ نہ موڑیں (بلکہ حکم جہاد اور تمام احکامات کو پورا کریں) اور ان مشرکوں، منافقوں اور یہودیوں کی طرح نہ بنیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا ہے حالانکہ وہ نہیں سنتے یعنی عمل نہیں کرتے۔

رابط

ان آیات کا پچھلے مضمون سے رابطہ کئی طریقے پر ہو سکتا ہے۔

۱۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے تو اس آیت میں سمجھایا گیا کہ صرف ایمان کا دعویٰ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور معیت نہیں ملتی اس کے لئے ضروری ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھرپور اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کا حکم دیں تو فوراً نکل پڑو۔ اور کافروں اور منافقوں کی طرح نہ بنو کہ کانوں سے سن تو لو مگر عمل نہ کرو۔

۲۔ پچھلی آیات میں کافروں کا برا انجام بتایا گیا اور ان کی صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمان ہیں۔ تو اب مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ تم اگر کافروں کی طرح ذلیل و رسوا اور مغلوب ہونے سے بچنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھرپور اطاعت کرو اور کافروں کے طریقے پر نہ چلو۔

۳۔ پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ جب تم نے میدان جہاد میں اللہ تعالیٰ کو پکارا تو اس نے تمہاری پکار سنی اور تمہاری دعا کو قبول فرمایا إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَبَ لَكُمْ اب تمہارا بھی فرض بنتا ہے کہ تم اس کے احکامات کو سنو اور ان پر عمل کرو۔

جہاد کی معارف

۱ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں فرمایا گیا **وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ وَ أَنْتُمْ تَسْمَعُونَ** کہ تم سن کر روگردانی نہ کرو تو اس سننے سے کس بات کا سننا مراد ہے؟ فرماتے ہیں:

ان الکلام من اول السورة الى هنا لما كان واقعا في الجهاد علم ان المراد وانتم تسمعون دعائه الى الجهاد.

یعنی سورۃ کی ابتداء سے چونکہ جہاد کی بات چل رہی ہے تو اس لئے **وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ** کا معنی یہ ہے کہ تم ان کے جہاد کی طرف بلانے کی پکار سن کر روگردانی نہ کرو۔

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ آیت کا معنی یوں ہے: **أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ** فی الاجابة الى الجهاد، و فی الاجابة الى ترك المال اذا امره الله بتركه.

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو جہاد کا حکم پورا کرنے میں اور اموال غنیمت چھوڑنے میں جب اللہ تعالیٰ انہیں چھوڑنے کا حکم دے۔ (التفسیر الکبیر)

۲ **وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ** اور روگردانی نہ کرو۔ اس سے، یعنی اطاعت سے، ضمیر حکم جہاد کی جانب ہے۔

الضمير للجهاد او الامر الذي دل عليه الطاعة. (بيضاوی) وقيل الضمير للجهاد (روح المعانی، تفسیر ماجدی)

۳ حضرت لاہوری رحمہ اللہ ان دو آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

میدان جنگ میں قانون الہی کو دستور العمل بناؤ اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ کے مطابق کاربند رہو۔ اطاعت میں زبانی جمع خرچ ہی نہ ہو بلکہ عمل کر کے دکھاؤ۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

۴ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَلَا تَوَلَّوْا لان التولى انما يصح في حق الرسول بأن يعرضوا عنه وعن قبول قوله و عن معونته في الجهاد.

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کا مطلب آپ کی بات نہ ماننا اور جہاد میں آپ کے ساتھ تعاون نہ کرنا ہے۔ (التفسیر الکبیر)

۵ امام ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولما كانت الآية قبلها مسوقة في امر الجهاد قيل: معنى اطيعوه فيما يد عوكم اليه من الجهاد. یعنی سیاق کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت جہاد پر لبیک کہو۔ (البحر المحیط)

رہط کے بارے میں دو حوالے

۱) اوپر آیت بانہم شاقوا اللہ..... الخ اور آیت لَنْ تَسْتَعْتِبُوا..... الخ میں اللہ و رسول کی مخالفت کرنے والے کفار کی مذمت تھی آگے مومنین کو اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و موافقت کا حکم **أَطِيعُوا..... الخ** میں اور مخالفت کرنے کی ممانعت **وَلَا تُؤْكُوا** میں (ہے)۔ (بیان القرآن)

۲) پہلے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے اب ایمان والوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ ان کا معاملہ خدا و رسول کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے؟ جس سے وہ خدا کی نصرت و حمایت کے مستحق ہوں۔ سو بتلادیا کہ ایک مؤمن صادق کا کام یہ ہے کہ وہ ہمہ تن خدا اور رسول کا فرہار ہو۔ احوال و حوادث خواہ کتنا ہی اس کا منہ پھیرنا چاہیں مگر خدا کی باتوں کو جب وہ سن کر سمجھ چکا اور تسلیم کر چکا تو قہراً و فعلاً کسی حال ان سے منہ نہ پھیرے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ

ترجمہ: اور ان جیسے مت بنو جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا اور وہ نہیں سنتے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ای کالیہود او المنافقین او المشرکین وهو من سماع الاذن..... الخ۔
یعنی یہودیوں، منافقوں اور مشرکوں کی طرح نہ بنو جو کانوں سے سننے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر جو کچھ سنتے ہیں اس میں تدبر اور فکر نہیں کرتے، پس یہ سننا نہ سننے جیسا ہے۔ (القرطبی)
امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمعنى: ولا تكونوا كالذين يقولون بالسننتهم انما قبلنا تكاليف الله تعالى ثم انهم بقلوبهم لا يقبلونها. وهو صفة المنافقين۔

یعنی مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی طرح مت بنو جو اپنی زبانوں سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سن لیا ہے مگر وہ اپنے دلوں سے ان احکامات کو قبول نہیں کرتے اور یہ منافقین کی صفت ہے۔ (التفسیر الکبیر)
یعنی مسلمانوں کو سماع و طاعت پر مضبوط کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے کان اور دل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے لئے کھلے رکھیں اور جو حکم سنیں اسے دل سے قبول کریں اور اپنے عمل میں لائیں۔ پس جو ایسا کرے گا وہی سچا مؤمن ہوگا اور اسے اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوگی اور اسے غلبہ اور کامیابی ملے گی۔

نکتہ

اللہ تعالیٰ کافروں کے مقابلے میں ایمان والوں کی مدد اس لئے فرماتا ہے کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبردار ہوتے ہیں۔ پس ایمان والوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی اس صفت اور خوبی کو برقرار رکھیں۔ کیونکہ اگر انہوں نے بھی کافروں اور منافقوں کی طرح صرف کان سے دین کی بات سنی اور دل سے اسے

قبول نہ کیا تو پھر وہ کفار کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے مستحق کس طرح سے بن سکتے ہیں؟ (واللہ اعلم بالصواب)

نکتہ

یہودیوں نے حکیم جہاد کا انکار کیا جب انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا حکم جہاد سنایا۔ منافقین بھی جہاد سے روگردانی کرتے تھے۔ مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ایسا نہ کرنا کہ یہ مؤمن کی شان نہیں ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اسباق

مسلمانوں پر ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازم ہے جیسا کہ اس آیت کے عموم سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت ایمان والوں پر میدان جہاد میں نازل ہوتی ہے، پس مسلمانوں کو چاہیے کہ جہاد کا حکم سنتے ہی عمل کے میدان میں نکل کھڑے ہوں اور پھر جہاد کے دوران بھی سمع و طاعت کے نظام کو مضبوط رکھیں یعنی خوب سنیں اور فوراً عمل کریں۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُهَا ۲۵۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ شَرَّ الدّٰوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ۚ

بے شک سب جانوروں میں بدتر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی بہرے گوئگے ہیں جو نہیں سمجھتے۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّا سَمِعَهُمْ وَلَوْ سَمِعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ

اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کچھ بھلائی جانتا تو انہیں سنا دیتا اور اگر انہیں اب سنا دے تو

ہُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۚ

منہ پھیر کر بھاگیں

خلاصہ

ایسے لوگ جانوروں سے بدتر ہیں جو نہ کانوں سے حق کی آواز سنتے ہیں، نہ زبان سے حق بولتے ہیں اور نہ دل و دماغ سے حق کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے برے اعمال کی وجہ سے اب ان میں حق قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو حق سنا بھی دے تو یہ اس سے منہ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور اسے قبول نہیں کریں گے۔

ان آیات کے اولین مصداق

یہ دونوں آیات اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے تو عام ہیں مگر مفسرین حضرات نے ان کا اولین مصداق قریش کے قبیلہ ”بنی عبدالدار“ کے ایک گروہ کو قرار دیا ہے۔ روى البخاری رحمہ اللہ وغیرہ عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قال ان هذه الآية، نزلت فی نفر من بنی عبدالدار، من قریش، كانوا یقولون: نحن صم بکم عمی عما جاء به محمد وتوجهوا مع ابی جہل لقتال النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابه ببدن فقتلوا جمیعاً ولم یومن منهم الا مصعب بن عمیر وسویبط بن حر ملة۔ (قرة العینین)

یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت قریش کے قبیلہ بنو عبدالدار کے ایک گروہ کے متعلق نازل ہوئی یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ جو دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں ہم اس سے بہرے، گوئگے اور اندھے ہیں۔ یہ پورا گروہ ابو جہل کے ساتھ ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لڑنے کے لئے بدر پہنچا یہ سب لوگ بدر میں مارے گئے اس قبیلے

میں سے صرف مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور سوبیط بن حرمہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تھے باقی تمام کافر مرے۔

جانوروں سے بدتر

”سننے کے بعد سمجھ کر عمل نہ کرنا انسانیت نہیں ہے یہ حیوانیت ہے بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر۔ کیونکہ وہ بھی کچھ نہ کچھ حکم کی تعمیل کر ہی دیتے ہیں یہ معاندین حق تو اندھے اور بہرے ہیں۔ ان مخالفین میں اللہ پاک صلاحیت کے آثار پاتا تو انہیں حق ذہن نشین کراتا لیکن شامت اعمال کے باعث یہ اس قدر گر چکے ہیں کہ اگر ان کو کوئی بات سمجھا دی جائے تو بھی منہ پھیر کر چل دیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

ترک جہاد پر سخت وعید

ان آیات میں ”ترک جہاد“ پر سخت وعید ہے۔ اس سے پہلے حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ یہ حکم اگرچہ عام ہے مگر اس میں زیادہ زور جہاد پر ہے جیسا کہ حوالے گزر چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کا حکم دیں تو فوراً تعمیل کرو اور منہ پھیر کر منافقوں اور کافروں کی طرح نہ بنو۔ اب ان آیات میں اس حکم کو مزید سختی سے بیان فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو توڑتے ہیں، ان کے بجالانے میں کابلی اور سستی کرتے ہیں اور ان احکامات کو ضد کی وجہ سے قبول نہیں کرتے تو ایک مقام ایسا آتا ہے کہ اللہ پاک ان سے توفیق اور حق قبول کرنے کی صلاحیت تک چھین لیتا ہے۔ تب وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے عقل جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں پر ایسی مہر لگ جاتی ہے کہ پھر حق بات ان کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی۔ العیاذ باللہ کفر کا یہ خطرناک درجہ مسلسل نافرمانی کی وجہ سے مسلط ہو جاتا ہے۔ اس لئے اے مسلمانو! اطاعت کرو اور نافرمانی سے بچو۔ اور جہاد کے معاملے میں سستی اور ضد سے کام نہ لو۔ سستی اور ضد ہی محرومی کی جڑ ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ یہ عجیب نکتہ تحریر فرماتے ہیں:

دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ (میں) ہے اور اللہ تعالیٰ اول کسی کے دل کو روکتا نہیں اور مہر نہیں کرتا جب بندہ کابلی کرے تو اس کی جزا میں روک دیتا ہے یا ضد کرے حق پرستی نہ کرے تو مہر کر دیتا ہے۔ (موضح القرآن)

نکتہ

ان آیات سے اشارہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جہاد میں جن کافروں کو مارا جاتا ہے وہ گمراہی اور ظلم میں حیوانوں سے بدتر ہوتے ہیں اسی لئے تو حق قبول نہیں کرتے بلکہ حق کو مٹانے کے لئے میدان جنگ میں اترتے ہیں تو جب موذی جانوروں کے مارے جانے پر کوئی افسوس نہیں کیا جاتا تو حیوانوں سے بدتر ان کافروں کے مارے جانے پر کیا افسوس ہے؟ یہ لوگ تو انسانیت کے لئے خطرہ اور روئے زمین کے لئے ناسور ہوتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دیگر اقوال

اس آیت کے مصداق کے بارے میں ایک روایت گزر چکی ہے جبکہ کئی مفسرین حضرات کے نزدیک آیت کا

مصدق منافقین ہیں اور بعض کے نزدیک اہل کتاب (یہود و نصاریٰ)۔ بہر حال آیت کا مفہوم عام ہے جس میں بھی یہ بری صفات ہونگی وہ ان آیات کا مصداق ہوگا۔

وظاہر ہذہ الاخبار العموم۔ (البحر المحیط)

چاروں آیات کا خلاصہ تفسیر

سورۃ انفال کی ان چاروں آیات (۲۰ تا ۲۳) کی تفسیر کا ایک خلاصہ اس عبارت میں ملاحظہ فرمائیں:

”فرمایا تھا وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے، یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ خدا کا تمہارے ساتھ ہونا کچھ تمہارے نام کے مسلمان کہلانے سے نہیں بلکہ ان (دو) شرائط سے ہے:

① أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ کہ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو۔ ② وَلَا تَوَلَّوْا عٰذَةَ وَآنْتُمْ تَسْمَعُونَ کہ رسول کا حکم سن کر روگردانی نہ کرو۔ حقیقت میں جب تک مسلمانوں میں یہ دو باتیں رہیں خدا کا سایہ ان پر رہا دنیا کی سرسبز سلطنتیں باوجود بے سرو سامانی کے ان کے ہاتھ میں دے دیں۔ پھر اسی مضمون کی تاکید فرماتا ہے کہ تم ان منافقوں جیسے نہ ہو جاؤ کہ جو زبان سے تو سمعنا کہتے ہیں (کہ ہم نے سن لیا) اور دل سے نہیں سنتے، قضا و قدر نے ان میں حق کے سننے اور ماننے کا مادہ ہی نہیں دیا جیسا کہ چار پایوں میں نہیں جو زمین پر چلنے والوں میں مذموم سمجھے جاتے ہیں وہ (منافق) حق کے سننے سے بہرے اور حق کے بولنے سے گونگے ہیں اس کے سوا عقل بھی نہیں جو باعث شرف ہے اور خدا نے جو ان میں یہ قابلیت نہیں رکھی تو اس لئے کہ وہ اذلی گمراہ ہیں اگر سنتے بھی تو اعراض کر جاتے۔“ (تفسیر حقانی)

سبق عبرت

جہاد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ جہاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے یہ آیات بھی جہاد کے حکم کے ساتھ نازل ہوئی ہیں، ان سے پہلے بھی جہاد کا بیان ہے اور ان کے بعد بھی جہاد کا بیان ہے اور خود ان میں بھی غالب مفہوم جہاد کا ہے۔ پس وہ لوگ جو مسلمان کہلاتے ہیں مگر نہ جہاد کی بات سنتے ہیں، نہ جہاد کی بات بولتے ہیں اور نہ جہاد کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ان آیات سے عبرت حاصل کریں۔

اللهم انا نعوذ بك من الشقاق والنفاق وسوء الاخلاق۔

(آمین یا رب الغلمین)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ اِنْ مَكَانٍ شَيْءٍ آيَتِ ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول کا حکم مانو جس وقت تمہیں اس کام کی طرف بلائے جس میں تمہاری

مُحِبِّكُمْ وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرَّةِ وَقَلْبِهِ وَ

زندگی ہے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے اور

أَنَّهُ إِلَيْهِ تَحْشَرُونَ ﴿۲۴﴾

بے شک تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے

خلاصہ

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کا حکم دیتے ہیں مسلمانوں کے لئے اسی میں زندگی ہے۔ مثلاً جہاد کا حکم فرماتے ہیں تو جہاد میں مسلمانوں کی اصل زندگی ہے۔ اس لئے حکم ماننے میں دیر نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر حائل ہو جائے اور تم عمل سے محروم رہ جاؤ۔ چونکہ قیامت کے دن سب نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونا ہے اس لئے آخرت کے لئے عمل کرنے والے اپنے اعمال کا پورا بدلہ پائیں گے۔

پچھلے مضمون کی تاکید

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا تھا، اسی حکم کی تاکید چل رہی ہے، اس آیت میں سمجھایا گیا کہ ہر انسان زندہ رہنے کا خواہشمند ہے تو اصل زندگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات میں ہے۔ مثلاً جہاد کا حکم لے لو کہ اس میں کتنی زبردست قسم کی زندگی ہے..... اور عمل کرنے میں دیر نہ کرو ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر حائل ہو جائے اور تم محروم رہ جاؤ..... اور عمل کرنے میں تم جو قربانی بھی دو گے وہ ضائع نہیں جائے گی اس لئے کہ سب انسانوں نے مرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور جمع ہونا ہے۔

حیات والا عمل کون سا؟

ارشاد فرمایا:

اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحِبُّكُمْ

ترجمہ: حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول کا جس وقت تمہیں اس کام کی طرف بلائے جس میں تمہاری

زندگی ہے۔

تمام مفسرین کے نزدیک اَسْتَجِیْبُوْا، اجیبوا کے معنی میں ہے کہ حکم مانو۔

والا استجابة الاجابة۔ (القرطبی)

قال ابو عبید والزجاج استجبوا معناه اجیبوا۔ (التفسیر الکبیر)

جب تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جس میں زندگی ہے۔ تو اس چیز سے کیا مراد ہے؟ حضرات مفسرین کے کئی اقوال ہیں مثلاً:

① قال السدی هو الايمان والاسلام

یعنی مراد ایمان اور اسلام ہے۔ (التفسیر الکبیر)

② وقال مجاهد والجمهور المعنى استجبوا للطاعة وما تضمنه القرآن من

وامرو نواهی۔ (القرطبی)

یعنی مراد قرآن پاک کے تمام احکامات (وامرو اور نواہی) ہیں۔

③ قال قتادة یعنی القرآن۔ (التفسیر الکبیر)

یعنی مراد قرآن پاک ہے۔

④ لكل حق وصواب۔ (التفسیر الکبیر)

مراد ہر حق اور سچ کام ہے۔

امام ابو حیان رحمہ اللہ نے تفسیر البحر المحیط میں کئی مزید اقوال بھی لکھے ہیں۔ حضرت امام رازی رحمہ اللہ ان اقوال کو جمع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ قال اکثرہون يَمَاجِيْجِيْكُمْ هو الجہاد۔

یعنی اکثر مفسرین کے نزدیک وہ چیز جس میں زندگی ہے وہ جہاد ہے۔ (التفسیر الکبیر)

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقيل المراد بقوله لما يحييكم الجهاد، فانه سبب الحياة في الظاهر لأن العدو اذا لم يغز

غزا وفي غزوه الموت والموت في الجهاد الحياة الأبدية، قال الله عز وجل:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ (آل عمران ۱۶۹)

یعنی ایک قول یہ ہے کہ آیت يَمَاجِيْجِيْكُمْ میں زندگی والے عمل سے مراد 'جہاد' ہے کیونکہ وہ بالکل واضح طور پر

زندگی کا ذریعہ ہے اس لئے کہ اگر دشمن سے جنگ نہ کی جائے تو وہ حملہ آور ہو جاتا ہے اور اگر اس سے جنگ کی جائے تو

اس میں اس کے لئے موت (اور مسلمانوں کے لئے زندگی) ہے اور جہاد میں مسلمان کو جو موت ملتی ہے وہ ہمیشہ کی

زندگی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ترجمہ: اور ان لوگوں کو مردہ گمان نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کئے

جاتے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں۔ (القرطبی)

صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

”یہاں صاف صاف بتا دیا کہ حیات ابدی اور زندگی و جاودانی بخشے والی چیز یہی نظام دین ہے۔ خصوصیت کے ساتھ مراد جہاد سے ہے۔ (تفسیر ماجدی)

صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم کو کسی عبث (بے کار) اور ضرر رساں (یعنی نقصان دہ) بات کی طرف نہیں (بلا تے بلکہ اس کی طرف بلا تے ہیں) جس میں تمہاری زندگانی ہے یعنی قرآن کیونکہ یہ حیات روحانی کا باعث ہے اور ممکن ہے کہ جہاد خصوصاً مراد ہو کیونکہ اس میں شہادت ملتی ہے جو حیات ابدی کا باعث ہے کما قال:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ اور نیز اس میں دشمن پر فتح پائی اور ثروت حاصل ہوتی ہے جو اصل زندگانی دینا ہے۔ مغلوب اور مقہور قوم کی زندگی کیا؟ بلکہ (وہ تو) موت ہے۔

برے حال جیاد تو میں خاک جیا

مرے جینے کا کچھ بھی مزا ہی نہیں

(تفسیر حقانی)

تفسیر حقانی کی عبارت امام رازی رحمہ اللہ کے اس علمی کلام کا خلاصہ ہے۔

قال الاكثرون لما يحييكم هوا الجهاد ثم في سبب تسمية الجهاد بالحياة وجوه، احدها: هو وهن أحد العدوين حياة للعدو الثاني فأمر المسلمين انما يقوى ويعظم بسبب الجهاد مع الكفار. وثانيها أن الجهاد سبب لحصول الشهادة وهي توجب الحياة الدائمة قال تعالى وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ وثالثها أن الجهاد قد يفضي الى القتل، والقتل يوصل الى الدار الآخرة والدار الآخرة، معدن الحياة قال تعالى وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَوَانُ ای الحياة الدائمة. (التفسير الكبير)

یعنی اکثر مفسرین کے نزدیک لِمَا يُحْيِيكُمْ سے مراد جہاد ہے۔ پھر جہاد کو حیات یعنی زندگی قرار دینے کی کئی وجوہات ہیں:

پہلی یہ کہ دو دشمنوں میں سے ایک کا کمزور ہونا دوسرے کے لئے زندگی ہوتا ہے پس مسلمان کفار سے جہاد کی بدولت قوت اور عظمت پاتے ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ جہاد شہادت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور شہادت سے ہمیشہ کی زندگی ملتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ الآية اور تیسری وجہ یہ ہے کہ جہاد بعض اوقات انسان کو قتل تک لے جاتا ہے اور قتل اس کو دنیا سے نکال کر آخرت تک پہنچا دیتا ہے اور آخرت کا گھر ہی زندگی کا اصل خزانہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے یعنی ہمیشہ والی زندگی ہے۔

مسئلہ حل ہو گیا

جو مسلمان جہاد سے بھاگتے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی جہاد میں نہیں جانے دیتے تو اکثر اس کی وجہ موت کا خوف ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت میں واضح فرما دیا کہ جہاد میں موت نہیں زندگی ہے۔ بس مسئلہ ہی ختم ہو گیا اب جو بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والا ہے وہ اس بات کو مانے گا کہ جہاد میں زندگی ہے اور پھر اس زندگی کو پانے کے لئے محنت کرے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حائل ہونے کا معنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَحْوِلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آڑ بن جاتا ہے آدمی اور اس کے دل کے درمیان۔ اس آیت کا مفہوم متعین کرنے میں حضرات مفسرین کے کئی اقوال ہیں ان میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

❶ ان الله تعالى يحول بين المرء وبين الانتفاع بقلبه بسبب الموت يعنى بذلك أن تبادروا فى الاستجابة فيما الزمكم من الجهاد وغيره قبل ان ياتيكم الموت. (التفسير الكبير)

اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے یعنی موت دے کر اسے اپنی زندگی سے نفع نہیں اٹھانے دیتا۔ تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر جہاد وغیرہ کے جوا حکامات لازم کئے ہیں انہیں جلدی جلدی پورا کر لو اس سے پہلے کہ تم پر موت آ جائے۔

❷ ان المراد انه تعالى يحول بين المرء وبين ما يتمناه ويريده بقلبه.

یعنی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے ارادے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ (اور بندہ اپنا ارادہ پورا نہیں کر سکتا) (التفسير الكبير)

❸ أن المومنين كانوا خائفين من القتال يوم بدر فكانه قيل لهم سارعوا الى الطاعة ولا تمنعوا عنها بسبب ماتجدون فى قلوبكم من الضعف والجبن، فان الله تعالى يغير تلك الاحوال فيبدل الضعف بالقوة، والجبن بالشجاعة لانه تعالى مقلب القلوب۔ یعنی مسلمان غزوہ بدر کے دن لڑائی سے گھبرا رہے تھے تو گویا کہ اس آیت میں ان سے کہا گیا کہ جہاد کا حکم ماننے میں جلدی کرو اور تمہارے دل میں جو کمزوری اور بزدلی آرہی ہے اس کی وجہ سے جہاد سے نہ روکو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان احوال کو بدل دے گا اور وہ کمزوری کی جگہ طاقت اور بزدلی کی جگہ بہادری تمہارے دلوں میں ڈال دے گا کیونکہ وہ دلوں کو پھیرنے والا ہے۔ (التفسير الكبير)

۴” بعض نے یَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ کو بیانِ قرب کے لئے لیا ہے یعنی حق تعالیٰ بندہ سے اس قدر قریب ہے کہ اس کا دل بھی (اس سے) اتنا قریب نہیں ہے وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ جَبَلٍ أَلْوَدِيِّ (ق ۱۶) تو خدا کی حکم برداری سچے دل سے کرو خدا تم سے بڑھ کر تمہارے دلوں کے احوال و سرائر پر مطلع ہے خیانت اس کے آگے نہیں چل سکے گی۔ اسی کے پاس سب کو جمع ہونا ہے وہاں سارے مکنونات و سرائر کھول کر رکھ دیئے جائیں گے۔“ (تفسیر عثمانی)

۵” انسان اور اس کے قلب کے درمیان آڑ آ جانا دو طرح سے ہوتا ہے ایک یہ کہ مومن کے قلب میں طاعت کی برکت سے کفر و معصیت کو نہیں آنے دیتا، دوسرے یوں کہ کافر کے قلب میں مخالفت کی نحوست سے ایمان و طاعت کو آنے نہیں دیتا اور انسان اور اس کے عمل کے درمیان اسباب عادی، مادی و طبعی و ظاہری کے علاوہ اور ان سے بالاتر ایک اور علاقہ جو ایک برتر و اعلیٰ قوت ارادی کا رہتا ہے اس کی طرف بھی اشارہ اسی آیت میں آ گیا۔“ (تفسیر ماجدی)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ یہی معنی لکھنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ طاعت کی مداومت بڑی نافع چیز ہے اور مخالفت کی موافقت بڑی مضر چیز ہے۔ (بیان القرآن)

۶ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے ارادہ میں حائل ہو جاتا ہے کہ انسان کو اپنے ارادہ پر مضبوطی نہیں رہتی۔ حاصل یہ ہوگا کہ اگر تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی طرف توجہ نہ کی تو اس کی پہلی سزا یہ ہوگی کہ ہمتیں پست ہو جائیں گی۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

اسباق

- ۱ جہاد میں زندگی اور ترک جہاد میں موت ہے۔
- ۲ جہاد کا حکم پورا کرنے میں جلدی کرنی چاہئے۔
- ۳ اگر جہاد کے لئے ذہن بن جائے اور جان و مال کی قربانی پر دل آمادہ ہو جائے تو فوراً عمل کرے۔ اگر تاخیر کی تو ہمت سست ہو جائے گی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ موت آ جائے اور انسان جہاد سے محروم رہے۔
- ۴ آخرت کے حشر اور پیشی کو یاد رکھا جائے تو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی خاطر قربانی دینا آسان ہو جاتا ہے۔
- ۵ اس دعاء کا اہتمام کیا جائے جو مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں حدیث پاک کے حوالے سے لکھی ہے۔

اَللّٰهُمَّ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰی دِيْنِكَ

اے میرے پروردگار دلوں کو پھیرنے والے۔ میرے دل کو دین پر مضبوط فرما۔

(آمین یا رب العالمین)

☆☆☆

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ ۝ آیت ۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ اتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَ اعْلَمُوا

اور تم اس فتنے سے بچتے رہو جو تم میں سے خاص ظالموں پر ہی نہ پڑے گا اور جان لو کہ

اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ (۲۵)

بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے

خلاصہ

اس فتنہ سے بچو جس کا وبال عام ہوگا، گناہگاروں پر بھی اور انہیں نہ روکنے والوں پر بھی۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔

ربط

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ اس آیت کا پچھلی آیات سے ربط یہ بیان فرماتے ہیں کہ پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فوری اطاعت کا حکم تھا کہ اس میں ذرہ برابر بھی تاخیر اور سستی نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تاخیر اور سستی کرنے کی وجہ سے دل ہٹ جائے اور توفیق چھین جائے اب اس آیت میں تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر نیک لوگ حکم ماننے میں سستی کریں گے تو عام لوگ بالکل چھوڑ دیں گے اور ہر طرف برائی پھیل جائے گی مثلاً بہادر لوگ اگر جہاد کے بارے میں سستی کریں گے تو بزدل تو بالکل ہی اسے چھوڑ دیں گے پھر جب کفار کا حملہ ہوگا اور شکست ہوگی تو بہادر بھی اس شکست کو نہیں روک سکیں گے اور سب مغلوب و ہلاک ہو جائیں گے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

یعنی حکم میں کاہلی (سستی) کرنے سے ایک تو دل ہٹتا ہے (یعنی ہمت کمزور ہوتی ہے) دم بدم زیادہ مشکل پڑتا ہے (یعنی ہر آنے والے لمحے وہ کام زیادہ مشکل ہوتا چلا جاتا ہے) دوسرے (یہ کہ) نیکوں کی کاہلی سے گناہگار بالکل چھوڑ دیں گے تو رسم بد پھیلے گی اس کا وبال سب پر پڑے گا جیسے جنگ میں دلیر سستی کریں تو نامرد (یعنی بزدل) بھاگ ہی جاویں پھر شکست پڑے تو دلیر بھی نہ تمام سکیں (موضح القرآن)

خلاصہ اس پورے ربط کا یہ ہوا کہ پچھلی آیات میں خود عمل کرنے کی تاکید تھی اور اس آیت میں دوسروں کو دعوت دینے کی ترغیب ہے۔

اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی عام ہو جائے تو پھر اس کا وبال اور عذاب بھی عام ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فتنہ کے معنی

اس آیت میں جو لفظ فتنہ استعمال ہوا ہے بعض مفسرین کے نزدیک اس کے معنی عذاب کے ہیں ملاحظہ فرمائیے تفسیر المدارک۔ جبکہ بعض مفسرین نے اس کے معنی گناہ کے لئے ہیں علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمراد بالفتنة الذنب وفسر بنحو اقرار المنكر والمداھنة فی الامر بالمعروف والنہی عن المنكر وافتراق الكلمة وظهور البدع والتكاسل فی الجهاد حسبما يقتضيه المعنى۔ (روح المعانی)

یعنی فتنہ سے مراد گناہ ہے اور اس گناہ کی تفسیر موقع کے اعتبار سے کی جاتی ہے مثلاً گناہوں پر رضا مند ہونا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مدابھت کرنا، آپس میں نزاع ڈالنا، بدعات کا ظہور، اور جہاد میں سستی۔

کسی گناہ کا جڑ پکڑ لینا

اکثر مفسرین حضرات کے نزدیک آیت میں فتنہ سے مراد مسلمانوں میں کسی بڑے منکر یعنی گناہ کا جڑ پکڑ لینا ہے کہ وہ گناہ عام ہو جائے اور کوئی اس سے روکنے کی کوشش بھی نہ کرے۔ قیل هو اقرار المنكر بین اظہر ہم۔ (کشاف)

قال ابن عباس: امر الله المؤمنين الا يقرروا المنكر بين اظہر هم فيعلمهم الله العذاب۔ (القرطبی)

دو آیات کی مختصر تفسیر

سورة الانفال کی ان دو آیات (۲۵، ۲۴) کی ایک مختصر تفسیر اس عبارت میں ملاحظہ فرمائیے:

جہاد ہی میں زندگی ہے دنیا میں تنازع لایق کے اصول کے مطابق ہر چیز جنگ میں مصروف ہے، مگر زندگی صرف اسی کو نوازش (یعنی عطاء) ہوگی جو صلح و امثل ہے، اس لئے فرمایا کہ جس وقت اللہ اور اس کا رسول مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیں تو فوراً میدان میں آجئے کہ انفرادی اور اجتماعی حیات (زندگی) کا راز سرستہ اسی جہاد فی سبیل اللہ میں پنہاں ہے، یہی چیز تم کو دائمی زندگی بخشے گی اس لئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا ای الناس افضل (کہ لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: مومن یجاہد فی سبیل اللہ بنفسه وماله (وہ مومن جو اپنی جان و مال سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے) ایک جگہ ارشاد فرمایا لغدوة فی سبیل اللہ اور وحة خیر من الدنیا وما فیہا (جہاد میں ایک صبح یا ایک شام کا لگانا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے) ترمذی میں ہے: من رابط ليلة كانت له كالف ليلة صیامها و قیامها (جو ایک رات کی پہرے داری کرے گا اسے ایک ہزار رات کے قیام اور روزوں کا اجر ملے گا) لیکن اگر جہاد کا ارادہ بھی نہ کیا تو ان مصائب کا شکار ہونا پڑے گا (الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا ایک ایک حرف تمہارے لئے زندگی بخش ہے، اس کی خلاف ورزی سے تمہاری قوت ارادی کمزور ہو جائے گی، تم مضبوط و ثابت قدم نہ رہ سکو گے، ارادہ کرتے ہی فسخ کر دیا کرو گے اور لَعَنَهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَیْبَةً کی کیفیت تم پر طاری ہوگی۔

(ب) اعمال انسانی کی حالت مختلف ہے، بعض اوقات اس کے اعمال کا اثر صرف اس کی ذات تک محدود رہتا ہے، اس لئے صرف مجرم ہی گرفتار ہوتا ہے اور کبھی ان کا اثر قوم پر بھی پڑتا ہے، پھر سب کے سب مبتلائے آلام و مصائب ہوتے ہیں، اگر تم نے جہاد سے انکار کیا تو یاد رہے صرف انکار کرنے والے ہی گرفتار مصیبت نہ ہونگے، بلکہ پوری قوم کی قوم دوسروں کی غلام بن جائے گی۔

حدیث میں آتا ہے اذا ضن الناس بالدينار، والدرهم وتبايعوا بالعين واتبعوا اذنان البقر وتركوا الجهاد في سبيل الله انزل الله بهم بلاء فلم ير فعه حتى يراجعوا (جب لوگ سونے چاندی یعنی مال میں بخل کرنے لگیں گے اور غیر شرعی تجارت میں لگ جائیں گے اور کھیتی باڑی میں مشغول ہو جائیں گے اور جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر مصیبت نازل فرمائے گا اور جب تک وہ جہاد کی طرف نہیں لوٹیں گے اس مصیبت کو ان سے نہیں ہٹائے گا) اور یہی وجہ ہے کہ اس شخص کو منافق کہا گیا جو جہاد فی سبیل اللہ کی آرزو ہی کو دل سے نکال دے: من مات ولم يغز ولم يحدث به نفسه مات على شعبة من النفاق اللہ تعالیٰ کا عذاب نہایت ہی سخت ہے، اس لئے سوچ سمجھ کر مخالفت کریں۔ (تفسیر الفرقان)

فتنہ سے مراد ترک جہاد

صاحب انوار البیان لکھتے ہیں:

بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس میں اس فتنہ کا ذکر ہے جو ترک جہاد کی وجہ سے عوام و خواص سب کو اپنی پلیٹ میں لے لے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دین اور شعائر دین کی حفاظت اور عامۃ المسلمین کی حفاظت جہاد قائم رکھنے میں ہے، مسلمانوں پر (عام حالات میں) فرض کفایہ ہے کہ جہاد کرتے ہی رہیں اگرچہ کافر حملہ آور نہ ہوں اور اگر وہ حملہ آور ہو جائیں تو پھر کوئی گنجائش کسی کو جہاد سے پیچھے ہٹنے کی ہے ہی نہیں جہاد کا سلسلہ جاری نہ رکھنے کی ہی وجہ سے دشمن کو آگے بڑھنے کی جرأت ہوتی ہے اور جب دشمن چڑھ آتے ہیں تو بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی حفاظت کے لئے فکر مند ہونا پڑتا ہے لہذا جہاد جاری رکھا جائے اور اس سے پہلو تہی نہ کریں ورنہ عوام و خواص مصیبت میں گھر جائیں گے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو بھی کوئی قوم جہاد چھوڑ دے گی اللہ تعالیٰ ان پر عذاب بھیج دے گا۔ (مجمع الزوائد ص ۲۸۴، ج ۵ عن الطبرانی فی الاوسط) (تفسیر انوار البیان)

صاحب تفسیر مظہری نے بھی اس آیت میں فتنہ سے ترک جہاد کا گناہ مراد لیا ہے اور دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ پچھلی آیات میں بھی ترک جہاد کرنے والوں پر ملامت کی گئی ہے۔ (مخلص از معارف القرآن)

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُهَا ۷۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ اِذْ كُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ

اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے

تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَفَكُمُ النَّاسُ فَاَوْكُمُ وَاَيِّدَكُم بِنَصْرِهِ وَ

تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک لیں پھر اس نے تمہیں ٹھکانا بنادیا اور اپنی مدد سے تمہیں قوت دی

رَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور تمہیں سٹھری چیزوں سے رزق دیا تاکہ تم شکر کرو

خلاصہ

اپنی کمزوری اور قلت کا خیال کر کے اللہ تعالیٰ کا حکم جہاد ماننے میں سستی مت دکھلاؤ، دیکھو! ہجرت سے پہلے بلکہ اس کے بعد بھی تمہاری تعداد تھوڑی تھی، سامان بھی نہ تھا، تمہاری کمزوری کو دیکھ کر دشمنوں کو لالچ ہوتی تھی کہ تم کو ہضم کر جائیں، تمہیں ہر وقت یہ خدشہ رہتا تھا کہ دشمنان اسلام کہیں نوح کھسوت کرنے لے جائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے تم کو مدینہ میں ٹھکانا دیا، انصار و مہاجرین میں مثالی بھائی چارے کا رشتہ قائم کر دیا۔ پھر معرکہ بدر میں کیسی کھلی ہوئی غیبی امداد پہنچائی۔ کفار کی جڑ کاٹ دی، تم کو فتح الگ دی، مال غنیمت اور قیدیوں کا فدیہ الگ دیا۔ غرض حلال طیب سٹھری چیزیں اور طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں تاکہ تم اس کے شکر گزار بندے بنے رہو۔ (مفہوم تفسیر عثمانی)

تفسیر الفاظ

فِی الْاَرْضِ ای ارض مکة النَّاسُ ہم مشرک و اقربیش او فارس والروم۔ فَاَوْكُمُ قال ابن عباس الی الانصار السدی الی المدینة والمعنی واحد وَاَيِّدَكُم قواکم بِنَصْرِهِ ای بعونه وقیل بالانصار وقیل بالملائكة یوم بدر وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ای الغنائم۔ (القرطبی)

تفسیر جلالین میں ہے:

اَنْ يَّتَخَفَكُمُ النَّاسُ یاخذکم الکفار بسرعة۔ يَّتَخَفَكُمُ قید ہونا، قتل ہونا، محکوم بن کر رہنا مناسب تَخَطَّفٌ میں آگیا۔ (تفسیر ماجدی)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الطَّيِّبَاتِ سٹھری چیزیں یعنی مال غنیمت (موضح القرآن)

ایک دلچسپ عبارت

اگر تم کہو کہ خلیفہ اسلام کا حکم جہاد تو سر آنکھوں پر، مگر تعداد کی قلت اور سامان حرب کے فقدان کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس وقت لڑنا خلاف مصلحت ہے تو یہ عذر بھی مسموع نہیں اس لئے کہ تم مکہ کی حالت پر غور کرو جب مسلمانوں کی تعداد اقل قلیل تھی ہر شخص تم کو کمزور و ناتواں خیال کرتا تھا اور خود تمہیں بھی ہر وقت اس امر کا خوف دامن گیر تھا کہ کہیں دشمن ہم کو فنا نہ کر دے، مگر باوجود ان باتوں کے اللہ تعالیٰ نے تم کو پناہ دی اپنی نصرت و دستگیری سے تائیدی اور بہترین چیزیں کھانے کو نوازش کیں، اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ تم آئندہ چل کر قلتِ تعداد اور فقدانِ اسباب کا عذر پیش کر کے جہاد فی سبیل اللہ سے منہ نہ موڑ لو جنگ میں کامیابی کے لئے قلت و کثرت پر نظر نہ ہونی چاہئے حنین کی لڑائی میں تمہیں اپنی کثرتِ تعداد پر ناز تھا مگر شکست کھائی: **وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمُ مُدْبِرِينَ** (التوبة: ۲۵) مدینہ کی زندگی پر نظر ڈالو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں بھوک کے مارے بل پڑے جاتے ہیں اور کئی دفعہ غشی کی نوبت آتی ہے، پھر یہ وہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو دیوار کعبہ کے ساتھ تکیہ لگائے ہوئے کسریٰ کے رومال سے ناک صاف کرتے ہیں اور عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم قیصر و کسریٰ کے خزانے کو اپنے پاؤں سے ٹھکراتے ہیں۔ (تفسیر الفرقان)

سبق

آیت مبارکہ سے یہ اہم سبق سمجھا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے ”عمل“ کرنا چاہیے اور اسباب اور نتائج کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ مکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر جو حضرات مسلمان ہوئے انہوں نے اسباب اور ظاہری انجام کی پروا نہیں کی اگر وہ ان چیزوں کی فکر کرتے تو کبھی ایمان قبول نہ کرتے کیونکہ ظاہری طور پر ہر طرف ظلم اور اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ پھر ہجرت کا حکم ملا تو انہوں نے آگے کے انتظامات کا نہیں پوچھا بس اللہ تعالیٰ کے حکم پر نکل کھڑے ہوئے۔ پھر انہیں جہاد کا حکم ملا تو انہوں نے ظاہری قوت اور طاقت نہ ہونے اور اسباب کی کمی کا رونا نہیں رویا جو ٹوٹی ہوئی تلواریں، لٹھیاں، پتھر ہاتھ آئے ان کو لے کر میدان میں اتر آئے۔ ان کے اس توکل کا نتیجہ کیا نکلا جس مکہ میں انہوں نے خوف اور دہشت کی راتیں گزاری تھیں اس میں وہ فاتح بن کر داخل ہوئے۔ ہجرت کے لئے وہ نکل پڑے تو انصار مدینہ نے ان کے لئے دل و جان نچھاور کر کے ان کو اجنبی ہونے کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ اسباب کی کمی کو انہوں نے بہانہ نہیں بنایا تو مالِ غنیمت جیسا پاکیزہ مال ان کے قدموں میں ڈھیر ہوتا گیا۔ پس اے مسلمانو! کام کرنے سے پہلے ان چیزوں کی فکر میں نہ پڑا کرو جو اللہ تعالیٰ کام شروع کرنے کے بعد عطا فرماتا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کام شروع کرو اور پھر اس آیت کے تمام مناظر کو دیکھتے چلے جاؤ۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيَةُ ۲۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنَكُمْ

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو اور آپس کی امانتوں

وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۷﴾

میں خیانت نہ کرو حالانکہ تم جانتے ہو

خلاصہ

ایمان والوں کے ذمہ ہے کہ وہ امانت کو لازم پکڑیں اور خیانت کی ہر قسم سے بچیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت کریں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت کریں۔ نہ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے میں خیانت کریں اور نہ آپس میں جان بوجھ کر خیانت میں مبتلا ہوں۔

ربط

۱۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ”طیبات“ پاکیزہ رزق کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ مال غنیمت کا تمہیں مالک بنایا ہے اب فرمایا گیا کہ تم پر لازم ہے کہ ہر طرح کی خیانت سے بچو۔

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اعلم انه تعالى لما ذكر انه رزقهم من الطيبات فنهنا منعهم من الخيانة.

۲۔ پچھلی آیت میں مسلمانوں کی سابقہ حالت اور پھر ان پر اپنے انعامات کا ذکر فرمایا جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ترغیب ملتی ہے۔ اب اس آیت میں خیانت سے منع کیا جا رہا ہے کیونکہ خیانت مسلمانوں کی باہمی محبت کو ختم کرتی ہے اور ان کی جماعت کو توڑتی ہے۔ (مفہوم تفسیر حقانی)

۳۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تاکید چل رہی ہے، اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتوحات اور غنیمتوں کا تذکرہ بھی آ گیا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ اس نصرت اور فتوحات کے مستحق تم اس وقت تک رہو گے جب تک تم میں خیانت پیدا نہیں ہوگی۔ جب تم اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں اور اموال میں خیانت کرنے لگو گے تو نصرت کے مستحق نہیں رہ سکو گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دلشیں تفسیر

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

چوری (یعنی خیانت) اللہ و رسول کی یہ بھی ہے کہ چھپ کر کافروں سے ملیں اپنے مال اور اولاد کے بچاؤ کو۔ جیسے

مہاجرین میں اکثروں کے گھر کے میں تھے۔ اور یہ بھی ہے کہ مال غنیمت چھپا کر رکھیں سردار (یعنی امیر) کے پاس ظاہر نہ کریں۔ (موضح القرآن)

شان نزول

آیت میں خیانت سے کیا مراد ہے؟ امام رازی رحمہ اللہ نے چھ اقوال لکھے ہیں۔ چونکہ ہر قول میں الگ جہادی سبق ہے اس لئے ذیل میں ان کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں:

① حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہوں نے یہود بنی قریظہ کو اشارۃً بتا دیا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم ماننے کی صورت میں ان کا انجام ”قتل“ ہوگا۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے ایسا اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے لئے کیا تھا جو بنی قریظہ کے ساتھ رہتے تھے۔ (خیانت سے مراد جہادی و جنگی راز کا افشاء)

② سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر مشرکین کو جا کر بتاتے تھے آیت میں اس حرکت سے منع کیا گیا (خیانت سے مراد جماعتی و قومی رازوں اور خبروں کا افشاء)۔

③ ابن زید فرماتے ہیں کہ خیانت سے مراد نفاق ہے کہ منافقین کی طرح نہ بنو کہ اوپر سے مسلمان اندر سے کافر۔ (خیانت نفاق کے ہم معنی ہے)

④ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابوسفیان جب مکہ سے نکلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہو گیا اور آپ نے حملے کا ارادہ فرمایا۔ مدینہ منورہ سے ایک منافق نے ابوسفیان کو خط لکھ کر ہوشیار کر دیا۔ (خیانت کا معنی کافروں کے لئے جاسوسی کرنا)

⑤ زہری رحمہ اللہ اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے اہل مکہ کو مسلمانوں کے حملے کی اطلاع دینے کی کوشش کی۔ (بدعتی کے بغیر اپنے آل و اولاد کی خاطر کافروں کے کام آنا یہ بھی خیانت ہے)

⑥ قاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خیانت سے مراد اموال غنیمت میں خیانت ہے۔ (التفسیر الکبیر)

امام رازی رحمہ اللہ یہ چھ اقوال لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

واما الوجوه المذكورة في سبب نزول الآية فهي داخلة فيها، لكن لا يجب قصر الآية عليها لان العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔

امام رازی رحمہ اللہ کی اسی بات کو صاحب تفسیر حقانی ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

لَا تَخُونُوا اللَّهَ فِي كَيْسٍ خَاصٍّ خِيَانَتِهِ أَوْ كَيْسٍ شَخْصٍ كَانَتْ أَمْرُهُمْ بَلْغَةً عَمَّا هُمْ فِي خِيَانَتِهِ كَيْسٌ مِمَّا لَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ

ہو، خواہ غنیمت کے مال کی، خواہ آبرو اور کسی راز کی۔ مگر مفسرین نے اسکو بعض اشخاص کی خیانت اور ان کے واقعہ کی طرف بھی لگایا ہے چنانچہ سدی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس میں منافقوں اور بعض دیگر شخصوں کی طرف اشارہ ہے جو مشرکین سے میل و محبت رکھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں جو جنگ سے متعلق ہوتی تھیں ان کے پاس پہنچا دیتے تھے..... الی آخرہ (تفسیر حقانی)

جامع تفسیر

”خدا اور رسول کی خیانت یہ ہے کہ ان کے احکام کی خلاف ورزی کی جائے۔ زبان سے اپنے کو مسلمان کہیں اور کام کفار کے کریں، یا جس کام پر خدا اور رسول نے مامور کیا اس میں غل و فصل کیا جائے۔ یا مال غنیمت میں چوری کی جائے و نحو ذلك۔ بہر حال ان تمام امانتوں میں جو خدا اور رسول یا بندوں کی طرف سے تمہارے سپرد کی جائیں خیانت سے بچو، اس میں ہر قسم کے حقوق اللہ و حقوق العباد آگئے۔ روایات میں ہے یہود ”بنی قریظہ“ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست کی اور یہ کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو ”بنی النضیر“ کے ساتھ ہوا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں، میں تم کو اتنا حق دیتا ہوں کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم بناؤ، جو فیصلہ وہ تمہاری نسبت کر دیں وہ منظور ہونا چاہیے انہوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیکر اپنے یہاں بلایا اور دریافت کیا کہ تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ ہم سعد بن معاذ کی تحکیم منظور کریں یا نہ کریں؟ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اموال اور اہل و عیال بنی قریظہ کے یہاں تھے۔ اس لئے وہ ان کی خیر خواہی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے حلقوم (یعنی گلے) کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا یعنی اگر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تحکیم قبول کی تو ذبح ہو جاؤ گے۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ اشارہ تو کر گزرے مگر معائنہ ہوا کہ میں نے خدا اور رسول کی خیانت کی۔ واپس آ کر اپنے کو ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا حتیٰ کہ موت آجائے یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔ سات آٹھ دن یونہی بندھے رہے فاقہ سے غشی طاری ہو گئی۔ آخر بشارت پہنچی کہ حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی۔ کہا خدا کی قسم میں اپنے کو نہ کھولوں گا جب تک خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے میری رسی نہ کھولیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے اپنے قیدی کو آزاد کیا..... الی آخر القصة (ابن عبد البر کا دعویٰ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی بناء پر پیش آیا تھا۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

خیانت کا ایک اور معنی

واخرج ابو الشيخ عن يزيد بن ابي حبيب رضي الله عنه ان المراد بها الاخلال بالسلاح في المغازی۔ (روح المعانی)

یعنی خیانت سے مراد جہاد کے دوران اسلحے میں کوتاہی کرنا ہے۔

خیانت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر کے دوران سنن نسائی کے حوالے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعاء نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

اللهم انی اعوذ بک من الجوع فانه بئس الضجیع ومن الخیانة فانها بئس البطانة۔
اے میرے پروردگار میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں بھوک سے کہ وہ برا ساتھی ہے اور خیانت سے کہ وہ برا ہم نشین ہے۔ (القرطبی)

اسباق

جہاد میں کامیابی کیلئے ضروری ہے کہ ہر مجاہد اپنے اندر صفت ”امانت“ کو مضبوط کرے..... اور ہر طرح کی خیانت سے بچے۔ فرائض کی پابندی کرے سنتوں کا اہتمام کرے، اپنے امیر کی اطاعت کرے، اجتماعی اموال میں پوری احتیاط رکھے..... اور جو ذمہ داری اسے دی جائے اسے پوری طرح سے نبھائے، عسکری اور اجتماعی رازوں کی حفاظت کرے، کافروں اور منافقوں سے دوستانہ تعلقات نہ رکھے..... اور کسی بھی طرح دشمنان اسلام کے کام نہ آئے۔ امانت انسان کو قیمتی بناتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا مستحق ہو جاتا ہے جبکہ خیانت انسان کو بے کار، ناقابل اعتبار اور حقیر بنا دیتی ہے۔

حدیث کا مفہوم ہے کہ قرب قیامت میں امانت اٹھالی جائے گی تب امانت پر قائم رہنا مشکل ہوگا۔ اس زمانے کے آثار واضح ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ سے امانت کی توفیق مانگی جائے اور خیانت سے اس کی پناہ لینی چاہئے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک نکتہ

”آیت میں خیانت سے مقصود وہ تمام خیانتیں ہیں جو اسلام کے احکام کی تعمیل و تبلیغ اور امت کے مصالح و مقاصد میں کی جائیں، لیکن خصوصیت کے ساتھ جس بات کی طرف اشارہ کیا وہ یہ تھی کہ اہل مکہ کے ساتھ نامہ و پیام نہ رکھو جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے، اگرچہ یہ نامہ و پیام اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کے خیال ہی سے کیوں نہ ہو، بعض مہاجرین نے اپنے اہل و عیال کو جو مکہ میں تھے خطوط لکھے تھے اس میں کچھ اشارہ جنگ کی نسبت بھی آگیا تھا فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی، رسول کی اور مسلمانوں کی خیانت ہے۔ اگر صرف اتنی سی بات اللہ اور رسول کی خیانت تھی تو غور کرو ان مسلمانوں کے لئے کیا حکم ہونا چاہیے جو اپنی ساری زندگی اعدائے ملت، (یعنی مسلمانوں کے دشمنوں) کی سیاسی خدمات میں صرف کر ڈالتے ہیں اور جو ڈیڑھ سو برس سے بے شمار اسلامی حکومتوں کے زوال و انقراض (یعنی خاتمے) کا باعث ہوئے ہیں؟“ (ترجمان القرآن)

مکتبہ

خیانت ایک بری خصلت ہے، دل میں کچھ اور زبان پر کچھ۔ یہ بری خصلت انسان کی انفرادی زندگی کو بھی برباد کرتی ہے اور اس کی اجتماعی زندگی کو بھی۔ اور افسوس یہ ہے کہ شیطان اس کو ”حکمت عملی“ اور ”عقلندی“ قرار دیکر انسان کو اس پر پکا کرتا ہے۔ چنانچہ آج عقلمند آدمی وہی کہلاتا ہے جو ہر حال میں اپنے ”ذاتی مفادات“ کا تحفظ کرتا ہے خواہ اس کی خاطر اسے مسلمانوں کو یا جماعت کو جتنا بڑا نقصان پہنچانا پڑے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اسلام کی خاطر، جہاد کی خاطر، جماعت کی خاطر اپنے تمام ”ذاتی مفادات“ کو قربان کیا اور جو کچھ زبان سے کہا اسی کے مطابق اپنا دل اور عمل بھی رکھا۔ تب ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ پھر ان میں سے بعض افراد نے اپنے بعض ذاتی فوائد کے لئے تھوڑی سی لغزش کی۔ حالانکہ ان کے عمل سے مسلمانوں کی جماعت یا جہاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔ مگر وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے تھے اور آئندہ آنے والے تمام انسانوں کے لئے مثال تھے اس لئے ان کو سختی سے روکا گیا اور اس عمل کو خیانت کا نام دیا گیا۔

پس مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ذاتی، اجتماعی، جہادی، جماعتی اور معاشرتی تمام معاملات میں ”امانت“ پر قائم رہیں اور خیانت سے دور رہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ الْاِمْلَاكِیَّةِ آیت ۲۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاعْلَمُوا۟ اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۗ وَانَّ اللّٰهَ

اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ

عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾

کے ہاں بڑا اجر ہے

خلاصہ

خوب جان لو مسلمانو! کہ مال و اولاد میں تمہارا امتحان ہے۔ (کہ کون ان پر جہاد کو ترجیح دے کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے اور کون مال و اولاد کو جہاد پر ترجیح دے کر اپنا نقصان کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو اجر ہے وہ بہت بڑا ہے۔

ربط

۱ آدمی اکثر مال و اولاد کی خاطر خدا کی اور بندوں کی چوری کرتا ہے۔ اس لئے متنبہ فرمایا کہ امانتداری کی جو قیمت خدا کے یہاں ہے وہ یہاں کے مال و اولاد وغیرہ سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

۲ اکثر اوقات مال و اولاد کی محبت مخل طاعت ہو جاتی ہے اس لئے تم کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے کہ دیکھیں کون ان کی محبت کو ترجیح دیتا ہے اور کون اللہ تعالیٰ کی محبت کو ترجیح دیتا ہے سو تم ان کی محبت کو ترجیح مت دینا۔ (بیان القرآن)

اطاعت کا جو مضمون چل رہا ہے اس میں جہاد خاص طور پر مراد ہے جیسا کہ معتبر حوالہ جات کے ساتھ گذر چکا ہے۔ اور جہاد کیلئے مال و اولاد کی محبت بعض اوقات مخل ہوئی ہے جو اس محبت کو قربان کر کے جہاد میں نکلتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا اجر عظیم ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مال و اولاد کی دو قسمیں

”فتنہ (کے معنی) آزمائش، ذریعہ، امتحان۔ مال و اولاد دونوں میں یہ علامت رکھ دی گئی ہے کہ یہ ذریعہ راحتِ ابدی و سرمدی کا بھی ہو سکتی ہیں اور انتہائی اسبابِ عذاب کے بھی ہو سکتی ہیں۔ یہ مال و اولاد کی محبت ہی ایسی چیز ہے جس سے امتحان ہوتا رہتا ہے کہ کون ان کی محبت میں حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ اور رسول کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ مال و اولاد کی محبت تو فطری و طبعی ہے اور اگر اپنی حدود کے اندر ہے تو ہرگز قابلِ گرفت نہیں لیکن اکثر ہوتا یہی ہے کہ انسان ان حدود

سے تجاوز کر کے اس سے اپنا بھی ذاتی نقصان آخرت کا کر لیتا ہے اور یاد دنیا میں مصالح ملی کو بھی ضرر پہنچا دیتا ہے

مال را گر بہر دین باشد حمل
نعم مال صالح گفتہ رسول

ایک زرو مال ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے رفیقوں طلحہ و زبیر، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اور خود بعض پیغمبروں سلیمان علیہ السلام کا اور داؤد علیہ السلام کا ہوا ہے اور ایک زرو مال قارون کا بھی ہوا ہے۔ جس نے بدنصیب کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا؟ اور یہی حال اولاد یا قوم کی کثرت تعداد کا بھی ہوا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

فتنہ یا سببِ فتنہ؟

امام ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ای سبب الوقوع فی الفتنة وهي الاثم والعذاب. (البحر المحيط)

یعنی مال و اولاد فتنہ میں پڑنے کا سبب ہیں۔ اور فتنہ سے مراد گناہ یا عذاب ہے۔ آگے انہوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی مثال ذکر کی ہے کہ وہ مال و اولاد کی وجہ سے اس خطا میں مبتلا ہوئے تھے۔

معلوم ہوا کہ مال و اولاد جہادی مقاصد میں خلل کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ پس مجاہد کو چاہیے کہ ان کی محبت میں زیادہ مبتلا نہ ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اسباق

مجاہد کو چاہیے کہ اپنے ذاتی مفادات کو اپنا مقصود نہ بنالے اور نہ ان عارضی مفادات کی خاطر آخرت کے اجرِ عظیم سے محروم ہو۔ مال و اولاد کی محبت دل کو دنیا میں مشغول کر دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کاموں سے غافل کر دیتی ہے۔

لأنها تشغل القلب بالدنيا وتصير حجابا عن خدمة المولى. (التفسير الكبير)

اور اولاد کی محبت انسان کو بزدل اور خجیل بھی بنا دیتی ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ مگر یہ مال بھی فانی ہے اور اولاد بھی فانی ہے۔ اور دنیا کی زندگی میں مال و اولاد سے نفع اٹھانا بھی فانی ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ وہ مال و اولاد کو جہاد کے راستے کی رکاوٹ نہ بننے دے بلکہ مال و اولاد کو بھی جہاد میں لگا کر دنیا کی ان فانی نعمتوں کو آخرت کی دائمی نعمتوں میں بدل دے۔ مسلمان ساری دنیا میں اسلام پھیلانے اور اسے غالب کرنے کے لئے آیا ہے وہ اگر مال و اولاد کی محبت میں برف کی طرح جم گیا تو یہ بات دینی دعوت کے لئے، امت مسلمہ کے لئے اور خود اس مسلمان کے لئے سخت نقصان دہ ہوگی۔ پس اس آزمائش اور فتنے میں کامیابی کی دعاء اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہئے۔

اللهم انا نعوذ بك من مضلات الفتن. (آمین یا ارحم الراحمین)

نکتہ

پچھلی آیت میں خیانت سے روکا گیا تھا اس آیت میں خیانت سے بچنے کا طریقہ ارشاد ہوا کہ خیانت انسان اپنے

دنیاوی مفادات کی وجہ سے کرتا ہے، یا مال اور اولاد کی خاطر اس سے یہ جرم صادر ہوتا ہے۔ پس مال اور اولاد کو مقصود نہ بناؤ یہ تو امتحان اور آزمائش کی چیزیں ہیں اور اپنی نظر اللہ تعالیٰ کے اجرِ عظیم پر رکھو جو ہمیشہ کی نعمت ہے۔ اور یہ اجرِ عظیم امانتداری اور قربانی سے نصیب ہوتا ہے نہ کہ خیانت سے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نکتہ

مال اور اولاد کی زیادہ محبت انسان کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے جو اسے جہاد اور دیگر اجتماعی کاموں سے روک دیتی ہے اور اسے صرف کھانے کمانے والا ایک عام اور معمولی فرد بنا دیتی ہے۔ ایسے انسان کا دل اونچے جذبات اور بلند عزائم سے محروم ہوتا ہے۔ اور وہ امت مسلمہ کے کسی کام نہیں آ سکتا۔ قرآن پاک نے مال اور اولاد کو فتنہ قرار دے کر انسان کی اصلاح فرمائی ہے اور اس کے پاؤں کی زنجیر کاٹ کر اسے بلند پرواز مؤمن بنا دیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آیت ۲۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَ

اے ایمان والو اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک فیصلہ

يُكَفِّرُ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۹﴾

کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کرے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے

خلاصہ

مسلمان اگر اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے، مال و اولاد کی خاطر خیانت نہیں کریں گے، مال و اولاد کو جہاد کے راستے کی رکاوٹ نہیں بنائیں گے۔ تو اللہ پاک انہیں ”فرقان“ عطا فرمائے گا۔ یعنی انہیں غالب فرمائے گا، انہیں قوت فیصلہ عطا فرمائے گا، انہیں امتیازی شان بخشے گا، ان کے دلوں میں نور اور روشنی پیدا فرمادے گا۔ اور ان کی غلطیوں اور گناہوں پر اپنی بخشش اور رحمت کے پردے ڈال دے گا۔ اور مزید بھی بہت کچھ اپنے فضل سے عطا فرمائے گا۔

تفسیری اقوال

”فرقان“ سے مراد غلبے کی بشارت ہے

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اس آیت میں لفظ ”فُرْقَانًا“ سے مراد مسلمانوں کا غلبہ ہے اور آیت کا ربط اس طرح سے ہے کہ اے مسلمانو! اپنے مال و اولاد کو بچانے کے لئے کافروں سے ساز باز نہ کرو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے وفادار رہو اور جہاد کرتے رہو۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا غلبہ عطا فرمادے گا کہ یہ کافر تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور نہ تمہارے مال و اولاد کو نقصان پہنچا سکیں گے پس مال و اولاد کی حفاظت بھی کافروں کی یاری سے نہیں اللہ تعالیٰ کی دوستی اور جہاد فی سبیل اللہ پر استقامت سے حاصل ہوگی۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”شاید فتح بدر میں مسلمانوں کے دل میں آیا ہو کہ یہ فتح اتفاقی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی (یعنی چھپا کر) کافروں پر احسان کریں کہ ہمارے گھر بار کو نہ ستاویں، سو پہلی آیت میں چوری (یعنی خیانت) سے منع فرمایا اور دوسری آیت میں تسلی دی کہ آگے فیصلہ ہو جائے گا، تمہارے گھر بار کافروں میں گرفتار نہ رہیں گے۔ (موضح القرآن)

تفسیر جلالین کے الفاظ بھی اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں: **يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا** بینکم و بین ماتخافون فتنجوا۔ (جلالین)

فرقان کے تین مفہوم

۱ دنیا میں غلبہ ۲ آخرت میں کامیابی ۳ دل کا نور۔

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یعنی اگر خدا سے ڈر کر راہ تقویٰ اختیار کرو گے تو خدا تم میں اور تمہارے مخالفوں میں فیصلہ کر دے گا۔ دنیا میں بھی تم کو عزت دے گا اور ان کو ذلیل یا ہلاک کرے گا جیسے بدر میں کیا اور آخرت میں بھی کہ تم نعیم دائم میں رہو گے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ **وَأَمَّا أَذُ الْيَوْمِ فَأَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ** (یسین ۵۹) **هَذَا يَوْمُ الْقَصَصِ** (المرسلات ۳۸) دوسری بات یہ ہے کہ تقویٰ کی برکت سے حق تعالیٰ تمہارے دل میں ایک نور ڈال دے گا جس سے تم ذوقا و وجدانا حق و باطل اور نیک و بد کا فیصلہ کر سکو گے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی آخری معنی کی طرف ہے وہ لکھتے ہیں:

اگر تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ ایسی تمیز عطاء فرمائے گا جس سے تم ہر معاملہ میں مفید اور مضر کو سمجھ سکو گے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

اسی معنی کی مزید وضاحت اس عبارت میں ہے:

اگر تم نے قانون الہی کی پابندی کی اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیا تو حسب ذیل نتائج رونما ہوں گے.....

(الف) **يَجْعَلُ لَكُمْ فُرْقَانًا** فرقان کی قوت نوازش (یعنی عطاء) ہوگی جس سے تم نیک و بد، غٹ و سمین، اچھے اور برے، دوست اور دشمن اور حق و باطل میں تمیز کر سکو گے، جنگ میں اس قوت کی خاص طور پر ضرورت ہوتی ہے تاکہ دشمن کا مکر و فریب کامیاب نہ ہو سکے۔ (تفسیر الفرقان)

مومن کو نصیب ہونے والے اس قلبی نور کا تذکرہ قرآن پاک کی دیگر آیات میں بھی ہے مثلاً الزمر آیت (۲۲)

الحديد (۲۸) الانعام (۱۲۲)

صاحب تفسیر ماجدی نے بھی یہی معنی اختیار کئے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

”فرقان کی تشریح اہل تفسیر نے اپنے اپنے مذاق (یعنی ذوق) کے مطابق کی ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کی تعبیر اس اندرونی نور سے کی جائے جو ہر مومن میں تقویٰ اختیار کرنے کے بعد پیدا ہو جاتا ہے اور جو حق و باطل کے درمیان خود ہی فرق و امتیاز کرنے لگتا ہے۔

ای نوراً و توفیقاً علی قلوبکم یفرق بہ بین الحق والباطل فکان الفرقان ہینا کالسکینۃ والروح فی غیرہ (راغب) ای ہدایۃ و نوراً فی قلوبکم تفرقون بہ بین الحق والباطل کما روی عن ابن جریج وابن زید (روح)۔ (تفسیر ماجدی)

صاحب ترجمان القرآن لکھتے ہیں:

معلوم ہوا جو جماعت متقی ہوگی اس میں حق و باطل اور خیر و شر کے امتیاز کی ایک خاص قوت پیدا ہو جائے گی اور اس

لئے کبھی باطل و شر کی طرف قدم نہیں اٹھائے گی۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اس اعتبار سے صدر اہل کے مسلمانوں کا کیا حال تھا؟ عرب کے صحرائشین جن کی ساری زندگیاں اونٹ چرانے میں بسر ہوئی تھیں، یکا یک ایرانیوں اور رومیوں جیسی متمدن قوموں کی قسمتوں کے مالک ہو گئے، لیکن خیر و شر میں امتیاز کی ایک ایسی قوت ان کے قبضہ میں آگئی تھی کہ جو کچھ کرتے تھے اور جس طرح کرتے تھے وہ حق و عدالت اور خیر و سعادت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔

وہ زمانہ کیا ہوا جب مری آہ میں اثر تھا

یہی چشمِ خوں فشاں تھی یہی دلِ یہی جگر تھا (ترجمان القرآن)

اگرچہ ان تمام حضرات نے فرقان کی تفسیر ”قوت فیصلہ“ اور قلبی نور سے کی ہے مگر ان کی عبارتوں میں الگ الگ معارف جہاد کا بیان ہے اس لئے تمام عبارتوں کو یہاں جمع کر دیا گیا ہے۔

فرقان کے معنی علمی فیصلہ اور عملی فیصلہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آیت بھی پچھلے مضمون یعنی اطاعت (جس میں جہاد خاص طور سے شامل ہے) کی تاکید ہے اور فرقان سے مراد ”علمی فیصلہ“ اور ”عملی فیصلہ“ ہے۔ علمی فیصلہ کا مطلب ہدایت اور قلبی نور اور عملی فیصلہ کا مطلب مسلمانوں کا ان کے دشمنوں پر غالب آنا اور آخرت میں نجات پانا ہے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

طاعت کی اور برکات سنو وہ یہ کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اطاعت کرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا۔ اس میں ہدایت اور نور قلب جس سے حق و باطل میں علمی فیصلہ ہوتا ہے اور غلبہ اعداء اور نجات آخرت جس سے حق و باطل میں عملی فیصلہ ہوتا ہے سب آ گیا۔ اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے خدا جانے اپنے فضل سے کیا کیا دے گا جو قیاس و گمان میں بھی نہ آتا ہو۔ (بیان القرآن)

بیان القرآن کی اس عبارت کو بنیاد بنا کر اس آیت کا پچھلے رکوع سے پورا ربط اس طرح سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

پچھلی آیات کا مفہوم تھا کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور جہاد میں تعاون سے روگردانی نہ کرو، اس حال میں کہ تم ان کی دعوت جہاد کو سنتے ہو اور ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو ظاہری کانوں سے تو سنتے ہیں مگر قبول نہیں کرتے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکامات خصوصاً جہاد میں تمہاری زندگی ہے۔ اگر تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی دعوت کو نہ مانا تو تمہاری ہمتیں پست ہو جائیں گی اور اگر تم نے دوسروں کو بھی عمل پر نہ لگایا تو ترک جہاد اور ترک نبی عن المنکر کا عمومی وبال تم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ تم جہاد چھوڑنے کے لئے اپنی قلت و کمزوری کو عذر نہ بناؤ ماضی میں بھی تم کمزور تھے مگر اللہ تعالیٰ نے تمہاری نصرت فرمائی اور غنیوں کے انبار تمہیں عطا فرمائے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نصرت کو اپنے اوپر جاری رکھنا چاہتے ہو تو خیانت سے بچو اور مال و اولاد کی محبت کو اپنے لئے جہاد چھوڑنے کا فتنہ نہ بنے دو۔ اگر تم نے مال و اولاد کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت

اور جہاد فی سبیل اللہ پر غالب نہ آنے دیا۔ تو اللہ تعالیٰ تمہیں فرقان عطاء فرما دے گا۔

یعنی غلبہ، حفاظت، قوت، فیصلہ، قلبی نور، امتیازی شان اور آخرت کی کامیابی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اور ایک ربط یوں بھی ہو سکتا ہے

اَسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ جہاد کی طرف بلایا جائے تو فوراً نکلو کہ اس میں تمہاری زندگی ہے۔ اپنی کمزوری اور کم تعداد کو عذر نہ بناؤ اللہ تعالیٰ اپنی تائید سے نصرت فرماتا ہے۔ اور یہ تائید تب ملتی ہے جب خیانت نہیں ہوتی۔ اور خیانت کی وجہ مال و اولاد ہیں۔ پس جو اپنے فرض منصبی میں خیانت نہیں کرے گا اور مال و اولاد کی قربانی دے کر جہاد میں نکلے گا وہ متقی ہوگا اور ایسے متقی کو اللہ تعالیٰ فرقان عطاء فرمائیں گے۔ گویا کہ جہاد کے آغاز سے لے کر جہاد میں کامیابی اور غلبے تک کا پورا نصاب بیان ہو گیا۔ مسلمانوں کی زندگی جہاد میں ہے۔ اور جہاد میں کامیابی تقویٰ سے ہے اور تقویٰ کا حصول مال و اولاد کی محبت پر اللہ تعالیٰ کی محبت کو ترجیح دینے یعنی اللہ تعالیٰ کی خاطر مال و اولاد کی محبت قربان کرنے میں ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فرقان سے مراد غزوہ بدر ہے

صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

فرقان سے اس جگہ مراد یوم بدر ہے کیونکہ یوم بدر کو یوم فرقان بھی کہتے ہیں۔ (تفسیر حقانی)

اس عجیب تشریح میں مجاہدین کے لئے عظیم بشارت ہے کہ جب وہ خیانت سے بچیں گے، مال و اولاد کو جہاد کے راستے کا فتنہ اور رکاوٹ نہیں بننے دیں گے اور تقویٰ اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو ”یوم بدر“ جیسے حالات اور فتوحات عطاء فرمائے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تفسیر حقانی میں اس آیت کی ایک اور تفسیر بھی درج ہے جو ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

”اس کے بعد مسلمانوں سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے، کفر و شرک و کبار سے بچو گے تو ہم تمہارے لئے تین باتیں کریں گے۔ اول تم میں اور کافروں میں فرق کر دیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں (بھی) دنیا میں تمہارے دل منور، چہرے روشن، مکارم اخلاق، فتح مندی (اور) غلبہ دیں گے آخرت میں نجات (اور) جنت (دیں گے) اور ان (کافروں) کے لئے اس کے برخلاف۔ فرقان کے معنی مجاہد رحمہ اللہ نے ”دنیا اور آخرت کی رستگاری“ اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ نے ”ذہنی شبہات سے چھٹکارا“ اور مکرمہ رحمہ اللہ نے ”نجات پانا خوفناک چیزوں سے“ بیان کئے ہیں۔ (تفسیر حقانی)

فرقان کا مطلب اللہ تعالیٰ کی مدد

”اللہ تعالیٰ کی مدد کو بھی فرقان کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ اہل حق کو فتح اور ان کے مخالف کو شکست ہو کر حق

و باطل کا فرق واضح ہو جاتا ہے قرآن کریم میں اسی معنی کے لئے غزوہ بدر کو ”یوم الفرقان“ کے نام سے موسوم کیا ہے اس آیت میں تقویٰ اختیار کرنے والوں کو فرقان عطا ہونے کا اکثر مفسرین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے نزدیک یہی مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد اور حفاظت ان کے ساتھ ہوتی ہے کوئی دشمن ان کو گزند نہیں پہنچا سکتا اور تمام مقاصد میں کامیابی ان کی رفیق ہوتی ہے۔

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید
ترسید ازوے جن و انس و ہر کہ دید (معارف القرآن)

فرقان کے معنی خلاصی کی صورت

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال ابن وهب سألت مالكا عن قوله سبحانه وتعالى ان تتقوا الله يجعل لكم فرقانا
قال مخرجا. (القرطبي)

یعنی ابن وهب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے اس آیت میں فرقانا کے معنی پوچھے تو فرمایا خلاصی کی صورت۔ (یا راستہ)

فرقان کے معنی فتح و نصرت

عند الفراء فتحاً ونصراً

امام فراء رحمہ اللہ کے نزدیک فرقانا کا معنی ہے فتح اور نصرت (عربی میں نصرت غلبہ کو بھی کہتے ہیں) (القرطبی)

فرقان کے معنی میں امام رازی کی تحقیق

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولما كان اللفظ مطلقاً وجب حملة على جميع الفروق الحاصلة بين المؤمنين وبين الكفار۔

یعنی جب ”فرقان“ کا لفظ مطلق بولا گیا ہے تو لازم ہے کہ اس سے وہ تمام امتیازات مراد لئے جائیں جو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو کافروں کے مقابلے میں عطا فرماتا ہے۔ اس کے بعد امام رازی رحمہ اللہ کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے۔

احوال دو قسم کے ہیں: ۱ دنیا کے احوال ۲ آخرت کے احوال۔ پھر دنیا کے احوال دو قسم کے ہیں: ۱ قلبی احوال ۲ ظاہری احوال۔

احوال دنیا میں قلبی طور پر اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو تین امتیازات عطا فرماتا ہے:

۱ انہیں ہدایت و معرفت عطا فرماتا ہے ۲ انہیں شرح صدر کی نعمت نصیب کرتا ہے ۳ ان کے دلوں سے

کیونکہ بغض، حسد و در کرتا ہے اور ان کے سینے کو دھوکے اور مکاری سے پاک فرماتا ہے۔

احوال دنیا میں ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو یہ امتیازات عطا فرماتا ہے ❶ غلبہ ❷ فتح ❸ نصرت ❹ کامیابی۔

جبکہ احوال آخرت میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو یہ خصوصیات عطا فرماتا ہے۔

❶ اجر و ثواب ❷ دائمی نعمتیں ❸ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی طرف سے اکرام کا معاملہ۔ (التفسیر الکبیر)

یعنی ایمان والے اگر تقویٰ اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں یہ ”جامع فرقان“ دینا و آخرت میں عطا فرماتا ہے۔ امام نسفی رحمہ اللہ نے ”فرقان“ کے اسی جامع معنی کو بہت مختصر الفاظ میں بیان فرمایا ہے اور زیادہ ترجیح اس کو دی ہے کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ اور پورے عالم میں دین اسلام کا پھیلنا اور کفر و اہل کفر کا ذلیل و رسوا ہونا مراد ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

فرقناً نصرأ لانه یفرق بین الحق والباطل و بین الکفر باذلال حزبه والاسلام باعزاز اہله اوبیاناً وظهوراً یشہر امرکم ویبث صیتکم وآثارکم فی اقطار الارض من قولہم ”سطع الفرقان“ ای طلع الفجر أو مخرجاً من الشبهات وشرحاً للصدور، او تفرقة بینکم و بین غیر کم من اهل الادیان وفضلاً و مزیة فی الدنیا والآخرة۔ (المدارک۔ کشاف)

عبرت

ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمان جہاد اختیار کریں اور مجاہدین تقویٰ اختیار کریں تو اسلام غالب ہو جاتا ہے اور اس کی عزت و رعب کے سامنے کفر ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔

نکتہ

بعض اکابر علماء (مولانا ابوالحسن ندویؒ وغیرہم) فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک مسلمانوں کے لئے ”امتیازی شان“ پسند فرماتا ہے۔ پس مسلمانوں کو چاہیے کہ اسلام پر عمل کرتے ہوئے ہر معاملے میں اپنی ”امتیازی شان“ برقرار رکھیں اور کافروں کے رنگ میں نہ رنگے جائیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

گناہوں کا کفارہ اور معافی

اس آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تقویٰ کی برکت سے فرقان عطا فرماتا ہے اور ان کے گناہوں کو منادیتا ہے اور انہیں بخش دیتا ہے۔ اس کے معنی علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ یوں فرماتے ہیں:

وتکفیر ذنوبه وهو محوها وغفرها سترها عن الناس۔

گناہوں کی تکفیر کا معنی گناہوں کو مٹانا اور مغفرت کا معنی ان کو لوگوں سے چھپانا ہے۔ (روح المعانی میں اس کے

برعکس ہے) (ابن کثیر)

بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بھی لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کے برے اثرات سے خود ان کو، ان کی تحریک کو اور ان کی جماعت کو محفوظ فرما دیتا ہے۔

”ہر کام کرنے والے سے ضرور کچھ نہ کچھ فروگزاشتیں (یعنی غلطیاں) ہو جاتی ہیں ان کا جبر نقصان (یعنی تلافی) محض تائید الہی پر موقوف ہے جس کو یہاں بتایا گیا ہے کہ تمہاری غلطیاں تمہاری راہ ترقی میں رکاوٹ کا باعث نہ بنیں گی (تفسیر الفرقان)

”متقی انسان معصوم نہ ہو جائے گا سینات کا صدور باقی رہے گا، البتہ تقویٰ اختیار کر لینے سے ان کا کفارہ برابر ہوتا رہے گا۔“ (تفسیر ماجدی)

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو جہاد تقویٰ اور فرقان کی نعمت عطاء فرمائے کہ آج امت مسلمہ کو اس کی بے حد ضرورت ہے۔ (آمین یا ارحم الراحمین)

اسباق

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو ”فرقان“ قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کے دن کو ”یوم الفرقان“ قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ مجاہد کو تقویٰ کی برکت سے جو نعمت عطاء فرماتا ہے وہ بھی ”فرقان“ ہے۔ قرآن پاک حق و باطل میں فرق کر دیتا ہے اور باطل قرآن پاک کے قریب بھی نہیں آ سکتا۔ غزوہ بدر کے دن حق و باطل میں ایسا فرق اور ایسا فیصلہ کر دیا گیا کہ حق کا حق ہونا ہر کسی کو سمجھ آ گیا۔ پس جس مومن کو صفت ”فرقان“ نصیب ہوتی ہے تو وہ بھی حق کی پہچان بن جاتا ہے باطل اس سے دور بھاگتا ہے۔ اور اس مومن کو قوت فیصلہ، امتیازی شان، اللہ تعالیٰ کی نصرت اور قلبی نور نصیب ہو جاتا ہے۔ پھر جب ایسے مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے تو پوری امت مسلمہ کو فتح، غلبہ اور امتیازی شان عطاء ہو جاتی ہے۔ پس تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ ”فرقان“ نام کی اس عظیم الشان نعمت کو حاصل کرنے کے لئے اپنے اموال اور اولاد کی قربانی دیں، خوب تقویٰ اختیار کریں اور خوب جہاد کریں۔ اور مجاہدین کو چاہیے کہ ذاتی مفادات اور ذاتی اغراض کو پس پشت ڈال کر جہاد کریں۔ تب ان شاء اللہ نعمت ”فرقان“ نصیب ہو جائے گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ ۝ آیت ۳۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ

اور جب کافر تیرے متعلق تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تمہیں قید کر دیں یا تمہیں قتل کر دیں یا تمہیں دیں

يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَكِرِیْنَ ۝

بدر کر دیں وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والا ہے

خلاصہ

فرقان نصیب ہونے کا عجیب واقعہ

جب مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کی کہ آپ کو قید کر لیں، یا قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں۔ پھر قتل کی سازش پر ان کا اتفاق ہو گیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر کے ذریعہ ان کی تدبیروں کو توڑ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ بہت مضبوط، مستحکم اور بہترین تدبیر فرمانے والا ہے۔

رابط

آیت کا ربط بالکل واضح ہے۔ مال و اولاد کو اللہ تعالیٰ کی خاطر قربان کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو پورا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ فرقان یعنی اپنی خاص نصرت اور غلبہ عطا فرماتا ہے۔ اس کی ایک مثال بیان فرمادی کہ ہجرت کی رات اللہ تعالیٰ نے کیسی مضبوط اور شاندار نصرت فرمائی۔ مشرکین آپ کے گھر کے باہر تلواریں لیکر کھڑے رہے اور آپ ان کے بچے سے گزر کر غار ثور اور پھر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بدر کے میدان میں لے آیا جہاں وہ سب مارے گئے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی شان اور یہ ہے فرقان۔ حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

چنانچہ تقویٰ ہی کی برکت تھی کہ جب کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مصیبتوں میں مبتلا کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر بتلائی جس سے آپ ان کی زد سے بچ نکلے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جیسے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو بچا لیا چاہے تو تمہارے گھر یا کو بچا رکھے۔ (موضح القرآن)

یعنی کافروں سے ساز باز نہ کرو اور نہ اپنے گھر یا ر کی فکر میں پڑ کر جہاد یا احکام جہاد میں کوتاہی کرو۔ جو اللہ تعالیٰ کے لئے قربانی پیش کرتے ہیں اللہ پاک ان کی نصرت فرماتا ہے اور ان کو دشمنوں سے بچاتا ہے۔ مکہ مکرمہ کا یہ واقعہ اس

موقع پر یاد دلا یا گیا تا کہ جہاد کی خوب ترغیب ہو، اللہ تعالیٰ پر توکل پیدا ہو اس کی نصرت پر یقین ہو اور کفار کی طاقتوں اور سازشوں کا رعب دل سے نکل جائے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مختصر واقعہ

”اس آیت میں سفر ہجرت کا سبب اور ابتدائی واقعہ مذکور ہے معالم التنزیل (ص ۲۳۳، ج ۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب مدینہ منورہ میں حضرات انصار رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کر لیا تو قریش مکہ خائف ہوئے اور مشورے کے لئے دار الندوة (پنچایت گھر) میں جمع ہوئے، تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غور کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ اس موقع پر ابلیس ملعون بھی ایک بڑے میاں کی صورت میں ظاہر ہو گیا، ان لوگوں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ کہنے لگا کہ میں شیخ نجدی ہوں۔ مجھے آپ لوگوں کے جمع ہونے کا پتہ چلا تو میں نے چاہا کہ تمہارے پاس حاضر ہو جاؤں۔ اور اپنی خیر خواہانہ رائے سے تم لوگوں کو محروم نہ کروں، ان لوگوں نے اسے اپنے مشورے میں شریک کر لیا۔ مکہ والوں میں سے جو لوگ حاضر تھے ان میں سے ایک شخص ابولہبختری ابن ہشام بھی تھا، اس نے اپنی رائے ظاہر کی اور کہنے لگا کہ میری رائے یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کسی گھر میں محبوس کر کے دروازہ بند کر دو، صرف تھوڑا سا روشن دان کھلا رہے جس سے دانہ پانی ڈالتے رہو اور اس کی موت کا انتظار کرو، جیسے اس سے پہلے دوسرے شعراء ہلاک ہو گئے یہ بھی ہلاک ہو جائے گا۔ یہ سنتے ہی شیخ نجدی ابلیس جین اٹھا، اور اس نے کہا یہ تو بری رائے ہے۔ اگر اس پر عمل کرو گے تو اس کے ماننے والے میدان میں آ جائیں گے اور تم سے جنگ کر کے تمہارے ہاتھوں سے چھڑالیں گے، یہ سن کر سب کہنے لگے شیخ نجدی نے صحیح کہا یہ رائے مصلحت کے خلاف ہے۔ اس کے بعد ہشام بن عمرو نے رائے دی اور کہنے لگا کہ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ اس شخص کو کسی اونٹ پر بٹھا کر اپنے درمیان سے نکال دو آگے کہاں جائے؟ کیا بنے؟ تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ جب تمہارے ہاں سے چلا گیا تو تمہیں تو آرام مل ہی جائے گا یہ سن کر ابلیس ملعون بولا یہ رائے بھی صحیح نہیں تم اس شخص کو جانتے ہو تمہیں پتہ ہے کہ اس شخص کی گفتگو کتنی شیریں ہے اور زبان میں کتنی مٹھاس ہے، یہ بھی جانتے ہو کہ اس کی باتیں سن کر لوگ گرویدہ ہو جاتے ہیں اللہ کی قسم اگر تم نے اس رائے پر عمل کیا تو باہر جا کر بہت سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر کے حملہ آور ہوگا اور تمہیں وطن سے نکال دے گا۔ یہ سن کر اہل مجلس کہنے لگے شیخ نجدی نے ٹھیک کہا۔ اس کے بعد ابو جہل بولا اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم میں تمہیں ایک ایسی رائے دوں گا کہ اس کے علاوہ کوئی رائے ہے ہی نہیں۔ میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ قریش کے جتنے قبیلے ہیں ہر قبیلے میں سے ایک ایک خوب ننگڑا نو جوان لیا جائے اور ہر ایک کو تلوار دے دی جائے پھر یہ نو جوانوں کی جماعت یکبارگی مل کر حملہ کر کے قتل کر دے۔ ایسا کرنے سے تمام قبیلوں پر ان کے خون کی ذمہ داری آ جائے گی اور میرے خیال میں بنی ہاشم قصاص لینے کے لئے مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ لہذا دیت قبول کر لیں گے اور سارے قریش مل کر دیت ادا کر دیں گے۔ یہ سن کر ابلیس بولا اس جوان آدمی نے صحیح رائے دی ہے۔“ (انوار البیان)

اسی رائے کے مطابق مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مبارک کا گھیراؤ کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹایا اور خود ہجرت کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے سخت گھیراؤ سے نکال کر مدینہ منورہ لے گیا۔

فتح کی خوشی کو بڑھانے والی آیت

بعض مفسرین حضرات نے اس آیت کا ماقبل سے ربط یوں بیان فرمایا ہے: لما فتح الله عليه ذكره مكر قريش به حين كان بمكة ليشكر نعمة الله في نجاته من مكرهم واستيلائه عليهم۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر میں فتح عطاء فرمائی تو اس آیت میں آپ کو قریش مکہ کی وہ سازش یاد دلائی جو انہوں نے اس وقت کی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے۔ یہ یاد دہانی اس لئے کرائی گئی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو ان کی سازش سے بچایا اور پھر ان پر غالب فرمادیا۔ (المدارک، کشاف)

تنبیہ

بعض مفسرین نے ہجرت کی رات کے اس قصے میں ابلیس کی بصورت شیخ نجدی کی موجودگی کا انکار کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے تفسیر کبیر

دو نکتے

۱ ترغیب جہاد کی آیات چل رہی ہیں تو اس آیت میں کفار کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی اور انتہائی بدسلوکی کو بیان فرمایا گیا۔ یہ چیز مسلمانوں کو اس بات پر ابھارتی ہے کہ وہ ایسے ظالم اور بدطینت افراد کے خلاف جہاد کریں جو ان کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے سخت دشمن ہیں۔

۲ مشرکین اور کفار کی ذہنیت کا علم ہوا کہ وہ مسلمانوں کی قیادت کو ختم کرنے کے درپے رہتے ہیں، ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے مسلمانوں کی اعلیٰ قیادت کو ختم کر دیا جائے، ابو جہل کی یہی ذہنیت تھی جو اس امت کا فرعون تھا اور یہی ذہنیت ہر زمانے میں دشمنان اسلام کی رہتی ہے۔ پس مسلمانوں کو اس بارے میں ہوشیار اور بیدار رہنا چاہئے۔

فائدہ

حضرات مفسرین نے وَيَكْفُرُوا بِاللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ تدبیر فرما رہا تھا وَاللّٰهُ خَيْرٌ اَلَّذِيْكَرْتُمْ اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ ان جملوں پر بہت خوبصورت عبارتیں لکھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کتنی پختہ، کتنی مستحکم، کتنی خفیہ اور کتنی اچانک سامنے آنے والی ہوتی ہے۔ پس وہ حضرات جو کافروں کی طاقت اور ان کی سازشوں کو خوب مبالغے کے ساتھ بیان کر کے مسلمانوں کو ڈراتے رہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی قوت، تدبیر اور طاقت کو بھی مد نظر رکھا کریں۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں نے اپنے سے بہت طاقتور شیر کو زخمی کر دیا تھا عرب کا یہ خطرناک زخمی شیر غصے اور انتقام کی آگ میں جل

رہا تھا اب اس بات کا یقینی خطرہ تھا کہ انتقام پرست عرب قبائل مسلمانوں پر چڑھ دوڑیں گے اور ان کا مکمل خاتمہ کر دیں گے۔ ظاہری صورتحال کے اعتبار سے یہ بالکل ممکن اور آسان تھا۔ ان حالات میں مسلمانوں کو ہجرت کا واقعہ یاد دلایا جا رہا ہے کہ کافروں کے جوشِ انتقام، ان کے لشکروں اور ان کی سازشوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم قربانی پیش کر کے میدانوں میں نکلو اور اللہ تعالیٰ کے بن جاؤ باقی سب کچھ اللہ تعالیٰ خود کرے گا اس لئے کہ دشمنوں کی سازشیں بہت سخت سہی مگر اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیروں کے سامنے ان کی کیا حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ تو خیر الماکرین ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ خیر الماکرین کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المراد اقوی الماکرین۔ لینبہ بذلك علی ان کل مکر فهو يبطل فی مقابلة فعل الله تعالى۔

یعنی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام تدبیریں کرنے والوں سے زیادہ قوت والا ہے اس میں تنبیہ کر دی گئی کہ ہر سازش اللہ تعالیٰ کے سامنے بے حیثیت ہے۔

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ای مکرہ انفذ من مکر غیرہ وابلغ تاثیرا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تدبیر دوسروں کی تدبیر کے مقابلے میں بہت زیادہ نافذ ہونے والی اور بہت زیادہ قوت و تاثر والی ہے۔

دنیا چونکہ دارالاسباب ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے دوسروں کی سازش اور تدبیر میں بھی تاثر اور قوت رکھی ہے۔ مگر اتنی نہیں کہ (نعوذ باللہ) وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے سامنے ٹھہر سکے۔ امریکہ ہو یا اسرائیل، روس ہو یا یورپ ان سب کی قوت، طاقت اور سازش اللہ تعالیٰ کی طاقت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ قرآن پاک کا یہ پیغام مسلمانوں کے دلوں میں اتارنے کی ضرورت ہے نہ کہ انہیں کافروں کی طاقت سے مرعوب و خوفزدہ کرنے کی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بعض الفاظ کی تفسیر

يُمَيِّتُونَكَ كَمَعْنَى قِيدَ كَرْنَا، باندھنا یا زخمی کرنا۔

قال ابن عباس ومجاهد ليثبتوك اي ليقيدوك وقال عطاء والسدي ليثخنوك بالجرح والضرب۔ (البحر المحيط)

وَيَمَكِّرُونَ خفیہ سازشیں کرتے تھے۔ ویخفون المکایدلہ۔ (المدارك)

نکتہ

مشرکین اور کفار سے اس لئے جنگ کی جاتی ہے کہ وہ ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دشمن ہوتے ہیں، جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے اور وہ قرآن پاک اور دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دشمن ہوتے ہیں جیسا کہ اس کے بعد والی آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ جب وہ ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کے خلاف سازشیں، تدبیریں اور جنگیں کرتے ہیں تو ان کے خلاف جنگ کیوں نہیں کی جائے گی؟ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ الْاَنْفَالِ اِنْ مَّا كُنْتُمْ تُحِبُّونَ آیت ۳۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَإِذَا تَنَلَّى عَلَيْهِمْ أَيْتُنَا قَالُوا قَدْ سَبَعْنَا لَوْ نَشَاءُ نَقُلُّنَا

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو

مِثْلَ هَذَا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝۳۱

اس کے برابر ہم بھی کہہ دیں اس میں پہلوں کے قصوں کے سوا اور کچھ نہیں

خلاصہ

یہ مشرکین قرآن پاک کے منکر اور مخالف ہیں وہ قرآنی آیات سن کر کہتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا ہی کلام لاسکتے ہیں اور (نعوذ باللہ) قرآن تو پرانے بے سند قصوں کا مجموعہ ہے۔

رابط

۱ غزوہ بدر سے پہلے بہت سے مشرکین اپنے باطل مذہب کو برحق اور قرآن پاک کو بے سند کہانیوں کا مجموعہ سمجھا کرتے تھے مگر جب جہاد شروع ہوا اور قرآن پاک کے وعدے پورے ہونے لگے تو ان کو پتہ چل گیا کہ ان کا دعویٰ جھوٹا تھا۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ یہی رابط بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

یعنی (وہ مشرکین قرآن پاک کے بارے میں) ہمیشہ یہ کہتے تھے (کہ یہ بے سند کہانیاں ہیں) اب (غزوہ بدر میں) تو دیکھ لیا کہ یہ قصے نہ تھے وعدہ عذاب تم پر بھی آیا جیسے پہلوں پر آیا تھا۔ (موضح القرآن)

۲ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی برکت سے ”فرقان“ نصیب فرمایا کہ وہ حق کو پہچانتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ سے منہ موڑنے والے کافراں ”فرقان“ سے محروم رہے اور قرآن پاک تک کو نہ پہچان سکے حضرت لاہوری رحمہ اللہ یہ رابط بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

کفار کو ترک تقویٰ ہی کی یہ سزا مل رہی ہے کہ آیات ربانی کو پہچان نہیں سکتے اور ان کو پرانے قصے سمجھتے ہیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

۳ اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے مقابلے میں مسلمانوں کی نصرت فرمائی، انہیں مشرکین پر غالب فرمایا، مشرکین کی ہلاکت کے لئے فرشتے نازل فرمائے اس لئے کہ کفار و مشرکین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں ذلک یأثمهم شاقوا اللہ ورسولہ اب ان کافروں کی مزید خرابیاں بیان کی جا رہی ہیں کہ وہ اس لئے اس ذلت کے مستحق ہیں کہ وہ قرآن پاک کے بھی سخت مخالف اور گستاخ ہیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ ربط بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور پر ترغیب اطاعت و ترہیب معصیت سے پہلے آیت ذَلِكْ يٰۤاَنۡهَمۡ شَاۡقُوۡا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ..... الخ اور آیت اِنۡ تَسْتَغۡثِرُوۡا..... الخ میں کفار کی مذمت تھی اور ان کا اپنے ذمائم پر مستحق عذاب ہونا۔ آگے بھی ختم رکوع هُمُ الْخٰسِرُوۡنَ تک اسی مضمون کی کسی قدر تفصیل ہے۔ (بیان القرآن)

۴ قرآن پاک ”کتاب ہدایت“ ہے مشرکین و کفار اس ”پیغام ہدایت“ کے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کر کے کہ ہم بھی ایسا کلام لا سکتے ہیں عام لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور قرآن پاک کی دعوت سے روکتے ہیں، پس ایسے لوگوں کے خلاف جہاد کیا جائے تاکہ ”پیغام ہدایت“ کے راستے کے یہ پتھر ہٹ جائیں اور عام لوگ قرآن پاک کے نور سے فائدہ اٹھا کر ہدایت پائیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

۵ امام رازی رحمہ اللہ آیت کا ربط ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

اعلم انه تعالى لما حكى مكرهم في ذات محمد صلى الله عليه وسلم حكى مكرهم في دين محمد صلى الله عليه وسلم (التفسير الكبير).
یعنی پچھلی آیت میں ان کی اس سازش کا ذکر تھا جو انہوں نے ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کی تھی اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کی سازش کو بیان فرما رہا ہے۔

شان نزول

امام ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قائل ذلك هو: النضر بن الحارث واتبعه قائلون كثيرون وكان من مودة قريش، سافر الى فارس والحيرة وسمع من قصص الرهبان، والا ناجيل، واخبار رستم، واسفنديار- (البحر المحيط)

یعنی یہ جملہ (کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام لے آئیں..... الی آخرہ) نضر بن حارث نے کہا تھا اور پھر اس کی پیروی میں اور بھی بہت سے لوگ کہنے لگے نضر بن حارث قریش کے سرکش لوگوں میں سے تھا اُس نے فارس اور حیرہ کا سفر کیا تھا اور وہ وہاں سے راہبوں، سابقہ کتابوں اور رستم واسفندیار کے قصے سن کر آیا تھا۔
یہ نضر بن حارث بدر میں قید ہوا تھا اور بدر سے مدینہ منورہ واپسی کے راستے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا تھا۔ (البحر المحيط)

اگر ہم چاہیں

”نضر بن حارث کہا کرتا تھا کہ ہم چاہیں تو قرآن جیسا کلام بنالائیں اس میں قصے کہانیوں کے سوا کیا رکھا ہے مگر قرآن تو سب جھگڑوں کا فیصلہ اسی بات پر رکھتا تھا (کہ اگر تم سچے ہو تو قرآن پاک جیسا کلام بنالاء) پھر چاہا کیوں

نہیں؟ (یعنی وہ کہتے تھے کہ **لَوْ نَشَاءُ** اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام لے آئیں تو پھر چاہا کیوں نہیں؟) کسی نے کہا تھا میرا گھوڑا اگر چلے تو ایک دن میں لندن پہنچے مگر چلتا نہیں۔ بہر حال (یہ مشرکین) کچھلی قوموں کے احوال سن کر کہا کرتے تھے کہ سب قصے کہانیاں ہیں۔ اب بدر میں دیکھ لیا کہ محض افسانے نہ تھے اور وعدہ عذاب تم پر بھی آیا جیسے پہلوں پر آیا تھا“ (تفسیر عثمانی)

دور حاضر اور یہ آیات، قرآن پاک کا عجیب اعجاز

کچھلی آیت اور اس آیت مبارکہ کو دیکھیں اور اس کے بعد والی چند آیات کو پڑھیں تو کفار و مشرکین کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پوری جنگی ترتیب سامنے آ جاتی ہے، آیت [۳۰] میں بتایا گیا کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کی کہ آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) پکڑیں، زخمی کریں اور شہید کریں، آیت [۳۱] میں بتایا گیا کہ وہ قرآن پاک کے دشمن ہیں اور اس کی تعلیم کو روکنا چاہتے ہیں، آیت [۳۵] میں بتایا گیا کہ وہ عبادت کی جگہ سیٹیاں، تالیاں بجاتے ہیں، آیت [۳۶] میں بتایا گیا کہ وہ اسلام سے روکنے کے لئے اقتصادی اور معاشی جنگ کرتے ہیں، آیت [۳۷] میں ان کے مسلمانوں کے خلاف اتحاد کی طرف اشارہ ہے اور آیت [۳۹] میں ان کی جنگی ترتیب کو توڑنے کا طریقہ مسلمانوں کو بتا دیا گیا ہے۔

اب اس زمانے کے اسلام دشمن کافروں کو دیکھیں ان کی پہلی کوشش مسلمانوں کی جہادی قیادت کو ختم کرنے کی ہے، دوسرا کام وہ لوگوں کو قرآن پاک کی تعلیم سے روکنے کا کر رہے ہیں، دینی مدارس کے خلاف چلائی جانے والی مہم کا اس کے علاوہ اور کیا مقصد ہے، ماضی کے مشرک و کافر قرآن پاک کو پرانی کہانیاں کہا کرتے تھے اور موجودہ مشرک و کافر اسے ”قدامت پسندی“ کا نصاب قرار دے رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ ثقافتی جنگ کے ذریعہ مسلمانوں کو عبادت سے دور کرتے ہیں تاکہ لوگ مسجد سے کٹ کر تالیوں، سیٹیوں اور ناچ گانے میں مشغول ہو جائیں۔ اسی طرح انہوں نے اقتصادی جنگ بھی شروع کر رکھی ہے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے مال کو بطور ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگی اور اقتصادی اتحاد بھی قائم کر لئے ہیں۔ قرآن پاک کی بیان فرمودہ ترتیب کے مطابق اب مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ آیت [۳۹] کے مفہوم پر عمل کر کے کافروں کی اس پوری جنگی ترتیب کو توڑ دیں **وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ**

ان تمام آیات اور موجودہ زمانے کے حالات پر غور کیا جائے کافروں کی جنگی ترتیب اور پھر لفظ فتنہ کو سمجھا جائے تو قرآن پاک کا لازوال اعجاز دیکھ کر دل عیش عیش کر اٹھتا ہے۔ صدق اللہ مولانا العظیم ومن اصدق من اللہ حدیثاً۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک دلچسپ عبارت

”یہ کہنے والا کون تھا؟ اہل تاریخ و سیر کا بیان ہے کہ یہ کہنے والا نصر بن حارث بن کلدہ تھا، جس کا شمار زنادقتہ قریش

میں تھا، اپنے زمانہ کا بڑا جہاندیدہ اور روشن خیال، ایران جیسے مہذب و متمدن ملک کی سیر کئے ہوئے۔ جیسے چند روز قبل کا ولایت پلٹ ہندوستانی۔ (یعنی یورپ سے واپس آنے والا ہندوستانی)۔ (تفسیر ماجدی)

یعنی جس طرح ہندوستان کا کوئی شخص یورپ چلا جاتا ہے اور پھر اپنے احساس کمتری اور حب دنیا کی وجہ سے وہاں کے حالات سے شدید متاثر ہو جاتا ہے تو ایسا شخص جب واپس اپنے ملک میں آتا ہے تو ناک چڑھا کر ہر چیز پر اعتراض کرتا ہے۔



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ ۝ آیت ۳۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ

اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ اگر یہ دین تیری طرف سے

فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَاسَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ أَوْ اَعْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ (۳۲)

حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا ہم پر دردناک عذاب لا

خلاصہ

غزوہ بدر سے پہلے یہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ اگر دین اسلام واقعی سچا دین ہے تو پھر اے اللہ! ہم پر پتھروں کی بارش برسایا ہمیں کوئی دردناک عذاب دے۔

رابط

پچھلی آیت کے رابطہ کو ملاحظہ فرمائیں:

مختصر تفسیر

”اس آیت میں مشرکین مکہ کے انتہائی جہل اور شقاوت و عناد کا اظہار ہے۔ یعنی وہ کہتے تھے کہ خداوند! اگر واقعی یہ ہی دین حق ہے جس کی ہم اتنی دیر سے اور اس قدر شد و مد سے تکذیب کر رہے ہیں تو پھر دیر کیوں ہے؟ گذشتہ اقوام کی طرح ہم پر بھی پتھروں کا بیہ برسایا جاتا یا اسی طرح کے کسی دوسرے عذاب میں مبتلا کر کے ہمارا استیصال کیوں نہیں کر دیا جاتا؟ کہتے ہیں کہ یہ دعا ابوجہل نے مکہ سے (بدر کی طرف) نکلنے وقت کعبہ کے سامنے کی۔ آخر جو کچھ مانگا تھا اس کا ایک نمونہ بدر میں دیکھ لیا وہ خود مع ۶۹ سرداروں کے کمزور بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارا گیا ستر سردار اسیری کی ذلت میں گرفتار ہوئے۔ اس طرح خدا نے ان کی جڑ کاٹ دی۔ بے شک قوم لوط علیہ السلام کی طرح ان پر آسمان سے پتھر نہیں برسا لیکن ایک مٹھی سنگریزے جو خدا تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے پھینکے تھے وہ آسمانی سنگباری کا چھوٹا سا نمونہ تھا فَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ ذُو الْعِزَّةِ (تفسیر عثمانی)

کلام برکت

ابوجہل جب مکے سے نکلنے لگا تو یہی دعا کی کعبہ کے سامنے، وہی پیش آئی۔ (موضح القرآن)

وہو ابو جہل کما رواہ البخاری والبیہقی عن انس بن مالک۔ (قرة العینین) قال شعبة عن عبد الحمید صاحب الزیادی عن انس بن مالک قال هو ابو جہل بن ہشام۔ (تفسیر

ابن کثیر)

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ بات بھی نصر بن حارث نے کہی تھی ملاحظہ فرمائے تفسیر ابن کثیر و تفسیر جلالین وغیرہما۔ صاحب مدارک لکھتے ہیں:

روی ان النصر لما قال إِنْ هَذَا إِلَّا كَلَامُ الْوَلِيِّينَ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَيْلَكَ هَذَا كَلَامُ اللَّهِ فَرَفَعَ النَّصْرُ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ وَقَالَ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَيْ إِنْ كَانَ الْقُرْآنُ هُوَ الْحَقُّ فَعَاقَبْنَا عَلَى انْكَارِهِ بِالسَّجِيلِ كَمَا فَعَلْتَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ۔ (المدارك)

یعنی جب نصر بن حارث نے کہا کہ (نعوذ باللہ) قرآن تو پرانے قصوں کا مجموعہ ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تجھ پر ہلاکت ہو یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یہ سن کر نصر نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائے یعنی اگر قرآن حق ہے تو ہمیں اس کے انکار پر ویسی سزا دے جس طرح تو نے ہاتھی والوں پر نکتہ برسائے۔

کافروں کا غرور

غرور بدر سے پہلے کافروں کے غرور اور تکبر کا یہ عالم تھا مگر جب غزوہ بدر ہوا تو ان کا غرور ٹوٹ گیا اور پھر ٹوٹنا چلا گیا۔ غزوہ بدر کے بیان میں ان باتوں کے تذکرے سے یہ اشارہ سمجھا جاسکتا ہے کہ کافروں کے غرور کو جہاد کے ذریعہ توڑا جاتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قَالُوا لَشَبْهَةٌ كَانَتْ فِي صَدُورِهِمْ أَوْ عَلَى وَجْهِ الْعِنَادِ وَالْأَبْهَامِ عَلَى النَّاسِ انْهَمَ عَلَى بَصِيرَةٍ ثُمَّ حُلَّ بِهِمْ يَوْمَ بَدْرٍ مَا سَأَلُوا۔ (القرطبي)

یعنی مشرکین قرآن پاک کے بارے میں یہ بات یا تو اس شبہ کی بنا پر کرتے تھے جو واقعی ان کے دل میں تھا یا صرف ضد اور عناد کی وجہ سے اور عام لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے کے لئے کہتے تھے پھر غزوہ بدر کے دن ان پر وہ چیز آپڑی جو وہ مانگا کرتے تھے۔ (القرطبی)

سُورَةُ الْاَنْفَالِ، مَكِّيَّةٌ ۚ آيَةُ ۳۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۖ وَمَا كَانَ اللّٰهُ

اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے گا کہ انہیں تیرے ہوتے ہوئے عذاب دے اور اللہ تعالیٰ

مُعَذِّبُهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿۳۳﴾

انہیں عذاب کرنے والا نہیں درآن حالیکہ وہ بخشش مانگتے ہوں

خلاصہ

جب وہ مشرکین عذاب مانگ رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں موجود تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو غزوہ بدر میں ان پر عذاب آگیا۔ اب ان کے باقی افراد کے لئے عذاب سے بچنے کی یہ صورت ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں اور توبہ استغفار میں لگے رہیں۔ (ماخوذ از تفسیر المدارک)

اقوال وحوالے

کلام برکت

یعنی مکے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم (مبارک کی برکت سے) عذاب انک (یعنی رک) رہا تھا اب (غزوہ بدر میں) ان پر عذاب آیا۔ اسی طرح جب تک گناہگار نادم رہے اور توبہ کرتا رہے تو پکڑا نہیں جاتا اگرچہ بڑے سے بڑا گناہ ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گناہگاروں کو دو چیز پناہ ہیں ایک میرا وجود اور دوسرے استغفار۔ (موضح القرآن)

چند مزید اقوال

اوپر خلاصہ تفسیر میں جو معنی اختیار کئے گئے ہیں وہ تفسیر المدارک اور تفسیر موضح القرآن کی تحقیق کے مطابق ہیں۔ جب کہ دیگر کئی مفسرین حضرات نے مطلب یہ بیان کیا ہے کہ مشرکین جس خلافِ عادت عذاب کو مانگ رہے تھے یا جس مکمل خاتمے والے عذاب کو مانگ رہے تھے وہ دو وجوہات کی وجہ سے ان پر نہیں آیا ایک تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موجود ہونا کہ آپ ”رحمۃ للعالمین“ ہیں اور دوسرا مشرکین کا طواف کے دوران استغفار کرنا۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے آیت کی تفسیر میں جو اقوال ذکر فرمائے ہیں وہ اس آیت کے تقریباً تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے امام قرطبی رحمہ اللہ کی تحقیق کا خلاصہ:

جب ابو جہل نے کہا اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ الْاٰیةِ (اے اللہ اگر یہ دین (یا قرآن) آپ کی طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا) تو یہ آیت نازل ہوئی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ اسی طرح صحیح مسلم میں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کسی بستی پر عذاب نازل نہیں کیا جاتا جب تک نبی اور ایمان والے وہاں سے نکل کر اس جگہ نہ پہنچ جائیں جہاں جانے کا حکم دیا جاتا ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مشرکین طواف میں کہا کرتے تھے غفرانک (اے اللہ ہمیں بخش دے) نا فرمان بھی اگر استغفار کریں تو ان سے کچھ نہ کچھ نقصان اور شر ہٹا دیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ استغفار سے مراد مسلمانوں کا ان میں موجود ہونا ہے کیونکہ مسلمان استغفار کرتے تھے۔ جب مسلمان مکہ سے نکل گئے تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو بدر کے دن عذاب دیا یہ ضحاکؓ وغیرہ کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ استغفار سے مراد اسلام قبول کرنا ہے یعنی ان پر عذاب نہیں آئے گا اگر وہ اسلام قبول کر لیں۔ یہ مجاہد اور عمرہ رحمہما اللہ کا قول ہے۔ اور ایک قول کے مطابق استغفار کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ ان کے اصلا ب (نسل) میں ایسے (ایمان والے) لوگوں نے پیدا ہونا تھا جنہوں نے استغفار کرنا تھا اس لئے ان پر عذاب نہیں آیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ يَسْتَغْفِرُوْنَ کا معنی ہے اِیْ لَوْ اسْتَغْفَرُوا لَمْ يَعْذِبُوْا اِذَا كَانُوا عَنِ اللّٰهِ اَوْ كَانُوا يَسْتَغْفِرُوْنَ لَمْ يَعْذِبُوْا اِذَا كَانُوا عَنِ اللّٰهِ (تفسیر القرطبی) طرف دعوت ہے (کہ کفر و شرک اور تمام گناہوں سے توبہ کر لیں) (تفسیر القرطبی)

روایت ترمذی

اس آیت کی تفسیر میں کئی مفسرین حضرات نے ترمذی کی یہ روایات بیان کی ہے:

أَنْزَلَ عَلَى أَمَلَانِ لَا مَتَى، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ فَاِذَا مَضَتْ تَرَكْتَ فِيهِمُ الْاِسْتِغْفَارَ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔
یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھ پر میری امت کے لئے دو چیزیں عذاب سے بچانے والی نازل کی گئی ہیں، میرا وجود اور استغفار جب میں چلا جاؤں گا تو ان میں قیامت تک استغفار کو چھوڑ جاؤں گا۔ (ترمذی)

عجیب نکتہ

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفيه اشعار بانهم مرصدون بالعذاب اذا هاجر عنهم۔ (المدارك)

یعنی آیت میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب مشرکین مکہ کی (تاک اور) گھات میں ہے بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا انتظار ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ ہجرت جہاد کی ابتدا ہے، ہجرت کے بعد جہاد، کفر کی شکست اور اسلام کے غلبے کا سلسلہ شروع

☆☆☆

ہو جاتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكْنِيَّةٌ آيَةٌ ۳۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ

اور اللہ تعالیٰ انہیں عذاب کیوں نہ دیں حالانکہ وہ مسجد حرام

الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا اَوْلِيَاءَهُ ؕ اِنْ اَوْلِيَاءَهُ اِلَّا الْمُتَّقُونَ

سے روکتے ہیں اور وہ اس کے اہل نہیں ہیں اس کے اہل تو پرہیزگار ہی ہیں

وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۳

لیکن ان میں سے اکثر نہیں سمجھتے

خلاصہ

یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے عذاب کے اس لئے مستحق ہیں کہ وہ لوگوں کو مسجد حرام بیت اللہ شریف سے روکتے ہیں۔ حالانکہ اس بات کا حق ان کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔ یہ لوگ تو بیت اللہ کے متولی بننے کے بھی اہل نہیں۔ بیت اللہ کے اصل متولی تو متقی مسلمان ہیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جائیں گے

اِی وَكَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ مُعَذِّبُهُمْ اِذَا فَارَقْتَهُمْ،

وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَكَيْفَ لَا يُعَذِّبُوْنَ وَحَالَهُمْ اَنْهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ

الحرام۔ (المدارک)

یعنی جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نہیں لائے گا اور جب آپ ان سے تشریف لے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے گا اور ان پر عذاب کیوں نہ آئے جب کہ ان کی حالت یہ ہے کہ یہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں۔

دوسرا قول

آیت کی تفسیر میں دوسرے قول کے مطابق مطلب یہ ہوگا:

”یعنی عذاب کا نہ آنا ان دو سبب سے ہے جو اوپر مذکور ہوئے ورنہ تمہاری شرارتیں اور ظلم و شقاوت تو ایسی چیزیں ہیں کہ فوراً عذاب آ جانا چاہئے۔ اس سے زیادہ ظلم کیا ہوگا کہ موحدین کو حرم شریف میں آنے یا عبادت کرنے سے طرح طرح کے حیلے تراش کر روکا جائے بلکہ ان کے وطن (مکہ معظمہ) سے نکال کر ہمیشہ کے لئے کوشش کی

جائے کہ یہ خدا کے پاکباز اور عبادت گزار بندے یہاں نہ آنے پائیں۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ظلم کے جواز کے لئے یہ سند پیش کی جاتی ہے کہ ہم حرم شریف کے متولی با اختیار ہیں جس کو چاہیں آنے دیں، جس کو چاہیں روک دیں۔ یہ ہمارا حق ہے حالانکہ اول تو یہ حق متولی کو بھی نہیں کہ مسجد میں لوگوں کو نماز و عبادت سے روکے دوسرے ”حق تولیت“ ان کو پہنچتا بھی نہیں۔ حرم شریف کے متولی صرف متقی اور پرہیزگار بندے ہو سکتے ہیں مشرک اور بدمعاش اس کے حقدار نہیں ہو سکتے لیکن ان میں سے اکثر اپنی جہالت سے یوں سمجھ رہے ہیں کہ ہم اولادِ ابراہیم علیہ السلام ہیں اور فلاں قبیلہ سے ہیں تولیت کعبہ ہمارا موروثی حق ہے جس کے لئے کوئی خاص شرط و قید نہیں، سو بتلادیا کہ اولادِ ابراہیم علیہ السلام میں جو پرہیزگار ہو اسی کا حق ہے۔ ایسے بے انصافوں کو حق نہیں کہ جس سے وہ آپ (یعنی خود) ناخوش ہوئے نہ آنے دیا“ (تفسیر عثمانی)

کعبۃ اللہ کے آزاد ہونے کی بشارت ہے

”بیت اللہ کے وارث تو صرف اربابِ صلاح و تقویٰ ہی ہو سکتے ہیں، اس آیت میں پیشین گوئی کے طور پر فرمادیا کہ کفار قریش عنقریب اس وراثت سے محروم کر دیے جائیں گے اور فرزندِ انِ اسلام ان کی جگہ لیں گے سورہ توبہ میں اس کو اور زیادہ وضاحت سے بیان کیا **مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ** (التوبہ آیت ۱۷، ۱۸) (تفسیر الفرقان)

وہ وجوہات جن کی وجہ سے کفار سے جہاد کیا جاتا ہے ان میں سے ایک مساجد اللہ کی آزادی بھی ہے۔ مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مسجد پر غیر اہل اور ظالم لوگ قابض ہیں۔ اس بات سے مساجد کی آزادی کے لئے جہاد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

پچھلی آیات میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا گیا تھا اور انہیں مال و اولاد کی محبت کو قربان کر کے تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ اور وعدہ یہ تھا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہیں فرقان یعنی اللہ تعالیٰ کی نصرت اور غلبہ نصیب ہوگا۔ اور اس آیت میں بتایا گیا کہ مسجد حرام کے اصل متولی بھی متقی لوگ ہیں دونوں آیات کو ملایا جائے تو مطلب صاف نکلتا ہے کہ جہاد کی برکت سے مسجد حرام آزاد ہوگی۔ چنانچہ الحمد للہ ایسا ہی ہوا اور مرکز ہدایت مسلمانوں کو مل گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

عذاب کا مقتضا موجود ہے

”آیت کا مطلب یہ ہوا کہ عذاب خارقِ عادت کے لئے تو موانع موجود ہیں لیکن نفسِ عذاب سے مانع تو کوئی بھی نہیں، بلکہ اس کا تو عین مقتضا موجود ہے“ (کہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں) (تفسیر ماجدی)

عذاب کا مطلب

اس آیت میں عذاب سے کیا مراد ہے امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثم اختلفوا فی هذا العذاب فقال بعضهم : لحقهم هذا العذاب المتوعد به يوم بدر ، وقيل بل يوم فتح مكة وقال ابن عباس هذا العذاب هو عذاب الآخرة . (التفسير الكبير)
یعنی تین قول ہیں: ❶ غزوہ بدر کا عذاب ❷ فتح مکہ کی صورت میں ان مشرکین کو جو عذاب ملا ❸ آخرت کا عذاب۔



سُورَةُ الْاَنْفَالِ اِلٰی مَكِّيَّةٌ ۝ آیت ۳۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً فَذُوقُوا

اور کعبہ کے پاس ان کی نماز سوائے سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے اور کچھ نہیں تھی پس عذاب چکھو

الْعَذَابِ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۵﴾

سب اس کے کہ تم کفر کرتے تھے

خلاصہ

یہ لوگ مسجد حرام کے حقدار نہیں ہیں کیونکہ یہ عبادت کے نام پر اس کی بے حرمتی کرتے ہیں، وہاں سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہیں۔ اب ان کو عذاب کا مزہ اپنے کفر کی وجہ سے چکھنا ہی پڑے گا۔

یہ جہاد کی بشارت ہے

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمقصود بیان ان من كانت هذه حاله لم يكن وليا للمسجد الحرام فهم اذن اهل لان يقتلوا بالسيف ويحاربوا فقتلهم الله يوم بدر واعز الاسلام بذلك (التفسير الكبير) یعنی مقصود اس بات کا بیان ہے کہ جن لوگوں کی یہ حالت ہو (کہ مسجد حرام میں سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہیں اور عبادت گزاروں کو وہاں سے روکتے ہیں) تو اس بات کے حقدار ہیں کہ انہیں تلواروں سے کاٹا جائے اور ان کے خلاف جنگ کی جائے پس اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن انہیں ہلاک فرمایا اور اس سے اسلام کو عزت عطا فرمائی۔

غزوات نبوی کی طرف اشارہ ہے

”فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ“ پس اپنے کفر کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو۔

چنانچہ اس وعید کے مطابق عذاب غیر خارق عادت، غزوات نبوی کی شکل میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں پر نازل ہو کر رہا۔ (تفسیر ماجدی)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

چنانچہ غزوات متعددہ میں سزا واقع ہوئی جیسا اس سورۃ کے رکوع دوم میں بھی ہے۔ (بیان القرآن)

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فذوقوا العذاب عذاب القتل والاسر يوم بدر

یعنی بدر کے دن قتل اور قید کا عذاب چکھو۔ (المدارک)

کفار کی ثقافتی جنگ

پچھلی آیت میں فرمایا تھا کہ یہ کفار مسجد حرام کے متولی بننے کے حقدار نہیں ہیں اس آیت میں اس کی تاکید فرمادی۔

لما نفی عنهم ان يكونوا ولاية البيت ذكر من فعلهم القبيح ما يؤكد ذلك وان من كانت صلوته ما ذكر لا يستأهل ان يكونوا اوليائه. (البحر المحيط)

یہ لوگ کعبہ شریف میں سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ حضرات مفسرین نے ان کے اس عمل کی دو وجوہات لکھی ہیں:

① وہ اس کام کو عبادت سمجھتے تھے، وقال ابن عباس: كان ذلك عبادة في ظنهم. (البحر المحيط)

② وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی نماز اور تلاوت میں خلل ڈالنے کے لئے ایسا کرتے تھے۔

يريدون ان يشغلوا بذلك الرسول عن الصلوة. (البحر المحيط)

وكانوا يفعلون نحو ذلك اذا قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم في صلوته يخلطون

عليه. (المدارک)

ليشغلوه، وامته عن القراءة والصلوة. (البحر المحيط)

اس دوسرے مقصد سے کفار کی ان کوششوں کی طرف اشارہ سمجھا جاسکتا ہے جو وہ لہو و لعب اور تفریح و موسیقی کے نام پر مسلمانوں کو نماز، قرآن اور دین سے غافل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ کفار کی یہ ثقافتی جنگ ہر زمانے میں مسلمانوں کے خلاف جاری رہتی ہے اور موجودہ دور میں اس جنگ نے کافی زور اور اثر پکڑ لیا ہے اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین یا رحم الراحمین۔



سُورَةُ الْاَنْفَالِ الْمَكِّيَّةِ آیت ۳۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنّ سَبِیْلِ

بے شک جو لوگ کافر ہیں وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی راہ

اللّٰهِ فَسَیَنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُعْذِبُوْنَہ

سے روکیں سو ابھی اور بھی خرچ کریں گے پھر وہ ان کیلئے حسرت ہوگا پھر مغلوب کیے جائیں گے

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِلٰی جَهَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ ۝۳۶

اور جو کافر ہیں وہ دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے

خلاصہ

یہ کفار و مشرکین لوگوں کو ”دین اسلام“ سے روکنے کے لئے مال خرچ کرتے ہیں یہ ابھی اور خرچ کریں گے۔ پھر انہیں اپنے اس خرچ کیے ہوئے مال پر حسرت ہوگی اور وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہوں گے اور جوان میں سے کفر پر مریں گے وہ جہنم میں ہانکے جائیں گے۔

شان نزول

۱ قال مقاتل والکلبی رحمہما اللہ: نزلت فی المطعمین یوم بدر وکانوا اثنی عشر رجلا من کبار قریش۔ (التفسر الکبیر)

یعنی یہ آیت بدر میں مشرکین کے لشکر کو کھانا کھلانے والے قریش کے بارہ بڑے سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی۔

۲ نزلت فی ابی سفیان بن حرب استأجر یوم احد الفین من الاحابیش یقاتل بهم

النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی یہ آیت ابوسفیان کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے احد کے موقع پر مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے حبشہ کے دو ہزار جنگجو کرائے پر بھرتی کئے۔

۳ لما رجع فل قریش الی مکة من بدر الی آخره۔ (البحر المحیط)

یعنی بدر کا شکست خوردہ لشکر جب واپس مکہ پہنچا اور ابوسفیان کا قافلہ بھی مکہ پہنچا تو انہوں نے طے کیا کہ تجارتی قافلے کا تمام مال مسلمانوں سے انتقام لینے کیلئے صرف کریں گے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

مختصر تفسیر

” بدر میں بارہ سرداروں نے ایک ایک دن اپنے ذمہ لیا تھا کہ ہر روز ایک شخص لشکر کو کھانا کھلائے گا، چنانچہ دس اونٹ روزانہ کسی ایک کی طرف سے ذبح کیے جاتے تھے، پھر جب شکست ہو گئی تو ہزیمت خوردہ مجمع نے مکہ پہنچ کر ابوسفیان وغیرہ سے کہا کہ جو مال تجارتی قافلہ لایا ہے وہ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لینے میں صرف کیا جائے چنانچہ سب اس پر راضی ہو گئے۔ اس طرح کے خرچ کرنے کا یہاں ذکر ہے۔ (یہ کفار و مشرکین) جب دنیا میں مغلوب و مقہور اور آخرت میں معذب ہوں گے تب افسوس و حسرت سے ہاتھ کاٹیں گے کہ مال بھی گیا اور کامیابی بھی نہ ہوئی، چنانچہ اول بدر میں پھر احد وغیرہ میں سب مالی اور جسمانی طاقتیں خرچ کر دیکھیں کچھ نہ کر سکے آخر ہلاک و رسوا ہوئے یا نادم ہو کر کفر سے توبہ کی۔“ (تفسیر عثمانی)

غلبہ اسلام کو روکنے کیلئے مال لگائیں گے

والمعنی ان الکفار یقصدون بنفقتهم الصد عن سبیل اللہ وغلبۃ المؤمنین (البحر المحیط)
یعنی مطلب یہ ہے کہ کافر اسلام سے روکنے اور مسلمانوں کے غلبے کو روکنے کیلئے مال خرچ کرتے ہیں۔

فائدہ

جہاد کی ترغیب کے بیان میں کافروں کا یہ خطرناک طرز عمل بتایا جا رہا ہے کہ وہ تو ایسے ظالم اور ایسے دشمن ہیں کہ اپنا مال اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں پس ایسے کافروں سے لڑنا چاہیے اور ان کے اموال کو بھی ختم کرنا چاہیے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت رہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اقتصادی جنگ

آیت میں کفار کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اقتصادی جنگ کا بیان ہے کہ وہ اپنا مال اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور خرچ کرتے رہیں گے۔ دور حاضر میں یہ جنگ مسلمانوں کے خلاف پورے زور و شور سے مختلف شکلوں میں جاری ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک بے حد اہم نکتہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے ابوسفیان کے قافلے پر حملے کیلئے نکلے تھے بعض مسلمان مؤرخین اس بات کو تسلیم کرنے سے شرم محسوس کرتے ہیں اور طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک کی اصل وجہ بیان کر دی کہ کفار و مشرکین کا مال ان کا اسلام کے خلاف سب سے طاقتور ہتھیار ہے۔ اسی مال کے ذریعہ وہ اسلحہ خریدتے ہیں، اسی مال سے وہ مسلمانوں کے خلاف لشکر اور فوجیں منظم کرتے ہیں، اسی مال سے وہ مسلمانوں کے خلاف کرائے کے سپاہی بھرتی کرتے ہیں، اسی مال کے ذریعہ وہ مسلمانوں میں سے منافقین کو خریدتے ہیں اور اسی مال کے ذریعہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کی ہر کوشش کرتے ہیں۔ پس اسلام دشمن قوتوں کا

مال اسی طرح ہے جس طرح موذی سانپ کے منہ کا زہر۔ اب اگر کوئی شخص اپنے دشمن سانپ کو پکڑ کر اس کے منہ کا زہر نکال دے تو کیا یہ اس کا حق نہیں بنتا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام مال کی محبت سے بہت دور تھے اگر مال کی چاہت ہوتی تو احد پہاڑ کو سونا بنانے کی پیشکش قبول فرما لیتے۔ اگر مال کی چاہت ہوتی تو مشرکین مکہ نے مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بڑے مال کی پیشکش کی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی اور آپ کی تعلیمات کو سرسری نظر سے بھی دیکھا جائے تو ہر دوست اور دشمن اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ دنیا پرستی اور مال کی محبت کا دور دور تک نشان بھی نہیں ملتا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے ابوسفیان کے تجارتی قافلے کا قصد فرمایا تو اس کا اصل مقصد دشمنان اسلام کی اس اقتصادی قوت کو توڑنا تھا جس اقتصاد قوت کے بل بوتے پر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں کر رہے تھے۔ قرآن پاک کی یہ آیت بالکل صاف الفاظ میں بتا رہی ہے کہ دشمنان اسلام کا مالدار ہونا مسلمانوں کے لئے کس قدر خطرناک ہے۔ اگر شرمساری محسوس فرمانے والے مورخین صرف اسی ایک آیت پر غور کر لیں تو وہ بھی بے ساختہ پکار اٹھیں گے کہ بے شک اسلام دشمن کافروں کے مال پر حملہ کرنا دین کا تقاضا تھا اور ان کے عام افراد کی جانوں سے زیادہ ان کا مال مسلمانوں کے لئے خطرناک ہے۔ اس لیے جان سے بھی پہلے مال پر حملہ کرنا چاہیے اور اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کا بندوبست کرنا چاہیے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اس آیت میں مسلمانوں کے لئے یہ اشارہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ کفار و مشرکین کی مالی طاقت کو توڑ دیں اور کمزور کر دیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آیت کا مضمون عام ہے

”مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سبب نزول اگرچہ خاص ہے مگر مضمون عام ہے۔ جب کبھی بھی اہل کفر حق سے روکنے کے لئے اپنا مال خرچ کریں گے دنیا و آخرت میں ناکام ہوں گے اور ذلیل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا دین کامل ہوگا، پھیلے گا، پورا ہوگا کافراں کے بھگانے کے لئے مال خرچ کریں گے پھر نادم ہوں گے ان کو حسرت ہوگی کہ ہم نے اپنا مال خرچ کیا لیکن فائدہ اور مقصود حاصل نہ ہوا۔ یہ لوگ دنیا میں مغلوب ہوں گے اور آخرت میں بھی دوزخ میں داخل ہوں گے۔ (تفسیر انوار البیان)

فائدہ

غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی لشکر کا رخ ابوسفیان کے قافلے سے ابو جہل کے لشکر کی طرف موڑ دیا کیونکہ اس وقت شرک کے سرداروں کا خاتمہ وقت کی اہم ترین ضرورت تھی۔ اور چونکہ غلبہ اسلام کی بنیاد غزوہ بدر میں رکھی جا رہی تھی اس لیے مسلمانوں کو طاقتور دشمن سے لڑا کر انہیں جہاد کی حقیقت سمجھا دی گئی اور جہاد کا ہر پہلو ان پر واضح کر دیا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيَةُ ۳۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ

تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے اور پھر ناپاکوں کو ایک دوسرے

عَلٰی بَعْضٍ فَيَرْكُمُهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلُهُ فِيْ جَهَنَّمَ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ

پر رکھ کر ان سب کا ایک ڈھیر بنائے پھر اسے جہنم میں ڈال دے وہی لوگ

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

نقصان اٹھانے والے ہیں

خلاصہ

کافروں کا اسلام کے خلاف مال خرچ کرنا اس لیے ہے تاکہ دنیا میں خبیث اور طیب یعنی کافر اور مومن میں امتیاز ہو جائے یا پاک اور ناپاک مال میں امتیاز ہو جائے کہ پاک مال رحمانی کاموں میں اور ناپاک مال شیطانی کاموں میں صرف ہوا کرتا ہے پھر اس کل ناپاک (گروہ یا مال) کا ڈھیر بنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور کافروں کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ (تفسیر حقانی)

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

یعنی آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کرے گا اس بیچ میں کافر اپنا زور جان اور مال کا (اسلام اور مسلمانوں کے خلاف) خرچ کر لیں گے تاکہ نیک اور بد جدا ہو جائے یعنی جن کی قسمت میں اسلام لکھا ہے وہ سب مسلمان ہو چکیں اور جن کو کفر پر مرنا ہے وہی اکٹھے دوزخ میں جاویں۔ (موضح القرآن)

یعنی کافر مسلمانوں کے خلاف مال خرچ کر کے جنگ برپا کرتے ہیں اور اس مال کے بل بوتے پر اپنے حامیوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ مال کے لالچی لوگ اس مال کی وجہ سے کافروں سے جا ملتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں مخلص مسلمان میدان میں اترتے ہیں یوں کافر ٹولہ الگ اور مسلمان جماعت الگ ہو جاتی ہے۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ کافروں کو اکٹھا جہنم میں ڈال دے گا۔

کلام رازیؒ

امام رازی رحمہ اللہ نے آیت کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں:

۱ لیمیز اللہ الفریق الخبیث من الکفار من الفریق الطیب من المومنین تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کے گندے گروہ کو مسلمانوں کی پاک جماعت سے الگ فرمادے۔ اس تفسیر کے مطابق لیمیز کے لام کا تعلق یحشرون کے ساتھ ہوگا۔ والمعنی انهم یحشرون لیمیز اللہ الفریق الخبیث من الفریق الطیب مطلب یہ کہ کافروں کو جہنم میں جمع کیا جائے گا تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک گروہ کو پاک جماعت سے الگ فرمادے۔

۲ المراد بالخبیث نفقة الکافر علی عداوة محمد صلی اللہ علیہ وسلم وبالطیب نفقة المومن فی جہاد الکفار کا نفاق ابی بکر و عثمان رضی اللہ عنہما فی نصرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ناپاک مال کو پاک مال سے جدا کر دے ناپاک مال وہ ہے جسے کافر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں خرچ کرتے ہیں اور پاک مال وہ ہے جسے مسلمان کافروں کے خلاف جہاد میں خرچ کرتے ہیں۔ جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں خرچ کیا ہوا مال۔ پھر اللہ تعالیٰ ناپاک مال کو جمع کر کے جہنم میں ڈال دے اور اس مال سے ان کافروں کو عذاب دے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے فتکوی بہا جبا ہم وجنوبہم وظہورہم کہ جہنم میں سونے چاندی کو گرم کر کے اس سے ان کے چہرے پہلو اور پیٹھ کو داغا جائے گا۔ اس تفسیر کے مطابق لیمیز کے لام کا تعلق تکون سے ہوگا۔ وعلى القول الثانی متعلق بقوله ثم تكون علیہم حسرة۔ (التفسیر الکبیر)

فائدہ

آیت مبارکہ میں کافروں کے اس اتحاد کی طرف واضح اشارہ ہے جو وہ مال کے زور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر زمانے میں بناتے رہتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو اس سے گھبرانا نہیں چاہیے البتہ کافروں سے الگ رہنا چاہیے اور اس طرح کے ”اتحادوں“ کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے کہ یہ سب جہنم کے ایندھن ہیں۔ سوائے ان کے جو اسلام قبول کر لیں۔ واللہ اعلم بالصواب

نکتہ

جہاد پر خرچ کیا جانے والا مال اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت طیب اور پاک مال ہے پس ہر مسلمان کو اپنی آخرت کے لئے ایسا طیب یعنی پاکیزہ ذخیرہ زیادہ سے زیادہ تیار کرنا چاہیے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دنیا کے اتحادی آخرت میں اکٹھے

صاحب انوار البیان تحریر فرماتے ہیں:

دنیا میں تمام اہل کفار آپس میں ایک دوسرے کے مددگار تھے۔ اسلام کے خلاف اموال خرچ کرنے میں ایک

دوسرے کا تعاون کرتے تھے آخرت میں بھی سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ دنیا میں جو اسلام کی دشمنی کے لئے سوچتے اور خرچ کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے دارالعداب میں اکٹھے ہو کر اس کی سر اٹھکتیں گے۔ (انوار البیان)

جہاد کرنے والے پاک اور چھوڑنے والے برعکس

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کا ایک مطلب یہ بیان فرمایا ہے:

ای انما اقدرناہم علی ذلک لیمیز اللہ الخبیث من الطیب ای من یطیعہ بقتال اعدائہ الکافرین او یعصیہ بالنکول علی ذلک کقولہ وما اصابکم یوم النقی الجمعان فباذن اللہ ولیعلم المومنین ولیعلم الذین نافقوا وقیل لہم تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ او ادفعوا قالوا لونیعلم قتالاً لاتبعناکم۔ (ال عمران ۱۶۶-۱۶۷)

یعنی ہم نے کافروں کو مسلمانوں کے خلاف مال خرچ کرنے کی طاقت اس لیے دی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک اور پاک لوگوں کو الگ الگ کر دے۔ یعنی ان کو جو اس کا حکم مان کر کافروں سے جہاد کرتے ہیں اور ان کو جو اس حکم کو نہیں مانتے اسی طرح کا مضمون اس آیت میں ہے وما اصابکم یوم النقی الجمعان الآیۃ۔ (تفسیر ابن کثیر)

یعنی منافق بھی خود کو مسلمان ظاہر کر کے مسلمانوں میں گھسے رہتے ہیں لیکن جب کافر اپنا مال خرچ کر کے مسلمانوں کے خلاف جنگ برپا کرتے ہیں تو یہ منافق مسلمانوں کے ساتھ مل کر کافروں کے خلاف جہاد میں نہیں نکلتے یوں مسلمان اور منافق میں امتیاز اور چھانٹی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی امتیاز کو ظاہر فرمانے کے لئے کافروں کو مسلمانوں کیخلاف مال خرچ کرنے کی قوت اور قدرت دیتا ہے۔

اسباق

- ۱ اسلام دشمن کافروں کا مال مسلمانوں کے خلاف خطرناک جنگی ہتھیار ہے۔ چنانچہ اس ہتھیار کو توڑنا چاہیے۔
- ۲ جہاد کے خلاف خرچ کیا جانے والا مال ناپاک ہے۔
- ۳ جہاد میں خرچ کیا جانے والا مال پاک ہے۔ مسلمانوں کو جہاد میں مال خرچ کر کے اپنی آخرت کے لئے پاک ذخیرہ جمع کرنا چاہیے۔
- ۴ کافر مال کے زور پر مسلمانوں کے خلاف اتحاد بناتے ہیں مسلمانوں کو بھی ان کے خلاف متحد ہونا چاہیے مگر یہ اتحاد مال پر نہ ہوا ایمان، ہجرت، نصرت اور جہاد کی بنیادوں پر ہو۔
- ۵ جہاد کرنے والے مسلمان طیب اور پاک ہیں اور فرض جہاد سے روگردانی کرنے والے ایسے نہیں ہیں۔
- ۶ کفار مسلمانوں کے خلاف اقتصادی جنگ برپا کرتے ہیں اور مال کے زور پر مسلمانوں کی صفوں میں دراڑ ڈالتے ہیں اور ان میں سے اپنے کام کے افراد خریدتے ہیں۔ اس جنگ کے مقابلے کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمان خود کو مال کا لالچی اور

حریص نہ بننے دیں اور اپنی زندگی سادہ رکھیں اور دنیا کی زیب و زینت کو مقصود نہ بنائیں اور مال کی محبت میں گرفتار نہ ہوں۔ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوقین اور شہادت کے طلبگار ہوں گے تو کافروں کی اقتصادی جنگ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی اور ان کے اموال مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بن جائیں گے جیسا کہ غزوہ بدر میں ہوا اور صحابہ کرام کے زمانے میں بار بار ہوتا رہا اور قرآن پاک بھی اس آیت کے بعد پھر جہاد کی دعوت دیتا ہے اور اموال غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ سمجھاتا ہے جس میں کافروں کی اقتصادی جنگ کو توڑنے کے طریقے کی طرف واضح اشارہ ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ اَنْ مَكَانِهِمْ آيَةُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ لِلّٰهِ الدِّیْنُ کَفَرُوْا اِنْ یَنْتَهُوْا یَغْفِرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ

کافروں سے کہہ دو کہ اگر وہ باز آجائیں تو جو کچھ گزر چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر

یَعُوْذُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۸﴾

لوٹیں گے تو پہلے کافروں کے حق میں قانون نافذ ہو چکا ہے

خلاصہ

کافروں کو بتادیا جائے کہ ان کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں اور مسلمانوں کے خلاف جنگ سے باز آجائیں تو ان کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اور انہیں یہ بھی بتادیا جائے کہ اگر وہ دوبارہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں اتریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ چلا آ رہا ہے کہ وہ اپنے لوگوں یعنی مسلمانوں کی مدد فرماتا ہے اور اپنے دشمنوں کو ہلاک فرماتا ہے۔

اسلام پچھلے سب گناہ مٹا دیتا ہے

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفی الصحیح ایضاً ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الاسلام یجب ما قبلہ والتوبة تجب ما کان قبلہا (ابن کثیر)

یعنی حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور توبہ پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هذه لطيفة من الله سبحانه..... الخ

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم ہے جس کے ذریعہ اس نے اپنی مخلوق پر احسان عظیم فرمایا ہے اور وہ یہ کہ کفار اپنے کفر اور جرائم میں غرق ہوتے ہیں اور ہر طرح کے گناہ اور برائیاں کرتے ہیں۔ اگر ان سے ان سب چیزوں کا حساب ہو تو وہ کبھی بھی توبہ اور بخشش نہ پاسکیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آسانی فرمادی کہ وہ رجوع کریں اور اسلام لے آئیں تو ان کی توبہ بھی قبول اور انہیں بخشش بھی نصیب اور پچھلا سب کچھ معاف۔ یہ احسان اس لیے فرمایا

تاکہ انہیں اسلام میں داخل ہونے کی طرف زیادہ رغبت اور میلان ہو اور وہ مسلمانوں کا کلمہ قبول کر لیں۔ اگر ان سے کہا جاتا کہ ان کے پچھلے تمام اعمال کا حساب ہوگا تو وہ نہ توبہ کرتے اور نہ اسلام قبول کرتے۔ (القرطبی)

اگر پھر لڑیں گے

وان یعودوا یرید الی القتال
یعنی اگر وہ دوبارہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں اتریں گے۔ (القرطبی)

کافروں کو بدر کی یاد دہانی

فقد مضت سنة الاولین..... قال مجاهد: ای فی قریش یوم بدر وغیرها من الامم وقال
السدی ومحمد بن اسحاق ای یوم بدر

یعنی اگر کافر دوبارہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں اتریں گے تو اللہ تعالیٰ کا قانون غزوہ بدر میں ظاہر ہو چکا ہے۔ (ابن کثیر)
بعض مفسرین فرماتے ہیں:

فقد مضت سنة الاولین فی نصر اللہ وانبیائہ واولیائہ واهلک اعدائہ
یعنی ماضی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے انبیاء اور اولیاء کی مدد اور دشمنوں کو ہلاک کرنے کا اصول واضح ہو چکا ہے۔ (معالم التنزیل، انوار البیان)
امام ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وتخویفهم بقصة بدر اشدّ (البحر المحیط)
یعنی (آیت میں بدر کا قصہ مراد لینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ) انہیں بدر کے قصہ سے دھمکی دینا زیادہ مضبوط بات ہے اس لیے کہ یہ واقعہ ان کے سامنے تھا۔

الغرض اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بھی بار بار غزوہ بدر یاد دلاتا ہے کہ وہ اس کو زندہ کریں اور کافروں کو بھی غزوہ بدر یاد دلا کر ڈراتا ہے اور اسلام کی دعوت دیتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دشمنی معاف کر دی جائے گی

امام شفی رحمہ اللہ نے اس آیت کا معنی یوں بیان فرمایا ہے:

قل للذین کفروا ای ابوسفیان واصحابہ ان ینتھوا عما هم علیہ من عداوة رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وقاتلہ بالدخول فی الاسلام یغفر لهم ما قد سلف لهم من العداوة وان
یعودوا لقاتلہ فقد مضت سنة الاولین بالاہلک فی الدنیا والعذاب فی العقبی۔ (المدارک)

یعنی ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو کہہ دیجئے کہ اگر تم اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور آپ کے خلاف جنگ کرنے سے باز آ جاؤ تو تمہاری سابقہ دشمنی کو معاف کر دیا جائے گا اور اگر تم جنگ کے لئے لوٹو گے تو دنیا میں ہلاکت اور آخرت میں عذاب تمہارا مقدر بنے گا۔

مطلب یہ کہ مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ فتح کے بعد جنگجو کافروں کو اسلام کی دعوت اور آئندہ جنگ کرنے کی صورت میں سابقہ انجام کی دھمکی دیا کریں۔ اس طرح سے بہت سے کافروں کو اسلام قبول کرنے کی توفیق ملے گی۔ کیونکہ اسلام اور مسلمانوں کی فتح کے بعد دعوت اسلام کی راہ بہت ہموار ہو جاتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيَةٌ ۳۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنُ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ

اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ شرک کا غلبہ نہ رہنے پائے اور سارا دین اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے

فَاِنْ اَنْتَهُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۳۹

پھر اگر یہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے

خلاصہ

اے مسلمانو! تم کافروں سے برابر لڑتے رہو یہاں تک کہ ان کا زور ٹوٹ جائے ان کی قوت اور شوکت ختم ہو جائے اور دین اسلام کو سب ادیان پر غلبہ مل جائے۔ پھر اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو جنگ روک دو۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

اقوال

۱۔ کلام برکت:

لڑو! جب تک فساد رہے یعنی کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں۔ (موضح القرآن)

۲۔ کافروں کی قوت پاش پاش ہو جائے:

وفاداران مملکت الہی (مومنین) اس وقت تک تلوار نیام میں نہیں ڈالیں گے جب تک باغیوں (کفار) کی قوت کو پاش پاش نہ کر لیں اور تو حید کا پھریرا (یعنی پرچم) ساری دنیا میں لہرانے نہ لگ جائے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

۳۔ حضرات صحابہ کرام نے آیت کا کیا معنی سمجھا؟

”بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ برابر کافروں سے لڑتے رہو۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوں یہاں تک کہ اسلام کا غلبہ ہو جائے۔ غلبہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اسلام قبول کر لیں اور دوم یہ کہ جزیہ دینا منظور کر لیں۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تو برابر جہاد کرتے رہے۔ ان کے بعد بھی بہت سے امراء اور ملوک نے جہاد جاری رکھا، دور حاضر کے مسلمانوں نے جہاد شرعی چھوڑ دیا تو اب خود مقہور اور مغلوب ہو رہے ہیں؟“ (تفسیر انوار البیان)

۴۔ جب تک زمین پر حق و سچ قائم نہ ہو جائے:

پھر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ تم ان سے جنگ کیے چلے جاؤ یہاں تک کہ فتنہ کفر و معاصی نہ مٹ جائے اور زمین پر راستی نہ قائم ہو جائے۔ (تفسیر حقانی)

۵ قرآن پاک کو اعلیٰ قانون کے درجے پر تسلیم کر لیا جائے:

”گذشتہ رکوع میں بتایا گیا کہ اس قسم کے لوگ مسلمانوں کو تباہ کرنے کی فکر میں رہیں گے۔ ان کے مقابلہ میں اربابِ اخلاص و توحید کی ضرورت ہوگی لیکن اس نصرت و اعانت کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان اس قرآن کو اپنا دستور العمل بنالیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اور کفار کے ساتھ برابر جنگ کرتے رہیں، دنیا میں نور اور ظلمت، حق اور باطل، اسلام اور کفر کے سلاسل مختلفہ ہمیشہ رہیں گے۔ دونوں ایک دوسرے کو فنا کرنے کی کوشش کریں گے، کفر و باطل پرستی کے ہوتے ہوئے دنیا میں امن و سلامتی کا قیام ناممکن ہے، پس اگر چاہتے ہو کہ کرہ ارض امن و امان کا گہوارہ بن جائے تو دائمی طور پر جنگ کے لئے تیار رہو یہاں تک کہ قانونِ الہی رائج و نافذ ہو۔ کوئی انسانی طاقت اس کی تنقیح و تنقیص نہ کر سکے، فتنہ فرو ہو جائے، چاروں طرف اسلام کی حکومت ہو اور جملہ مذاہب و اقوام اس کے ماتحت امن کی زندگی بسر کریں۔ اسی کو کہا گیا حتیٰ تضع الحرب اوزارہا یعنی جب تک دنیا میں جنگ کی صورت باقی ہے مسلمان اس کے لئے تیار رہیں گے، یہی حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَ يَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ہے اسی کی نسبت حدیث میں آیا:

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا الله فاذا قالوها عصموا منی دماءہم و اموالہم الا بحقہا و حسابہم علی اللہ۔ اسلام دنیا میں خون بہانے اور انسان کو ذبح کرنے کے لئے نہیں آیا، اس کا مقصد اصلی قانونِ الہی کی نشر و اشاعت اور امن و سلامتی کا قیام ہے، اس لیے جس وقت بھی کفار اسلام کی مخالفت ترک کر دیں صحیح تعلیم دنیا میں رائج ہو جائے اور شہنشاہی قانون کے درجے پر قرآن کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر تلوار کو نیام میں کر لیا جائے گا اس کے بعد وہ جو کچھ کریں گے اللہ تعالیٰ کی نظر سے مخفی نہیں رہ سکتا لیکن اگر انہوں نے سرتابی کی تو تمہاری ولایت و نصرت کے لئے اللہ کافی ہے، وہ ضرورت تمہاری مدد کرے گا پس صرف اعلائے کلمۃ اللہ کو اپنی غایت الغایات اور مقصدِ حیات بنا لو اور مال غنیمت کی پروا نہ کرو۔ (تفسیر الفرقان)

۶ آیت کی جامع تفسیر:

یعنی کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں یا مذہبِ حق کو موت کی دھمکی دے سکیں، جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کفار کو غلبہ ہوا مسلمانوں کا ایمان اور مذہب خطرہ میں پڑ گیا۔ اسپین کی مثال دنیا کے سامنے ہے کہ کس طرح قوت اور موقع ہاتھ آنے پر مسلمانوں کو تباہ کیا گیا یا مرتد بنایا گیا۔ بہر حال جہاد و قتال کا اولین مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام مامون و مطمئن ہو کر خدا کی عبادت کر سکیں اور دولتِ ایمان و توحید کفار کے ہاتھوں سے محفوظ ہو چنانچہ فتنہ کی یہی تفسیر ابن عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کتب حدیث میں منقول ہے۔ وَّ يَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّہٗ لِلّٰہِ (اور ہو جائے حکم سب اللہ کا) یہ ”جہاد“ کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے حکم اکیلے خدا کا چلے۔ دین حق سب ادیان پر غالب آ جائے (يُظْہِرُہٗ عَلٰی الدِّیْنِ كُلِّہٖ) خواہ دوسرے باطل ادیان کی موجودگی میں جیسے خلفاء راشدین وغیرہم کے

عہد میں ہو یا سب باطل مذاہب ختم کر کے جیسے نزول مسیح کے وقت ہوگا۔ بہر حال یہ آیت اس کی واضح دلیل ہے کہ جہاد و قتال خواہ جمعی ہو یا دفاعی مسلمانوں کے حق میں اس وقت تک برابر مشروع ہے جب تک یہ دونوں مقصد حاصل نہ ہو جائیں۔ اسی لیے حدیث میں آگیا الجہاد ماضی الی یوم القیمة جہاد کے احکام و شرائط وغیرہ کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔ فان انتھوا یعنی جو ظاہر میں اپنی شرارت اور کفر سے باز آ جائیں ان سے قتال نہیں۔ ان کے دلوں کا حال اور مستقبل کی کیفیات کو خدا کے سپرد کیا جائے گا جیسا کام وہ کریں گے خدا کی آنکھ سے غائب ہو کر نہیں کر سکتے۔ مسلمان صرف ظاہر حال کے موافق عمل کرنے کے مکلف ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

۲ جہاد کا حکم قیامت تک جاری و باقی ہے:

”خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ مسلمانوں پر اعداء اسلام کے خلاف جہاد و قتال اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ مسلمانوں پر ان کے مظالم کا فتنہ ختم نہ ہو جائے اور اسلام کو سب ادیان پر غلبہ حاصل نہ ہو جائے اور یہ صورت صرف قرب قیامت میں ہوگی اس لیے جہاد کا حکم قیامت تک جاری و باقی ہے۔“ (معارف القرآن)

ان چند عبارات سے آیت مبارکہ کے کئی پہلو واضح ہو گئے اب ملاحظہ فرمائیے عربی تفسیر کے چند حوالے:

① امام قرطبی رحمہ اللہ کی یہ عبارت سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۳ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ وقاتلوہم امر بالقتال لکل مشرک فی کل موضع یعنی اس آیت میں ہر مشرک سے ہر جگہ پر قتال کا حکم ہے۔ (القرطبی سورۃ البقرۃ ۱۹۳)

② امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر قاتلوہم حتی لا تکن فتنۃ کے معنی قاتلوہم لاجل ان یحصل هذه المعنی ہو تو پھر آیت جزیرۃ العرب کے بارے میں ہوگی اور اگر اس کے معنی قاتلوہم لغرض ان یحصل هذا للمعنی ہو تو ساری دنیا کے کفر سے قتال کا حکم ہوگا۔ (التفسیر الکبیر)

③ امام ابو بکر جصاص الحنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقوله تعالى ويكون الدين كله لله يدل على وجوب قتال سائر اصناف الكفر
یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان ویكون الدين كله لله ہر قسم کے کافروں سے قتال کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔
اور آیت میں مذکور لفظ الفتنة کے متعلق لکھتے ہیں:

قال ابن عباس والحسن حتى لا يكون شرك وقال محمد بن اسحاق حتى لا يفتتن
مومن عن دينه والفتنة ههنا جائز ان يريد بها الكفر وجائز ان يريد بها البغي والفساد، لان
الكفر انما سمي فتنة لما فيه من الفساد فتتظم الآية قتال الكفار واهل البغي واهل العيث
والفساد وهي تدل على وجوب قتال الفئة الباغية۔ (احکام القرآن)

④ علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قيل: لم يجيء تأويل هذه الآية بعد وسيتحقق مضمونها اذا ظهر المهدي فانه لا يبقى

علی ظهر الارض مشرک اصلاً علی ماروی عن ابی عبد اللہ۔ (روح المعانی)
یعنی اس آیت کا مکمل مصداق تب نظر آئے گا جب مہدی کا ظہور ہوگا اور روئے زمین پر شرک باقی نہیں رہے گا

نکتہ

حضرات صحابہ کرام سے دونوں طرح کی تفاسیر منقول ہیں، جہاد کا مسئلہ عمومی طور پر سینکڑوں آیات قرآنی میں موجود ہے، اس آیت سے پہلے والی آیات کو پڑھا جائے تو فتنہ کے معنی بالکل واضح ہو جاتے ہیں کہ کافروں کا ایسی حالت اور طاقت میں ہونا کہ وہ مسلمانوں کو دین اسلام سے ہٹا سکیں یا مسلمان ہونے کی وجہ سے انہیں تکالیف پہنچا سکیں یہ ”فتنہ“ ہے۔ کافروں کی جنگی طاقت اور ان کی مالی طاقت جب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوگی تو ”فتنہ“ برپا ہوگا۔ اسی فتنے کو مسلمان قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے ختم کر دیں۔ اور دین اسلام صرف ملک عرب کے لئے نہیں آیا بلکہ پورے عالم کے لئے آیا ہے۔ جیسا کہ کچھلی عبارتوں میں بالکل واضح طور پر آچکا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

فائدہ

کفار مسلمانوں کے خلاف ہر حربہ اور ہر جنگی طریقہ استعمال کرتے ہیں تاکہ انہیں دین اسلام سے روک دیں۔ وہ ان کی قیادت کو ختم کرنے کی سازش کرتے ہیں۔ وہ قرآن پاک کے خلاف اور قرآن پاک کی تعلیم کے خلاف سازش کرتے ہیں وہ مسلمانوں کی خلاف اتحاد بناتے ہیں وہ مسلمانوں کو دین اور نماز سے غافل کرنے کے لئے ثقافتی جنگ چھیڑتے ہیں۔ وہ اپنے اموال اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ کافروں کا اس حالت میں ہونا کہ وہ یہ سب کچھ آزادی سے کر سکیں ”فتنہ“ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو گمراہ اور کمزور کرتے ہیں اور اسلام کو نافذ نہیں ہونے دیتے۔ اور قرآن پاک کے نظام کو زمین پر جاری نہیں ہونے دیتے۔ نیز ان کی یہ طاقت، شوکت اور طاہری شان دیکھ کر کمزور دل مسلمان بھی ان کی طرف لپکتے ہیں اور گمراہ ہو جاتے ہیں۔

پس کافروں کا قوت، طاقت اور شوکت میں ہونا ایک ”فتنہ“ ہے اور اس فتنے کو توڑنے کے لئے ”قتال فی سبیل اللہ“ کا حکم ہے۔ مثال غزوہ بدر سے سامنے آگئی۔ مشرکین اس قدر طاقتور تھے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ کے مظلوم مسلمانوں کو ستایا اور انہیں اذیتیں دیں اور ان میں سے بعض کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا اور بعض کو دین سے پھیر دیا۔ پھر انہوں نے اپنی اسی طاقت کے بل بوتے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی تدبیر بنائی اور کوشش کی۔ انہوں نے اسی طاقت کے بل بوتے پر کئی مسلمانوں کو ہجرت سے روکا اور بعض کمزور دل مسلمانوں کو ڈرا دھمکا کر اور لالچ دے کر اپنے لشکر میں بھی شامل کر لیا۔ اسی طاقت کے غرور میں وہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے تھے اور وہاں نازیبا حرکتیں کرتے تھے۔ اچانک مسلمانوں کو قتال کا حکم ملا اور مشرکین کی یہ طاقت جو فتنہ بن چکی تھی ختم ہوتی گئی اور پکھلتی گئی اور کچھ عرصہ بعد جزیرہ عرب سے شرک کا نام ہی مٹ گیا۔ اب اس مثال کو سامنے رکھ کر دنیا بھر کے مسلمانوں کو یہی

بات سمجھائی جا رہی ہے۔ پھر جن مسلمانوں نے اس حکم کو سمجھ لیا انہوں نے روئے زمین کو اسلام کے نور سے بھر دیا اور جنہوں نے نہیں سمجھا وہ جہاد سے بھی محروم رہے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے اجر و ثواب سے بھی۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے عروج و زوال کا معیار اور نصاب بیان فرماتی ہے۔ مسلمان قَاتِلُوهُمْ کے حکم پر عمل کریں گے تو فتنہ ٹوٹے گا اور کمزور ہوگا۔ اور زمین پر اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہوگا اور جب مسلمان قَاتِلُوهُمْ کے حکم پر عمل چھوڑ دیں گے تو فتنہ ہر میدان میں انہیں تڑپائے گا ستائے گا اور مغلوب بنائے گا۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام دنیا میں نافذ ہونے اور غالب ہونے کے لئے آیا ہے۔ چنانچہ اس بات کو کافی نہ سمجھا جائے کہ کوئی کافر ہمیں مسلمان ہونے اور نماز پڑھنے سے نہیں روکتا۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ اَنْ مَّا لَكُمْ مِنْ شَيْءٍ آيَةٌ ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰكُمْ يُنْعِمُ الْمَوَلٰی وَیَنْعَمُ

اور اگر وہ پھر جائیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا دوست ہے اور وہ بہت اچھا دوست ہے اور بہت اچھا

النَّصِیْرُ ﴿۲۰﴾

مددگار ہے

خلاصہ

اگر وہ کافر اپنے کفر اور جنگ سے باز نہیں آتے اور مسلمانوں کی دعوت اسلام کو قبول نہیں کرتے تو مسلمانوں کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی اور مددگار ہے اور وہ بہت خوب حامی اور بہت خوب مددگار ہے۔

جہاد اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر ہے

”یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ خدا کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کر کے جہاد کریں کفار کی کثرت اور ساز و سامان سے مرعوب نہ ہوں جیسے ”جنگ بدر“ میں دیکھ چکے کہ خدا نے مسلمانوں کی کیا خوب امداد و حمایت کی۔“ (تفسیر عثمانی)

اگر وہ باز نہ آئیں

”اگر وہ اپنی شرارت، بغاوت سے باز نہ آئیں تو تم مومنین پیچھے نہ ہو خدا تعالیٰ تمہارا حامی و مددگار ہے۔“ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

یہ فتح کا صریح وعدہ ہے

وهذا وعد صریح بالظفر والنصر (البحر المحیط)

اس آیت میں فتح اور نصرت کا بالکل صریح وعدہ ہے۔

اگر وہ جنگ کرتے رہے

ای وان استمروا علی خلافکم ومحاربتکم فَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰكُمْ وَسِیْدُکُمْ وَنَاصِرُکُمْ
علی اعداءکم یَنْعَمُ الْمَوَلٰی وَیَنْعَمُ النَّصِیْرُ (ابن کثیر)

یعنی اگر وہ برابر تمہاری مخالفت میں لگے رہے اور تم سے جنگ کرتے رہے تو تم یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی تمہارا مالک اور دشمنوں کے خلاف تمہارا مددگار ہے۔

تم کسی کی پروا نہ کرو

”اگر اس میں وہ باز آگئے تو خیر ورنہ تم اطمینان رکھو خدا تمہارا حامی و مددگار ہے اور وہ سب سے اچھا حامی و مددگار ہے کسی کی پروا نہ کرو“ (تفسیر حقانی)

بزدلی اور جہاد چھوڑنے کی کوئی گنجائش نہیں

”فرمایا وَلَیِّن تَوَلَّوْا قَاعِلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰی کُمْ کہ کافر اگر روگردانی کریں، اسلام قبول نہ کریں اور تمہاری مخالفت و محاربت (یعنی تم سے جنگ کرنے پر) کمر باندھ رہیں تو ان سے لڑتے رہو اور بزدل نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے تمہاری مدد فرمائے گا۔

نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ وہ اچھا مولیٰ اور اچھا مددگار ہے۔ جب اس کی مدد شامل حال ہوگی تو تمہارے لیے بزدل بننے اور جہاد چھوڑ کر بیٹھ رہنے کا کوئی موقع نہیں۔“ (انوار البیان)

تمہارا اسلحہ کم مگر مددگار بڑا ہے

”اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر وہ ظلم و جور اور کفر و شرک سے باز نہ آئیں تو مسلمانوں کے ذمہ وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ ان سے قتال جاری رکھیں اور جہاد و قتال چونکہ بڑے لشکر اور بہت سے اسلحہ اور ساز و سامان پر عادت موقوف ہے اور مسلمانوں کو عام طور پر یہ چیزیں کم حاصل تھیں، اس لیے ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کو حکم قتال بھاری معلوم ہو یا وہ اپنی قلت تعداد اور قلت سامان کی وجہ سے یہ محسوس کرنے لگیں کہ ہم مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس لیے اس کا علاج اس طرح کیا گیا کہ مسلمانوں کو بتلایا گیا کہ اگرچہ تعداد اور سامان ان لوگوں کے پاس مسلمانوں سے زائد نہ ہو مگر وہ اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت و حمایت کہاں سے لائیں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہے جس کا وہ ہر میدان میں اپنے ساتھ مشاہدہ کرتے رہے ہیں اور فرمایا کہ یوں تو امداد و حمایت دنیا میں ہر فریق کسی نہ کسی سے حاصل کر ہی لیتا ہے مگر مددگار اس مددگار کی قوت و طاقت اور علم و تجربہ پر ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت و قوت اور علم و بصیرت سے زیادہ کیا، برابر بھی سارے جہاں کو حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ سب سے بہتر حمایتی اور مددگار ہے۔ (معارف القرآن)

دعوت جہاد کا دلنشین اختتام

پچھلی آیات میں مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے جہاد کی دعوت دی جا رہی تھی اور انہیں کافروں کی وہ خرابیاں سمجھائی جا رہی تھیں جن کی وجہ سے ان کے خلاف جنگ کی جاتی ہے۔ اس دعوت جہاد کے آخر میں مسلمانوں کو واضح الفاظ میں حکم دیا گیا کہ وہ دنیا سے کافروں کی طاقت و شوکت ختم کرنے اور دین اسلام کو غالب کرنے کے لئے ہمیشہ جہاد کرتے رہیں۔ یہ بہت ہی مشکل حکم ہے کیونکہ پوری دنیا کے کفر سے لڑنا اور پوری دنیا میں اسلام کو غالب کرنا کون سا آسان کام ہے۔ تب فرمایا کہ گھبرانے کی کیا بات ہے؟ ہم تمہارے مولیٰ ہیں۔

تم نے صرف عزم کرنا ہے اور نکلنا ہے باقی سارے کام اور ساری مدد تو مولیٰ کریم خود فرماتا ہے۔ کیا تم نے غزوہ بدر میں نہیں دیکھا کہ مولیٰ کریم نے کیسی عظیم الشان نصرت فرمائی۔ پس جہاد کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے پر جاری رکھو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نکتہ

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور حمایت مسلمانوں کے پلڑے میں ڈال دی ہے تو پھر ہر وقت جہاد سے بچنے کے لئے کافروں کی طاقت کو تو لتے رہنا اور خود کو کمزور سمجھ کر گھر بیٹھے رہنا مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آیت ۳۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ

اور جان لو کہ جو کچھ تمہیں بطور غنیمت ملے خواہ کوئی چیز ہو تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ہے

وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنْتُمْ

اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے اگر تمہیں اللہ تعالیٰ

أَمْنَتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا أُنزِلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّقَىٰ أَجْمَعِينَ

پر یقین ہے اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ کے دن اتاری جس دن دونوں جماعتیں ملیں

وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے

خلاصہ

اللہ تعالیٰ نے دنیا سے فتنے کے خاتمے اور اسلام کے غلبے کے لئے جہاد کا حکم دیا۔ اور اپنی حمایت اور نصرت کا وعدہ فرمایا۔ جب جہاد ہوتا ہے تو مال غنیمت بھی ملتا ہے۔ اس مال غنیمت کی تقسیم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی سے ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم اور مرضی یہ ہے کہ جو کچھ بھی غنیمت میں ملے اس کے پانچ حصے کیے جائیں۔ چار حصے تو مجاہدین میں تقسیم ہوں گے جبکہ پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کی نذر ہوگا۔ اس پانچویں حصے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی نیابت میں ان پانچ مصارف میں خرچ فرما سکتے ہیں: ۱۔ اپنی ذات مبارکہ پر ۲۔ اپنے اقربا (بنو ہاشم اور بنو المطلب) پر ۳۔ یتیموں پر ۴۔ حاجت مند مسلمانوں پر ۵۔ مسافروں پر۔ اے مسلمانو! اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کی اس نصرت پر جو اس نے ”یوم الفرقان“ یعنی غزوہ بدر کے دن اپنے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی یقین رکھتے ہو تو پھر تمہیں مال غنیمت اسی طرح تقسیم کرنا ہوگا۔ اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ قادر ہے کہ آئندہ بھی تم کو غلبہ اور فتوحات عطا فرمائے۔

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فتح و نصرت اتاری جس سے تم غالب ہوئے اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ آگے (یعنی آئندہ) اور فتحیں دیوے۔ جو مال کافروں سے لڑ کر لیں وہ غنیمت ہے اس میں پانچواں حصہ نیاز

اللہ کی ہے واسطے خرچ رسول کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خرچ ہے (یعنی آپ پر خرچہ ہے) اپنی ذات کا اور قرابت والوں کا اور حاجت مند مسلمانوں کا اور بعد حضرت کے بھی خرچ ہوتے ہیں سردار (یعنی امیر المومنین) کو اور جو مال صلح سے لیا (یعنی مال فتنے) وہ سارا خرچ مسلمانوں کا (یعنی بیت المال میں جمع ہوگا) پھر غنیمت میں (باقی) چار حصے رہے سوا لشکر کو تقسیم کرنا سوار کو دو حصے پیادہ کو ایک۔ (موضح القرآن)

تفسیر عثمانی

”آغاز سورۃ میں فرمایا تھا قل الانفال لله والرسول یہاں اس کی قدرے تفصیل بیان فرمائی ہے کہ جو مال غنیمت کا فروں سے لڑ کر ہاتھ آئے اس میں کا پانچواں حصہ خدا کی نیاز ہے، جسے خدا کی نیابت کے طور پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام وصول کر کے پانچ جگہ خرچ کر سکتے ہیں: ۱) اپنی ذات پر، ۲) اپنے ان قرابتداروں (بنی ہاشم و بنی المطلب) پر جنہوں نے قدیم (یعنی شروع) سے خدا کے کام میں آپ کی نصرت و امداد کی اور اسلام کی خاطر یا محض قرابت کی وجہ سے آپ کا ساتھ دیا اور مد زکوٰۃ وغیرہ سے لینا ان کے لئے حرام ہوا۔ ۳) یتیموں پر ۴) حاجت مند مسلمانوں پر ۵) مسافروں پر۔ پھر غنیمت میں جو چار حصے باقی رہے وہ لشکر پر تقسیم کیے جائیں۔ سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خمس کے پانچ مصارف میں سے ”حنفیہ“ کے نزدیک صرف تین اخیر کے باقی رہ گئے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا خرچ نہیں رہا اور نہ اہل قرابت کا وہ حصہ رہا جو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت قدیمہ کی بنا پر ملتا تھا البتہ مساکین اور حاجت مندوں کا جو حصہ ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتدار، مساکین اور اہل حاجت کو مقدم رکھا جانا چاہیے۔ بعض علماء کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر المومنین کو اپنے مصارف کے لئے خمس الخمس (یعنی خمس کا پانچواں حصہ) ملنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔ بعض روایات میں ہے کہ جب ”غنیمت“ میں سے خمس (اللہ کے نام کا پانچواں حصہ) نکالا جاتا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کا کچھ حصہ بیت اللہ (کعبہ) کے لئے نکالتے تھے۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاں سے کعبہ بعید (یعنی دور) ہے وہاں مساجد کے لئے نکالنا چاہیے۔ یوم الفرقان ”فیصلہ کے دن“ سے مراد ”یوم بدر“ ہے جس میں حق و باطل کی کشمکش کا کھلا ہوا فیصلہ ہو گیا۔ اس دن حق تعالیٰ نے اپنے کامل ترین بندے پر فتح و نصرت اتاری۔ فرشتوں کی امداد کی کمک بھیجی اور سکون و اطمینان کی کیفیت نازل فرمائی تو جو لوگ خدا پر اور اس کی تائید غیبی (یعنی غیبی مدد و نصرت) پر ایمان رکھتے ہیں ان کو غنیمت میں سے خدا کے نام کا پانچواں حصہ نکالنا بھاری نہیں ہو سکتا۔“ (تفسیر عثمانی)

نائدہ

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے عربی تفاسیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا نچوڑ اور خلاصہ ان دو عبارتوں میں آگیا ہے اب ملاحظہ فرمائیے آیت سے متعلق دیگر فوائد اور احکام۔

آیت مبارکہ کا ربط

۱ امام ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ومناسبة هذه الآية لما قبلها: انه لما امر تعالى بقتال الكفار حتى لا تكون فتنة، اقتضى ذلك وقائع وحروباً، فذكر بعض احكام الغنائم.

یعنی اس آیت کا ماقبل سے ربط یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں سے فتنے کے خاتمے تک لڑنے کا حکم دیا تو لازمی بات ہے کہ اس حکم کو پورا کرنے کیلئے جنگیں اور معرکے ہوں گے (اور ان میں غنیمت بھی مل سکتی ہے) تو اس آیت میں مال غنیمت کے بعض احکام ذکر فرمادیئے۔ اس کے بعد امام ابو حیان یہ وجد آفرین جملہ لکھتے ہیں:

وكان في ذلك تبشير للمؤمنين بغلبتهم للكفار

اور اس میں مسلمانوں کے لئے کافروں پر غالب آنے کی خوشخبری اور بشارت ہے (کیونکہ مال غنیمت غلبے کی صورت میں ملتا ہے)۔ (المحر الحظ)

معلوم ہوا کہ آیت کا تعلق وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ والی آیت کے ساتھ ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ بھی اس کی تائید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اوپر آیت وَقَاتِلُوهُمْ میں قتال کا حکم تھا چونکہ گاہے (یعنی کبھی) قتال میں غنیمت بھی حاصل ہوتی ہے اس لیے آگے اس کا حکم بیان فرماتے ہیں۔ (بیان القرآن)

امام رازی رحمہ اللہ نے بھی اس آیت کو وَقَاتِلُوهُمْ والی آیت سے جوڑا ہے۔ اب اگر غور کیا جائے تو اس آیت کو وَقَاتِلُوهُمْ والی آیت کے ساتھ جوڑنے سے چند باتیں آسانی سے سمجھی جاسکتی ہیں:

مال غنیمت کی تقسیم کا یہ قانون قیامت تک کے لئے ہے پس اس سے وَقَاتِلُوهُمْ والی آیت کے حکم کا بھی ہمیشہ کے لئے ہونا معلوم ہو گیا۔ وَقَاتِلُوهُمْ والی آیت میں ایک طویل جہاد کا حکم تھا کہ جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے اور اسلام غالب نہ ہو جائے اس وقت تک لڑتے رہو۔ ظاہر بات ہے فتنے کا مکمل خاتمہ اور اسلام کا مکمل غلبہ تو قرب قیامت ہی میں حاصل ہوگا اب سوال یہ تھا کہ اتنی لمبی جنگ کے لئے اسباب کہاں سے آئیں گے تو حکم کے فوراً بعد غنیمت کا مسئلہ بیان فرما کر مسلمانوں کو تسلی دے دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کفار کے اموال اور ان کی سلطنتیں انہیں عطاء فرمائے گا تب ان اموال و اسباب کے ذریعہ جہاد کے عمل کو جاری رکھنے میں آسانی ہو جائے گی۔

وَقَاتِلُوهُمْ والی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ قتال اس لیے ہے تاکہ فتنے کا خاتمہ ہو جائے جبکہ خود اس امت کے لئے سب سے بڑا فتنہ مال ہے جب جہاد میں اموال ملیں گے تو مسلمان فتنے میں پڑ جائیں گے تو انہیں فتنے سے بچانے کے لئے مال غنیمت کی تقسیم کا قانون بتا دیا گیا کہ جب تم اس مال کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم کرو گے تو فتنے سے بچ جاؤ گے اور تم پر لازم ہے کہ تم اس تقسیم کو قبول کر کے فتنے سے بچو کیونکہ تمہارا جہاد تو ہر طرح کے فتنے کے خاتمے کے لئے ہے۔ غنیمت ملنے ہی پہلا حصہ اللہ تعالیٰ کا نکالو، پھر مجاہدین میں شرعی قانون کے مطابق تقسیم کرو۔

وَقَاتِلُوهُمْؕ والی آیت مسلمانوں پر جہاد کو فرض کرتی ہے، جب مسلمان اس فریضے کے لئے نکلیں گے تو خود ان کی روزی کا کیا ہوگا آخر انسان کے ذاتی اور گھر بیلو تقاضے بھی اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں چنانچہ فرضیت جہاد کے حکم کے فوراً بعد مال غنیمت کا تذکرہ آ گیا کہ اللہ تعالیٰ جہاد کرنے والے مسلمانوں کو یہ پاکیزہ مال عطا فرمائے گا اور اس کے ذریعے ان کی ضرورتیں پوری فرمائے گا چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری روزی میرے نیزے کے سائے میں رکھی گئی ہے۔ اوکما قال

وَقَاتِلُوهُمْؕ والی آیت میں کفار کے زور کو توڑنے کا حکم تھا اور اس سے پہلے بتایا گیا تھا کہ کفار کا زور ان کے اموال کے بل بوتے پر ہے اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے اموال خرچ کر کے جنگ کرتے ہیں اور اتحاد بناتے ہیں، پس کافروں کے ہاتھ میں زیادہ مالی قوت کا ہونا تمام انسانوں کے لئے موت سے زیادہ خطرناک ہے تو وَقَاتِلُوهُمْؕ کے بعد غنیمت کا تذکرہ چھیڑ کر اشارہ دیا گیا کہ تمہارے جہاد کی وجہ سے کفار کی مالی طاقت ٹوٹ جائے گی اور ان کے وہ اموال و اسباب جنہیں وہ انسانوں کی گمراہی اور بربادی کے لئے خرچ کرتے ہیں ”اموال غنیمت“ بن جائیں گے اور ان اموال غنیمت سے فقیروں، مسکینوں، یتیموں کی کفالت ہوگی اور اسلامی خلافت اور جہادی تحریک مضبوط ہوگی، گویا کہ اس میں بشارت بھی ہے اور ترغیب بھی کہ مسلمان اس طرف توجہ کریں کہ دشمنان اسلام کی مالی قوت کو زیادہ طاقتور نہ ہونے دیں یعنی موذی سانپ کے زہر اور دانتوں کو نہ بڑھنے دیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

۲ آیت کا ماقبل کے ساتھ دوسرا ربط یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق سورۃ الانفال کی پہلی آیت قُلِ الْاِنْفَالُ لِلّٰهِ وَالنَّبِيِّؕ کے ساتھ ہے اور یہ آیت اس آیت کی تفصیل ہے۔ تفسیر عثمانی کی عبارت میں اسی ربط کو اختیار کیا گیا ہے۔ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ بھی لکھتے ہیں:

اور اگر ان آیتوں کا نزول غزوہ بدر میں ہو جیسا کہ اکثر کا قول ہے تو یہ آیت شروع سورۃ کی آیت قُلِ الْاِنْفَالُ لِلّٰهِ وَالنَّبِيِّؕ کی من وجہ تفصیل ہو جائے گی۔ (بیان القرآن)

ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال الکلبی نزلت ببدر، وقال الواقدي كان الخمس في غزوة بني قينقاع بعد بدر بشهر وثلاثة ايام للنصف من شوال على رأس عشرين شهرا من الهجرة۔

یعنی کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بدر کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ واقدی رحمہ اللہ کے نزدیک بدر کے ایک مہینہ تین دن بعد غزوہ بنی قینقاع کے موقع پر نازل ہوا۔ (المحرر المحیط)

اب سوال یہ ہے کہ یہ آیت قل الانفال لله والرسول والی آیت کو منسوخ کرتی ہے یا نہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے دونوں اقوال ذکر کیے ہیں۔ حضرات اکابر کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ ترجیح اس قول کو ہے کہ وہ

آیت بھی منسوخ نہیں ہوئی بلکہ جب بدر کی غنیمت میں حضرات صحابہ کرام کا اختلاف ہوا تو انہیں دنیا کی محبت سے بے غرض کرنے اور باہمی اختلاف سے بچانے کے لئے فرمایا گیا کہ مال غنیمت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اس بارے میں آپ لوگوں کو رائے دینے اور اختلاف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح چاہیں گے اس مال کا فیصلہ فرمائیں گے۔ یہ اعلان سن کر صحابہ کرام کے قلوب بالکل ٹھیک ہو گئے اور ان کی توجہ مال غنیمت سے ہٹ گئی اور وہ دوبارہ بے غرض مجاہد بن گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر مال غنیمت کے چار حصے انہیں واپس لوٹا دیئے اور قیامت تک کے لئے تقسیم غنائم کا قانون نازل فرمادیا۔ گویا کہ پہلی آیت میں مختصر فیصلہ تھا کہ غنیمت کی تقسیم اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگی اور اس آیت میں اس حکم کی تفصیل آ گئی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

غنیمت کے لغوی اور اصطلاحی معنی

غنیمت کے لغوی معنی الفوز بالشیء یعنی کسی چیز کو پالینا، کسی چیز کو لینے میں کامیاب ہو جانا۔ (التفسیر الکبیر) امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الغنیمۃ فی اللغة ما ینالہ الرجل او الجماعة بسعی غنیمت لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جسے کوئی فرد یا جماعت کوشش کر کے حاصل کرے۔ جبکہ شریعت کی اصطلاح میں غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو قوت کے زور پر جنگ میں کافروں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ مال الکفار اذا ظفر بہ المسلمون علی وجه الغلبة والقهر (القرطبی) والغنیمۃ فی الشریعۃ ما دخلت فی ایدی المسلمین من اموال المشرکین علی سبیل القهر بالخیل والרכاب (التفسیر الکبیر) جبکہ فتنے وہ مال کہلاتا ہے جو کفار سے جنگ کے بغیر حاصل ہو جائے۔ یعنی جب وہ ہتھیار ڈال دیں اور صلح کی درخواست کریں۔

بعض الفاظ کے معانی

واعلموا انما میں ما بمعنی الذی ہے اور اس اسم موصول کا صلہ غنمتم ہے اس میں ضمیر مخذوف ہے تقدیر یوں ہوگی واعلموا ان الذی غنمتموه (المدارک) من شیء میں من بیان کے لئے ہے اور تنوین سے معلوم ہوا کہ جو چیز بھی غنیمت میں ملے حتیٰ کہ سوئی اور دھاگہ وہ سب اس حکم کے مطابق تقسیم ہوگا۔

من شیء بیانہ قیل حتی الخیط والمخیط (المدارک)

حضرات فقہاء کرام نے احادیث مبارکہ کی روشنی میں دوران جنگ کچھ چیزوں کے استعمال کو اس حکم سے مستثنیٰ

فرمایا ہے مثلاً کھانے پینے کی اشیاء اور ایمونیشن (اسلحہ) وغیرہ۔

فَإِنَّ لِلَّهِ حُصْنَهُ ”فقہاء حنفیہ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام مصارف خمس کی ابتداء میں محض برکت کے لئے آیا ہے کہ حقیقتہً تو اللہ کی ملک و مملوک دنیا کی ہر چیز ہے۔ ذکرہ تعالیٰ للتبرک باسمہ فی ابتداء الکلام اذ کل للہ“ (در مختار)۔ (تفسیر ماجدی)

ایک مسلمان مجاہد کا فرض بنتا ہے کہ جب اسے فتح اور مال غنیمت ملے تو وہ اس میں بھی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے جس کی خاطر اس نے جہاد کیا ہے اور جس کی نصرت سے اسے فتح ملی ہے اس لیے مصارف کا آغاز اللہ تعالیٰ کے نام سے کیا گیا کہ وہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا حصہ نکالے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینا ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو دیا (کما ہو مصرح فی التفسیر) اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بیت المال میں جمع کرانا اور غریبوں مسکینوں کو دینا بھی ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ورنہ وہ تو غنی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

”یعنی کل مال غنیمت کا ۵/۴ حصہ تو غازیوں میں تقسیم ہو جائے گا اور باقی ۵/۱ اللہ کی نذر ہوگا یعنی خالص رضائے الہی کے کاموں میں اور اشاعت و اعانت دین میں صرف ہوگا۔

آجکل کی اصطلاح میں یہ حصہ اسلامی اسٹیٹ کا ہوگا اور اسلامی سرکاری خزانہ میں جمع ہوگا۔“ (تفسیر ماجدی)

وَلِلرَّسُولِ ”اللہ اور رسول کے یہ دو حصے الگ الگ نہیں کل ایک ہی حصہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانہ حیات میں ملتا تھا، نائب الہی اور خلیفۃ اللہ کی خدمت میں اسے پیش کر دینا اللہ ہی کے حضور پیش کرنا تھا۔ سرکاری ۵/۱ کا یہ پانچواں حصہ یعنی کل کا محض ۲۵/۱۱ اس کو مل رہا ہے جو ایک ہی وقت میں آمر حکومت بھی تھا امیر لشکر بھی تھا حامل رسالت بھی تھا۔ وفات شریف کے بعد یہ حصہ ساقط ہو گیا۔

وسهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم سقط بموته (ہدایہ) وسهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما کان له مادام حیا فلما توفی سقط سهمہ (جصاص)

شافعیہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کو یہ حصہ ملے گا لیکن حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حصہ تو منصب رسالت کی بنا پر تھا اور رسالت آپ کے بعد رہی نہیں۔

لانه عليه السلام كان يستحقه برسالته ولا رسالة بعده (ہدایہ)

خود خلفاء راشدین کا تعامل بھی حنفیہ ہی کی تائید میں ہے کہ انہوں نے کبھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اپنی جانب منتقل نہیں کیا۔“ (تفسیر ماجدی)

یوم الفرقان

جمعہ کا دن سترہ رمضان ۲ھ مطابق ۶۲۴ء..... غزوہ بدر کا دن جس دن حق و باطل کا ایسا فیصلہ ہوا کہ سب کو کھلی آنکھوں سے نظر آ گیا اور قیامت تک کے لئے ایک مثال قائم ہو گئی۔

والمراد منه ما انزل عليه من الآيات، والملئكة والفتح ذلك اليوم (التفسير الكبير)
یعنی اس دن نازل ہونے والی چیزوں سے مراد آیات، فرشتے اور فتح وغیرہ ہیں۔

وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ اسی يقدر على نصرکم وانتم قليلون ذليلون (تفسير الكبير)
یعنی وہ اس حال میں بھی تمہیں غالب کرنے پر قادر ہے جب تم تھوڑے اور کمزور ہو۔

فائدہ

اللہ تعالیٰ مال غنیمت کی تقسیم کا قانون بیان فرماتے ہوئے پھر غزوہ بدر کی یاد دلاتا ہے کہ اگر چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتوحات کا سلسلہ جاری رہے تو پھر ”اموال غنیمت“ میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

عجیب نکتہ

مال غنیمت کی تقسیم کے اس قانون کو باریکی سے دیکھیں اور پھر اندازہ لگائیں کہ جہاد کا عمل کتنا عظیم، اونچا اور مبارک عمل ہے۔ مجاہد نے جہاد کیا اور غنیمت لے آیا۔ اب اللہ پاک نے محبت سے فرمایا کہ پہلا حصہ میرا۔ سبحان اللہ! کتنی محبت کا اظہار ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو غنی ہے۔

پھر اسی مال غنیمت میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ مقرر فرما دیا۔ اپنے محبوب اور آخری نبی ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ جس مال کو مقرر فرما رہا ہے خود اندازہ لگالیں کہ وہ مال کتنا پاکیزہ اور مبارک ہوگا۔ پھر یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حصہ کہ جہاد اور مجاہد کے فیض سے امت مسلمہ کے محروم طبقے بھی راحت اور سکون حاصل کریں۔ روایات میں کعبہ شریف اور مساجد کے لئے مال غنیمت میں سے حصہ نکالنے کا تذکرہ موجود ہے تو جہاد کا فیض کعبہ شریف کی خدمت میں اور مساجد کی آبادی میں بھی پہنچا۔ خود اندازہ لگائیں جہاد کتنا عظیم، اونچا اور مبارک عمل ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آیت ۲۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدُوِّ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدُوِّ الْقَصْوٰی وَالرَّكْبُ

جس وقت تم درلے کنارے پر تھے اور وہ پرلے کنارے اور قافلہ تم سے

اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي السَّيْعِ وَلَا لٰكِنْ

نیچے اتر گیا تھا اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو ایک ساتھ وعدے پر نہ پہنچتے لیکن

يَقْضِي اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ

اللہ تعالیٰ کو ایک کام کرنا تھا جو مقرر ہو چکا تھا تاکہ جو ہلاک ہو وہ اتمامِ حجت کے بعد ہلاک ہو

وَيَحْيٰی مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۲۲

اور جو زندہ رہے وہ اتمامِ حجت کے بعد زندہ رہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے

خلاصہ

یوم الفرقان یعنی فیصلہ والا دن، خاص مدد والا دن۔ یہ وہ وقت تھا جب مسلمان ابوسفیان کے قافلے کو پانے کے لئے اور مشرکین مکہ اس قافلے کو بچانے کے لئے اچانک آمنے سامنے آ گئے۔ مسلمان میدانِ بدر کے مدینہ منورہ کی جانب والے کنارے پر تھے۔ یہ جگہ جنگ کے لئے مناسب نہیں تھی اور مشرکین میدان کے اس کنارے پر تھے جو مدینہ سے دور تھا یہ جگہ صاف زمین تھی اور پانی کے قریب تھی۔ ادھر ابوسفیان کا قافلہ مسلمانوں سے ہٹ کر نیچے کی طرف ساحلِ سمندر والے راستے پر نکل چکا تھا۔ دونوں لشکر مقابلے کے لئے خود بخود آمنے سامنے آ گئے حالانکہ اگر یہ جنگ پہلے سے طے شدہ ہوتی تو دونوں فریق مقررہ وعدہ پر میدان میں نہ پہنچتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے دونوں لشکروں کو آمنے سامنے کر دیا تاکہ مسلمانوں کی فتح اور دین کے غلبے کا جو فیصلہ ہو چکا تھا اسے پورا کر دیا جائے۔ غزوہ بدر کے موقع پر اسلام کی حقانیت اور کفر و شرک کے باطل ہونے کو اس لیے بالکل واضح کر دیا گیا تاکہ اتمامِ حجت ہو جائے اور جو کفر پر رہے اس کو پتہ ہو کہ وہ باطل پر ہے اور حق دیکھنے کے باوجود ہلاکت کی طرف جا رہا ہے اور جو ایمان اختیار کرے اسے کھلی آنکھوں سے نظر آئے کہ وہ حق و کامیابی کے راستے پر ہے۔ گویا کہ مغالطے کا دروازہ بند ہو جائے باقی اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز اور کوئی حالت چھپ نہیں سکتی وہ خوب سننے والا خوب علم والا ہے۔

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

یعنی قریش اپنے قافلہ کی مدد کو آئے تھے اور تم قافلہ کی غارت کو (نکلے تھے) قافلہ بچ گیا اور دونوں فوجیں ایک میدان کے دو کناروں پر آپڑیں ایک کو دوسرے کی خبر نہیں۔ یہ تدبیر اللہ کی تھی اگر تم قصداً جاتے تو ایسا بروقت نہ پہنچتے اور اس فتح کے بعد کافروں پر صدق پیغمبر کا کھل گیا۔ جو مرا وہ بھی یقین جان کر مرا اور جو جیتا رہا وہ بھی حق پہچان کر (تاکہ) اللہ کا الزام پورا ہو (یعنی حجت پوری ہو جائے)۔ (موضح القرآن)

بعض الفاظ کی ترکیب اور معنی

إِذْ أَنْتُمْ مِّنْ اذِ بَدَلٍ هَـ "یوم" سے (جلالین)

یعنی یوم الفرقان وہ دن ہے جب تم ادھر والے کنارے پر تھے۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ یہ بدل ہے وما انزلنا سے۔

ای انزلنا اذ انتم علی هذه الصفة۔ (قرطبی)

تیسری ترکیب یہ ہے کہ یہاں اذ کروا مضمرب ہے۔ یعنی اذکروا اذ انتم۔ انہ متعلق بمضمربہ معنایہ

واذکروا اذ انتم۔ (تفسیر کبیر)

الْعُدْوَةُ کنارے کو کہتے ہیں۔ والعدوة جانب الوادی۔ (القرطبی)

قال ابن السکیت عدوة الوادی وعدوته جانبہ۔ (تفسیر کبیر)

الْأُتُيَا یہ الادنی کی تانیث ہے، معنی ہے قریب

والدنیا: تانیث الادنی من دنا یدنوا۔ (القرطبی)

وَالْقُصُوصُ یہ الاقصیٰ کی تانیث ہے معنی ہے دور

والقصویٰ تانیث الاقصیٰ من قصا یقصو۔ (القرطبی)

فالدنیا کان مما یلی المدينة والقصویٰ مما یلی مکه۔ (القرطبی)

"الْعُدْوَةُ الدُّنْيَا" یعنی مدینہ سے قریب تر حصہ میں شام سے جوشاہراہ مکہ کو آتی تھی اسی سے متصل قصبہ بدر کی حدود سے ذرا پہلے شمال و مغرب کی سمت میں یہ پہاڑی پڑتی تھی (مسلمان یہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے)۔ (تفسیر ماجدی)

الْعُدْوَةُ الْقُصُوصُ یعنی مدینہ سے بعید تر حصہ میں یہ پہاڑی قصبہ بدر کے جنوب و مشرق میں تھی سالار قریش

ابوجہل مخزومی اپنی فوج لے کر یہیں مقیم تھا۔ (تفسیر ماجدی)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وکان الماء فی العدوۃ التي نزل بها المشرکون۔

یعنی پانی اس جانب تھا جہاں مشرکین نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ (تفسیر کبیر)

جنگ بدر کا نقشہ بتانے کا مقصد

امام نفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ليعلم الخلق ان النصر والغلبة لا تكون بالكثرة والاسباب بل بالله تعالى..... الخ
(اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دونوں لشکروں کے پڑاؤ کی جگہ اور مراکز بتائے حالانکہ اس زمانے کے لوگوں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا تھا یہ اس لیے بیان فرمایا) تاکہ تمام انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ فتح و غلبہ زیادہ تعداد اور زیادہ اسباب سے نہیں ملتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم (اور اس کی نصرت سے) ملتا ہے۔ آگے جنگ بدر کے اس نقشے کا حال بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

وذلك ان العدو القصوى التي اناخ بها المشركون كان فيها الماء وكان ارضا لا بأس بها ولا ماء بالعدوة الدنيا وهي خبار تسوخ فيها الرجل ولا يمشى فيها الا بتعب ومشقة وكان العير وراء ظهور العدو مع كثرة عددهم وعدتهم وقلة المسلمين وضعفهم ثم كان ماکان۔ (المدارك)

(ظاہری اسباب کے تحت فتح مشرکین کو ملنی چاہیے تھی۔ مگر فتح اور غلبہ اسباب سے نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملتا ہے) وہ اس طرح کہ مشرکین نے جس دور والے کنارے پر پڑاؤ ڈالا تھا وہاں پانی موجود تھا اور زمین اچھی تھی جبکہ ادھر (مسلمانوں) والی جانب پانی بھی نہیں تھا اور زمین نرم تھی، اس میں پاؤں دھنتے تھے اور اس میں بلا مشقت چلنا ممکن نہیں تھا اور قافلہ بھی دشمنوں کے لشکر کی پشت پر تھا (یعنی ان کی مدد کو آ سکتا تھا) اور اس کے ساتھ ساتھ دشمن کے لشکر کی تعداد اور تیاری بہت زیادہ تھی جبکہ مسلمان کم اور کمزور تھے۔ اس سب کے باوجود وہی ہوا جو ہونا تھا۔ (المدارک)

وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَسَيَبِغُ عَلَيْكُمْ

”یعنی اللہ تعالیٰ کمزور مظلوموں کی فریاد سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کس طریقہ سے ان کی مدد کی جائے، دیکھو بدر میں مسلمانوں کی فریاد کیسی سنی اور کیسی مدد فرمائی۔“ (تفسیر عثمانی)

غزوہ بدر کی کیفیات

قرآن پاک مسلمانوں کو بار بار غزوہ بدر یاد دلاتا ہے تاکہ وہ غزوہ بدر کی ترتیب کو بار بار زندہ کریں اور دنیا میں اسلام کو غلبہ نصیب ہو۔ غزوہ بدر کی اس یاد دہانی میں اس کی ایک ایک کیفیت یاد دلائی جاتی ہے تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کا یقین پیدا ہو جائے اور وہ جہاد کے مختلف مراحل میں غزوہ بدر کی ترتیب کو زندہ کر سکیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ بدر میں نکلنا، اللہ تعالیٰ کا دو جماعتوں میں سے ایک عطا فرمانے کا وعدہ کرنا، بعض مسلمانوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی کمزوری کی وجہ سے بحث کرنا، جنگ کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ

تعالیٰ کو پکارنا اور اس کے حضور فریاد کرنا، آسمان سے بارش کا برسنا، اونگھ اور غوغائی کے ذریعہ مسلمانوں کو سکون ملنا، فرشتوں کا اترنا، فرشتوں کا لڑنا، الغرض ایک ایک کیفیت اور ایک ایک ادا قرآن پاک نے محفوظ فرمائی۔ اور قیامت تک کے مسلمانوں کو سنائی۔ اب اس آیت میں میدان جنگ کا وہ نقشہ بیان فرمایا جس کی رو سے کافروں کی فتح یقینی تھی مگر انہیں عبرتناک شکست ملی۔

ناہموار حالات میں حق کو غالب کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کون سا مشکل ہے۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کی نصرت کو نہیں دیکھتے، اس کے حکم کو مان کر میدان جہاد میں نہیں نکلتے، بس حالات کی ناہمواری کا رونا روتے رہتے ہیں اور گھر بیٹھے رہتے ہیں۔ غزوہ بدر کے دن مسلمانوں کے لئے کون سے حالات درست، موافق یا ہموار تھے۔ وہ پوری جنگ اللہ تعالیٰ کی مدد کے سہارے لڑی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد آج بھی ایمان والوں کے ساتھ ہے مگر اُس وقت جب وہ جہاد میں نکل کر اور جان و مال کی قربانی پیش کر کے اپنے ”مومن“ ہونے کا ثبوت دیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جہاد سے دلیل واضح ہوتی ہے

اس آیت میں بالکل صاف الفاظ میں بتا دیا گیا کہ یہ معرکہ کیوں ہوا؟ تاکہ اللہ تعالیٰ حق کا حق ہونا ایسا ظاہر فرما دے کہ دوست دشمن سب پہچان لیں۔ پھر جس کی مرضی حق پر جئے اور جس کی مرضی باطل پر مرے۔ پس جہاد ہی وہ عمل ہے جس میں مسلمان جب اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اپنی قلت و کمزوری کے باوجود نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی نصرت فرماتا ہے۔ اور انہیں ایسی فتح اور ایسی شان عطا فرماتا ہے کہ دشمنان اسلام بھی اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ پھر ان میں سے جس کی فطرت بالکل مسخ نہیں ہوئی ہوتی وہ اسلام قبول کر لیتا ہے۔ اور جس کی فطرت مسخ ہو چکی ہوتی ہے وہ کفر پر تو ضرور رہتا ہے مگر وہ جان لیتا ہے کہ وہ باطل پر ہے۔ لیکن جب جہاد نہیں ہوتا اور کافروں کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ خود کو حق پر سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کی کمزوری اور غلامی دیکھ کر ان کی غلط فہمی یقین کی حد تک پہنچ جاتی ہے جبکہ مسلمانوں میں سے کمزور ایمان والے افراد کافروں کی ظاہری ترقی اور قوت دیکھ کر اسلام کے بارے میں شک کرنے لگتے ہیں۔ گویا کہ معاملہ الٹا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اجتماعی طور پر فریضہ جہاد کو غزوہ بدر کی ترتیب پر زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ارحم الراحمین

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال محمد بن اسحاق: ليكفر من كفر بعد الحجة لما رأى من الآية والعبرة، ويومن من آمن على مثل ذلك، وهذا تفسير جيد وبسط ذلك انه تعالى يقول: انما جمعكم مع عدوكم في مكان واحد، على غير ميعاد، لينصركم عليهم ويرفع كلمة الحق على الباطل، ليصير الامر ظاهرا والحجة قاطعة والبراهين ساطعة، ولا يبقى لأحد حجة، ولا شبهة، وحينئذ يهلك من هلك اى

یستمر فی الکفر من استمر فیہ علی بصیرۃ من امرہ انہ مبطل لقیام الحجة علیہ، ویحی من حی ای یومن من آمن عن بینة ای حجة وبصیرۃ والایمان هو حياة القلوب، قال اللہ تعالیٰ: **أَوْ مَنْ كَانَ مِيتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ** (الأنعام ۱۲۲) (تفسیر ابن کثیر)

سبحان اللہ! جہاد کی کیا شان ہے کہ مومن کے ایمان کو بصیرت والا بنا دیتا ہے اور کافر کے کفر کو خود کا فر پر واضح کر دیتا ہے چونکہ سب سے بڑا جہاد بدر کے دن ہوا ہے اس لیے اس کا نام ”یوم الفرقان“ پڑ گیا۔

طے شدہ جنگ کیوں نہ ہوتی

اس آیت میں فرمایا گیا ہے **وَلَوْ تَوَاعَدُ شُعُرٌ لَّا خَتَلَفْتُمْ** یعنی اگر دونوں فریق یہ جنگ پہلے سے طے کرتے تو اس جنگ کی نوبت ہی نہ آتی **لَّا خَتَلَفْتُمْ** کے بارے میں مفسرین نے دو قول لکھے ہیں:

① مسلمان اپنی کمزوری، قلت اور بے سروسامانی کی وجہ سے میدان میں آنے سے ہچکچاتے اور کافر مسلمانوں کی جرأت، ہمت اور فدائی جذبے کے ڈر سے میدان کا رخ نہ کرتے۔ ② یہ اختلاف خود مسلمانوں میں ہو جاتا کہ کچھ لڑنے پر آمادہ ہوتے اور کچھ راضی نہ ہوتے اس لیے کہ جہاد کا معاملہ ابھی نیا تھا اور مسلمان کمزور اور بے سروسامان تھے۔ (ملخص از بیان القرآن)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ ۚ اٰیَاتُهَا ۲۴۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذْ یُرِیْکُمْ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِکَ قَلِیْلًا ۖ وَتَوَّارِکُمْ کَثِیْرًا

جب کہ اللہ تعالیٰ نے وہ کافر تجھے تیرے خواب میں تھوڑے کر کے دکھائے اور اگر تجھے بہت

تَفَشِلْتُمْ ۚ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۚ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ

دکھلا دیتا تو تم لوگ نامردی کرتے اور کام میں جھگڑا ڈالتے لیکن اللہ تعالیٰ نے بچا لیا جو بات دلوں

یَذَاتِ الصُّدُوْرِ ۚ وَاِذْ یُرِیْکُمْوْهُمْ اِذِ التَّقِیْتُمْ فِیْ اَعِیْنِکُمْ

میں ہے وہ اسے خوب معلوم ہے۔ اور جب تمہیں وہ فوج مقابلہ کے وقت تمہاری آنکھوں میں تھوڑی کر کے دکھائی

قَلِیْلًا ۚ وَیَقِلُّلَکُمْ فِیْ اَعِیْنِهِمْ لَیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا ۖ

اور تمہیں ان کی آنکھوں میں تھوڑا کر کے دکھایا تاکہ اللہ تعالیٰ ایک کام پورا کر دے جو مقرر ہو چکا تھا

وَاِلٰی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۚ

اور ہر کام اللہ تعالیٰ تک ہی پہنچتا ہے

خلاصہ

غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مزید دو طرح سے نصرت فرمائی پہلی یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ سے پہلے خواب میں دکھایا کہ مشرکین کا لشکر کم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب اپنے صحابہ کرام کو بتایا تو ان کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اگر ان کی تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو مسلمانوں میں کم ہمتی پیدا ہو جاتی اور ان کی صفوں میں ایسا اضطراب پیدا ہو جاتا کہ وہ دشمنوں سے لڑنے کے معاملے میں باہم اختلاف کرنے لگتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں کم ہمتی اور اختلاف سے محفوظ رکھا کیونکہ وہ دلوں کے حالات جانتا ہے اس لیے اس نے دلوں کی مضبوطی کا سامان کر دیا۔ دوسری نصرت یہ ہوئی کہ جنگ کے وقت ابتداء میں دونوں لشکر ایک دوسرے کو کم تعداد والا دیکھ رہے تھے۔ اس سے بھی مسلمانوں کو کئی طرح کے جنگی فائدے حاصل ہوئے۔ اور اس تدبیر کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے کفار کی مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کا اپنا فیصلہ نافذ فرما دیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں سارے معاملات ہیں جو کچھ وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور ہر معاملہ حقیقت میں اسی کی طرف لوٹتا ہے۔

دوسوال

آیت مبارکہ تو بالکل واضح ہے مگر اس میں دوسوال پیدا ہو سکتے ہیں: ۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب تو سچا ہوتا ہے

جبکہ مشرکین کا لشکر تو حقیقت میں مسلمانوں کے لشکر سے بہت بڑا تھا پھر خواب میں چھوٹا دیکھنے کے کیا معنی ہیں؟ ۲ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہر لشکر اپنے مد مقابل لشکر کو کم اور تھوڑا دیکھ رہا تھا جبکہ آل عمران کی آیت یرؤنہم مثلہم میں گزر چکا ہے کہ دونوں لشکر اپنے مد مقابل کو اپنے سے دگنا (دوچند) دیکھ رہے تھے تو دونوں آیتوں کو کس طرح سے جوڑا جائے گا؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا ہوتا ہے۔ مگر خواب میں خود وہ خواب مراد نہیں ہوتا بلکہ اس کی تعبیر مراد ہوتی ہے اور تعبیر کے اعتبار سے یہ خواب بالکل سچا تھا کیونکہ اس کی کئی سچی تعبیریں تھیں مثلاً:

۱ کافروں کے کم ہونے کا مطلب ان کی شکست تھی۔ چنانچہ ان کو اس جنگ میں عبرتناک شکست ہوئی۔
۲ کافروں کے کم ہونے کا مطلب جنگ میں ان کی کمزوری تھی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ باوجود مسلح اور بہادر ہونے کے ہمت کے ساتھ نہ لڑ سکے ان کے دلوں پر رعب چھا گیا ان کی صفیں منتشر ہو گئیں ان کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور مسلمانوں نے ان کو ایسے مارا اور پکڑا جس طرح وہ مسلح لشکر نہیں بکریوں اور دُنبوں کا ریوڑ ہو۔

۳ کافروں کے کم ہونے کا مطلب یہ تھا کہ ان میں سے اکثر بعد میں مسلمان ہو گئے تو خواب میں صرف وہی کافر دکھائے گئے جو حالت کفر پر مرے۔

۴ بزدل افراد جتنے بھی زیادہ ہوں وہ کم ہوتے ہیں اور بہادر جتنے کم ہوں وہ زیادہ ہوتے ہیں۔ خواب میں ان کی تعداد کم دکھانے کا مطلب ان کی بزدلی تھی کہ یہ میدان جنگ میں بزدلی دکھائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
الغرض خواب میں کوئی منظر دکھا کر اس کے نتیجے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اہل تعبیر نے لکھا ہے کہ سردیوں میں اپنے گھر میں آگ لگی دیکھنا مال اور سونا ملنے کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اب کوئی آدمی خواب میں آگ دیکھے اور اس کو سونا مل جائے تو یہی کہا جائے گا کہ اس کا خواب سچا ہے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کی تعبیر ”علم“ اور قمیص کی تعبیر ”دین“ بیان فرمائی ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خواب بالکل سچا تھا۔ اور اس کی تعبیر سب نے کھلی آنکھوں سے دیکھ لی۔ خواب کی تعبیر کیا تھی اس پر مفسرین کی چند عبارات ملاحظہ فرمائیں:

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کافر تھوڑے نظر آئے اور مسلمانوں کو مقابلے کے وقت (تھوڑے نظر آئے) (تاکہ) جرأت سے لڑیں، پیغمبر کا خواب غلط نہیں ان میں کافر رہنے والے کم ہی تھے اکثر وہ تھے جو پیچھے (یعنی بعد میں) مسلمان ہوئے۔ (موخ القرآن)

تقریر عثمانی

اور خواب کی تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تھوڑی تعداد سے مقصود ان کی مغلوبیت کا اظہار ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کلام رازیؒ

قلنا: مذهبنا انه تعالى يفعل ما يشاء ويحكم ما يريد. وايضا لعله تعالى اراه البعض دون البعض- (تفسير الكبير)

ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی جو چاہے کرے اور جس چیز کا چاہے فیصلہ فرمائے۔ (اس کی مرضی وہ زیادہ کو کم اور کم کو زیادہ قرار دے) اور یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ لوگ دکھائے گئے ہوں اور کچھ نہ۔ (التفسیر الکبیر)

امام رازی رحمہ اللہ کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بعینہ وہ چیز دکھائی جاتی ہے جو اصل ہوتی ہے ایسا نہیں ہوتا کہ خواب کچھ ہو اور تعبیر کچھ اور۔

تحقیق حقانیؒ

جواب: یہ رویت باعتبار ان کی قوت ودلیری کے تھی سو اس لحاظ سے وہ اسی قدر تھے یہ جہل مرکب نہیں نہ غلطی ہے۔ بلکہ چشم حقیقت بین کونفس الامر (یعنی اصل حقیقت) پر مطلع کیا۔ دنیا میں حس غلطی کرتی ہے خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے انسان کے جمیع قوئی اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ رات دن دنیا میں یہی ہو رہا ہے کسی کو کوئی چیز اچھی کر کے دکھاتا ہے اسی (چیز) کو دوسرے کی نظر میں مکروہ (یعنی ناپسندیدہ) بناتا ہے جس قوم اور دولت (یعنی حکومت) کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے ان کی نظر میں مخالف کو کمزور دکھاتا ہے مخالف کو ان پر جرأت دلا کر مقابلہ کرا دیتا ہے ان کا کام تمام ہو جاتا ہے، مسبب اسباب کی ہر روزئی شان ہے آنکھ ہو تو دیکھ لو۔ (تفسیر حقانی)

تقریر اندلسیؒ

امام ابو حیان الاندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وتظاهرت الروایات انها رؤیا منام رأى الرسول صلى الله عليه وسلم فيها الكفار قليلاً فأخبر بها أصحابه، فقويت نفوسهم وشجعت على أعدائهم وقال النبي صلى الله عليه وسلم لأصحابه حين انتبه "ابشروا لقد نظرت الى مصارع القوم" والمراد بالقلة هنا: قلة القدرة والبأس والنجدة وانهم مهزومون، مصروعون، ولا يحمل على قلة العدد لانه صلى الله عليه وسلم. رؤياه حق وقد كان علم انهم ما بين تسعمائة الى الف، (البحر المحيط)

یعنی اکثر روایات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا جانا خواب میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں کفار کو کم دیکھا تو آپ نے اپنے صحابہ کرام کو بیان فرمایا جس سے ان میں اپنے دشمنوں کے خلاف قوت اور بہادری بڑھ گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیدار ہو کر اپنے صحابہ سے فرمایا: خوشخبری سنو کہ میں نے مشرکین

کے قتل ہو کر گرنے کی جگہوں کو دیکھ لیا ہے۔ خواب میں کم دیکھنے سے مراد ان کی مضبوطی، بہادری اور ہمت کو کم دیکھنا ہے اور یہ کہ وہ شکست کھائیں گے اور پچھاڑے جائیں گے۔ اس سے مراد تعداد کی کمی نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا ہوتا ہے اور آپ کو معلوم تھا کہ مشرکین کی تعداد نو سو سے ایک ہزار کے درمیان ہے۔ (البحر المحیط)

دوسرے سوال کا جواب

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق جنگ کے آغاز سے ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی آنکھوں میں اپنی نصرت کا ایسا سرمہ لگا دیا کہ ان کے دل قوت اور بہادری سے بھر گئے اور ان کو کفار کا لشکر کم، کمزور اور حقیر نظر آنے لگا دوسری طرف کفار کی آنکھوں میں غرور اور غفلت کا ایسا نمک ڈالا کہ وہ مسلمانوں کو ان کی اصل تعداد سے بھی کم دیکھنے لگے۔ چنانچہ مسلمان تو بہادری سے لڑے کہ انہوں نے کفار کے لشکر کی طاقت کی خبریں سن رکھی تھیں مگر جب انہیں یہ لشکر کم اور کمزور نظر آیا تو وہ بلند مقصد کی خاطر ان پر ٹوٹ پڑے جبکہ مشرکین نے آسان شکار سمجھ کر جرأت و بے پردائی اور تکبر کے جذبات سے ملی جلی جنگ شروع کی۔

یہ تو ہوا جنگ کے آغاز کا حال۔ جبکہ سورۃ آل عمران کی آیت (۱۳) میں جنگ کے درمیان کی حالت کا بیان ہے کہ مسلمانوں نے کافروں کو دگنا دیکھا اس سے ان پر کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ وہ میدان پر چھا چکے تھے جبکہ کافروں نے مسلمانوں کو اپنے سے دگنا دیکھا تو ان کے اوسان مزید خطا ہو گئے اور ان کی بدحواسی میں اضافہ ہو گیا۔ مسلمانوں کا کافروں سے دگنا ہونا یا تو فرشتوں کی وجہ سے نظر آ رہا تھا یا میدان جنگ پر چھا جانے کی وجہ سے۔

ملاحظہ فرمائیے چند عبارتیں:

تقریر ابن کثیرؒ

فلما التحم القتال وايد الله المؤمنين بالف من الملكة مردفين، بقى حزب الكفار يرى حزب الايمان ضخفيه كما قال تعالى: قد كان لكم..... الآية
پھر جب لڑائی گرم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں سے مسلمانوں کی مدد بھیجی تو کفار کا لشکر مسلمانوں کو اپنے سے دو گنا دیکھ رہا تھا جیسا کہ اس آیت میں ہے: قد كان لكم..... الآية (ابن کثیر رحمہ اللہ)

تقریر عثمانیؒ

پھر جب مسلمانوں نے دلیرانہ حملے کیے اور فرشتوں کا لشکر مدد کو پہنچا اس وقت کفار کو مسلمان دگنے نظر آنے لگے
کما فی آل عمران۔ (تفسیر عثمانی)

تقریر قرطبیؒ

كان هذا في ابتداء القتال حتى قال ابوجهل في ذلك اليوم: انما هم اكلة جزور خذوهم

اخذوا واربطوهم بالحبال فلما اخذوا فی القتال عظم المسلمون فی اعینهم فکثروا کما قال یرونهم مثلیهم رأی العین۔ (آل عمران ۱۳)

یعنی مسلمانوں کا کافروں کی نظر میں تھوڑا نظر آنا جنگ کے آغاز میں تھا یہاں تک کہ ابو جہل نے اس دن کہا یہ لوگ تو ایک اونٹ کھانے والے ہیں۔ (یعنی جتنے لوگ مل کر ایک اونٹ کھاتے ہیں یہ اتنے ہیں) تم ان کو آرام سے پکڑ کر رسیوں سے باندھ دو پھر جب انہوں نے لڑائی شروع کی تو مسلمان ان کی آنکھوں پر چھا گئے اور زیادہ نظر آنے لگے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یرونهم مثلیهم..... (القرطبی)

تحقیق نسفیؒ

قیل قد قللهم فی اعینهم قبل اللقاء ثم کثرهم فیما بعده لیجترئوا علیهم قلة مبالاة بهم ثم تفجأهم الکثرة فیبهتوا ویهابوا۔

جنگ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کی آنکھوں میں تھوڑا دکھایا پھر بعد میں زیادہ دکھایا تاکہ کفار بے پروائی کے ساتھ ان پر چڑھ دوڑیں پھر اچانک انہیں زیادہ تعداد نظر آئی تو بے بکریہ گئے اور ڈر گئے۔ (المدارک)

ایک قول

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا کافروں کی آنکھوں میں تھوڑا نظر آنا اس لیے تھا کہ حقیقت میں مسلمان تھوڑے تھے۔

عجیب نصرت

قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ: قلت لانسان کان بجانبی یوم بدر! اتراهم سبعین؟ فقال: هم نحو مائة۔ (القرطبی)

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بدر کے دن میں نے اپنے پہلو میں کھڑے ساتھی سے پوچھا: کیا خیال ہے یہ مشرکین ستر آدمی ہوں گے؟ انہوں نے فرمایا سو تک ہوں گے۔ پھر ہم نے ایک مشرک کو قید کیا اور تعداد پوچھی تو اس نے کہا ہم ایک ہزار تھے۔

بے شک جب نظر اللہ تعالیٰ پر ہو، دل موت کے خوف سے پاک ہو اور مقصد اور حوصلہ بلند ہو تو دشمنان اسلام کی طاقت اور تعداد مسلمانوں کو کم، حقیر اور بے وقعت نظر آتی ہے اور ایسا اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ہوتا ہے کہ وہ دلوں میں ایک خاص قوت عطا فرمادیتا ہے۔

تفسیر الفرقان میں ہے:

”جس وقت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ طرس پہنچے ہیں اور ابراہیم بن مصعب کو تو ان کے پاس گیا تو وہ کہتا ہے کہ میں نے کسی انسان کو بادشاہوں کے آگے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بڑھ کر بے خوف نہیں پایا:

یومئذ ما نحن فی عینیہ الا کامثال الذباب
ہم عمال حکومت ان کی نظروں میں مکھیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے اور یہ بالکل حق ہے جن لوگوں کی نظروں
میں جلال الہی سایا ہو وہ مٹی کے ان پتلوں کو کیا چیز سمجھتے ہیں جنہوں نے لوہا تیز کر کے (یعنی اسلحہ بنا کے) کندھے پر
ڈال رکھا ہے یا بہت سا چاندی سونا اپنے جسم پر لپیٹ لیا ہے۔ (تفسیر الفرقان)

مجاہدین کے لئے خاص نظام قدرت

اللہ تعالیٰ غزوہ بدر کو بطور مثال پیش فرماتا ہے کہ مسلمان جب بھی اسلام کے غلبے اور کفر کی سرکشی توڑنے کے لئے
اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر جہاد میں نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے ایک خاص نظام قائم فرما دیتا ہے۔
عام قانون یہی ہے کہ انسان کی آنکھ ایک کو ایک اور دو کو دو دیکھتی ہے مگر جہاد میں خصوصی نظام آگیا اب آنکھیں
ایک ہزار کو ستر اور تین سو کو دو ہزار دیکھ رہی ہیں۔ فرشتوں کا کام ہے تسبیح و تقدیس اور تکوینی امور کی انجام دہی۔ مگر جہاد
میں فرشتے پگڑیاں باندھ کر جنگ کر رہے ہیں۔ عام نظام یہی ہے کہ خوف کے وقت نیند نہیں آتی مگر جہاد میں سخت
جنگ کے دوران مجاہدین نیند میں جھوم رہے ہیں اور ان کے دماغ تازہ ہو رہے ہیں۔ الغرض ہر چیز کو اللہ تعالیٰ
اپنے مجاہد بندوں کے کام میں لگا دیتا ہے اور زمین سے آسمان تک ایک نیا نظام قائم کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام
نے اپنے گھوڑے دریاؤں میں ڈال دیئے تو ان کے سم تک نہ بھیگے۔

اے مسلمان! اب تو جہاد کو سمجھ لے اب تو جہاد پر آ جا!

(واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيَت ۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ

اے ایمان والو جب کسی فوج سے ملو تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو

کثیراً تَعَلَّكُمُ تَفْلِحُونَ ﴿۲۵﴾

بہت یاد کرو تاکہ تم نجات پاؤ

خلاصہ

جہاد میں جب دشمن سے مقابلہ ہو تو ثابت قدمی سے لڑو اور خوب زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو یہ کامیابی کا یقینی نسخہ ہے۔

اقوال وحوالے

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

یعنی مدد اللہ کی چاہو تو اسباب ظاہر سے نہیں دل کی استقامت اور یاد اللہ کی اور حکم برداری سردار کی اور ایک مصلحت چاہنی۔ (موخ القرآن)

حضرت کے اس کلام میں آیت کریمہ کے تمام مضامین کا تقریباً خلاصہ آ گیا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جہاد میں کامیابی اللہ تعالیٰ کی مدد سے ملتی ہے اب اگر مجاہدین اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد کو ساتھ لینا چاہتے ہیں تو انہیں چار کام کرنے ہوں گے:

۱) دل کی استقامت یعنی دل اللہ تعالیٰ کی ملاقات..... اعلاء کلمۃ اللہ کے جذبے اور جہاد کے شوق سے مضبوط ہوں اور ان میں دنیا کی محبت اور موت کا خوف نہ ہو۔ جب دل مضبوط ہوں گے تو ثابت قدمی سے لڑنا ممکن ہوگا۔

۲) یاد اللہ کی..... یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر زبان سے بھی، دل سے بھی اور اطاعت کے ذریعہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نہ ٹوٹے اور دعاء کے ذریعہ بھی، اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین کے ذریعہ بھی۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی یاد مجاہد کے دل و دماغ اور اعضاء پر حاوی ہو یہ سچی یاد اسے ہر برائی سے بچائے اور ہر نیکی پر لائے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا ایسا نور بھر جائے کہ اس کے سامنے کفر کے لشکروں کی کوئی حیثیت باقی نہ رہے۔

۳) حکم برداری سردار کی..... یعنی امیر کی اطاعت اس سے دل مضبوط ہوتا ہے اور اسلامی لشکر کی صفوں میں اتحاد باقی رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت جماعت پر اترتی ہے اور جماعت اطاعت امیر سے وجود میں آتی ہے۔

۲۲) ایک مصلحت چاہنی..... یعنی اسلامی لشکر کے تمام مجاہدین کا مقصد ایک ہو سب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لڑنے والے اور اسلام کی خاطر جنگ کرنے والے ہوں ان میں دولت، شہرت اور نام و نمود کے پجاری نہ ہوں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آیت کا ربط

پچھلی آیات میں جہاد کرنے کا حکم تھا اب جہاد کرنے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے۔ پچھلی آیات میں غزوہ بدر کا ذکر تھا اب غزوہ بدر کی ترتیب پر جہاد کرنے کے طریقے اور آداب بتائے جا رہے ہیں۔

پچھلی آیات میں مجاہدین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا ذکر تھا اب نصرت الہی حاصل کرنے کا نسخہ بتایا جا رہا ہے۔ یہ آخری ربط تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارت میں موجود ہے دیگر کے لئے چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

۱) امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اعلم انه تعالى لما ذكر انواع نعمه على الرسول وعلى المؤمنين يوم بدر علمهم اذ التقوا بالفئة وهى الجماعة من المحاربين نوعين من الأدب: الاول: الثبات وهو ان يوطنوا انفسهم على اللقاء ولا يحدثوها بالتولى والثانى: ان يذكر الله كثيرا. (التفسير الكبير)

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن اپنے ان احسانات کا ذکر فرمایا جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والوں پر فرمائے تو اس آیت میں انہیں دشمنوں کے لشکر سے لڑائی کے وقت کے دو آداب سکھائے۔ پہلا ثابت قدمی کہ اپنے دل کو جنگ کا عادی بنائیں اور اس میں پیٹھ پھیر کر بھاگ جانے کی عادت نہ پیدا ہونے دیں اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ ذکر کریں۔

۲) حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اوپر بدر کے واقعات تھے آگے ایسے مواقع قتال کے آداب ظاہری و باطنی کی مسلمان کو تعلیم ہے۔ (بیان القرآن)

۳) امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هذا تعليم من الله تعالى لعباده المؤمنين آداب اللقاء وطريق الشجاعة عند مواجهة الاعداء

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے بندوں کو دشمنوں سے لڑائی کے وقت جنگ کے آداب اور بہادری کا طریقہ تعلیم فرما رہا ہے۔ (ابن کثیر)

ثابت قدمی سے لڑو

پہلا حکم ثابت قدمی سے لڑنے کا ہے اس لئے کہ جن حالات میں جہاد کو فرض عین قرار دیا گیا ہے ان میں سے ایک حالت یہ ہے۔ اذ التقى الصفان۔

جب مسلمانوں اور کافروں کا لشکر مقابلے کے لئے آمنے سامنے آجائے۔ اکثر مفسرین حضرات نے اس حکم کی تاکید سمجھانے کے لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

يا ايها الناس لا تتمنوا لقاء العدو، واسئلو الله العافية فاذا لقيتموهم فاصبروا واعلموا ان الجنة تحت ظلال السيوف. (بخاری، مسلم)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض جنگوں کے دوران انتظار فرمایا جب سورج ڈھل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے درمیان کھڑے ہوئے اور آپ نے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! دشمن سے جنگ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو پھر جب دشمن سے جنگ ہو جائے تو ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو اور خوب یقین رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر یہ دعاء فرمائی:

اللهم منزل الكتاب، ومجری السحاب، وهازم الأحزاب، اهزمهم وانصرنا عليهم۔

اے ہمارے پروردگار کتاب کے نازل کرنے والے، بادلوں کو چلانے والے، لشکروں کو شکست دینے والے ان کافروں کو شکست دے اور ہمیں ان پر غالب فرما۔ (تفسیر ابن کثیر)

امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ نے ”احکام القرآن“ میں فائیتہما کے شرعی احکامات بیان فرمائے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

جنگ کے دوران کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو

ثابت قدمی کے لئے، اللہ تعالیٰ کی نصرت پانے کے لئے اور اوپر کے جہان سے اپنا تعلق جوڑے رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز کارآمد نہیں ہو سکتی اس آیت میں ذکر اللہ سے کیا مراد ہے حضرات مفسرین کے ایمان افروز اقوال ذکر کرنے سے پہلے تین اہم نکتے۔

① اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص مومن بندوں کو جہاد میں بلا یا وہ اپنی قلت اور بے سروسامانی کے باوجود سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دشمن کے مقابلے میں اتر آئے یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بلاوے پر لبیک کہی اور میدان میں آگئے اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوا پھر گویا کہ اس کی طرف سے فرمایا گیا۔ اے میرے بندو! تم میرے بلائے پر آگئے اب تم میدان میں مجھے بلاؤ میں آ جاؤں گا۔ یعنی میری نصرت تمہارے ساتھ اتر کر تمہارے دشمنوں کے خلاف کافی ہو جائی گی۔

وَكُفِيَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ - فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ (واللہ اعلم بالصواب)

② جنگ بہت خوفناک چیز ہے اس میں انسان کے حواس خطا ہو جاتے ہیں اور اُسے ہر طرف صرف موت

اور مصیبت نظر آتی ہے۔ ایسے وقت میں انسان اپنی ذات کے سوا سب کچھ بھول جاتا ہے۔ بندہ مومن کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ایسے وقت میں بھی اللہ تعالیٰ کو نہ بھولو۔ یہ تمہاری وفاداری کا اعلیٰ درجہ ہوگا جس کے نتیجے میں تمہیں بہت کچھ نصیب ہوگا۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

افترض الله ذكره عند اشغل مايكون عند الضراب بالسيوف. (قرطبي، ابن كثير)
اللہ تعالیٰ نے بندے کے مشغول ترین لحات یعنی تلواروں کے نکرانے کے وقت بھی لازم کیا کہ وہ اس کا ذکر کرے۔

صاحب انوار البیان لکھتے ہیں:

مومن بندہ لڑتا ہی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اس کا مرنا اور جینا اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ پھر جنگ کے وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہونے کا تو کوئی موقع ہی نہیں اس موقع پر ذکر کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ بظاہر جنگ کی طرف پوری مشغولیت ہو اور باطن اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو اور زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری ہو یہ مومن کی خاص شان ہے۔ (انوار البیان)

امام ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وامرهم بذكره تعالى كثيرا في هذا الموطن العظيم من مصابرة العدو، والتلاحم بالرمح وبالسيوف..... الخ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس مشکل موقع پر بھی اپنے زیادہ ذکر کا حکم دیا جب دشمن سے آمنا سامنا ہوتا ہے تلواریں اور نیزے خون ریزی کرتے ہیں یہ ایسی حالت ہے کہ اس میں انسان سب کچھ بھول جاتا ہے، تو مجاہدین کو حکم دیا گیا کہ وہ اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف مشکل حالات میں رجوع کیا جاتا ہے اور اس کی یاد سے وحشت دور ہوتی ہے اور اسی کو پکار کر مدد مانگی جاتی ہے پس جس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوگا وہ ہر موقع پر اس کی یاد میں لگا رہے گا۔ یہاں تک کہ جنگ کے اس موقع پر بھی جس میں سب کچھ بھول جاتا ہے اور حواس کام نہیں کرتے الا بذكر الله تطمئن القلوب۔ (الرعد ۲۸) مجھے بعض بہادروں نے بتایا ہے کہ: خونریز جنگ میں بہادر آدمی بھی لرز کر رہ جاتا ہے اور اس پر جنگ کے ہول کی وجہ سے نشے (مدہوشی) جیسی حالت طاری ہو جاتی ہے۔

بعض شعراء نے اس مفہوم میں اشعار نظم کئے ہیں کہ انہوں نے جنگ کے مشکل وقت میں بھی اپنے محبوب کو نہیں بھلایا۔ (المحرم الحیط)

۳ مصیبت اور خوف کے وقت انسان شدید تنہائی محسوس کرتا ہے اور تنہائی کا یہ احساس اسے فرار کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ بندہ مومن کو جنگ کے خوفناک حالات میں ذکر کا حکم دیا جا رہا ہے کیونکہ جب وہ دل سے

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو تنہائی کا احساس اس کے دل سے نکل جاتا ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت کا یہ احساس اسے بے پناہ قوت عطا کرتا ہے۔ چنانچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا۔ کہ غم نہ کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی خوفزدہ قوم کو فرعون کے لشکر اور سمندر کے درمیان یہی بات یاد دلائی کہ کلا ان معی ربی فرعون نہیں پکڑ سکتا کیونکہ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آیت میں ذکر سے کیا مراد ہے؟

حضرات مفسرین نے اس بارے میں کئی اقوال جمع فرمائے ہیں۔ چونکہ ان اقوال میں مجاہدین کے لئے بہت اعلیٰ نصیحتیں اور بہت عمدہ نسخے موجود ہیں اس لئے یہاں ان اقوال کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے۔

تقریر عثمانیؓ

اس میں نماز، دعا، تکبیر اور ہر قسم کا ذکر اللہ شامل ہے۔ ”ذکر اللہ“ کی تاثیر یہ ہے کہ ذکر کا دل مضبوط اور مطمئن ہوتا ہے، جس کی جہاد میں سب سے زیادہ ضرورت ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کاسب سے بڑا ہتھیار یہ ہی تھا الذین آمنوا وتطمئن قلوبہم بذكر اللہ الا بذكر اللہ تطمئن القلوب۔ (الرعد)۔ (تفسیر عثمانی)

تقریر نسفیؓ

واذکر واللہ کثیر ا فی مواطن الحرب مستظہرین بذكرہ مستنصرین بہ داعین لہ علی عدوکم: اللہم اخذ لہم اللہم اقطع دابرہم۔ یعنی جنگ کے مواقع میں اللہ تعالیٰ کا خوب زیادہ ذکر کرو اور اس کے ذکر کے ذریعے غلبہ حاصل کرو اور ذکر کے ذریعے اس سے مدد مانگو اور ان الفاظ میں اس سے دشمنوں کے لئے بددعا کرو۔

اللہم اخذ لہم اللہم اقطع دابرہم۔

اے ہمارے پروردگار! انہیں رسوا فرما دے۔ اے ہمارے پروردگار! ان کی جڑ کاٹ دے۔ (المدارک)

تحقیق رازیؓ

وفی تفسیر هذا الذکر قولان۔ یعنی اس ذکر کی تفسیر میں دو قول ہیں:

① مطلب یہ ہے کہ جہاد کے دوران مجاہدین زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور دل سے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

امر اللہ اولیاءہ بذكرہ فی اشد احوالہم تنبیہاً علی ان الانسان لا يجوز ان یخلی قلبہ ولسانہ عن ذکر اللہ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو اپنے ذکر کا ان کے مشکل ترین حالات میں بھی حکم دیا۔ اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے کہ انسان کے لئے جائز نہیں کہ اس کا دل اور اس کی زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی ہو۔

۲ ان المراد من هذا الذكر الدعاء بالنصر والظفر، لان ذلك لا يحصل الا بمعونة الله. دوسرا قول یہ ہے کہ اس ذکر سے مراد نصرت اور کامیابی کی دعاء ہے کیونکہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ (التفسیر الکبیر)

تقریر بر جصاص

وقوله تعالى واذكروا الله كثيرا يحتمل وجهين. احدهما: ذكر الله تعالى باللسان والآخره بالقلب، وذلك على وجهين..... الخ.

اس آیت میں جس ذکر کا حکم دیا جا رہا ہے اس میں دو احتمال ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کا زبان سے ذکر کرنا۔ (۲) دل سے ذکر کرنا۔

پھر دل سے ذکر کی دو صورتیں ہیں:

۱ جہاد میں ڈٹ کر لڑنے کا ثواب اور بھاگ جانے کا گناہ یاد کرنا۔

۲ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات اور دلائل کو یاد کرنا جو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے خلاف فریضہ جہاد کو ادا کرنے کے بارے میں آئے ہیں۔

ذکر کی یہ تمام قسمیں جہاد میں ثابت قدمی اور مضبوطی میں مددگار ثابت ہوتی ہیں ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور دشمنوں کے مقابلے میں جرات اور دشمنوں کی رسوائی کی دعاء کی جاتی ہے۔ اور یہ بات ممکن ہے کہ آیت مبارکہ میں ذکر سے مراد تمام اذکار ہوں کیونکہ ذکر کی تمام قسموں پر لفظ ذکر کا اطلاق ہوتا ہے۔ (احکام القرآن)

تحقیق قرطبی

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

للعلماء في هذا الذكر ثلاثة اقوال.

یعنی اس ذکر کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

۱ اذكروا الله عند جزع قلوبكم، فان ذكره يعين على الثبات في الشدائد.

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو دلوں کے خوفزدہ ہونے کے وقت۔ بے شک اللہ تعالیٰ کا ذکر سخت حالات میں ثابت قدم رہنے میں مددگار ہوتا ہے (یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب دشمن سے مقابلہ ہو اور تم اپنے دلوں میں خوف محسوس کرو تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو)۔

۲) اذبتو بقلوبکم، واذکروه بألسنتکم..... الخ

یعنی لڑائی میں دل مضبوط رکھو اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کیونکہ جنگ کے دوران دل لرزتا ہے اور زبان لڑکھڑاتی ہے اس لئے ذکر کا حکم دیا تاکہ دل یقین پر اور زبان ذکر پر جم جائے۔ اور مجاہد وہ کہے جو حضرت طالوت کے مجاہدین نے کہا تھا۔

رَبَّنَا آفِرْغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبَّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (البقرة ۲۵۰)

۳) اذکرو ما عندکم من وعد اللہ لکم فی ابتیاعہ انفسکم ومثامتہ لکم۔

یعنی ذکر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کو یاد رکھو کہ اس نے تم سے تمہاری جانوں کو خرید لیا ہے اور ان کی قیمت جنت مقرر فرمائی ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ یہ تین اقوال لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں قلت والأظهر انه ذکر اللسان الموافق للجنان۔

میں کہتا ہوں کہ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ اس سے مراد زبان کا وہ ذکر ہے جو دل کے ساتھ مل کر ادا ہو۔ (القرطبی)
یعنی زبان اور دل دونوں اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی اس کی یاد میں مشغول ہوں۔

تقریر اندلسی

امام ابو حیان رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس ذکر کے بارے میں بہت سے اقوال نقل فرمائے ہیں مگر ان اقوال سے پہلے اپنی رائے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ و ذکر ان الثبات و ذکر اللہ سببا للفلاح وهو الظفر بالعدو فی الدنيا، والفوز فی الآخرة بالثواب. والظاهر ان لا یعین ذکر۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ثابت قدمی اور ذکر اللہ یہ دو ذریعے ہیں فلاح کے اور فلاح کا معنی ہے دنیا میں دشمن پر فتح پانا اور آخرت میں اجر کا مستحق ہونا۔ اور زیادہ درست بات یہ ہے کہ اس سے کوئی معین ذکر مراد نہیں ہے۔ اپنی ترجیح بتانے کے بعد یہ چند اقوال نقل فرماتے ہیں:

۱) ایک قول یہ ہے کہ ذکر سے مراد مجاہدین کا کفار سے جنگ کے وقت اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا ہے۔

۲) ایک قول یہ ہے کہ ذکر سے مراد دشمنوں کے لئے بددعا کرنا ہے اللهم اخذلهم اللهم دمرهم اے ہمارے پروردگار ان کو سوا فرما اے ہمارے پروردگار ان کو تباہ فرما۔

۳) ایک قول یہ ہے کہ ذکر سے مراد خود اپنے لئے نصرت اور فتح کی دعا مانگنا ہے جس طرح حضرت طالوت کے لشکر نے مانگی تھی ربنا افرغ الایة۔

۴) ایک قول یہ ہے کہ ذکر سے مراد یہ جملہ ہے وہم لا ینصرون

یہ جنگ میں مسلمانوں کا علامتی جملہ (کوڑ) ہوتا تھا۔

یہ ذکر آہستہ ہو یا بلند آواز سے امام ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اس ذکر کا حکم یہ ہے کہ آہستہ آواز سے ہو یعنی ذکر خفی ہو۔ مگر حملے کے وقت اگر پورا لشکر مل کر ذکر کرے تو اس وقت آواز کو بلند کرنا اچھا ہے کیونکہ اس سے کفار کے دل ڈر جاتے ہیں۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جنگ اور جنازہ میں آواز بلند کرنے کو کمرہ یعنی برا سمجھتے تھے۔ (البحر المحیط)

خلاصہ

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب مسلمانوں کا کفار سے مقابلہ ہو تو وہ ثابت قدمی دکھائیں اور خوب زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔ تب انہیں کامیابی ملے گی۔ ذکر اللہ کا معنی ہے ”اللہ تعالیٰ کی یاد“ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو اپنا نام لینے کی اجازت دی ہے اور ان کے دلوں میں اپنی یاد کی صلاحیت رکھی ہے۔ پس اگر مسلمان اپنے دشمنوں پر غلبہ چاہتے ہیں اور دنیا اور آخرت کی کامیابی چاہتے ہیں تو وہ اپنے اندر ذکر اللہ کو مضبوط کریں۔ جنگ کے دوران بھی ان کی زبانیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے، ان کے دل اللہ تعالیٰ کی عظمت اور یاد سے اور ان کے دماغ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے یقین سے زندہ ہوں۔ تب کافران پر غالب نہیں آسکیں گے کیونکہ کافر ذکر اللہ سے محرومی کی وجہ سے مردہ ہیں اور مردے جتنے بھی آجائیں زندہ افراد کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر مسلمان بھی ذکر سے غافل ہوں گے تو پھر مقابلہ اسلحہ اور تعداد کا ہوگا اور اس میں کافروں کا پلہ اکثر بھاری ہی رہتا ہے۔ اس وقت مجاہدین میں ذکر اللہ کو جاری کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ”ذکر اللہ“ چھوڑنے کی وجہ سے مسلمان جہاد سے دور ہیں اور ذکر اللہ میں سستی اور کمزوری کی وجہ سے مجاہدین نصرت فتح، باہمی، اتفاق اور اپنی منزل سے دور ہیں۔ مسلمانوں میں ذکر اللہ کی حقیقت آگئی تو ان کے دلوں سے دشمنوں کی طاقت کا رعب مٹ جائے گا۔ دنیا میں زندہ رہنے کا شوق ہلکا پڑ جائے گا اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ تب وہ اپنے اندر ایک خاص غیرت محسوس کریں گے اور یہ غیرت انہیں اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سر بلندی کے لئے میدان جہاد میں لے آئے گی۔ اسی طرح جب مجاہدین میں ”ذکر اللہ“ یعنی اللہ تعالیٰ کی سچی یاد مضبوط ہوگئی تو ان کے جہاد میں بے پناہ قوت اور جان پڑ جائے گی وہ آپس کے اختلافات اور حب دنیا کے فتنے سے بچ رہیں گے اور ان کا ہر قدم آگے کی طرف بڑھے گا اور فتح پائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر ایک عظیم الشان نعمت ہے اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ عظیم الشان نعمت عطا فرمائے اور ہمارے دل، ہماری زبان، ہماری کھال، ہمارے بال، ہماری ہڈیاں اور ہمارا گوشت سب ذکر میں لگ جائیں۔

یا اللہ ہمارے دلوں کو اپنے ذکر سے زندہ فرما اور اپنا ذکر ہر دم ہمیں نصیب فرما۔

اللهم أعنا على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك. (آمین یا ارحم الراحمین)

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيَت ۳۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کہا مانو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا

رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۳۶﴾

اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے

خلاصہ

جہاد میں کامیابی کے لئے دو کام پچھلی آیت میں آ گئے: ① ثابت قدمی ② کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر۔

اس آیت میں مزید تین کام بتائے جا رہے ہیں:

③ جہاد فی سبیل اللہ کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا لحاظ رکھو کہ کوئی کاروائی خلاف شریعت نہ ہو۔

④ اپنے امیر سے اور ایک دوسرے سے نزاع نہ کرو ورنہ باہمی نا اتفاقی کی وجہ سے بزدل اور کم ہمت ہو جاؤ گے کیونکہ تو تیں منتشر ہو جائیں گی ایک دوسرے پر اعتماد نہ ہوگا اور اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہے؟ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی یعنی تمہارا رعب ختم ہو جائے گا

⑤ اگر کوئی ناگوار معاملہ پیش آ جائے تو اس پر صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کی معیت یعنی اس کا ساتھ ہونا ہی تم پر نصرت کو لا سکتا ہے۔ (تلخیص از بیان القرآن)

اقوال

آپس کے جھگڑے سے رحمت الہی رک جاتی ہے

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اور آپس میں نہ جھگڑو تا کہ رحمت الہی رک نہ جائے اور ہر مصیبت کا صبر سے مقابلہ کرو خدا تعالیٰ تمہارا پشت پناہ

ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

حضرت کی اس عبارت میں اس حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے جس میں فرمایا گیا کہ ید اللہ علی

الجماعة کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اور اس کی مدد جماعت پر ہوتی ہے۔ پس جب نزاع ہو اور جماعت نہ رہی اور ہر

شخص گویا کہ الگ الگ ہو گیا اگرچہ بظاہر اکٹھے ہی کیوں نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اٹھ جاتا ہے اور اس کی مدد اور

رحمت رک جاتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کامیابی کی کنجی

”جو سختیاں اور شدائد جہاد کے وقت پیش آئیں ان کو صبر و استقامت سے برداشت کرو، مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے اس آیت میں مسلمانوں کو بتلادیا گیا کہ کامیابی کی کنجی کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ دولت لشکر اور میگزین وغیرہ سے فتح و نصرت حاصل نہیں ہوتی۔ ثابت قدمی صبر و استقلال، قوت و طمانیت قلب، یاد الہی، خدا و رسول اور ان کے قائم مقام سرداروں کی اطاعت و فرمانبرداری اور باہمی اتفاق و اتحاد سے حاصل ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تمام الفاظ کی جامع تفسیر

”وَ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ رَسُولَهُ“ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت تو ہمیشہ اور ہر حال میں واجب ہے۔ اس سیاق (یعنی اس مقام) میں اس کی تاکید سے مراد یہ ہے کہ حالت جہاد میں بھی احکام شریعت کے دائرہ حدود سے قدم ذرا بھی باہر نہ نکلے یہ نہ ہو کہ جوش میں آکر یا کسی اور جذبہ سے متاثر ہو کر خود رائی شروع کر دو یا پیروی (اپنے) نفس کی یا اپنی محدود عقل کی شروع کر دو۔

وَ رَسُولَهُ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی اس سیاق میں یہ ہیں کہ احکام قتال و تدابیر جنگ میں بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم واجب التعمیل سمجھو کہ رسول ہی کا تو ایک واسطہ ہے تم لوگوں تک مرضیات الہی کے پہنچنے کا اور احکام الہی کی تشریح و تفہیم کا۔

وَ اطیعوا رسولہ فی ما امر بہ و نہی عنہ من شؤن القتال و غیرہا من حیث انہ ہو المبین لکلام اللہ۔ (المنار)

وَ لَا تَنَازَعُوا کوئی نزاع نہ افراد امت کے درمیان ہو نہ امام یا امیر قوم سے ہو یہ اندرونی کشمکش و سپین (نظم و اطاعت) کے حق میں نہ ہر قاتل ہے۔

فَتَقَشَّسُوا یہاں گویا یہ اشارہ کر دیا کہ انتشار قوت کا لازمی نتیجہ پست ہمتی ہے۔

تَدَّهَبَ رِجْلُکُمْ یعنی جو رعب تمہاری یک دلی، یک جہتی، یک رنگی کی بنا پر چھایا ہوا ہے وہ جاتا رہے گا۔

ای قوتکم و نصرکم، کما تقول، الريح لفلان اذا كان غالباً فی الامر۔ (قرطبی)

وَ اصْبِرُوا یعنی حالت جہاد میں جو ناگوار حالات گرد و پیش میں پیدا ہوتے رہنے لازمی ہیں ان پر بہر حال صبر سے کام لیتے رہو، صبر محمود (یعنی پسندیدہ کام) تو ہر حال میں ہے موقع قتال پر اور زیادہ۔ (پسندیدہ ہے)

امر بالصبر و هو محمود فی کل المواطن و خاصة موطن الحرب۔ (قرطبی)

صبر کی اصطلاح قرآنیات میں بڑی وسیع و جامع ہے ”سپین“ سے آج کل جو کچھ سمجھا جاتا ہے وہ سب اس کے

اندرا آجاتا ہے اور روحانی قوت اور اللہ تعالیٰ پر تسکین دہ بھروسہ اس کے علاوہ۔

اس آیت میں جتنے بھی احکام بیان ہوئے سب مستقل و مستمر ہیں، غزوہ بدر کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں۔ (تفسیر ماجدی)

اختلاف کی نحوست سے پسپائی

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ و تہذیب ریحکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی اقبال سے ادبار آوے گا۔ (موضح القرآن)

مطلب یہ ہے کہ پیش قدمی اور فتوحات رک جائیں گی اور پسپائی اور شکست شروع ہو جائے گی۔ تفسیر الفرقان میں ہے:

حقیقت یہ ہے کہ چند ضعیف و ناتواں انسانوں کا آپس میں متحد ہو جانا وہ اثر رکھتا ہے کہ عظیم الشان لشکر بھی اس کا نمونہ پیش کرنے سے عاجز ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے بار بار اتحاد و اجتماع پر زور دیا ہے۔ (تفسیر الفرقان)

پس جو لوگ مسلمانوں میں افتراق و انتشار کے ذمہ دار ہوتے ہیں وہ پوری اسلامی جماعت پر ظلم کرتے ہیں اور کافروں کے کام آتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بعض مفسرین کے نزدیک ہوا اکھڑنے سے مراد اس ہوا کا بند ہو جانا ہے جو اللہ تعالیٰ جہاد میں اس امت کی نصرت کے لئے بھیجتا ہے۔ پس جب مسلمان نزاع کرتے ہیں تو اس اختلاف کی نحوست سے نصرت والی وہ ہوا بند ہو جاتی ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقال قتادة وابن زيد: انه لم يكن نصر قط الا بريح تهب فتضرب في وجوه الكفار ومنه قوله عليه السلام۔

نصرت بالصبا واهلكت عاد بالدبور قال الحكم وتذهب ريحك يعني الصبا اذ بها نصر محمد صلى الله عليه وسلم وامته وقال مجاهد: وزهبت ريح اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم حين نازعه يوم احد۔ یعنی قتادہ رحمہ اللہ اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی نصرت اور فتح ہمیشہ اس ہوا سے ہوتی تھی جو کافروں کے منہ پر تھپیرے مارتی تھی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ۔

اللہ تعالیٰ نے ”صبا“ (یعنی مشرقی ہوا) کے ذریعہ میری نصرت فرمائی ہے اور قوم عاد ”دبور“ (یعنی غربی ہوا) سے ہلاک کی گئی۔

حکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تہذیب ریحکم کا مطلب یہ ہے کہ نصرت والی ہوا ”صبا“ جاتی رہے گی کیونکہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کی نصرت اسی سے ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نزاع کیا گیا یعنی آپ کی نافرمانی کی گئی تو ہوا جاتی رہی۔ (القرطبی)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وتذهب ریحکم ای قوتکم وحدتکم وما کنتم فیہ من الإقبال۔
یعنی تمہاری قوت، تمہاری تیزی اور تمہاری پیش قدمی سب جاتی رہے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

نزاع اور اختلاف سے بچنے کا طریقہ صبر ہے

صاحب انوار البیان لکھتے ہیں:

آپس کے نزاع سے بچنے کا حکم دینے کے بعد ساتھ ہی صبر کا حکم دینے میں اس بات کی طرف رہنمائی ہے کہ آپس کا اتحاد صبر اختیار کرنے سے باقی رہ سکتا ہے۔ جب کچھ آدمی آپس میں مل کر رہتے ہوں، خواہ ایک ہی گھر کے افراد ہوں آپس میں کچھ نہ کچھ ایک دوسرے کی جانب سے قول یا فعل کے اعتبار سے ناگواری پیش آ جاتی ہے ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے یا نکلنے کا ارادہ کرے تو باہمی مشوروں میں اختلاف رائے ہونے کا امکان رہتا ہے بلکہ اختلاف واقع ہو جاتا ہے، طالع بھی مختلف ہوتے ہیں۔ جب تک برداشت نہ ہو اتحاد قائم نہیں رہ سکتا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشورہ کرنے میں تو اپنی اپنی رائے دے کر فارغ ہو جائیں۔ کوئی شخص اپنی رائے پر اصرار نہ کرے، اگر اصرار کرنے لگیں تو وہیں لڑائی ہو جائے گی، اور مشورے کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

ایک کی رائے دوسرے کے خلاف ہو تو صبر کرے اور پھر جو امیر کسی کی رائے یا اپنی رائے کو ترجیح دے دے تو اپنی رائے کے مخالف ہونے کی وجہ سے دل گیر نہ ہو بلکہ صبر کرے حتیٰ کہ اگر کسی کی رائے کے خلاف اختیار کر لینے سے کوئی نقصان پہنچ جائے تب بھی امیر کو طعنہ نہ دے کہ دیکھا ہم نے کیا کہا تھا۔ اتحاد کے لئے بڑے صبر اور ثبات کی ضرورت ہوتی ہے ناگواریوں کو بشارت کے ساتھ برداشت کیا جاتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدہ سے معزل کر دیا انہوں نے بشارت سے قبول کر لیا اور کوئی محاذ آرائی نہیں کی۔ لہذا مسلمانوں کا شیرازہ بندھا رہا۔ اگر وہ چاہتے تو محاذ بنا لیتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور حسب سابق جہاد کے کاموں میں مشغول رہے، درحقیقت اصل اطاعت وہی ہے جو طبعی ناگواری کے ساتھ ہو۔ اگر ہر شخص یوں چاہے کہ ہمیشہ میری چلے تو کبھی بھی اجتماع نہیں ہو سکتا۔ انتشار ہی رہے گا اور اس سے ہوا خیزی ہوگی۔ (انوار البیان)

صبر کا معنی ہے ضبط نفس یعنی نفس میں دفاع کی طاقت پیدا ہو جائے جب غصہ آ جائے جب شیطان تکبر اور بغاوت کا حملہ کرے جب حسد حملہ آور ہو۔ جب گناہ اپنی طرف بلائے، جب مایوسی داخل ہونے لگے ان حالات میں نفس کو قابو رکھنا اور شریعت کی حدود میں رہنا صبر کہلاتا ہے اسی صفت صبر سے ہی مجاہد کا جہاد کامل اور مکمل ہوتا ہے امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: والمقصود ان کمال امر الجہاد مبنی علی الصبر۔ (تفسیر کبیر)

ایک ایمان افروز عبارت

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کے آخر میں یہ وجد آفرین عبارت تحریر فرماتے ہیں:

وقد كان للصحابه رضى الله عنهم في باب الشجاعة والأيتمار بما امرهم الله ورسوله به وامثال ما ارشدهم اليه مالم يكن لاحد من الامم والقرون قبلهم ولا يكون لاحد ممن بعدهم، فانهم ببركة الرسول صلى الله عليه وسلم وطاعته فيما امرهم فتحوا القلوب والأقاليم شرقاً وغرباً في المدة اليسيرة مع قلة عددهم بالنسبة الى جيوش سائر الأقاليم من الروم والفرس، والترك والصقالية والبربر والحبوش، واصناف السودان والقبط وطوائف بنى آدم قهروا الجميع حتى علت كلمة الله وظهر دينه على سائر الأديان، وامتدت الممالك الاسلامية في مشارق الارض ومغاربها في اقل من ثلاثين سنة فرضى الله عنهم وارضاهم اجمعين وحشرنا في زمرتهم انه كريم وهاب.

حضرات صحابہ کرام کا بہادری اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری میں وہ مقام تھا جو ان سے پہلے کسی کا نہ تھا اور نہ ان کے بعد کسی کا ہوگا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی مکمل اطاعت کی برکت سے تھوڑے ہی عرصہ میں دلوں اور ملکوں کو مشرق و مغرب میں فتح کر لیا۔ حالانکہ دنیا کی بڑی قوموں کے مقابلے میں ان کی تعداد کم تھی (آگے ان اقوام کے نام ذکر فرمائے ہیں) مگر صحابہ کرام ان تمام اقوام پر غالب آ گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو گیا اور اس کا وین تمام اویان پر غالب آ گیا اور تیس سال سے کم عرصے میں اسلامی مملکت زمین کے مشرق و مغرب تک پھیل گئی۔ فرضی اللہ عنہم وارضاهم اجمعین۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارا حشر بھی ان کے زمرے میں فرمائے بے شک وہ کریم بھی ہے اور وہاب بھی۔



سُورَةُ الْاَنْفَالِ، مَكِّيَّةٌ آیت ۴۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ

اور ان لوگوں جیسا نہ ہونا جو اترتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کیلئے گھروں سے

النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ

نکل آئے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے تھے اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر

مُحِيطٌ ۴۷

احاطہ کرنے والے ہیں

خلاصہ

جہاد کی قبولیت اور کامیابی کے لئے پانچ احکامات و آداب پچھلی دو آیات میں بیان ہوئے اس آیت میں چھٹا حکم بیان فرمایا جا رہا ہے۔

۱ اور چھٹے یہ کہ نیت خالص رکھو (اور تو واضح اختیار کرو) فخر اور دکھلاوے میں ان کافر لوگوں کے مشابہ مت ہونا جو اسی واقعہ بدر میں اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے اور لوگوں کو اپنی شان اور سامان دکھلاتے ہوئے نکلے اور اس فخر و رباء کے ساتھ یہ بھی نیت تھی کہ لوگوں کو اللہ کے رستہ یعنی دین سے روکتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پوری سزا دے گا۔ چنانچہ وہ ان کے اعمال کو اپنے علم کے احاطہ میں لیے ہوئے ہے۔ (مُلخص از بیان القرآن)

آیت کا موضوع

اہل تفسیر محققین نے اس آیت کے مختلف ”موضوع“ بیان فرمائے ہیں:

۱ اس آیت میں جہاد کی کامیابی اور قبولیت کا چھٹا ”ادب“ اور نسخہ بیان ہوا ہے۔

۲ پچھلی آیات میں فتح کے اسباب اور اس آیت میں شکست کے اسباب بیان فرماتے ہیں کہ غرور، فخر، ریا کاری اور دین دشمنی شکست کے اسباب ہیں۔

۳ پچھلی آیات میں ذکر اللہ کا حکم تھا اور آپس میں نزاع سے بچنے کی تلقین تھی اس آیت میں بتلایا گیا کہ جب ذکر چھوڑ دے اور آپس میں نزاع کرے تو تم میں بھی کافروں کی طرح فخر و ریا کاری پیدا ہو جائے گی۔

۴ پچھلی آیات میں ثابت قدمی سے لڑنے کا حکم تھا اس آیت میں سمجھایا گیا کہ یہ ”ثابت قدمی“ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو فخر اور رباء کے لئے نہ ہو۔

۵) اس آیت کا موضوع یہ ہے کہ جہاد عبادت ہے اور عبادت میں فخر اور ریا کاری کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

عبارات

۱) کلام برکت

”جہاد و عبادت ہے، عبادت پر اترائے یا دکھانے کو کرے تو قبول نہیں“ (موضح القرآن)

۲) ذکر چھوڑنے اور نزاع کرنے کی نحوست

”اگر ذکر الہی ترک کر دیا اور آپس میں منازعت پیدا کر لی تو پھر کفار کی طرح تم میں بھی سرکشی اور ریا پیدا ہو جائے گی اور یہ تباہی کا پیش خیمہ ہے“ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

۳) شکست کے اسباب

”جہاں مسلمانوں کو فتح و کامرانی کے مختلف اسباب و وسائل تعلیم دیئے، وہاں یہ بھی بتا دیا کہ میدان جنگ کو جاتے وقت فخر و تکبر، عجب و غرور اور نمود و شہرت سے پرہیز کرنا، کیونکہ یہی چیزیں شکست کا باعث بن جاتی ہیں، کفار مکہ کو دیکھو عظیم الشان لشکر لیے ہوئے آرہے ہیں، مگر شکست کھاتے ہیں اس لیے کہ وہ شہرت و ناموری اور غرور و تکبر کی خاطر گھروں سے نکلے تھے۔“ (تفسیر الفرقان)

۴) جہاد عظیم الشان عبادت ہے

”ابو جہل لشکر لے کر بڑی دھوم دھام اور باجے گانے کے ساتھ نکلا تھا تا کہ مسلمان مرعوب ہو جائیں اور دوسرے قبائل عرب پر مشرکین کی دھاک بیٹھ جائے، راستہ میں اس کو ابوسفیان کا پیام پہنچا کہ قافلہ سخت خطرہ سے بچ نکلا ہے۔ اب تم مکہ کو لوٹ جاؤ۔ ابو جہل نے نہایت غرور سے کہا کہ ہم اس وقت واپس جاسکتے ہیں جبکہ بدر کے چشمہ پر پہنچ کر مجلس طرب و نشاط منعقد کر لیں، گانے والی عورتیں خوشی اور کامیابی کے گیت گائیں، شرابیں پیئیں، مزے اڑائیں اور تین روز تک اونٹ و زح کر کے قبائل عرب کی ضیافت کا انتظام کریں، تا کہ یہ دن عرب میں ہمیشہ کے لئے ہماری یادگار رہے اور آئندہ کے لئے ان مٹھی بھر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں کہ پھر کبھی ہمارے مقابلہ کی جرأت نہ کریں۔ اسے کیا خبر تھی کہ جو منصوبے باندھ رہے ہیں اور تجویزیں سوچ رہے ہیں وہ سب خدا کے قابو میں ہیں، چلنے دے یا نہ چلنے دے، بلکہ جب چاہے ان ہی پر الٹ دے۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔ بدر کے پانی اور جام شراب کی جگہ انہیں موت کا پیالہ پینا پڑا۔ محفل سرور و نشاط تو منعقد نہ کر سکے ہاں نوحہ و ماتم کی صفیں ”بدر“ سے ”مکہ“ تک بچھ گئیں۔ جو مال تقاضا و نمائش میں خرچ کرنا چاہتے تھے وہ مسلمانوں کیلئے قلمہ غنیمت بنا۔ ایمان و توحید کے دائمی غلبہ کا بنیادی پتھر بدر کے میدان میں نصب ہو گیا۔ گویا ایک طرح اس چھوٹے سے قطعہ زمین میں خدا تعالیٰ نے روئے زمین کی ملل و اقوام کی قسمتوں کا فیصلہ فرمادیا، بہر حال اس آیت میں مسلمانوں کو آگاہ فرمایا ہے کہ جہاد محض ہنگامہ کشت و خون کا نام نہیں بلکہ عظیم الشان عبادت ہے، عبادت پر اترائے یا دکھاوے کو کرے تو قبول نہیں۔ لہذا تم فخر و غرور اور نمود و نمائش میں کفار کی چال مت چلو۔“ (تفسیر عثمانی)

۵) ثابت قدمی تکبر کی وجہ سے نہ ہو

وحاصل الکلام: انه تعالى امرهم عند لقاء العدو بالثبات والاشتغال بذكر الله ومنعهم من ان يكون الحامل لهم على ذلك الثبات، البطر والرياء بل اوجب عليهم ان يكون الحامل لهم عليه طلب عبودية الله. (تفسير كبير)

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ دشمنوں سے جنگ کے وقت ثابت قدمی سے لڑیں اور ذکر اللہ میں مشغول رہیں اب انہیں منع فرمایا کہ اس ثابت قدمی کا باعث تکبر اور ریاکاری نہ ہو بلکہ ان پر لازم کیا کہ ان کی ثابت قدمی اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی رضا حاصل کرنے کیلئے ہو۔

خلاصہ تفسیر اور ان پانچ عبارات سے آیت مبارکہ کا موضوع واضح ہو گیا۔ اب ملاحظہ فرمائیے دیگر تفسیری فوائد۔

مجاہدین کے لئے اہم ترین نصیحت

اس آیت میں مجاہدین کو جن بری چیزوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے ایک بَطَر بھی ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ بَطَر کا معنی ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

قال الزجاج البطر الطغيان فى النعمة والتحقيق ان النعم اذا كثرت من الله على العبد فان صرفها الى مرضاته وعرف انها من الله تعالى فذاك هو الشكر واما ان توسل بها الى المفارقة على الاقرآن والمكاثرة على اهل الزمان فذاك هو البطر. (التفسير الكبير)

امام زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بَطَر کہتے ہیں نعمت میں سرکشی کرنے کو۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بندے پر زیادہ ہو جائیں تو اگر وہ ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں لگائے اور اس بات کو پہچانے کہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے انعام اور فضل کے طور پر ہیں، اس کا حق نہیں) تو یہ شکر ہے اور اگر ان نعمتوں کے ذریعے اپنے ہم عصر لوگوں پر فخر کرے اور اپنے زمانے کے لوگوں پر اپنی فضیلت جتلائے تو یہ ”بَطَر“ ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ بَطَر کا ترجمہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

والبطر فى اللغة: التقوية بنعم الله عز وجل وما البسه من العافية على المعاصى
یعنی بَطَر کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی دی ہوئی عافیت سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں مدد حاصل کرے۔

مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی طرف سے عطا فرمودہ امن و عافیت کا ناجائز فائدہ اٹھائے اور ان چیزوں کو گناہ اور نافرمانی کے کاموں میں لگائے۔

امام نسفی رحمہ اللہ بَطَر کا معنی ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

والبطر ان تشغله كثرة النعمة عن شكرها

بظہر کا معنی یہ ہے کہ نعمتوں کی کثرت کسی کو شکر سے ہٹا کر نافرمانی پر لگا دے۔ (المدارک)
یعنی ایک آدمی اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے اور گناہوں سے بچتا ہے مگر جب اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کثرت ہوئی
اسے مال، عزت اور قوت ملی تو وہ بدل گیا۔ غرور و فخر اور گناہ میں مبتلا ہو گیا تو اس کی کیفیت کا نام بظہر ہے۔
صاحب انوار البیان تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر
ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص اس لیے لڑتا ہے کہ مال غنیمت ملے اور ایک شخص اس
لیے لڑتا ہے کہ اس کی شہرت ہو اور ایک شخص اس لیے جنگ کرتا ہے کہ اس کی بہادری کا چرچا ہو تو ارشاد فرمایا ان
میں اللہ کی راہ میں کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اس لیے جنگ کرتا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو وہ اللہ کی راہ
میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۱ از بخاری و مسلم)

اکڑ مکڑ، اپنی ذات اور جماعت پر بھروسہ یہ سب اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔ اس سے اخلاص جاتا رہتا
ہے۔ جو لوگ اللہ کی رضا چاہتے ہیں ان میں تواضع ہوتا ہے۔ اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے اللہ ہی کے لئے لڑتے ہیں اور اسی
کے لئے مرتے ہیں۔ عین قتال (یعنی جنگ) کے موقع پر کافروں کو اپنی طاقت دکھانے کے لئے ظاہری طور پر اکڑ مکڑ
دکھانا بھی اللہ کو محبوب ہے۔ دل میں تواضع اور اللہ پر بھروسہ اور ظاہر میں کافروں کو جلانے کے لئے اتراتے ہوئے
کافروں کے مقابلہ میں آنا یہ محبوب مرغوب ہے۔

فی الحدیث فاما الخیلاء التی یحب اللہ فاختیال الرجل عند القتال واختیاله عند
الصدقة (کما فی مشکوٰۃ ص ۲۸۷)

حدیث میں ہے وہ اترانے والے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ قتال کے وقت کا اترانا ہے اور صدقہ کے وقت کا
اترانا (یعنی صدقہ دل کی خوشی سے اور استغفار سے دے)۔ (تفسیر انوار البیان)

حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر حضور اکرم ﷺ نے مشرکین کے فخر اور غرور کا حوالہ دے کر
اللہ تعالیٰ سے ان کیلئے بددعا فرمائی اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فخر و غرور کتنی بری چیز ہے۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں:

روی انه صلى الله عليه وسلم لما راهم في موقف بدر قال:

اللهم ان قريشاً اقبلت بفخرها وخيلائها لمعارضة دينك ومحاربة رسولك. (تفسير كبير)

یعنی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میدان بدر میں مشرکین کا لشکر دیکھا تو ارشاد فرمایا:
اے میرے پروردگار قریش اپنے فخر و غرور کے ساتھ تیرے دین کا مقابلہ کرنے اور تیرے رسول سے جنگ کرنے
کے لئے نکل آئے ہیں۔

اہل جہاد کے لئے فخر و غرور بے حد نقصان دہ چیز ہے، اللہ تعالیٰ جب انہیں فتح قوت، شان، عزت اور مال دے تو ان میں اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اور زیادہ ہو جانی چاہیے، پس جو مجاہد فخر و غرور میں پڑتا ہے وہ مشرکین کے طریقے پر چلتا ہے ظاہر بات ہے جب مشرکین کا طریقہ جاری ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد اٹھ جائے گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فخر، غرور اور تکبر مشرکین کی خصلت تھی

امام رازی رحمہ اللہ نے نکتہ لکھا ہے کہ قرآن پاک نے بطراً اور رثاء کو اسم کے صیغے سے، اور یصدون کو فعل کے صیغے سے ذکر فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فخر و غرور ان مشرکین کی خصلت اور مستقل صفت بن چکی تھی جبکہ دین سے روکنے کا کام تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے بعد شروع کیا۔ اسم استمرار پر اور فعل تجد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

ریا کاری سے بچنا

ریا کاری چھوٹا شرک ہے اور اس سے انسان کے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ ریا کاری کے ساتھ جو اچھا عمل بھی کیا جائے وہ حقیقت میں برا ہوتا ہے کیونکہ جو عمل اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہو وہ کبھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ ریا کاری کے اسی معنی کی طرف امام رازی رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے:

والرثا عبارة عن القصد إلى اظهار الجميل مع ان باطنه يكون قبيحا. (تفسیر کبیر)

فائدہ

صاحب تفسیر ماہدی لکھتے ہیں:

بَطْرًا وَرِثَاءُ النَّاسِ۔ یہ فخر و نمائش، غرور و اتر اہٹ کے اوصاف آج کی ”مہذب“ فخرگی قوموں، ان کے لشکروں کی زرق برق وردیوں ان کے جھنڈوں اور نشانوں، ان کے فخریہ دعوؤں اور اعلانوں، ان کی توپوں اور جہازوں، ان کے طیاروں اور آبدوزوں، ان کے بمباروں اور ان کے جوہری بموں پر کتنے صادق آتے ہیں اور سب سے بڑھ کر ان کے نشریوں اور اعلانوں پر۔ (تفسیر ماہدی)

شان نزول کی ایک عبارت

آیت کے شان نزول کے بارے میں تفسیر عثمانی کی عبارت کافی ہے قرطبی، کبیر، روح المعانی، المدارک وغیرہ تمام تفاسیر میں یہی روایت مذکور ہے البتہ تفسیر قرطبی اور تفسیر کبیر میں اس سے ملتی جلتی ایک اور عبارت بھی مذکور ہے۔ طلبہ علم کے لئے بطور حوالہ پیش خدمت ہے:

یعنی ابا جہل واصحابه الخارجين يوم بدر لنصرة العير، خرجوا بالقيان والمغنيات والمعازف، فلما وردو الجحفة بعث "خفاف الكناني" وكان صديقاً لابی جہل۔ بهدایا الیہ مع ابن

لہ وقال: ان شئت امددتك بالرجال، وان شئت امددتك بنفسی مع من خف من قومی، فقال ابو جہل: ان كنا نقاتل الله كما يزعم محمد (صلى الله عليه وسلم) فوالله ما لنا بالله من طاقة. وان كنا نقاتل الناس فوالله ان بنا على الناس لقوة، والله لانرجع عن قتال محمد (صلى الله عليه وسلم) حتى نرد بدرأ فنشرب فيها الخمر، وتعزف علينا القيان، فان بدرأ موسم من مواسم العرب، وسوق من اسواقهم، حتى تسمع العرب بمخرجنا فتها بنا آخر الابد. (القرطبي)

امام رازی رحمہ اللہ نے بھی تھوڑے سے فرق سے یہ روایت ذکر کی ہے اور اس کے آخر میں لکھا ہے:

قال المفسرون: فوردوا بدرأ و شربوا كوؤس المنيا مكان الخمر، وناحت عليهم النوائح مكان القيان (تفسير كبير)

فالحمد لله رب العالمين

جہادی مضمون کی اہم آیت

”مجاہدین فی سبیل اللہ اور دنیوی عام جنگجوؤں کا اصلی اور بنیادی فرق اس آیت میں بیان فرما دیا گیا ہے اور جہاد و قتال کے باب میں یہ آیت کلیدی آیتوں میں ہے، دنیوی سپاہ داروں (یعنی فوجیوں اور جنگجوؤں) کی نہ صرف یہ کہ نیت دنیا کی ہوتی ہے اور غرض غایت اسی مادی دنیا کی فتح و تسخیر ہوتی ہے، بلکہ ان کی چال ڈھال، اوضاع و اطوار عمل و کردار ہر چیز سے دنیا طلبی ہی نکلتی ہے۔ مجاہد و غازی اس کے برعکس اپنی انا کو پہلے ہی زیر کر چکا ہوتا ہے اس کا مقصود ظاہر و باطناً، قولاً و فعلاً اللہ کے دین کی سربلندی ہی ہوتا ہے۔ كَانَ الَّذِينَ آمَنُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةُ۔ آیت میں کالذین بہت غور کے قابل ہے مسلمان، ظاہر ہے کہ بطور یا میں مبتلا نہ تھے لیکن انہیں تصریح کے ساتھ ممانعت اس امر میں مشرکین کے ساتھ مشابہ ہونے سے بھی کی جا رہی ہے۔ آج کے مسلمان سوچیں کہ وہ اولیاء اللہ ہونے کے مدعی ہو کر کن کن چیزوں میں مشابہت و مناسبت اعداء اللہ سے حاصل کرتے جا رہے ہیں۔“ (تفسیر ماہدی)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ ۝ آیت ۳۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَإِذْ زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ

اور جس وقت شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں خوشنما کر دیا اور کہا کہ آج کے

الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَأَتِ الْقَيْتَنَ تَكَصَّ

دن لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہ ہوگا اور میں تمہارا حمایتی ہوں پھر جب دونوں فوجیں سامنے ہوئیں تو وہ

عَلَى عَقْبِيهِ وَقَالَ إِنِّي بِرِئِيءٍ مِّنْكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ

اپنی ایڑھیوں پر الٹا پھرا اور کہا میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں میں ایسی چیز دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے

إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ وَاللّٰهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۳۸

میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے

خلاصہ

غزوہ بدر کا یہ واقعہ بھی یاد کرنے کے قابل ہے۔ جب شیطان نے مشرکوں کو ان کے برے اعمال خوشنما کر کے دکھلائے چنانچہ وہ اپنے کفر، اسلام دشمنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو حق سمجھنے لگے۔ اور پھر جنگ کے وقت اس نے مشرکین سے کہا کہ آج تمہارے پاس اتنی قوت اور شوکت ہے کہ کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور میں بھی تمہارا حامی ہوں۔ جب جنگ شروع ہوئی اور اس نے فرشتوں کو دیکھا تو اُلٹے پاؤں بھاگا اور مشرکین سے کہنے لگا میرا تم سے کوئی تعلق نہیں میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتیں، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

شان نزول

روی ان الشیطن تمثّل لهم یومئذ فی صورة سراقۃ بن مالک بن جعشم وهو من بنی بکر بن کنانۃ وکان قریش تخاف من بنی بکر ان یاتوهم من ورائهم لانهم قتلوا رجلا منهم فلما تمثّل لهم قال ما اخبر اللہ به عنه۔ وقال الضحاک جاءهم ابلیس یوم بدر برأیته وجنوده والقی فی قلوبهم انهم لن یهزموا وهم یقاتلون علی دین ابائهم۔ (القرطبی)

ملاحظہ فرمائیے اس عبارت اور دیگر مفسرین کی عبارتوں کا منجوز.....

”قریش اپنی قوت و جمعیت پر مغرور تھے لیکن بنی کنانہ سے ان کی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی، خطرہ یہ ہوا کہ کہیں بنی کنانہ

کامیابی کے راستہ میں آڑے نہ آجائیں (اور پیچھے سے حملہ نہ کر دیں)۔ فوراً شیطان ان کی پیٹھ ٹھونکنے اور ہمت بڑھانے کے لئے کتناہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک کی صورت میں اپنی ذریت (یعنی اولاد اور چیلوں) کی فوج لے کر نمودار ہوا اور ابو جہل وغیرہ کو اطمینان دلایا کہ ہم سب تمہاری مدد اور حمایت پر ہیں۔ کتناہ کی طرف سے بے فکر رہو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب بدر میں زور کارن پڑا اور شیطان کو جبریل علیہ السلام وغیرہ فرشتے نظر آئے تو ابو جہل کے ہاتھ میں سے ہاتھ چھڑا کر اٹھے پاؤں بھاگا۔ ابو جہل نے کہا: سراقہ! عین وقت پر دعا دے کر کہاں جاتے ہو؟ کہنے لگا میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ مجھے وہ چیزیں دکھائی دے رہی ہیں جو تم کو نظر نہیں آتیں (یعنی فرشتے) خدا کے (یعنی اس خدائی فوج کے) ڈر سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ اب ٹھہرنے کی ہمت نہیں، کہیں کسی سخت عذاب اور آفت میں نہ پکڑا جاؤں۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ملعون نے جھوٹ بولا اس کے دل میں خدا کا ڈرنہ تھا، ہاں وہ جانتا تھا کہ اب قریش کا لشکر ہلاکت میں گھر چکا ہے کوئی قوت بچا نہیں سکتی۔ یہ اس کی قدیم عادت ہے کہ اپنے متبعین کو دھوکہ دے کر اور ہلاکت میں پھنسا کر عین وقت پر کھسک جایا کرتا ہے۔ اسی کے موافق یہاں بھی کیا۔

يَعْدُهُمْ وَيَمْنِيهِمْ وَمَا يَعْدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا (النساء) كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلنَّاسِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرُوا قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ (الحشر) وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنِ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُمُونِي وَلَوْلَمُوا أَنْفُسَكُمْ مَا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِي إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُظَالِمَ لَكُمْ عَذَابَ الْيَمِّ (ابراهيم) (تفسير عثمانی) تفسیر جلالین میں ہے کہ شیطان جس مشرک کا ہاتھ چھڑا کر بھاگا اس کا نام ”حارث بن ہشام“ تھا۔

وكانت يده في يد الحارث بن هشام۔ (جلالین)

کئی مفسرین حضرات کا قول ہے کہ شیطان حقیقت میں بھی ڈر گیا تھا۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قيل: خاف ابليس ان يكون يوم بدر اليوم الذي انظر اليه

یعنی ایک قول یہ ہے کہ شیطان بدر کے دن اس بات سے ڈر گیا کہ شاید یہ وہی دن ہو جس دن تک کی اس کو مہلت (اور زندگی) دی گئی تھی۔ (القرطبی)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

چونکہ زرا خوف بدون ایمان کے مقبول نہیں اس لیے شیطان کا خدا سے ڈرنا اگر واقعی بھی ہو تو کچھ محل اشکال نہیں۔ (بیان القرآن)

دوسرا قول وہی ہے جو تفسیر عثمانی کی عبارت میں منقول ہے کہ شیطان ڈر نہیں اس نے دھوکا دیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اکثر مفسرین کی مضبوط رائے یہی ہے کہ غزوہ بدر میں شیطان انسانی صورت اپنا کر آیا اور اس نے مشرکین کو اپنی مدد کا یقین دلایا جبکہ بعض مفسرین کے نزدیک شیطان انسانی شکل میں نہیں آیا بلکہ اس نے ان باتوں کا وسوسہ ڈالا تھا جو آیت مبارکہ میں بیان ہوئی ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فی کیفیۃ هذا التزیین وجہان: الاول: ان الشیطان زین بوسوستہ من غیر ان یتحول فی صورۃ الانسان وهو قول الحسن والاصم۔ (تفسیر کبیر)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے دونوں اقوال کو جمع فرما دیا ہے ان کے نزدیک واذ زین کا تعلق وسوسے سے ہے اور وقال لا غالب لکم الیوم کا تعلق اس کے انسانی شکل میں آنے سے ہے۔ ملاحظہ فرمائیے بیان القرآن۔

آیت کا ربط

اس آیت کا ماقبل سے کیا تعلق ہے؟ حضرات مفسرین کی عبارات سے یہ اشارے ملتے ہیں:

① پچھلی آیت میں فخر اور ریاکاری سے روکا گیا تھا اس آیت میں بتایا گیا کہ فخر و ریاکاری میں مبتلا ہونے والے افراد پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے اور انہیں دھوکے میں ڈال کر شکست کی طرف دھکیلتا ہے۔

② غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جو احسانات فرمائے ان کا تذکرہ پچھلی آیات میں آیا ہے۔ یہ بھی ان ہی احسانات میں سے ایک عظیم احسان ہے کہ شیطان مردود کو بھی اس دن ذلت و رسوائی کے ساتھ بھاگنا پڑا اور اس دن مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتے نازل ہوئے اور شیطان نے ان فرشتوں کو دیکھا۔

③ پچھلی آیت میں مشرکین کی تین خرابیاں بیان ہوئی تھیں: ① بطر ② ریا ③ دین سے روکنا۔ اس آیت میں چوتھی خرابی کا بیان ہے کہ وہ اپنی برائی کو بھی نیکی اور اچھائی سمجھتے تھے کیونکہ شیطان نے ان کے برے اعمال ان کی آنکھوں میں مزین کر دیئے تھے۔

ملاحظہ فرمائیے چند عبارتیں:

① ”سرکشی اور ریا کرنے والوں کا تعلق باللہ ٹوٹ جاتا ہے۔ رحمت الہی رک جاتی ہے، شیطان پہلے انہیں سبز باغ دکھاتا ہے لیکن آخر میں انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔“ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

② وقیل: هو عطف علی ماتقدم من تذکیر النعم وتقديرہ: واذکروا اذ یریکموہم واذزین۔ (تفسیر کبیر)

اس ترکیب سے دوسرے ربط کی طرف اشارہ ہوا۔

③ وقیل: هو عطف علی قوله خرجوا بطرا ورتاء الناس وتقديرہ: لانکون کالذین خرجوا من دیارہم بطرا ورتاء الناس واذ زین لہم الشیطان اعمالہم۔ (تفسیر کبیر)

اس سے تیسرے ربط کی طرف اشارہ ہوا۔ تفسیر حقانی میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

عظیم معجزہ

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ تھا فیہ معجزۃ عظیمة للرسول علیہ السلام (تفسیر کبیر)

کیونکہ جب مشرکین واپس مکہ پہنچے تو انہوں نے کہنا شروع کیا کہ سراقہ نے لشکر کو شکست دلوائی، جب سراقہ تک یہ بات پہنچی تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے تو تمہارے جانے کا علم اس وقت ہوا جب تمہاری شکست کی خبر آئی تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ شخص سراقہ نہیں شیطان تھا۔ (تفسیر کبیر)

خطرناک حملہ

آیت کے پہلے جملے میں شیطان کے اس خطرناک حملے کا ذکر ہے جس سے وہ لوگوں کو ایسا گمراہ کرتا ہے کہ وہ توبہ تک نہیں کرتے اور وہ حملہ یہ ہے کہ برائی کو اچھائی بنا کر دکھاتا ہے، تب برائی کرنے والا یہی سمجھتا رہتا ہے کہ وہ تو نیکی اور اچھائی کر رہا ہے۔ اور جب نیکی کر رہا ہے تو توبہ اور ندامت کس بات کی؟

اس نے مشرکین کے برے اعمال ان کی نظر میں ایسے خوشنما بنا دیئے کہ وہ جنگ سے پہلے باطل کی تباہی کے لئے کھلم کھلا بد دعائیں کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان باطل پر ہیں اور وہ خود حق پر ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

غزوہ بدر کی اہمیت

غزوہ بدر میں نہتے مسلمان اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے طاقتور اور مسلح دشمن کے مقابلے میں آکھڑے ہوئے تو زمین و آسمان میں ہر طرف ہلچل مچ گئی۔ آسمانوں سے فرشتے اتر آئے۔ شیطان اور اس کے چیلوں کے لشکر جھنڈے تھام کر نکل آئے۔ بادل برس پڑے، ہوائیں چلنے لگیں۔ اور ایک طرف اطمینان اور سکون اور دوسری طرف رعب اور دہشت چھا گئی۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم

اہل ایمان جب بھی ”ترتیب بدر“ قائم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نصرت و امداد کے ایسے عجیب مناظر ہر زمانے میں دکھاتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

شیطان کی رسوائی

امام رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ شیطان کیوں ڈر گیا؟ اس بارے میں چار اقوال ہیں:

- ۱ اس نے فرشتوں کو دیکھا تو ڈر گیا
- ۲ اس نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چل رہے تھے
- ۳ اس نے پے درپے ایک ہزار فرشتے اترتے دیکھے
- ۴ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نصرت اور غلبے کے آثار دیکھے تو گھبراہ کیا کہ کہیں اس پر کوئی مصیبت نہ آجائے۔ (تفسیر کبیر)

امام قرطبی رحمہ اللہ اور علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے غزوہ بدر کے دن شیطان کی رسوائی پر یہ روایت ذکر کی ہے۔
 ما رأى ابليس يوماً هو فيه اصغر ولا احقر ولا ادحر ولا اغيظ من يوم عرفة وذلك مما يرى من نزول الرحمة والعفو عن الذنوب الا ما رأى يوم بدر قالوا: يا رسول الله وما رأى يوم بدر؟ قال اما انه رأى جبريل عليه السلام يزع الملائكة (عن طلحة بن عبيد الله بن كريب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم- وهذا مرسل من هذا الوجه ابن كثير)
 یعنی شیطان نے عرفہ کے دن سے بڑھ کر کوئی دن ایسا نہیں دیکھا جس میں وہ زیادہ ذلیل زیادہ حقیر، زیادہ دھتکارہ ہوا اور زیادہ غمزہ ہو۔ کیونکہ وہ عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول اور گناہوں کے معاف ہونے کو دیکھتا ہے۔
 مگر اس نے بدر کے دن جو کچھ دیکھا (اس کی وجہ سے وہ عرفہ کے دن سے بھی زیادہ ذلیل و رسوا اور حقیر و غمزہ ہوا)
 صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے بدر کے دن کیا دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے دیکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام جنگ کے لئے فرشتوں کی صف بندی کر رہے ہیں۔
 بے شک جہاد میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جس سے شیطان اور شیطانی قوتیں ذلیل و خوار ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو شیطان اور شیطانی قوتوں پر غلبہ عطا فرمائے۔ آمین یا رحم الراحمین



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكْرِيَةً آیت ۴۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّهٗمْ اَلَاءُ

اس وقت منافق اور جن کے دلوں میں مرض تھا کہتے تھے کہ انہیں ان کے

دِیْنِهِمْ^ط وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ^{۴۹}

دین نے مغلوب کر رکھا ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے تو اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے

خلاصہ

غزوہ بدر کے موقع پر تین سو تیرہ مسلمانوں کو اتنے بڑے لشکر کے مقابلے میں اترتے دیکھ کر مدینہ منورہ کے منافق اور مکہ مکرمہ کے کچے دل والے مسلمان کہنے لگے کہ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ اور وہ اپنے دین کے برحق ہونے کے بھروسے پر خود کو اتنے بڑے خطرے میں ڈال رہے ہیں اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے وہ غالب رہتا ہے کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

مسلمانوں کی دلیری دیکھ کر منافق اس طرح طعن کرنے لگے تھے، سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ غرور نہیں توکل ہے۔ (موضح القرآن)

غلبہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ملتا ہے

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

منافق کہتے ہیں کہ مسلمان اس خط میں مبتلا ہیں کہ اپنے دین کی برکت سے سب پر فاتح ہو جائیں گے ان (منافقین) کے خیال میں گویا یہ کامیابی ناممکن ہے انہیں یہ معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے اور اس کا ہو جائے اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ یقیناً غالب ہوگا۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

مسلمان دھوکے میں نہیں توکل پر ہیں

حضرت عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کی تھوڑی جمیعت اور بے سروسامانی اور اس پر ایسی دلیری و شجاعت کو دیکھتے ہوئے منافقین اور ضعیف القلب کلمہ گو کہنے لگے تھے کہ یہ مسلمان اپنے دین اور اپنی حقانیت کے خیال پر مغرور ہیں (یعنی دھوکے میں ہیں) جو

اس طرح اپنے کو موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ غرور نہیں تو کُل ہے جس کو خدا کی زبردست قدرت پر اعتماد ہو اور یقین رکھے کہ جو کچھ ادھر سے ہوگا عین حکمت و صواب ہوگا، وہ حق کے معاملہ میں ایسا ہی بے جگر اور لیر ہو جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رابط

اس آیت کا مقابل آیات سے کیا ربط ہے؟ چند آراء ملاحظہ فرمائیں:

۱ گمان یہ تھا کہ اس جنگ میں کافر غالب آئیں گے پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ یہ گمان غلط تھا اور اس آیت میں ایک دوسرے گمان کے غلط ہونے کو بیان کیا گیا ہے وہ گمان (منافقین وغیرہ) کا یہ تھا کہ مسلمان مغلوب ہوں گے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اوپر سے اس گمان کی غلطی کا بیان تھا کہ کفار کے غالب آنے کی امید تھی اور وہ مغلوب ہوئے اور آگے اس گمان کی غلطی کا بیان ہے کہ مسلمان مغلوب ہوتے نظر آئے تھے اور وہ برکت تو کُل سے غالب آئے (بیان القرآن)

۲ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ شیطان نے مشرکین کو ان کے برے اعمال خوشنما بنا کر دکھائے اس آیت میں بتایا گیا کہ شیطان نے منافقین کی نظروں میں بھی اس بات کو مزین کر دیا کہ مسلمان مغلوب ہوں گے، حضرت حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

چونکہ تزئین شیطانی کا ذکر آیا تھا کہ شیطان نے مکہ کے کافروں کو یوں گمراہ کر رکھا تھا۔ یہاں یہ بات بتلانا ہے کہ یہ تزئین کچھ انہی پر منحصر نہیں بلکہ مدینہ کے منافق کے جن کے دل میں مرض شک و نفاق ہے بدر کے واقعہ کی نسبت مسلمانوں کو یہ کہتے تھے کہ ان کو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وعدوں پر تین سو تیرہ ٹوٹے پھوٹے مسلمان ہزار جنگجو اور بہادر قریش سے لڑنے چلے ہیں۔ (تفسیر حنفی)

۳ غزوہ بدر میں مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر چل رہا ہے اس آیت میں بھی یہ انعام بتایا گیا کہ مسلمانوں کی کمزوری اور بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ گھر کے بھیدی یعنی نام کے مسلمان منافقین کو بھی مسلمانوں کی شکست اور خاتمے کا مکمل یقین تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت فرمائی اور کافروں کی طرح منافقوں پر بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

منافق کون تھے؟

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اما المنافقون فهم قوم من الاوس والخزرج

منافق مدینہ منورہ کے قبا اوس اور خزرج کے افراد تھے (جو ظاہر میں مسلمان ہو چکے تھے مگر دل سے کافر تھے)۔

(تفسیر کبیر)

الذین اظهروا الایمان و ابطنوا الکفر (القرطبی)

دلوں کے مریض کون تھے؟

ایک قول یہ ہے کہ منافقین ہی کا دوسرا نام ہے والذین فی قلوبہم مرض (وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے) تب عطف تفسیری ہوگا۔ (تفسیر قرطبی)

جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کچے دل والے مسلمان تھے جو حالت شک میں تھے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:
الشاکون یعنی یہ شک میں پڑے ہوئے مسلمان تھے۔ (القرطبی)
امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واما الذین فی قلوبہم مرض فہم قوم من قریش اسلموا وما قوی اسلامہم فی قلوبہم ولم یہاجروا ثم ان قریشا لما خرجوا لحرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اولئک نخرج مع قومنا فان کان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فی کثرة خرجنا الیہ وان کان فی قلة اقمنا فی قومنا: قال محمد بن اسحاق ثم قتل هؤلاء جمیعا مع المشرکین یوم بدر۔

یعنی وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا تو یہ قریش کے کچھ افراد تھے جو مسلمان ہو چکے تھے مگر ابھی اسلام ان کے دلوں میں مضبوط نہیں ہوا تھا اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی پھر جب قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے نکلے تو انہوں نے کہا ہم اپنی قوم کے ساتھ نکلیں گے۔ پھر وہاں دیکھیں گے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگوں کی تعداد زیادہ ہوئی تو ان کے ساتھ مل جائیں گے اور اگر وہ کم ہوئے تو ہم اپنی قوم کے ساتھ رہیں گے محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ یہ تمام لوگ بدر میں مارے گئے۔ (تفسیر کبیر)

امام رازی رحمہ اللہ کی یہ عبارت بار بار پڑھی جائے اور ان لوگوں جیسا بننے سے بچا جائے جو مسلمان ہونے کے باوجود طاقت کی پوجا کرتے ہیں۔ اور جب مجاہدین کو کمزور دیکھتے ہیں تو ان کا ساتھ چھوڑ کر کافروں کی طرف ہو جاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

وہ کس بات کو دھوکا کہہ رہے تھے؟

قرآن پاک بتاتا ہے کہ یہ منافق اور کج دلی مسلمان غزوہ بدر کے مجاہدین کے بارے میں کہتے تھے کہ ان کے دین نے ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے، اس دھوکے سے کیا مراد ہے؟ امام رازی رحمہ اللہ دو معنی لکھتے ہیں:

۱ قال ابن عباس معناه انه خرج بثلاثمائة وثلاثة عشر یقاتلون الف رجل وما ذاک الا انہم اعتمدوا علی دینہم

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین سو تیرہ افراد کو لے کر ایک ہزار کے مقابلے میں نکل پڑے ہیں یقیناً ان لوگوں نے اپنے دین کے بھروسے پر ایسا کیا ہے۔

(جبکہ جنگ تو افراد اور اسلحے سے لڑی جاتی ہے اس لیے یہ لوگ غلطی اور دھوکے میں پڑ گئے ہیں)

۷ وقیل المراد ان هؤلاء یسعون فی قتل انفسهم رجاء ان یجعلوا احياء بعد الموت ویثابون علی هذا القتل

ایک قول یہ ہے کہ ان کی بات کا مطلب یہ تھا کہ یہ مسلمان خود کو قتل کروانے کی کوشش کرتے ہیں اس امید پر کہ وہ مرنے کے بعد زندہ کر دیئے جائیں گے اور انہیں اس قتل ہونے پر اجر و ثواب ملے گا۔ (تو یہ بات منافقین کے نزدیک نعوذ باللہ دھوکا تھی)۔ (تفسیر کبیر)

دونوں اقوال پڑھیے اور اس زمانے کے منافقین کی باتوں اور اس زمانے کے جہاد مخالف روشن خیال دانشوروں کی باتوں کا موازنہ کیجئے۔ یہ باتیں آپس میں کتنی ملتی جلتی ہیں۔ صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

محض حالات ظاہری پر تکیہ کر کے منافقوں اور کچے ایمان والوں کا ایسا کہہ کر زنا کچھ غیر قدرتی بھی نہ تھا۔ (تفسیر ماجدی)

یعنی منافقوں کی نظر محض ظاہری حالات پر ہوتی ہے۔

عزیز حکیم

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ”عزیز“ ہے کہ اپنے اوپر تو کُل کرنے والوں کو اکثر غلبہ دیتا ہے اور ”حکیم“ ہے کہ جب غلبہ نہیں دلاتا تو اس میں بھی مسلمانوں کے لئے کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ (مفہوم بیان القرآن)

آخر میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

غرض ظاہری سامان اور بے سامانی پر مدار نہیں قادر کوئی اور ہی ہے (بیان القرآن)

دین کی سرشاری

ملاحظہ فرمائیے یہ عجیب عبارت:

”جب بدر میں مٹی بھر کے بے سرو سامان مسلمان جنگ کے لئے نکلے تو منافق اور کچے دل کے آدمی اس کی کوئی توجیہ نہیں کر سکے بجز اس کے کہ کہیں ”انہیں ان کے دین کے نشہ نے مغرور کر دیا ہے“ بات اگرچہ بطور طعنہ کے کہی گئی تھی لیکن ایک لحاظ سے غلط بھی نہ تھی۔ بلاشبہ یہ دین ہی کا نشہ تھا، لیکن نشہ باطل نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی معجزانہ بلاغت نے آیت (۴۹) میں ان کا قول نقل کر کے رد نہیں کیا، بلکہ صرف یہ کہا کہ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ..... الخ (ترجمان القرآن)

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُهَا ۵۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَوْ تَرَىٰ اِذِ يَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهُهُمْ

اور اگر تو دیکھے جس وقت فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں ان کے مونہوں اور

وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۝۵۰ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ

پٹھوں پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں جلنے کا عذاب چکھو۔ یہ اسی کا بدلہ ہے جو تمہارے

اَیْدِیْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلّٰمٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝۵۱

ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا

خلاصہ

وہ منظر بہت خوفناک اور عجیب ہوتا ہے جب فرشتے ان کافروں کی روئیں قبض کرتے ہیں وہ ان کو آگ کے کوڑوں سے منہ اور پیٹھ پر مارتے جاتے ہیں اور کہتے ہیں ابھی اصل عذاب تو آگے جا کر آگ میں چکھو گے۔ اور یہ سب کچھ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہر گز بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کہ بے جرم سزا دے۔

رابط

۱) بچیلی آیات میں کافروں کے دنیا میں مقتول و مغلوب ہونے کا بیان تھا اور اب ان کی اخروی اور برزخی سزا اور اس کی وجہ کا ذکر ہے۔ (از بیان القرآن)

۲) آیت کا تعلق غزوہ بدر سے ہے مشرکین کو سامنے کی طرف سے مسلمان تلواریں مارتے تھے اور جب وہ پیٹھ پھیرتے تو فرشتے انہیں مارتے اور ان کی روحوں کو سختی سے قبض کرتے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عن مجاہد قال یوم بدر قال ابن جریج: قال ابن عباس: اذا اقبل المشركون بوجوههم الى المسلمين، ضربوا وجوههم بالسيوف واذا ولوا ادرکتهم الملائكة يضربون ادبارهم۔ (ابن کثیر)

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

جو کافر بدر کے موقع پر مسلمانوں کو تباہ کرنے کیلئے آئے تھے انہیں فرشتے یہ سزا دے کر کہتے تھے کہ یہ تمہاری سابقہ بد اعمالی کا نتیجہ ہے۔ رضائے الہی کے خلاف زندگی بسر کرنے کا نتیجہ ایسا ہی ہوتا ہے (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

کئی مفسرین حضرات کی رائے یہ ہے کہ آیت تمام کفار کے لئے عام ہے اور اس میں خصوصی طور پر بدر کے مقتول کافر بھی شامل ہیں۔

حضرت عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بہت سے مفسرین نے اس کو بھی بدر کے واقعہ میں داخل کیا ہے یعنی اس وقت جو کافر مارے جاتے تھے ان کے ساتھ فرشتوں کا یہ معاملہ تھا۔ مگر الفاظ آیت کے سب کافروں کو عام ہیں اس لیے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عالم برزخ کا ہو۔ اب بدر کے واقعات سے تعلق یہ ہوگا کہ دنیا میں ان کافروں کی یہ گت بنی برزخ میں یہ ہوگا اور آخرت کے عذاب کا تو کہنا ہی کیا۔

۳ غزوہ بدر کے واقعات کے ساتھ کافروں کے برے اعمال کا ذکر بھی چل رہا تھا تا کہ یہ معلوم ہو کہ ان کے خلاف کیوں جنگ کی جاتی ہے؟ اب ان کے برے انجام کا تذکرہ بھی کر دیا گیا کہ یہ برزخ اور آخرت میں بھی سزا کے مستحق ہیں۔

اس میں کفار کے لئے تنبیہ ہے کہ وہ باز آ جائیں اور مسلمانوں کے لئے بشارت ہے کہ ان کے دشمنوں کو اللہ تعالیٰ کیسی سخت سزا دیتا ہے۔ دشمنان اسلام کو دنیا میں سزا مجاہدین کے ہاتھوں سے اور برزخ میں فرشتوں کے ذریعہ دی جا رہی ہے۔ پس جہاد کی ایک حکمت بھی سمجھ آ گئی۔ واللہ اعلم بالصواب

کافروں کی موت کا منظر خوفناک

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

يقول تعالى: ولو عاينت يا محمد (صلى الله عليه وسلم) حال توفى الملائكة ارواح الكفار، لرأيت امرأ عظيمًا هائلًا فظيعة منكرًا.

گویا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ فرشتوں کے ذریعہ کافروں کی روح قبض ہونے کا منظر دیکھ لیتے تو آپ ایک عظیم، دہشت ناک، خوفناک اور عجیب منظر دیکھتے۔ (ابن کثیر) اس عبارت میں آیت کی ترکیب نحوی بھی آ گئی ہے۔

ابو جہل پر فرشتوں کی مار

تفسیر قرطبی اور تفسیر ابن کثیر میں حضرت حسن بصری کی یہ روایت مذکور ہے:

ان رجلاً قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم يا رسول الله! انى رايت بظهر ابى جهل مثل الشراك قال ذلك ضرب الملائكة (القرطبي)

یعنی ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ابو جہل کی پیٹھ پر تسمے جیسا داغ دیکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فرشتوں کی مار ہے۔

آگ کے کوڑے

امام ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فان كان ذلك عند الموت ضربتهم الملائكة بسيطا من نار
یعنی اگر آیت میں موت کے وقت کا بیان ہے تو اس وقت فرشتے انہیں آگ کے کوڑوں سے مارتے ہیں۔
(المحر الحیظ)

نکتہ رازیؒ

يَضْرِبُونَ وُجُوهُهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ

آگے اور پیچھے کی مار سے امام رازی رحمہ اللہ نے یہ لطیف نکتہ بھی نکالا ہے کہ کافر کی روح جب دنیا سے روانہ ہوتی ہے تو دنیا کے چھوٹے کا تو اسے صدمہ ہوتا ہی ہے ادھر آخرت پر جب نظر کرتی ہے تو ادھر بھی تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے۔ اس طرح سے اس پر آگے اور پیچھے دونوں طرف سے گویا دہری مار پڑتی ہے۔ (تفسیر ماجدی و تفسیر کبیر)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيَت ۵۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

كَذٰبِ اِلٰ فِرْعَوْنَ ۚ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِآیٰتِ اللّٰهِ

جیسا فرعونوں اور ان سے پہلے لوگوں کا حال ہوا تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیُّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

نے ان کے گناہوں کی سزا میں انہیں پکڑ لیا بے شک اللہ تعالیٰ زبردست اور سخت عذاب کرنے والا ہے

خلاصہ

اپنے کفر اور دین دشمنی پر سزا پانے میں ان مشرکین کی حالت ایسی ہے جیسے فرعون والوں اور ان سے پہلے کافروں کی حالت تھی۔ انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ماننے سے انکار کیا تھا تب اللہ تعالیٰ نے ان کے جرائم پر انہیں پکڑا اور سزا دی بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا، سخت سزا دینے والا ہے۔ (دشمنان اسلام سزا کے مستحق ہیں جہاد کے ذریعہ ان کو سزا دی جا رہی ہے اور یہ مغلوب ہونگے جس طرح آل فرعون مغلوب ہوئے)

تکذیب کا بدلہ تعذیب

والمعنى جروا على عادتهم فى التكذيب فأجرى عليه مثل ما فعل بهم فى التعذيب.

(المدارك)

یعنی مطلب یہ ہے کہ ان مشرکین نے پرانے کافروں کی عادت اور طریقے کو جاری رکھتے ہوئے دین حق کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر عذاب کا وہ قانون جاری فرمادیا جو ان سے پہلے کافروں پر جاری فرمایا تھا۔ تکذیب (یعنی جھٹلانے) کا بدلہ تعذیب (یعنی عذاب)

ربط اور تفسیر

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

انه تعالى لما بين ما انزله باهل بدر من الكفار عاجلاً وآجلاً كما شرحناه اتبعه بأن بين هذه طريقته وسنته فى الكل فقال كذاب آل فرعون والمعنى: عادة هؤلاء فى كفرهم كعادة آل فرعون فى كفرهم، فجوزى هؤلاء بالقتل والسبى كما جوزى أولئك بالاغراق. (التفسير الكبير)

پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فوری اور آئندہ عذاب کو بیان فرمایا جو اس نے غزوہ بدر کے کفار پر نازل کیا اب اس کے بعد بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون اور طریقہ سب کے لئے ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: كَذٰبِ اِلٰ

فِرْعَوْنَ مطلب اس کا یہ ہے کہ ان مشرکین کی حالت کفر میں ال فرعون کی حالت کفر جیسی ہے، پس ان کو قتل اور قید کے ذریعہ سے اسی طرح سزا دی گئی جس طرح ال فرعون کو غرق کر کے سزا دی گئی۔

دوسری تفسیر

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الدَّأْبُ الْعَادَةُ وَقَدْ تَقَدَّمَ فِي آلِ عِمْرَانَ أَيْ الْعَادَةُ فِي تَعْذِيبِهِمْ عِنْدَ قَبْضِ الْأَرْوَاحِ وَفِي الْقُبُورِ كَعَادَةِ آلِ فِرْعَوْنَ (القرطبی)
یعنی داب کا معنی ہے عادت (طریقہ) جیسا کہ سورۃ ال عمران میں گزر چکا ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کو موت کے وقت اور قبروں میں سزا دینے کا طریقہ ال فرعون کو سزا دینے جیسا ہے۔

معارف

اس آیت کا پچھلی آیات کے ساتھ ربط واضح ہے، وہ کفار جو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے نکلتے ہیں ان کا عبرتناک انجام بیان فرمایا جا رہا ہے اب اس آیت میں فرمایا گیا کہ ایسے ظالموں اور کافروں کو سزا دینے کا معاملہ نیا نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ طریقہ ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ آئندہ بھی چلتا رہے گا۔ پس کافروں کو چاہیے کہ کفر اور اسلام دشمنی چھوڑ کر اسلام قبول کریں تاکہ خوفناک انجام اور عبرتناک سزاؤں سے بچ سکیں۔ اور مسلمانوں کے لئے یہ سبق ہے کہ وہ اسلام دشمن کافروں کی طاقت سے مرعوب نہ ہوں۔ فرعون جیسا طاقتور اور جنگی اسباب سے مالا مال بادشاہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے نہیں بچ سکا، دنیا میں اس سے حکومت و سلطنت چھنی اور مرتے ہی سخت عذاب کا مستحق بنا۔ اسی طرح غزوہ بدر میں مسلمانوں کے مد مقابل آنے والے مشرکین کے ساتھ ہوا۔ نہایت ذلت اور عذاب کے ساتھ موت آئی اور آگے مزید سخت عذاب ان کے لئے تیار ہے۔ پس ان کافروں کی طاقت اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے مسلمانوں کو قطعاً کسی بھی فرعون اور ابوجہل سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے اور نہ ان کے سامنے گردن جھکانی چاہیے۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ پورے وفادار ہیں اور اس کے حکم کے مطابق ہجرت اور جہاد کے عمل کو زندہ رکھیں تب اللہ تعالیٰ کی قوت اور اس کا انتقام دین کے دشمنوں کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہجرت فرمائی تو فرعون اور اس کا لشکر اللہ تعالیٰ نے غرق فرما دیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد فرمایا تو ابوجہل اور اس کا لشکر اللہ تعالیٰ نے توڑ کر رکھ دیا۔ ایسا ہمیشہ سے ہوتا آ رہا ہے اور ایسا آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ پس ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان غزوہ بدر کی ترتیب کو زندہ کریں۔ ان کے دشمن پہلے سے ہی اپنے کفر اور جرائم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہیں وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ مجاہدین کے ہاتھوں ان کافروں پر اپنا دنیوی عذاب نازل فرماتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ يَا أَيُّدِيكُمْ یعنی تم ان سے جہاد کرو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے انہیں عذاب دے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ ۝ آیت ۵۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمَّ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعَمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی

اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر گز اس نعمت کو نہیں بدلتا جو اس نے کسی قوم کو دی تھی جب تک

يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۚ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۳﴾

وہ خود اپنے دلوں کی حالت نہ بدلیں اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے

خلاصہ

اللہ تعالیٰ بغیر جرم کے کسی کو سزا نہیں دیتا اور اس کی سزا کا قانون یہ ہے کہ وہ کسی قوم کو دی ہوئی نعمت کو عذاب سے نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی حالت خراب نہیں کر لیتی۔ باقی اللہ تعالیٰ سے نہ کسی کے اعمال چھپے ہوئے ہیں نہ کسی کی نیتیں اور ارادے۔ اس قانون کے مطابق مشرکین مکہ سزا کے مستحق ٹھہرے، جس طرح آل فرعون عذاب کے مستحق ہوئے تھے۔

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یعنی اعتقاد اور نیت جب تک نہ بدلے تو اللہ تعالیٰ کی بخشی نعمت چھینی نہیں جاتی (موضح القرآن)

رحمت کے بعد رحمت

اللہ تعالیٰ تو کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے لہذا ان لوگوں پر رحمت کے بعد رحمت کا نزول ان کے اپنے اعمال کے باعث ہوا۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

کفار مکہ کی خراب حالت

کتب دیل کفار مکة اطعمهم من جوع، وامنهم من خوف، وبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیہم بالکفر والصد عن سبیل اللہ وقاتل المومنین۔ (جلالین)

جیسے کفار مکہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تین بڑی نعمتیں بخشیں ❶ بھوک دور کر کے کھانے کی وسعت دی ❷ خوف کی جگہ امن دیا ❸ ان کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے ان تین نعمتوں کی ناشکری کی اور ❶ کفر اختیار کیا ❷ لوگوں کو دین سے روکا ❸ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے لگے۔

امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نعمة الله عليهم محمد صلى الله عليه وسلم فكفروا به فنقل الى المدينة وحل بالمشرکین العقاب (القرطبی)

اہل مکہ کے لئے نعمت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے انہوں نے اس نعمت کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اہل مدینہ کو عطا فرمادی اور مشرکین پر عذاب کا دروازہ کھول دیا۔

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ونعمة الله على قريش الخصب والسعة والامن والعافية (القرطبی)
یعنی قریش پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں زرخیزی، فراخی، امن اور عافیت تھی۔

مکتبہ نسفیؒ

مشرکین تو پہلے سے کفر پر تھے تو ان کی حالت کے خراب ہونے کا کیا مطلب ہے؟ امام نسفی رحمہ اللہ اس کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں:

تغيرت الحال المسخوطة الى اسخط منها..... الخ

یعنی حالت کے خراب کا مطلب یہ ہے کہ ان کی حالت بدتر ہو جائے، اللہ کی ناراضی والی حالت سخت ناراضی والی حالت بن جائے۔ پس مشرکین مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی بری حالت میں تھے کہ بتوں کی پوجا کرتے تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنی آیات بھیجیں تو انہوں نے ان آیات کو جھٹلادیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بہانے کے درپے ہوئے پس انہوں نے اپنی بری حالت کو سخت بری حالت سے بدل لیا یعنی وہ اور زیادہ برے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت کی جو نعمت دی ہوئی تھی وہ چھین لی اور ان پر فوری عذاب آ گیا۔ یعنی مہلت اور ڈھیل ایک نعمت تھی جو چھین لی گئی۔ (المدارک)

آیت کی تفسیر میں مزید دو سبق آموز عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

تقریر عثمانیؒ

یعنی جب لوگ اپنی بے اعتدالی اور غلط کاری سے نیکی کے فطری قویٰ اور استعداد کو بدل ڈالتے ہیں اور خدا کی بخشی ہوئی داخلی یا خارجی نعمتوں کو اس کے بتلائے ہوئے کام میں ٹھیک موقع پر خرچ نہیں کرتے بلکہ اُلٹے اس کی مخالفت میں صرف کرنے لگتے ہیں تو حق تعالیٰ اپنی نعمتیں ان سے چھین لیتا ہے اور شان انعام کو انتقام سے بدل دیتا ہے۔ وہ بندوں کی تمام باتوں کو سنتا اور تمام احوال کو جانتا ہے کوئی چیز اس سے پردہ میں نہیں۔ لہذا جس سے جو معاملہ کرے گا نہایت ٹھیک اور بر محل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

تقریر ماجدیؒ

یہاں یہ کلیدی حقیقت بیان کر دی ہے کہ جب تک کوئی قوم خود اپنی اندرونی حالت اس سے مختلف نہ کرے جو

نزول نعمت کے وقت اس کی تھی اور اپنے اندر بجائے ایمان و طاعت کے کفر و خباثت نہ پیدا کرے..... نعمت اور حبش کا اجتماع خلاف حکمت الہی ہے..... اور امت (مسلمہ) کی تاریخ خود اس آیت کی بہترین شرح و تفسیر ہے، کہاں تو بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم دور خلافت راشدہ میں یہ قوم اس حیرت انگیز ترقی سے بڑھی اور چند سال کے اندر دنیا پر اس طرح چھا گئی کہ یہ بجائے خود ایک معجزہ ہے اور تاریخ عالم میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں اور کہاں جب گرن شروع ہوئی تو اس کی گراوٹ بھی ایک ضرب المثل اور کہاوت بن گئی۔ اسپین پر سات سو سال تک حکومت کی اور پھر انتہائی بے کسی کے ساتھ اس کے ایک ایک تنفس کو ملک بدر ہونا پڑا، ہندوستان میں نو سو سال سے اوپر تک اپنا جھنڈا بلند رکھا پھر حکومت چھنی اور اب جو گت بن رہی ہے ظاہر ہی ہے، ترکی کا رقبہ، جسے بحرے ہو کر کتنا سمٹ کر اور سکڑ کر رہ گیا ہے، نواب حیدر آباد دیکھتے ہی دیکھتے خود کشی کر بیٹھا، دنیوی نعمت کی یہ ساری مسلوبی ثمرہ ہے اس کا کہ پہلے امت نے اپنی قلب ماہیت کر لی اور عدل، عبادت، خدا ترسی کی ساری نعمت کو بدل کر اس کی جگہ ظلم، نفسانیت، شقاوت، برادر کشی، خیانت، عشرت پرستی غرض ہر قسم کی خباثت سے اپنے سینوں کو آباد کر لیا۔ (تفسیر ماجدی)

فائدہ

گذشتہ آیات میں غزوہ بدر کا بیان ہے اور مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کا یہ جہاد یقیناً دنیا کے طاقتور کفار سے ہوگا جو اسلام اور مسلمانوں کی دعوت کے راستے کی رکاوٹ بنیں گے۔ یا مسلمانوں کے خلاف جنگ برپا کریں گے۔ کمزور سے مسلمان کس طرح ان طاقتور دشمنوں کا مقابلہ کریں گے تو آل فرعون کا حوالہ دے کر انہیں سمجھایا گیا کہ کافروں کی طاقت و قوت اللہ تعالیٰ کی قوت اور انتقام کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ فرعون جیسا طاقتور ترین بادشاہ پانی کی لہروں کا لقمہ بن گیا۔ پس ان کافروں کے پاس حکومت، مال، سلطنت اور فوج کی جو نعمت ہے وہ ایک خاص وقت تک کے لئے ہے۔ یہ لوگ جب اہل ایمان کے خلاف ان نعمتوں کو استعمال کرنے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت اور ڈھیل کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دنیوی عذاب میں پکڑے جاتے ہیں۔ جس طرح اہل مکہ کے ساتھ ہوا۔ جس طرح آل فرعون کے ساتھ ہوا۔ پس آئندہ بھی اسی طرح ہوتا رہے گا۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی دعوت لے کر دنیا کی ہر قوم اور ہر فرد کے پاس جائیں۔ پس جو ان کے راستے میں رکاوٹ بنے گا اور ان کے خلاف قوت لے کر آئے گا اس کا انجام ”آل فرعون“ اور ”کفار بدر“ جیسا ہوگا۔ مگر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا یہ قانون عام ہے۔ پس اگر مسلمان بھی اپنی حالت خراب کر لیں گے اور اس دنیا کی زندگی کو مقصود بنالیں گے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمان جہاد چھوڑ دیں گے تو ان پر ذلت مسلط کر دی جائے گی یعنی وہ عزت اور غلبے کی نعمت سے محروم ہو جائیں گے اور اسی طرح حدیث پاک سے ثابت ہے کہ جب مسلمانوں میں

”وہن“ آجائے گا یعنی وہ دنیا سے محبت کرنے لگیں گے اور موت کو برا جانیں گے تو دنیا بھر کی قومیں ان پر ٹوٹ پڑیں گی اور انہیں نوچ کھسوت کر کھائیں گی۔ مسلمانوں کو اس وقت فتح ”غزوہ بدر“ کی ترتیب پر ملی ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اسی پر توکل کرتے ہوئے دشمنان اسلام کے خلاف نکل پڑے تھے۔

پس جب تک وہ اپنی اس حالت اور نظریے پر قائم رہیں گے انہیں نصرت، فتح اور غلبے کی نعمت ملتی رہے گی۔ اور جب وہ اس ترتیب کو چھوڑ دیں گے تو پھر نعمت کا چھین لیا جانا ایک قانون ہے اور اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرماتا اور کسی کو بے جرم سزا نہیں دیتا۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آیت ۵۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

كَذٰبِ اِلٰ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِآیٰتِ

رَبِّهِمْ فَاهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَ اَغْرَقْنٰ اِلٰ فِرْعَوْنَ ۚ وَ كُلُّ

تو ہم نے انہیں ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور فرعونوں کو ڈبو دیا اور

كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۵۳﴾

سب ظالم تھے

خلاصہ

فرعون والے ہوں یا ان سے پہلے سرکش کافر، سب نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلا کر خود کو عذاب اور سزا کا مستحق بنایا۔ چنانچہ یہ سب اپنے جرائم کی پاداش میں ہلاک کر دیئے گئے اور فرعون والے غرق کر دیئے گئے۔ ان سب نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔

اللہ تعالیٰ کو ذاتی عداوت نہیں

فرعونوں اور ان سے پہلی قوموں کو ان کے جرائم کی پاداش میں ہلاک کیا اور خصوصیت کے ساتھ فرعونوں کا بیڑہ غرق کیا۔ یہ سب اس وقت ہوا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور شرارت کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کئے ورنہ اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق سے ذاتی عداوت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فرعون کا تذکرہ

فرعون اپنے زمانے کی سپر پاور کا نام ہے یہ اپنے دور کی ایک بہت بڑی جنگی طاقت اور استعماری سلطنت تھی۔ قرآن پاک بار بار اس کے انجام کا تذکرہ کرتا ہے، نزول قرآن کے زمانے میں قیصر و کسریٰ نام کی دو بڑی طاقتیں دنیا پر چھائی ہوئیں تھیں۔ قرآن پاک کو ماننے والوں نے ان دونوں طاقتوں کو فرعون کے تناظر میں دیکھا اور کبھی ان سے مرعوب نہیں ہوئے۔ فرعون کو اللہ تعالیٰ نے کافی مہلت دی مگر جب وہ ایمان والوں کے پیچھے نہیں پکڑنے اور ہلاک کرنے کے لئے نکلا تو مہلت ختم ہوئی اور وہ غرق کر دیا گیا۔ مشرکین مکہ کو بھی کافی مہلت ملی مگر جب وہ مسلح ہو کر اکڑتے ہوئے نکلے اور مسلمانوں کے مقابلے میں صف آراء ہوئے تو مہلت کا وقت ختم ہو گیا اور وہ پکڑے گئے۔

اس لئے مسلمانوں کو زمانے کے کسی فرعون اور کسی ابو جہل سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں ہے جو بھی اسلام

اور مسلمانوں کے خلاف اپنی طاقت استعمال کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق بن جاتا ہے اور اس کی مہلت کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دونوں آیات میں تکرار نہیں ہے

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لیس هذا بتکریر: لان الاول للعادة في التکذیب والثانی للعادة في التغير۔ یعنی اس میں اور (کذاب آل فرعون والی پچھلی) آیت میں تکرار نہیں ہے۔ اُس میں عادتِ تکذیب کا بیان تھا (کہ کفار مکہ کا دین کو جھٹلانا فرعونوں کی طرح ہے) اور اس میں عادتِ تغیر کا بیان ہے (کہ ان کفار مکہ نے بھی اپنی حالت کو اسی طرح خراب کیا ہے جس طرح فرعونوں نے کیا تھا) (القرطبی)

امام رازی رحمہ اللہ نے تین وجوہات دونوں آیتوں کے درمیان فرق کی بیان فرمائی ہیں۔ (تفسیر کبیر میں ملاحظہ فرمائیں)۔



سُورَةُ الْاَنْفَالِ اَنْ مَكَانٍ شَرِيفٍ آيَات ۵۴، ۵۵، ۵۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ شَرَّ الدّٰوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۵۵

اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب جانداروں میں سے بدتر وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا پھر وہ ایمان نہیں لاتے۔

الَّذِیْنَ عٰهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ

جن لوگوں سے تو نے عہد لیا ہے پھر وہ ہر دفعہ اپنے عہد کو توڑتے

مَرَّةٍ وَهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ۝۵۶ فَاِمَا تَتَّقُهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ

ہیں اور وہ نہیں ڈرتے۔ سو اگر کبھی تو انہیں لڑائی میں پائے تو انہیں ایسی سزا دے

بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَذْکُرُوْنَ ۝۵۷

کہ ان کے پچھلے دیکھ کر بھاگ جائیں تاکہ انہیں عبرت ہو

خلاصہ

جو لوگ ہمیشہ کے لئے کفر اور بے ایمانی پر ڈٹ گئے ہیں اور بالکل بے خوف ہو کر بار بار اپنا عہد توڑتے ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور ہیں۔ اگر یہ میدان جنگ میں آپ کے ہاتھ آجائیں تو ان کو ایسی سخت سزا دیجئے جسے دیکھ کر ان کے پیچھے رہنے والے یا ان کے بعد آنے والی سلیں بھی عبرت حاصل کریں اور عہد شکنی کی کبھی جرأت نہ کر سکیں۔ (یعنی یہ دشمنان اسلام اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کے خلاف جہاد کیا جائے اور خوب سخت کیا جائے)

شان نزول

۱ و نزل فی قریظۃ۔ (جلالین)

یعنی یہ آیات یہود بنی قریظہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

۲ والایۃ علی ما قال جمع: نزلت فی یہود بنی قریظۃ عاہدوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا یمالئوا علیہ فاعانوا المشرکین بالسلاح فقالوا نسینا ثم عاہدہم علیہ الصلوۃ والسلام فنکثوا ومالؤا وہم علیہ (علیہ الصلوۃ والسلام) یوم الخندق و رکب کعب الی مکۃ فحالفہم علی حرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی کئی مفسرین حضرات کے نزدیک آیت کا نزول یہود بنی قریظہ کے بارے میں ہوا ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے مگر پھر انہوں نے مشرکین کو

اسلحہ دیا اور کہنے لگے ہم معاہدہ بھول گئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دوبارہ معاہدہ کیا مگر انہوں نے یہ معاہدہ بھی توڑ دیا اور غزوہ خندق کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشرکین کی مدد کی اور کعب سوار ہو کر مکہ جا پہنچا جہاں اس نے مشرکین مکہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کا معاہدہ کیا۔ (روح المعانی)

۳۰ والمعنی بهم قریظة والنضیر فی قول مجاہد وغیرہ۔

یعنی ان آیات سے مراد یہود بنی قریظہ اور یہود بنی نضیر ہیں یہ مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ کا قول ہے۔ (قرطبی)

۴۰ عن سعید بن جبیر انها نزلت فی ستة رهط من یهود منهم ابن تابوت۔ یعنی حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یہ آیت چھ یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی جن میں سے ایک ”ابن تابوت“ بھی تھا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ولعله اراد بهم الرؤساء المباشرين للعهد

شاید سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے یہودیوں کے وہ سردار مراد لئے ہیں جن سے براہ راست معاہدہ ہوا تھا۔ (روح المعانی)

۵۰ امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک راجح یہی ہے کہ آیت کے اولین مصداق یہود بنی قریظہ ہیں وہ لکھتے ہیں:

قال ابن عباس: هم قریظة فانهم نقضوا عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم واعانوا عليه المشركين بالسلح في يوم بدر ثم قالوا اخطانا فعاهدهم مرة اخرى فنقضوه ايضاً يوم الخندق۔ (تفسير كبير)

حضرت دریا بادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یہود مدینہ کے تین پُر قوت قبیلوں میں سے ایک کا نام ”بنو قریظہ“ تھا جو اپنی بدزبانی اور شرانگیزی میں اوروں سے بڑھا ہوا تھا ان کے اور بنو نضیر کے محلہ کے درمیان صرف عوالی (مدینہ کا بالائی حصہ) کے باغ حد فاصل تھے ان کی متعدد بدعہدیوں کی بنا پر ان پر فوج کشی ہوئی (ذی قعدہ ۵، ہجری) یہود کے ان قلعوں کا محاصرہ معتبر روایتوں کے مطابق ۲۵ دن رہا اور آخر میں ۶۰۰ سے اوپر یہود کی گردن ماری گئی جن میں ایک عورت بھی تھی۔ (تفسیر ماجدی)

صاحب قرۃ العینین لکھتے ہیں:

ونزل فی قریظة هم قوم من الیہود من حلفاء الاوس استوطنوا واديافى ضاحية المدينة على مسافة ميلين او ثلاثه الى الجنوب الشرقى من المدينة، قرب منازل یهود ”بنی النضیر“ الذین اجلاهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المدينة السنة الرابعة بعد ان نقضوا العهد وهموا بقتله صلی اللہ علیہ وسلم وفيهم نزلت ”سورة الحشر“ التي كان یسميها عبد

اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما "سورة النضير" کما رواه عنه البخاری اما یہود بنی قریظہ فقد نقضوا العهد وحاربوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع الأحزاب ایام الخندق سنة خمس فحاصرهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقتل مقاتلتهم وسبى نساءهم وذراريتهم، وغنم اموالهم۔ (قرة العینین)

ان تمام اقوال کا خلاصہ یہی ہوا کہ ان آیات کے اولین مصداق تو یہودی ہیں مگر آیات مبارکہ کا مفہوم و مطلب عام ہے اور اس سے مراد کافروں کا ہر وہ گروہ ہے جس میں دو صفتیں پائی جائیں: ۱۔ اپنے کفر پر اچکا ہو ۲۔ مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کا مرتکب ہو۔

رابط

۱۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اوپر کی آیات میں یہاں تک کفار و مشرکین کے احوال و قتال کا بیان تھا آگے کفار اہل کتاب کے احوال اور قتال کا بیان ہے جیسا کہ تمہید سورت میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے اور سبب نزول اسکا یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی ہے کہ انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ ہم آپ کے مخالفین کو مدد نہ دیں گے اور پھر بھی غزوہ احزاب میں مشرکین کو مدد دی اور بھی چند بار ایسا ہو چکا۔ ہر بار میں کہہ دیتے تھے کہ ہم بھول گئے پھر تازہ عہد کرتے تھے پھر ایسا ہی کرتے تھے اس پر ان آیتوں میں آپ کو حکم ہوا ان سے قتال کا۔ (بیان القرآن)

۲۔ پچھلی آیت میں کافروں کے بارے میں فرمایا تھا کہ كُلٌّ كَانُوا ظَالِمِينَ کہ وہ سب ظالم تھے (اور ہیں) اب ان ظالموں میں سے جو زیادہ ظالم اور برے ہیں ان کی صفات کا بیان ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ إِنَّ شَرَّ الدِّينِ وَآيَاتِهِ کہ سب سے بدتر کافروہ ہیں جن میں دو برائیاں ہوں ۱۔ اپنے کفر پر ایسے پکے ہوں کہ ایمان لانے کی ظاہری امید ختم ہو چکی ہو ۲۔ بار بار عہد توڑتے ہوں۔ ان کے ساتھ سلوک یہ کیا جائے کہ ان کو عمر تک سزا دی جائے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے اس رابطہ کو اختیار کیا ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

اعلم انه تعالى لما وصف كل الكفار بقوله وَكُلٌّ كَانُوا ظَالِمِينَ افر د بعضهم بمزية في الشر والعناد فقال إِنَّ شَرَّ الدِّينِ وَآيَاتِهِ عند الله اي في حكمه وعلمه من حصلت له خصلتان (الصفة الاولى) الكافر الذي يكون مستمرا على كفره مصرا عليه لا يتغير عنه البتة (الصفة الثانية) ان يكون ناقضا للعهد على الدوام۔ (التفسير الكبير)

تفسیر تھانی میں اسی رابطہ کو اختیار کیا گیا ہے اور صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

شَرُّ الدِّينِ وَآيَاتِهِ کافرو سب ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں بدتر مخلوق ہیں، ان میں بھی بدترین وہ ہیں جنہوں نے کفر پر

بدعہدی کا اضافہ کیا۔

بین تعالیٰ ان من جمع بین الکفر الدائم و بین نقص العهد علی هذا الوجه کان شر الدواب۔ (تفسیر کبیر، ماجدی)

۳ غزوہ بدر کو مثال بنا کر اب مشرکین کے علاوہ کفار کی دیگر قسموں سے بھی جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے کیونکہ جہاد کا حکم عام ہے یہ صرف مشرکین یا جزیرۃ العرب کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ جہاد کا حکم پوری دنیا میں امن قائم کرنے کا ذریعہ ہے پس کافروں کے وہ گروہ جو بدعہدی کے خوگر ہو چکے ہیں وہ دنیا کے امن کے لئے خطرہ ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب) ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

”گذشتہ آیت میں بتایا تھا کہ یہ تمام کفار ظالم ہیں: اب ان کے امتیازات و خصائص بیان ہوتے ہیں:

(الف) ان کو ایمان باللہ سے بے انتہا نفرت ہے۔

(ب) اپنے کسی عہد پر قائم نہیں رہتے اور ان کو ہمیشہ توڑتے رہتے ہیں۔ دنیا کے امن عامہ کی خاطر ان لوگوں سے یہی سلوک ضروری ہے ان کو ایسی سزا دی جائے کہ دوسرے کافر بھی اس سے عبرت اندوز ہوں۔ اور نقض عہد کا سد باب ہو کفار قریش کبھی اپنے عہد پر قائم نہ رہے اس لئے جنگ بدر میں ان کی قوت پاش پاش کر دی گئی بنو قریظ نے بھی جنگ احزاب میں خلاف عہد قریش کی اعانت کی اس لئے فوراً تباہ کر دیئے گئے۔ (تفسیر الفرقان)

بعض جملوں اور الفاظ کے معنائیں

عَهْدَتْ مِنْهُمْ من تبعیض کے لئے ہے۔ کیونکہ معاہدہ ان کے سرداروں سے ہوتا تھا ومن فی قوله

منهم للتبعیض لان العهد انما کان یجری مع اشرافهم ثم ینقضونه۔ (القرطبی)

وَهُمْ لَا یَتَّقُونَ اور وہ نہیں ڈرتے۔ بدعہدی کے انتقام اور دنیا و آخرت میں اس کے برے انجام سے۔

ای لایخافون الانتقام۔ (القرطبی) لایخافون عاقبة الغدر ولا یبالون بما فیہ من

العار والنار۔ (المدارک)

فَإِمَّا تَثَقَّفَتْهُمْ فِي الْحَرْبِ ثقف کا معنی پہلے گزر چکا ہے الاخذ علی سبیل الغلبة یعنی کسی پر قابو

پانا، غالب آنا، یا کسی کو قید کرنا، یا کسی کو کمزوری کی حالت میں پانا اور ان پر غالب آ جانا۔

یعنی اگر آپ ان پر قابو پالیں۔ غالب ہو جائیں۔ ان کو قید کر لیں۔ ان کو کمزوری کی حالت میں پا کر ان پر چھا جائیں۔ میدان میں ان کے مد مقابل ہو جائیں۔

ومعنی تثقفنہم تاسرہم وتجعلہم فی ثقاف، او تلقاہم بحال ضعف، تقدّر علیہم فیہا

وتغلبہم۔ (القرطبی)

فاما تصادفہم وتظفرن بہم۔ (المدارک)

قال الليث: يقال: ثقفنا فلاناً في موضع كذا أي اخذناه وظفرنا به (تفسير كبير)
فَشَرَّدُ بِهِمْ تشرید کہتے ہیں خوف زدہ کر کے منتشر کرنے کو۔

والتشريد عبارة عن التفريق مع الاضطراب۔ (التفسير الكبير)
امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فمعنى الآية: انك ان ظفرت في الحرب بهؤلاء الكفار الذين ينقضون العهد فافعل بهم
فعلاً يفرق بهم من خلفهم قال عطاء: تثخن فيهم القتل حتى يخافك غيرهم۔
یعنی آیت کا معنی یہ ہوا کہ اگر آپ معاہدہ توڑنے والے ان کافروں پر جنگ میں غالب آجائیں تو ان کے ساتھ
ایسا معاملہ کریں کہ ان کے پیچھے والے (خوف کی وجہ) سے منتشر ہو جائیں۔ اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کا
مطلب یہ ہے کہ ان کی خوب خوریزی کریں تاکہ دوسرے کافر خوفزدہ ہو جائیں۔ (تفسیر کبیر)
امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ففرق عن محاربتك ومناصبتك بقتلهم شرقتلة والنكاية فيهم من وراءهم من الكفرة
حتى لا يجسر عليك بعد هم احد اعتباراً بهم واتعاظاً بحالهم۔
یعنی ان کو ایسا سخت قتل کریں اور اتنا شدید ماریں کہ ان کے پیچھے والے کافر آپ سے لڑنے اور آپ کے مقابل
آنے کی جرأت ہی نہ کریں اور وہ ان کی حالت سے عبرت اور نصیحت پکڑ کر بکھر جائیں۔ (المدارک)
مَنْ خَفَّعَهُمْ غلف یہاں علاوہ کے معنی میں ہے ای من ورائهم من الكفرة۔ (روح المعانی)
(تفسیر ماجدی)

یہاں تک ان آیات کا شان نزول، ربط اور جملوں کی تشریح آگئی، اب ملاحظہ فرمائیے چند تفسیری عبارتیں:

① کافروں کی کمر ہمت ٹوٹ جائے

جو انسان ہو کر اپنے مولیٰ سے منہ موڑے وہ حیوانات سے بھی بدتر ہے جو شریر الطبع کفار عہد شکنی سے باز نہیں آتے
اگر میدان جنگ میں آئیں تو ان کو خوب ناک چنے چوایئے تاکہ ان کی سخت سزا کے باعث دوسرے کافروں کی کمر
ہمت ٹوٹ جائے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

② یہ بدترین جانور ہیں

جو لوگ ہمیشہ کے لئے کفر اور بے ایمانی پر ٹٹل گئے اور انجام سے بالکل بے خوف ہو کر غداری اور بدعہدی کے خوگر
ہو رہے ہیں وہ خدا کے نزدیک بدترین جانور ہیں۔ فرعون یوں کا حال بدعہدی اور غداری میں یہی تھا۔

ولما وقع عليهم الرجز قالوا يموسى اذع لنا ربك بما عهد عندك لئن كشفت عنا الرجز
لنؤمنن لك ولنرسلن معك بنى اسرائيل فلما كشفنا عنهم الرجز الى اجل هم بالغوه اذا هم

ینکثون۔ (اعراف) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہود بنی قریظہ کی یہ ہی خصلت تھی آپ سے عہد کر لیتے تھے کہ ہم مشرکین مکہ کو مدد نہ دیں گے پھر ان کی امداد کرتے اور کہہ دیتے کہ ہم کو عہد یاد نہ رہا تھا۔ بار بار ایسا ہی کرتے تھے آگے بتلایا ہے کہ ایسے عداورں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے۔ یعنی اگر یہ دغا باز، عداور معاہدوں کو علانیہ پس پشت ڈال کر آپ کے مقابل میدان جنگ میں آجائیں تو ان کو ایسی سخت سزا دیجئے جسے دیکھ کر ان کے پیچھے رہنے والے یا ان کے بعد آنے والی نسلیں بھی عبرت حاصل کریں اور عہد شکنی کی کبھی جرأت نہ کر سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ

اس سورۃ مبارکہ میں جہاں مسلمانوں کو اسباب فتح بتائے جا رہے ہیں کہ فلاں فلاں عمل سے تمہیں نصرت اور فتح ملے گی وہاں ”اسباب شکست“ بھی بتائے جا رہے ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ ”عہد توڑنا ذلت اور شکست کا سبب ہے اور یہ ایسی برائی ہے جو کافروں میں سے بھی ان کے بدترین افراد میں پائی جاتی ہے تو مسلمان تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

امام ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال ابن عباس رضی اللہ عنہما شر الناس الکفار وشر الکفار المصرون منهم وشر المصرین الناکثون للعہود۔ (البحر المحیط)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انسانوں میں بدترین لوگ کافر ہیں اور کافروں میں بدترین وہ ہیں جو اپنے کفر پر پکے ہیں اور پکے کفر والوں میں بدترین وہ ہیں جو عہد توڑنے والے ہیں۔

مسلمانوں کو عموماً اور تمام مجاہدین کو خصوصاً بد عہدی اور عہد شکنی کے اس خوفناک جرم اور گناہ سے بچنا چاہیے جو بدترین کافروں کی خصلت ہے اور ذلت و رسوائی کا باعث ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بد عہدی اور عہد شکنی کے بارے میں چند وعیدیں اگلی آیت کی تشریح میں آئیں گی۔ (ان شاء اللہ)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَثَلَنِيَّةٌ آیت ۵۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَإِنَّمَا تَخَافْنَ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةٍ فَإِنِ بَدَأَ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ ط

اور اگر تمہیں کسی قوم سے دغا بازی کا ڈر ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو ایسی طرح پر کہ تم اور وہ برابر ہو جاؤ

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿۵۸﴾

بے شک اللہ تعالیٰ دغا بازوں کو پسند نہیں کرتا

خلاصہ

اگر کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو اور اس قوم نے کھلم کھلا تو معاہدہ نہیں توڑا مگر آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خیانت اور بدعہدی کرنے والے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اور مسلمانوں کے امیر کو) اجازت ہے کہ وہ اس قوم کا معاہدہ واپس کر دے یعنی ان کو اطلاع کر دے کہ ہم نے معاہدہ ختم کر دیا ہے۔ اور یہ اطلاع کرنا بالکل واضح اور صاف صاف ہو۔ اس اطلاع کے بعد ان پر حملے کی اجازت ہے۔ لیکن اگر اطلاع نہ دی اور ویسے حملہ کر دیا تو یہ خیانت ہوگی اور اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اگرچہ یہ خیانت کافروں کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔

جامع تفسیر

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرات مفسرین کرام نے جو کچھ لکھا ہے اس کا نچوڑ اس عبارت میں ملاحظہ فرمائیں:
اور اگر ایک قوم نے علانیہ دغا بازی نہیں کی، ہاں آثار و قرائن بتا رہے ہیں کہ عہد شکنی پر آمادہ ہے تو آپ کو اجازت ہے کہ مصلحت سمجھیں تو ان کا عہد واپس کر دیں اور معاہدہ سے دستبرداری کی اطلاع کر کے مناسب کاروائی کریں۔ تاکہ فریقین پچھلے معاہدات کی نسبت شک و اشتباہ میں نہ رہیں۔ دونوں مساویانہ طور پر آگاہ و بیدار ہو کر اپنی تیاری اور حفاظت میں مشغول ہوں آپ کی جانب سے کوئی خیانت نہ ہو سب معاملہ صاف صاف ہو۔ حق تعالیٰ خیانت کی کاروائی کو خواہ کفار کے ساتھ ہو پسند نہیں کرتا۔ سنن میں روایت ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور روم میں میعاد معاہدہ تھا، میعاد کے اندر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوجوں کو روم کی سرحد کی طرف بڑھانا شروع کیا۔ مقصد یہ تھا کہ رومیوں کی سرحد سے اس قدر قریب اور پہلے سے تیار رہیں کہ میعاد معاہدہ گزرتے ہی فوراً دھاوا بول دیا جائے جس وقت یہ کاروائی جاری تھی۔ ایک شیخ سواری پر یہ کہتے ہوئے آئے۔ ”اللہ اکبر اللہ اکبر وفاء لا غدر“ یعنی عہد پورا کرو، عہد شکنی مت کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی قوم سے معاہدہ ہو تو کوئی گرہ نہ کھولی جائے، نہ باندھی جائے یہاں تک کہ معاہدہ کی مدت پوری ہو جائے یا فریق ثانی کو مساویانہ حیثیت میں معاہدہ

واپس کیا جائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر ملی تو اٹھنے والے پاؤں واپس آ گئے پھر جو دیکھا تو وہ شیخ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے“ (تفسیر عثمانی)

حفاظت کی تدابیر

”اگر کسی قوم سے خیانت کا ڈر ہو کہ وہ بظاہر دوست بنی رہے گی اور پوری تیاری کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہوگی تو ایسے خطرہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو معاہدہ واپس کر دیجئے تاکہ آپ کھلم کھلا اپنی حفاظت کی تدابیر کر سکیں۔“ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

اہم مسئلہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس آیت میں جو فَتَنَیْزٍ اور قَاتِلَیْنِ کا خطاب خاص کیا گیا (یعنی مفرد کا صیغہ لا کر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا) اسی طرح آگے مسئلہ صلح میں قَاتِلَیْنِ لَکُمَا کا۔ اس میں اشارہ ہے کہ عہد کا عمل و عقد امام کی رائے پر ہے عوام کو اس میں دخل نہ دینا چاہئے۔ (بیان القرآن)

مسئلہ

آیت میں فرمایا گیا کہ اگر آپ کو ان سے خیانت کا ڈر ہو تو عہد واپس کریں۔ تو یہ اس لئے فرمایا کہ اکثر معاہدہ ختم کرنے کی ضرورت تبھی پیش آتی ہے جب سامنے سے بدعہدی کا خطرہ ہو۔ ورنہ شریعت میں اس کی اجازت موجود ہے کہ اگر بدعہدی کا کوئی خطرہ نہ ہو مگر مسلمانوں کا امام معاہدہ ختم کرنے میں مصلحت دیکھے تو وہ کفار کو اطلاع کر کے معاہدہ ختم کر سکتا ہے۔ (مفہوم بیان القرآن)

مسئلہ

اگر کسی قوم سے معاہدہ ہو اور وہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کرے تو ایسی قوم پر فوراً اور اچانک حملہ کرنا جائز ہے معاہدہ ختم ہونے کی اطلاع دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی خیانت اور خلاف ورزی کی وجہ سے معاہدہ پہلے ہی ختم ہو چکا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر مشرکین مکہ کے ساتھ جو معاہدہ فرمایا تھا مشرکین مکہ نے اس کی خلاف ورزی کی تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف جنگ کی خفیہ تیاری فرمائی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی: اللھم اقطع خبرنا عنھم۔ اے ہمارے پروردگار ہماری خبر کو ان سے چھپا دے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حملہ فرمایا اور مکہ فتح کر لیا۔ مشرکین چونکہ پہلے ہی خلاف ورزی کر کے معاہدہ توڑ چکے تھے اس لئے ان کو معاہدہ ختم کرنے کی اطلاع نہیں دی گئی۔ (مفہوم القرطبی وغیرہ)

مسئلہ

جب اپنی طرف سے عہد توڑنا ہو (یعنی ختم کرنا ہو) اور ان کو اس کی اطلاع دینی ہو تو ان کے ہر ہر فرد کو اطلاع دینا

ضروری نہیں جب ان کے صاحب اقتدار کو نقض عہد کی اطلاع دے دی اور اتنی مدت گزر گئی کہ وہ اس وقت میں اپنے اطراف مملکت میں خبر پہنچا سکتا تھا تو یہ کافی ہے (انوار البیان بحوالہ ہدایہ)

اسلام اور عہد کی حفاظت

”سبحان اللہ عہد کی پاسداری کا شریعت اسلامیہ میں کتنا اہتمام ہے۔ اسی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا۔ اور ان چار میں سے جس میں ایک خصلت ہوگی تو اس میں نفاق کا ایک حصہ مانا جائے گا جب تک اسے چھوڑ نہ دے۔

۱ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

۲ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

۳ اور جب معاہدہ کرے تو دھوکا دے۔

۴ اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ (رواہ البخاری، ص ۴۵۱، ج ۱)

ہر مسلمان کو معاہدہ کی پاسداری لازم ہے حکومت سے معاہدہ ہو یا کسی جماعت سے یا کسی فرد سے۔ اس کی خلاف ورزی حرام ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین شخصوں پر میں دعویٰ کرنے والا ہوں، ایک وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا پھر اس نے غد ر کیا (یعنی عہد توڑا) اور ایک وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گیا، اور ایک وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو کام پر لگایا اس سے پورا (کام) لے لیا اور اس کی مزدوری نہ دی۔ (رواہ البخاری، ص ۳۰۲، ج ۱)

نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من قتل معاہدا لم یرح رائحة الجنة۔ جس نے کسی عہد والے کو قتل کر دیا جنت کی خوشبو (بھی) نہ سونگھے گا۔ (صحیح بخاری، ص ۴۳۸، ج ۱) (انوار البیان)

خائن ترقی نہیں کر سکتا

”جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے دربار مصر میں اپنی پاکدامنی کا اظہار کیا اور عزیز مصر نے ان کو خزان ملک کا مالک (یعنی نگران) بنادیا تو انہوں نے بھی اپنے آقا کو مخاطب کر کے اسی قانون کی طرف توجہ دلائی تھی کہ خائن کبھی اس طرح ترقی نہیں کر سکتا ذَلِكْ لِيَعْلَمَ اَنَّيْ لَمْ اَخْنَهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخٰلِثِيْنَ“ (یوسف ۵۲) (تفسیر الفرقان)

فائدہ

اسباب شکست میں سے ایک خیانت بھی ہے مجاہدین بہت اہتمام سے خود کو اس جرم سے بچائیں کیونکہ یہ دنیا و آخرت میں ذلت، ناکامی اور شکست کا باعث ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) ☆☆☆

سُورَةُ الْاَنْفَالِ الْمَكِّيَّةُ آیت ۵۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۖ إِنَّهُمْ لَا يُعْزِزُونَ ﴿۵۹﴾

اور کافر یہ نہ خیال کریں کہ وہ بھاگ نکلے ہیں بے شک وہ ہمیں ہرگز عاجز نہ کر سکیں گے

خلاصہ

کافر اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔ وقتی مہلت سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔

رابط

۱ اکثر مفسرین کے نزدیک آیت ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی جو غزوہ بدر میں بچ گئے تھے۔

ونزل فيمن افلت يوم بدر۔ (جلالین)

امام رازی رحمہ اللہ نے اسی شان نزول کو ذہن میں رکھ کر آیت کا ربط یوں تلاش کیا ہے۔

اعلم انه تعالى لما بين ما يفعل الرسول في حق من يجده في الحرب ويتمكن منه ونكرا
يضاً ما يجب ان يفعله فيمن ظهر منه نقض العهد بين ايضا حال من فاته من يوم بدر وغيره
لئلا يبقى حسرة في قلبه فقد كان فيهم من بلغ من أذية الرسول عليه الصلوة والسلام مبلغا
عظيماً فقال لا يحسبن الذين كفروا سبقوا یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے بیان فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
جن کافروں پر میدان جنگ میں قابو پائیں تو ان کے ساتھ کیا کریں اور بتایا کہ جو کفار عہد شکنی کریں ان کے ساتھ کیا
کریں اب اس آیت میں ان لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے جو بدر کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچ نکلے تھے۔
اور یہ حال اس لئے بیان فرمایا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حسرت باقی نہ رہے کیونکہ بچ جانے والوں میں
وہ لوگ بھی تھے جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں پہنچانے میں بڑا حصہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ کافر گمان نہ
کریں کہ وہ بچ نکلے۔

یہ ربط بیان کرنے کے بعد امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان کافروں کے پکڑے جانے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ
اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر دنیا میں کامیاب فرما دے گا اور دوسرا یہ کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں
پکڑے جائیں گے۔ (التفسیر الکبیر)

۲ دوسرا ربط اس عبارت میں ملاحظہ فرمائیں:

نبد عہد کا جو حکم اوپر مذکور ہو ممکن تھا کہ کفار اس کو مسلمانوں کی سادہ لوحی پر محمول کر کے خوش ہوتے کہ جب

ان کے یہاں خیانت و غدر جائز نہیں تو ہم کو خبردار اور بیدار ہونے کے بعد پورا موقع اپنے بچاؤ اور مسلمانوں کے خلاف تیاری کرنے کا ملے گا، اس کا جواب دے دیا کہ کتنی ہی تیاری اور انتظامات کر لو جب مسلمانوں کے ہاتھوں خدا تم کو مغلوب و رسوا کرنا اور دنیا یا آخرت میں سزا دینا چاہے گا تو تم کسی تدبیر سے اس کو عاجز نہ کر سکو گے نہ اس کے احاطہ قدرت و تسلط سے نکل کر بھاگ سکو گے۔ گویا مسلمانوں کی تسلی کردی کہ وہ خدا پر بھروسہ کر کے اس کے احکام کا امتثال کریں تو سب پر غالب آئیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

۳ تیسرا ربط اس عبارت میں ملاحظہ فرمائیں:

اوپر مشرکین مکہ و یہود مدینہ کے قتال کا ذکر تھا چونکہ قتال میں بعضے بچ بھی جاتے ہیں آگے ان کی نسبت فرماتے ہیں کہ خدا سے نہیں بچ سکیں گے ایک نہ ایک روز مبتلائے عذاب ہونا ہے۔ (بیان القرآن)

فائدہ

کافروں کو کھلی تنبیہ کہ جتنا زور لگالیں وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے اور مسلمانوں کو کھلی تسلی کہ ان کافروں کو ذلیل و رسوا فرمائے گا البتہ مسلمان جنگی تیاری سے غافل نہ ہوں بھروسہ اور توکل اللہ تعالیٰ پر رکھیں اسباب پر نہیں مگر اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر اسباب جنگ بھی خوب مہیا کریں آگے اسی حکم کو بیان فرمایا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ اِنْ مَكَانٍ شَيْءٍ آيَتِ ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاعِدُوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ

اور ان سے لڑنے کیلئے جو کچھ (سپاہیانہ) قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے جمع کر سکو سو تیار رکھو کہ

تَرْهَبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا

اس سے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور ان کے سوا دوسروں پر ہیبت پڑے جنہیں تم نہیں

تَعْلَمُوْنَهُمْ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

جانتے اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کر دے گے

يُوفِّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تظَلُمُوْنَ ۚ

تمہیں (اس کا ثواب) پورا ملے گا اور تم سے بے انصافی نہیں ہوگی

خلاصہ

مسلمانوں پر لازم ہے کہ جس قدر ہو سکے وہ دشمنان اسلام سے لڑنے کے لئے تیاری کریں۔ ہر طرح کی قوت بنائیں اور پلے ہوئے گھوڑے باندھیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر اور مسلمانوں کے کھلے اور چھپے دشمنوں پر دہشت طاری ہو جائے۔ اور جہاد اور اس کی تیاری میں جو کچھ بھی مسلمان خرچ کریں گے دنیا و آخرت میں اس کا بدلہ پورا پورا پائیں گے۔ اور یہ خرچ ان کے لئے فائدے کا سودا ہوگا، گھائٹے کا نہیں۔

دلنشین عبارتیں

یہ آیت مبارکہ اسلام کے ”جہادی نظام“ میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کو خوب سمجھیں اور اس کے ہر ہر اشارے پر عمل کو زندہ کریں آیت مبارکہ کی تفسیر سمجھنے کے لئے پہلے حضرات محققین کی چند دلنشین عبارتیں ملاحظہ فرمائیں اس کے بعد باقی فوائد ان شاء اللہ۔

۱ تفسیر عثمانیؒ

یعنی خدا پر بھروسہ کرنے کے معنی یہ نہیں کہ اسباب ضرور یہ مشروعہ کو ترک کر دیا جائے ”نہیں“۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا سامان جہاد تھا۔ آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش کروزر وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنون حربیہ کا سیکھنا بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب سامان جہاد ہے۔ اسی طرح

آئندہ جو اسلحہ و آلات حرب و ضرب تیار ہوں، ان شاء اللہ وہ سب آیت کے منشاء میں داخل ہیں، باقی گھوڑے کی نسبت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی فرما چکے ”الخیل معقود فی نوا صیہا الخیر الی یوم القیمۃ“ کہ قیامت تک کے لئے خدا نے اس کی پیشانی میں خیر رکھ دی ہے اور احادیث میں ہے کہ ”جو شخص گھوڑا جہاد کی نیت سے پالتا ہے، اس کے کھانے، پینے بلکہ ہر قدم اٹھانے میں اجر ملتا ہے اور اس کی خوراک وغیرہ تک قیامت کے دن ترازو میں وزن کی جائے گی۔“

تُرْهِبُونَ رِبَہ یعنی یہ سب سامان اور تیاری دشمنوں پر رعب جمائے اور دھاک بٹھلانے کا ایک ظاہری سبب ہے۔ باقی فتح و ظفر کا اصلی سبب تو خدا کی مدد ہے جو پہلے بیان ہو چکا اور وہ لوگ جن کو بالنعین تم نہیں جانتے منافقین ہیں جو مسلمانی کے پردے میں تھے یا یہود ”بنی قریظہ“ یا روم و فارس وغیرہ وہ سب قومیں جن سے آئندہ مقابلہ ہونے والا تھا وَمَا تَنْفَعُکُمْ مِنْ شَيْءٍ یہ مالی جہاد کی طرف اشارہ ہے یعنی جہاد کی تیاری میں جس قدر مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا یعنی ایک درہم کے سات سو درہم وَاللّٰهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ اور بسا اوقات دنیا میں بھی اس سے کہیں زیادہ معاوضہ مل جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

۲ تفسیر اشرافیؒ

اوپر قتال کفار کا ذکر تھا آگے سامان قتال مہیا رکھنے کا حکم ہے وَاعِدُوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ (الی قولہ تعالیٰ) وَاتَّخِذُوا تَحَرُّمًا اور ان کافروں سے مقابلہ کرنے کے لئے جس قدر ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس سامان کے ذریعہ تم اپنا رعب جمائے رکھو ان پر جو کہ کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں اور تمہاری فکر میں رہنے کی وجہ سے تمہارے دشمن ہیں جن سے شب و روز تم کو سابقہ پڑتا رہتا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے کافروں پر بھی رعب جمائے رکھو جن کو تم بالنعین نہیں جانتے بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جیسے کفار فارس اور روم وغیرہم جن سے اس وقت سابقہ نہیں پڑا مگر صحابہ کا ساز و سامان و فن سپاہ گری اپنے وقت میں ان کے مقابلہ میں بھی کام آیا اور ان پر بھی رعب جما۔ بعض (ان میں سے) مقابل ہو کر مغلوب ہوئے بعض نے جزیہ قبول کیا کہ یہ بھی اثر رعب کا ہے اور اللہ کی راہ میں جس میں جہاد بھی آگیا جو کچھ بھی خرچ کرو گے جس میں وہ خرچ بھی آگیا جو ساز و براق (یعنی اسلحہ اور سواری) درست کرنے میں کیا جاوے وہ یعنی اس کا ثواب تم کو آخرت میں پورا پورا دے دیا جاوے گا اور تمہارے لئے اس میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

فائدہ

حدیثوں میں تیر اندازی کی مشق اور گھوڑوں کے رکھنے اور سواری سیکھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے اب بندوق اور توپ قائم مقام تیر کے ہے اور عموم قوت میں یہ سب اور ورزش بھی داخل ہے۔ (بیان القرآن)

۳۔ تقریر حقانیؒ

اس (جنگی) قوت کا فائدہ دشمنوں کو خوف دلانا ہے کیونکہ اعداء (یعنی دشمن) نہ کسی علم سے ڈرتے ہیں نہ کسی معاہدہ سے نہ کسی صنعت و حرفت سے نہ نئی روشنی کے لباس و عادات سے وہ تو قوتِ جنگ سے ڈرتے ہیں جس میں یہ (قوت موجود) ہے اسی کی عزت ہے اسی کے لئے عہد ہے (یعنی اسی کے معاہدے کی لوگ قدر کرتے ہیں) اس میں جو کچھ مسلمانوں کا صرف (یعنی خرچ) ہوگا اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں سے پورا ملے گا۔ (تفسیر حقانی)

۴۔ تقریر ماجدیؒ

آیت میں اس گہری حقیقت کی تعلیم ہے کہ اہل کفر تو برابر تمہارے اور تمہارے دین کے دشمن رہا ہی کریں گے تم ان سے مقابلہ کے لئے ہمیشہ تیار رہو، ان کی طرف سے غافل کبھی بھی نہ ہو، اور اپنے پاس وہ سامان برابر تیار رکھو جن سے ان پر ہیبت طاری ہوتی ہو، اور ان کے دل دہلتے ہوں، آیت میں کھلی ہوئی تاکید دینیوی سامانِ حرب سے لیس اور تیار رہنے کی ہے اور آیت نے اس جاہلانہ خیال کی جڑ کاٹ دی ہے کہ اسلام مذہب صرف توکل اور ترکِ تدبیر و ترکِ جہد کا ہے قُوَّةٌ قوت کا لفظ عام ہے، عددی قوت، سامانِ جنگ کی قوت، آلاتِ حرب کی قوت سب کچھ اس کے اندر آ گیا یہاں تک کہ بعض فقہاء کے بقول بڑھے ہوئے ناخن بھی! اور حدیث میں قُوَّةٌ کی تفسیر دمی سے تو تصریح کے ساتھ آئی ہے اُس وقت دمی کا مصداق صرف تیر تھے، اور اب اس کا اطلاق توپِ بندوق کی قسم کے ہر آلہ پر ہوتا ہے۔ وقد روی فی القوة انها الرمی (جصاص) عموم اللفظ شامل بجميع ما يستعان به على العدو ومن سائر انواع السلاح والالات الحرب (جصاص) ای اعداد جميع اسباب القوة لها بقدر الاستطاعة (المنار) قال اصحاب المعانی الاولى ان يقال ان هذا عام فی کل ما يتقوى به على حرب العدو وكل ما هو الة للغزو والجهاد فهو من جملة القوة. (کبیر) هذا يدل على ان جميع ما يتقوى على العدو فهو مأمور باستعداده (جصاص) ای من کل ما يتقوى به فی الحرب کائن ما کان (روح) صاحب روح المعانی نے آیت کے تحت میں بندوق کا ذکر تصریح کے ساتھ کیا ہے، اور اگر آج ہوتے تو مشین گن، اور طیارہ اور ٹینک جنگی جہاز اور ہائیڈروجن بم اور ایٹم بم وغیرہ سب کے نام عجب نہیں لکھ جاتے اور ایسی ہی تصریح رشید رضا مصری کے ہاں بھی ملتی ہے۔ واطلاق الرمی فی الحدیث یشمل کل ما یرمی به العدو من سهم او قذيفة منجنیق او طيارة او بندقية او مدفع وغير ذلك وان لم یکن کل هذا معروفاً فی عصره صلی اللہ علیہ وسلم فان اللفظ یشمله (المنار) فالواجب على المسلمين فی هذا العصر بنص القرآن صنع المدافع بانواعها البنادق والدبابات والطائرات وانشاء السفن الحربية بانواعها. (المنار) رَبَّاطُ الْحَيْيَلِ سوارفوج کی اہمیت اس حکم سے ظاہر ہے۔ موجودہ جنگوں میں سوارفوج کی اہمیت کے لئے ملاحظہ ہوا انگریزی تفسیر القرآن۔

مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان آیتوں میں جو تدابیر حرب و سیاست بتائی گئی ہیں، ان سے صاف ولالت اس امر پر ہو رہی ہے کہ یہ سیاسی تدبیر بڑے سے بڑے کمالات باطنی کے بھی منافی نہیں جیسا کہ غالی و ناقص صوفیاء نے خیال کر رکھا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

۵ تقریر خواجہؒ

دنیا کی سرکش طاقتوں اور شیطانی حکومتوں نے ہمیشہ صرف قوت کے آگے سر جھکایا ہے اخلاقیات کا وعظ نوع انسانی کی ہمدردی اور علوم و معارف کی نشر و اشاعت ان لوگوں کے نزدیک دلفریب الفاظ ہیں مگر کبھی شرمندہ معنی نہ ہوئے۔ امن و سلامتی نے جب کبھی پناہ لی ہے تو تلوار کے سایہ میں، اور عہد کی پابندی بھی ہوئی ہے تو اسی وقت جب دیکھا کہ دشمن زیادہ طاقتور ہے، ورنہ ان عہد ناموں کی کاغذ کے پرزوں سے زیادہ وقعت نہ کی گئی، اور بعض لوگ تو طاقت کے غرور میں یہاں تک پکار اٹھے کہ عہد نامے صرف توڑنے کی غرض سے کئے جاتے ہیں، یہ تمام کرشمہائے قوت و طاقت ہیں۔ اور یہ کوئی نئی چیز نہیں صدیوں پیشتر یہی آواز ہمارے کان میں آتی ہے

وَننكر ان شئنا على الناس قولهم

ولا ينكرون القول حين نقول

ایک جاہل شاعر اپنی طاقت کا یوں اظہار کرتا ہے:

اذا بلغ الفطام لنا صبي

تخرله الجبابر ساجدينا

چونکہ لوگ قوت و طاقت کے سوا اور کسی چیز کو نہیں مانتے اس لئے فرمایا کہ مسلمان بھی تلوار کا جواب تلوار سے دینے کے لئے تیار رہیں تاکہ نہ صرف موجودہ دشمن مرعوب ہوں بلکہ وہ بھی ہیبت زدہ ہو جائیں جو آئندہ تم سے برسر پیکار ہونے کا خیال رکھتے ہیں۔ (تفسیر الفرقان) جو شخص جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرے گا اس کو پورا بدلہ ملے گا تاریخ شاہد ہے کہ قلیل ترین مدت میں عرب کس طرح تمام دنیا پر چھا گئے اور یہ اسی وعدہ کا ایفاء تھا۔ (تفسیر الفرقان)

۶ تقریر عاشق الہیؒ

اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم سے جو بھی کچھ ہو سکے دشمنوں سے لڑنے اور ان کا دفاع کرنے (یعنی ان سے اپنا بچاؤ کرنے) کے لئے ہر طرح کی قوت تیار رکھو لفظ مَا اسْتَطَعْتُمْ بہت عام ہے ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق تیاری کرنے کو شامل ہے اور مِنْ قُوَّةٍ بھی نکرہ ہے یہ بھی عام ہے اور ہر قسم کی قوت جمع کرنے کو اس کا عموم شامل ہے جس طرح کے ہتھیاروں کی جس زمانہ میں ضرورت ہو تو ان سب کا بنانا، فراہم کرنا اور دوسری ہر طرح کی قوتیں اتحاد و اتفاق اور باہمی مشورہ۔ یہ سب لفظ مِنْ قُوَّةٍ میں شامل ہے نیز رِبَاطِ الْجَيْشِ فرما کر پہلے ہوئے گھوڑے تیار رکھنے کا بھی

حکم فرمایا آیت بالا میں **قُوَّةٌ** فرمایا کہ جہاں تک ممکن ہو ہر طرح کی قوت تیار کرو اس کی تفسیر فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **الان القوة الرمی الان القوة الرمی** یعنی قوت تیر پھینکنا ہے۔ تین بار ایسا ہی فرمایا (رواہ مسلم ص ۱۴۲ ج ۱) اور تیر پھینکنے کی قوت اس لئے فرمایا کہ اس میں دور سے دشمن پر حملہ کیا جاسکتا ہے۔ دو بدوسا منے آجائیں تو تلوار ہی سے لڑنا پڑے گا اور دور سے مقابلہ ہو تو دور ہی سے تیر اندازی کر کے دشمن کو پسپا کیا جاسکتا ہے اسی لئے غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے فرمایا کہ جب دشمن تمہارے قریب آجائیں تو تیر مارنا اور اپنے تیروں کو حفاظت سے رکھنا (بخاری) مطلب یہ ہے کہ جب دشمن دور ہے تو اپنے تیروں کو پھینک کر ضائع نہ کرو کیونکہ وہ زمین پر گر جائیں گے جب دشمن اتنا قریب آجائے کہ ان کے تیر لگ سکے تو ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دو۔ رہا مسئلہ تلوار سے قتال کرنے کا تو جب بالکل سامنے آجائیں تو پھر جم کر تلوار کے ذریعہ جنگ کی جائے۔

الان القوة الرمی کا عموم دور حاضر کے بموں کو بھی شامل ہے۔

آنحضرت سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو **الان القوة الرمی** فرمایا اور لفظ رمی کا مفعول ذکر نہیں فرمایا (کہ کس چیز کو پھینکنا ہے) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ پھینکنے کی جب کبھی کوئی چیز ایجاد ہو جائے وہ سب قوت کے مفہوم میں داخل ہوگی اور مسلمانوں کو اس کے حاصل کرنے کا اہتمام کرنا بھی لازم ہوگا۔ جدید ہتھیار میزائل، بم سب اسی عموم میں داخل ہیں مسلمانوں پر لازم ہے کہ بحکم **وَاعْلَمُوا أَنَّهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ** ہر طرح کے جدید ہتھیار تیار کر لیں اور خود بنائیں، ضرورت پڑے تو دوسروں سے بھی خرید سکتے ہیں۔ لیکن صرف خریداری ہی پر موقوف نہ رکھیں آج کل تو جدید اسلحہ بنانے والے اہل کفر ہی ہیں اور کفر ملت واحدہ ہے وہ کافروں کو پہلے دیں گے اور زیادہ دیں گے اور مسلمانوں کو اگر چاہیں گے تو تھوڑے ہتھیار دیں گے اور قیمت بہت زیادہ لیں گے۔ مسلمانوں کی یہ کتنی بڑی غفلت ہے کہ اہل کفر سے ہتھیار خریدتے ہیں اور خود نہیں بناتے اور اہل کفر کو اپنے اوپر مسلط کر رکھا ہے وہ مجبور کرتے ہیں کہ تم کیا بنا رہے ہو ہمیں دکھاؤ۔ اس کا معنی ہے کہ اپنی حیثیت کچھ بھی نہیں یہ بہت بڑی بھول ہے۔ اسلام نے برتر ہو کر زندہ رہنا بتایا ہے۔ کافروں کے سامنے جھکنے اور انہیں اپنا راز دار بنانے کی اجازت نہیں دی۔ اپنی قوت تیار رکھنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا **تَرْهَبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ** (اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے ہو) جب طاقت ہوگی اور دشمنوں کو اس کی خبر ہوگی تو وہ تم سے ڈرتے رہیں گے اور حملہ آور ہونے کی ہمت نہ کریں گے چونکہ ہتھیار تیار کرنے میں مال خرچ ہوتا ہے اور گھوڑے پالنے میں بھی خرچ کرنا پڑتا ہے اور جہاد میں شریک ہونے کیلئے بھی مال کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے ہتھیاروں کی تیاری کا حکم دینے کے ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے اس سب کا پورا پورا اجر پاؤ گے۔ (تفسیر انوار البیان)

۷ تقریرِ امجدی

اے وفادارانِ الہی تم ہر وقت اعدائے اسلام کی قوت کو پاش پاش کرنے کے لیے فوجی طاقت تیار رکھو۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

۸ کلامِ برکت

حکم فرمایا کہ جہاد کو سرانجام کرو جو ہو سکے زور (قوة) فرمایا تیر اندازی کو اور ہتھیار کا کسب اسی میں داخل ہے۔ اور گھوڑے پالنے میں جو خرچ ہو اس کی خوراک میں بلکہ اس کا فضلہ سب ترازو میں چڑھے گا قیامت کو۔ فرمایا کہ یہ واسطے رعب کے ہے تا نہ جانیں کہ فتح ہوگی اسباب سے۔ فتح ہے اللہ تعالیٰ کی مدد سے۔ اور وہ لوگ جن کو تم نہیں جانتے وہ منافق ہیں کہ ظاہر مسلمانی کے پردے میں ہیں۔ (موضح القرآن)

ان آٹھ عبارات سے آیت مبارکہ کے کئی پہلو واضح ہو گئے اور ماقبل کے ساتھ ربط بھی معلوم ہو گیا۔ عربی تفاسیر میں بھی اس آیت مبارکہ پر تفصیلی کلام کیا گیا ہے اگر اس تمام کو یہاں ذکر کیا جائے تو بات بہت طویل ہو جائے گی چنانچہ ان تفاسیر سے چند فوائد پیش خدمت ہیں۔

ہر طرح کی قوت تیار کرو

امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ جنگ کے وقت سے پہلے اسلحہ اور جنگی سواریاں تیار رکھیں تاکہ دشمن پر دہشت طاری ہو۔ آگے یہ عجیب نکتہ لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوت رومی میں ہے یعنی تیر اندازی میں تو اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ تیر اندازی کے علاوہ اور کوئی قوت نہیں ہے بلکہ اس میں ہر طرح کا اسلحہ اور آلات حرب آ جاتے ہیں اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے عن الحکم بن عسیر قال: امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لانحفی الاظفار فی الجہاد وقال ان القوة فی الاظفار۔ یعنی حضرت حکم بن عسیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم جہاد کے دوران اپنے ناخن نہ تراشیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوت ناخنوں میں ہے پس اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ ہر وہ چیز جس سے دشمن پر زور ڈالا جاسکے (اور اسے نقصان پہنچایا جاسکے) وہ قوت ہے اور آیت مبارکہ میں ایسی ہر قوت کو تیار کرنے کا حکم ہے۔

امام جصاص رحمہ اللہ آگے لکھتے ہیں:

وقال اللہ تعالیٰ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوبَ لَاَعْلَوْا لَهُ عُدَّةً (التوبہ ۳۶) فذمهم علی ترک

الاستعداد والتقدم قبل لقاء العدو۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (ترجمہ) اگر یہ منافق جہاد میں نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اس کیلئے (پہلے سے) سامان تیار رکھتے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی اس بات پر مذمت فرمائی ہے کہ انہوں نے جنگ سے پہلے جہاد کی تیاری کیوں نہیں کی۔
امام ہصاص رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں کئی احادیث بھی ذکر فرمائی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حق الولد علی الوالد ان یعلمہ کتاب اللہ والسباحة والرمی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا باپ پر بیٹے کا حق ہے کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب، پیرا کی اور تیر اندازی سکھائے۔ (احکام القرآن)

اسلحہ سیکھنا فرض میں سے ہے

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں پانچ صفحات لکھے ہیں، ان کی تحقیق کے چیدہ چیدہ نکات حاضر خدمت ہیں:

۱ جہاد کے لئے اسلحہ سواری وغیرہ کی تیاری کا یہ حکم اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض انسانوں کو دوسرے بعض سے آزماتا ہے۔ درندہ اس کے بغیر بھی کسی ادنیٰ چیز مثلاً خاک کی مٹھی کو بھی کفار کی شکست کا ذریعہ بنا سکتا ہے۔ (مگر اس حکم میں امتحان ہے کہ کون مسلمان اسے پورا کرتا ہے اور کون نہیں)

۲ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب ممالک تمہارے لئے فتح ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے کافی ہو جائے گا تب بھی تم تیر اندازی سے غافل مت ہونا۔

۳ احادیث سے ثابت ہے کہ آدمی کا ہر کھیل باطل (اور فضول) ہے مگر تین کھیل حق ہیں: ۱ تیر اندازی ۲ گھوڑے کی تربیت ۳ اپنی بیوی سے کھیلنا۔

۴ تیر اندازی کے فضائل بہت زیادہ اور مسلمانوں کے لئے اس کے فوائد بہت عظیم ہیں اور دشمنوں پر اس کی چوٹ بہت سخت پڑتی ہے اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اولاد اسماعیل تیر اندازی کرو بے شک تمہارے والد (حضرت اسماعیل علیہ السلام) تیر انداز تھے۔

۵ گھڑ سواری اور اسلحہ کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اور کبھی فرض عین بھی ہو جاتے ہیں۔

۶ جہاد کے لئے گھوڑا باندھنے کے بڑے فضائل اور اونچا مقام ہے حضرت عروۃ البارقی رحمہ اللہ کے پاس ستر گھوڑے تھے جو جہاد کے لئے تیار کھڑے رہتے تھے، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور علماء کی ایک جماعت کے نزدیک (مادہ) گھوڑی پالنا زیادہ مستحب ہے کیونکہ گھوڑی کا پیٹ خزانہ اور اس کی پیٹھ عزت کا مقام ہے اور حضرت جبریل علیہ السلام کے پاس بھی گھوڑی تھی۔

۷ تم دہشت زدہ کرو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اور کچھ اور لوگوں کو جن کو تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ

ان کو جانتا ہے۔ ان اور لوگوں سے کون مراد ہیں؟

- ۱ امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”فارس اور روم“
 - ۲ امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”جنات“
 - ۳ سبیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”بنو قریظہ“
 - ۴ ہر وہ دشمن جس کی دشمنی معلوم و معروف نہ ہو (یعنی چھپا دشمن)
- امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولا ينبغي ان يقال فيهم شيء لان الله سبحانه قال:
وآخرين من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم.

یعنی جب آیت میں آگیا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے تو اس لئے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ وہ فلاں ہیں۔ البتہ امام قرطبی رحمہ اللہ کے نزدیک ”جنات“ کا مراد ہونا حدیث سے ثابت ہے، وہ لکھتے ہیں:

الا ان يصح حديث جاء في ذلك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو قوله في هذه الآية هم الجن ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الشيطان لا يخبل احدا في دار فيها فرس عتيق۔ یعنی جس گھر میں عمدہ (جہادی) گھوڑا ہو اس میں جنات کسی پر قابو نہیں پاسکتے۔

۸ امام قرطبی رحمہ اللہ نے گھوڑے کی فضیلت اور عمدہ گھوڑے کی اقسام پر کئی روایات بھی نقل فرمائی ہے۔ ان تمام فوائد کے لئے ملاحظہ فرمائیں تفسیر القرطبی۔

کافروں پر وہشت مسلمانوں کے لئے مفید

امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں اس آیت پر مفصل کلام فرمایا ہے ان کی تحقیق میں سے چند فوائد ملاحظہ فرمائیں۔

۱ پچھلی آیات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا تھا کہ عہد توڑنے والے کافروں کو سخت عبرتناک سزا دیں اور جن سے خیانت کا خطرہ ہو ان کا عہد انہیں واپس لوٹا دیں تو اس آیت میں حکم دیا کہ کافروں کے خلاف جنگ کی تیاری کر کے رکھیں۔

۲ آیت میں ”قوة“ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو طاقت کے حصول کا ذریعہ ہو اور اس میں چار قول ہیں: ۱ قوت سے مراد ہر قسم کا اسلحہ ہے۔ ۲ قوت سے مراد ری یعنی تیر اندازی اور پھینک کر مارنے کی طاقت ہے۔ ۳ قوت سے مراد قلعے ہیں۔ ۴ دشمنوں سے جنگ میں جو چیز بھی کام آئے وہ قوت ہے۔

۳ گھوڑے جہاد کا طاقتور ترین آلہ ہیں روایت ہے کہ ایک شخص نے امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے پوچھا کہ

فلاں شخص نے اپنے تہائی مال کی قلعوں کے لئے وصیت کی ہے امام ابن سرین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس مال سے گھوڑے خرید کر جہاد کے لئے باندھے جائیں اور ان پر جہاد کیا جائے (یعنی انہوں نے گھوڑے کو قلعہ قرار دیا)

۲۷ بعض حضرات نے گھوڑی کو فضیلت دی ہے اور وجہ یہ بتائی ہے کہ اس سے نسل بڑھے گی۔ مگر اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ زگھوڑا کروفر اور دشمن پر حملے میں زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ اس لئے اس لفظ ”خیل“ کو عام رکھا جائے خواہ وہ گھوڑا ہو یا گھوڑی جو بھی جہاد کے لیے پالا جائے اور باندھا جائے۔

۲۸ کفار کو جب معلوم ہوگا کہ مسلمان جنگ کے لئے تیار اور مسلح ہیں تو ان پر خوف طاری ہوگا اور اس خوف کے بہت سے فوائد ہیں مثلاً۔

☆ وہ دارالاسلام پر حملہ نہیں کریں گے۔

☆ اگر خوف سخت ہو تو ممکن ہے خود ہی جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں۔

☆ ممکن ہے اس خوف کی وجہ سے وہ ایمان لانے کی طرف راغب ہوں۔

☆ وہ دوسرے کافروں کی مسلمانوں کے خلاف مدد نہیں کریں گے۔

☆ اس سے دارالاسلام کی شان اور زیادہ بڑھ جائے گی۔

۲۹ وَآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ ان دوسرے لوگوں سے مراد زیادہ صحیح قول کے مطابق منافقین ہیں اب سوال یہ ہے کہ منافقین کے خلاف تو قتال نہیں ہوتا تو جنگی تیاری سے ان پر دہشت پڑنے کا کیا مطلب ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ ان پر دو طرح سے دہشت پڑتی ہے۔

۱ جب وہ مسلمانوں کی قوت اور جنگی استعداد دیکھتے ہیں تو ان کی یہ امید ٹوٹ جاتی ہے کہ عنقریب مسلمان مغلوب ہو جائیں گے چنانچہ یہ صورت حال انہیں مخلص مسلمان بننے کی طرف راغب کرتی ہے (یعنی طاقت کا زور دیکھ کر ڈر جاتے ہیں اور کفر چھوڑ دیتے ہیں)

۲ منافق ہمیشہ مسلمانوں پر برے وقت کا انتظار کرتا ہے اور مسلمانوں کے درمیان فساد اور تفرقہ پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر مسلمانوں کی زیادہ قوت دیکھ کر وہ ڈر جاتا ہے اور ان برے کاموں سے باز رہتا ہے۔

۳ یُوفِّ إِلَيْكُمْ تم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا لوٹا دیا جائے گا۔

قال ابن عباس: یوف لکم اجرہ ای لا یضیع فی الآخرة اجرہ ویعجل اللہ عوضہ فی الدینا۔ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (آیت کا مطلب یہ ہے کہ) جو کچھ تم نے خرچ کیا اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا یعنی آخرت میں اس کا اجر ضائع نہیں ہوگا اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ جلد اس کا عوض عطاء فرمائے گا۔ (تفسیر کبیر)

مکمل جہادی تیاری

امام محمد بن یوسف ابو حیان الاندلسی رحمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں کئی صفحات لکھے ہیں۔ ان کی تفسیر سے چند فوائد ملاحظہ فرمائیں:

① یہ آیت ان کفار کے خلاف تیاری کے لئے بھی ہے جن سے اس وقت جنگ تھی اور بعد میں آنے والے تمام کفار کے لئے بھی ہے۔

وهم المأمورون بحربهم في ذلك الوقت ويعم من بعده.

② قوت سے مراد مکمل جہادی تیاری ہے مثلاً تیر اندازی، زنگھوڑے، دلوں کی مضبوطی، آپس کا اتحاد، مضبوط قلعے، جنگی ساز و سامان، تعداد، توشہ یعنی زادراہ، عمدہ لباس وغیرہ حتیٰ ان مجاہد ادرئی یتجهز للجہاد وعنده جو الق فقال: هذا من القوة.

③ وَمَا تَنْفَعُوهَا مِنْ شَيْءٍ اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے جہاد وغیرہ میں خرچ کی ترغیب دی ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے ایک ایک فرد پوری جماعت کے لئے گھوڑوں اور اونٹوں کا بندوبست کرتا تھا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کی تیاری کے لئے ایک ہزار دینار دیئے۔

يُوفِّتُ لَكُمْ یعنی اس کا بدلہ و ثواب بغیر کمی کے پورا پورا دیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ پورا پورا بدلہ دنیا ہی میں دیا جائے گا اور اس کے ساتھ آخرت کا ثواب الگ ملے گا۔

وقيل! هذه التوفية في الدنيا على ما انفقوا مع ما اعدلهم في الاخرة من الثواب. (البحر

المحيط)

متفرقات

جہاد قیامت تک جاری رہے گا

امام ابو بکر بھصا رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں وہ حدیث پاک ذکر فرمائی ہے جس میں گھوڑے کی پیشانی میں قیامت کے دن تک خیر۔ یعنی اجرا و غنیمت رکھے جانے کا تذکرہ ہے۔ پھر لکھتے ہیں:

وهو يدل ايضا على بقاء الجهاد الى يوم القيمة.

یہ حدیث جہاد کے قیامت تک جاری رہنے پر بھی دلالت کرتی ہے۔ (احکام القرآن)

بے بسی کا غلط فہم

صاحب ترجمان القرآن لکھتے ہیں:

آیت [۶۰] میں فرمایا (جہاد کے لئے تیاری کرو) جہاں تک تمہارے بس میں ہے کیونکہ یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی

جماعت اس طرح کا ساز و سامان جنگ مہیا کر سکے جو ہر اعتبار سے مکمل ہو پس معلوم ہوا مسلمانوں کو اس بارے میں جو کچھ حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے مقدور کے مطابق جو کچھ کر سکتے ہیں کریں، اور ادائے فرض کے لئے آمادہ ہو جائیں یہ بات نہیں ہے کہ جب تک دنیا جہاں کے ہتھیار اور ہر قسم کے ساز و سامان مہیا نہ ہو جائیں اس وقت تک بے بسی کا عذر کرتے رہیں اور فرض دفاع سے بے فکر ہو جائیں اگر مسلمانوں نے اس آیت کی روح کو سمجھا ہوتا تو اس اپانچ پنے میں مبتلا نہ ہوتے جو ڈیڑھ سو برس سے تمام مسلمانان عالم پر طاری ہے۔ (ترجمان القرآن)

اصل چیز دہشت ہے

قرآن پاک کی اس آیت میں جنگی تیاری کا حکم دینے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ **تَرْهَبُونَ** کہ تم اس جہادی تیاری کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اپنے کھلے اور چھپے دشمنوں پر دہشت ڈال سکو۔ پچھلی آیات میں اچھی طرح سے سمجھا دیا گیا ہے کہ کفر اور بد عہدی کتنا بڑا جرم ہے اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار کافر جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ان مجرموں اور دشمنوں کو خوف اور دہشت میں رکھا جائے تاکہ وہ زمین پر کفر اور فساد نہ پھیلا سکیں۔ **تَرْهَبُونَ** کا مصدر **إِرْهَابٌ** ہے جسے آج کل دہشت گردی کہا جاتا ہے۔ اور **إِرْهَابٌ** کا لفظ ”دہشت گرد“ کے معنی میں ایک گالی بنا دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو اس بارے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ نے خود اس بات کا حکم دیا ہے کہ دشمنان دین کو دہشت زدہ کیا جائے۔ چنانچہ جو لوگ **إِرْهَابٌ** کرتے ہیں یعنی دشمنوں کو دہشت زدہ کرتے ہیں وہ قرآن پاک کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو برا بھلا کہنا یا **إِرْهَابٌ** کے اس مبارک عمل پر طعن کرنا بہت بڑی غلطی اور کھلا گناہ ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دہشت کس چیز سے پڑتی ہے؟

آیت کا مفہوم یہ بات سمجھاتا ہے کہ مسلمانوں کو ایسی جہادی تیاری کرنی چاہیے جس سے اللہ تعالیٰ کے دشمن دہشت زدہ اور خوفزدہ ہو جائیں۔ ماضی قریب میں مسلمانوں کی غفلت کی وجہ سے جہاد کی تیاری کا عمل کمزور پڑا اور کفار نے اس شعبے میں سبقت حاصل کر لی۔ اب اگر مسلمان صرف روایتی ہتھیار بناتے رہے تو اس سے دشمنان اسلام پر کوئی خاص دہشت نہیں پڑے گی کیونکہ ان کے پاس زیادہ طاقتور ہتھیار موجود ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک کے حکم پر موجودہ زمانے میں عمل کرنے کے تین بہترین طریقے ہیں۔

① فدائی مجاہدین تیار کئے جائیں اور فدائی جہاد کے نئے طریقے نکالیں جائیں۔ یقیناً اس جنگی تیاری کا دشمنان اسلام کے پاس کوئی ٹوڑ نہیں ہے۔ مبارک ہو اس زمانے کے فدائی مجاہدین کو کہ ان کی دہشت سے کفر کے اونچے ایوان لرز رہے ہیں بے شک انہی اللہ والوں نے اس آیت پر صحیح عمل کیا ہے۔

② بارود کو زیادہ مؤثر بنانے کی کوشش کی جائے۔ الحمد للہ مسلمانوں میں بہت اونچے اور زرخیز دماغ موجود ہیں

اگر قرآن پاک کے اس حکم کی دعوت عام کی جائے اور مسلمانوں کو بتایا جائے کہ جہاد کی تیاری ان پر فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو دہشت زدہ کرنا ایک عبادت ہے تو ضرور ایسے افراد میدان میں آئیں گے جو بارود کو زیادہ مؤثر اور طاقتور بنا سکیں گے۔ یہ ایک ایسا ہتھیار ہے جو جنگوں کا نقشہ پلٹ دیتا ہے اور فدائی حملوں کو قوت دیتا ہے۔

۳ مسلمانوں کو ہر حال میں ایٹمی ہتھیار بنانے چاہئیں اور اس میدان میں اپنی صلاحیتوں اور اسباب کو لگانا چاہیے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک شبہ کا ازالہ

عراق کی موجودہ صورتحال دیکھ کر بعض حضرات یہ سوال اٹھا سکتے ہیں کہ جنگی تیاری اور خوفناک ہتھیاروں کا تو الٹا نقصان ہوا۔ اور دشمن خوفزدہ ہونے کے بجائے حملہ آور ہو گیا۔ اس سوال کے کئی جوابات ہیں:

۱ آیت کے دوسرے لفظ میں بالکل واضح جواب موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **وَأَعِدُّوا** اور تم تیاری کرو **لَهُمْ** ان سے لڑنے کے لئے۔ (لَقَاتِلْهُمْ - جلالین) یعنی مسلمانوں کی جنگی تیاری صرف نمائشی نہ ہو بلکہ قتال فی سبیل اللہ کے حکم کو زندہ کرنے کے لئے ہو۔ عراق کی تیاری کفار کے خلاف جنگ کے لئے نہیں تھی کفار پر حملہ کرنا تو درکنار وہاں کی سرکاری فوج تو دفاع کے لئے بھی تیار نہیں تھی۔ اگر عراق کی حکومت کافروں کے خلاف جنگ کے لئے ہتھیار بناتی تو کبھی بھی اپنے اسلحے کو معائنہ کے لئے پیش نہ کرتی۔ بین الاقوامی اداروں کے انسپکٹر وہاں ساہا سال تک دندناتے رہے اور جاسوسی کرتے رہے۔

۲ یہ پوری سورۃ اس بات کو سمجھا رہی ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر جہاد کو زندہ کریں، فتح اسباب سے نہیں اللہ تعالیٰ کی مدد سے آتی ہے۔ اور پھر حکم دیا کہ جس قدر ممکن ہو تیاری بھی کرلو۔ عراق سمیت کسی بھی مسلمان ملک نے جہاد کے عمل کو زندہ نہیں کیا۔ اتنی بڑی فوجی قوت ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی ایک گولی جہاد کے لئے نہیں چلائی۔ تو جب جہاد کا حکم ہی سرے سے زندہ نہیں کرتے تو جہاد کے فوائد وغیرہ انہیں کیسے حاصل ہو سکتے ہیں اس آیت میں رعب کا پڑنا بھی ایک جہاد کی فائدہ ہے۔ امریکہ نے عراق پر حملہ کیا تو لاکھوں کی تعداد میں موجود سرکاری فوج نے ہتھیار ڈال دیئے مگر جب وہاں کے چند مسلمانوں نے جہاد شروع کیا تو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی لاکھوں فوج بے بس نظر آ رہی ہے اور کئی سال سے خاک چاٹ رہی ہے۔ رعب اور دہشت جہاد سے نصیب ہوتی ہے سرکاری وردیوں سے نہیں۔ چنانچہ آج کا استعماری کفر مجاہدین کے چھوٹے اور کچے ہتھیاروں سے خوفزدہ ہے، جبکہ اسے نام کے اسلامی ملکوں کے ایٹمی ہتھیاروں سے سوائے اس کے اور کوئی ڈر نہیں کہ یہ ہتھیار مجاہدین کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اے مسلمانو! اس حکم پر عمل کرو

اللہ پاک نے قرآن پاک ہماری ہدایت اور کامیابی کے لئے نازل فرمایا ہے، اس کے ہر حکم کو زندہ کرنے میں ہی

ہماری زندگی اور ترقی ہے۔ پس اس آیت میں جو حکم دیا گیا ہے ہم میں سے ہر مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کرے۔ ہر مسلمان جہاد کے لئے اسلحہ سیکھے، گھڑ سواری اور تیر کی سیکھے، اپنا نشانہ درست کرے۔ ورزش کے ذریعے جسم کو چست بنائے۔ ممکن ہو تو گھڑ سواری ورنہ ڈرائیونگ سیکھے اور جہاد کے لئے ہر وقت تیار رہے۔ اور اپنا مال زیادہ سے زیادہ جہاد میں خرچ کرے۔ ہم جو کچھ بھی اس راستے میں کریں گے وہ ہمارے لئے ان شاء اللہ بہت قیمتی ہو جائے گا اور اللہ پاک ہر عمل اور ہر خرچے کا پورا پورا اجر عطا فرمائے گا۔ حتیٰ کہ اگر ہم سیزھیاں چڑھتے ہوئے جہاد کی ورزش کی نیت سے قدم اٹھائیں تو یہ قدم اٹھانا بھی بہت قیمتی بن جائے گا۔ اور جب مسلمان جہاد کی تیاری شروع کر دیں گے تو ان کی وہ بے قدری ختم ہو جائے گی جو مال سے محبت کی وجہ سے کافروں کے دلوں میں ان کے لئے پیدا ہو گئی ہے۔ اور پورے عالم پر ان کا ایک باوقار رعب چھا جائے گا۔ تب وہ اسلام کی زیادہ بہتر خدمت کر سکیں گے۔ اللہ پاک ہم سب مسلمانوں کو اس آیت مبارکہ کی حقیقت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے.....

..... آمین یا ارحم الراحمین.....

اس موضوع کی اہمیت اور تاکید کے پیش نظر آخر میں ایک مضمون پیش خدمت ہے یہ مضمون ”اسلام اور جہاد کی تیاری“ کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔

اسلام اور جہاد کی تیاری

اسلام اور اسلحہ کی ضرورت

اسلام کی عظمت، سر بلندی اور بقاء جہاد میں ہے اور جہاد کے لئے ضروری ہے کہ اس کے لئے ایسے افراد ہوں جو تن من و دھن کی بازی لگا کر دشمنان اسلام کے مقابلے میں سینہ سپر ہوں اور ایسا اسلحہ ہو جس کے ذریعے دشمنان اسلام جنگ سے قبل خوفزدہ اور مرعوب ہوں اور جنگ کے دوران اس اسلحہ سے ان کا قلع قمع کیا جاسکے۔ چونکہ جہاد اسلام کے ان احکامات میں سے ہے جن پر اسلام کی عظمت اور مسلمانوں کی حفاظت موقوف ہے اسی لئے اس عمل کو قیامت تک کے لئے جاری فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ جہاد کے لئے افرادی اور عسکری قوت بنانے کی طرف اسلام نے خاص توجہ دلائی ہے اور اس سلسلے میں خصوصی احکامات نافذ فرمائے ہیں۔

افرادی قوت

اس سلسلے میں ہمارے دین اسلام میں ہر فرد کو مجاہد بننے کا حکم دیا گیا ہے اور ماسوا چند ایسے افراد کے جن کو اسلام نے معذور قرار دیا ہے باقی ہر فرد کے لئے مجاہدانہ زندگی اور جہاد کی تیاری کو ضروری قرار دیا گیا ہے جب کہ جہاد کے لئے مضراشیاء کی ممانعت فرمادی گئی ہے۔

وہ افراد جن کو اسلام نے مستثنیٰ قرار دیا ہے اس آیت کریمہ میں مذکور ہیں:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَحْدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ
وَرَسُولِهِ (سورہ توبہ ۹۱)

ترجمہ: نہ تو ضعیفوں پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ موجود نہیں (کہ شریک جہاد نہ ہوں یعنی) جبکہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر اندیش (اور دل سے ان کے ساتھ) ہوں۔

دور نبوت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دور قرآن مجید کی زندہ تفسیر تھا تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے کوئی فرد بھی سوائے ان معذور افراد کے میدان جنگ سے باہر نظر نہیں آتا تھا اور ان معذور افراد میں بھی بہت سے ایسے مبارک اشخاص ملتے ہیں جنہوں نے باوجود عذر کے عزیمت پر عمل کیا اور میدانوں میں نکلے، مرد تو مرد خواتین بھی میدان جہاد میں نظر آتی تھیں۔

اس مبارک دور میں میدان جہاد سے پیچھے رہ جانا اللہ رب العزت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی اور دینی و دنیوی خسارہ سمجھا جاتا تھا اس لئے ہر فرد میدان کی طرف سبقت کرتا تھا۔

عسکری قوت

دعوت نبوت کا پہلا مرحلہ افراد کو جہاد پر یعنی جان اور مال کی قربانی پر تیار کرنا تھا۔ اور جب یہ افراد مکمل طور پر تیار نظر آئے تو اب دوسرا مرحلہ ان افراد کی جنگی تیاری تھا۔ قرآن مجید نے اس طرف خاص توجہ دلائی اور مسلمانوں کو بھرپور قوت بنانے کی وہ ترغیب دی جسے اپنا کر مسلمانوں نے پوری دنیا پر اسلامی عظمت و شوکت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تیر اندازی، گھڑ سواری اور جنگی تربیت کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

حدیث

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے آیت کریمہ **وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ** تلاوت فرمائی (اور پھر فرمایا) خبردار قوت رمی میں ہے خبردار قوت رمی میں ہے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۴۰۲)

رمی کے معنی پھینکنے کے آتے ہیں۔ اس کا اطلاق تیر اندازی پر بھی ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان آفاقی الفاظ میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ اصل قوت پھینکنے کی قوت ہے چنانچہ اس دور کے اندر اگر غور کیا جائے تو اصل قوت پھینکنے میں ہے جس کا میزائل جتنا دور مار ہوگا اور جس کے پاس بارود اور لوہا پھینکنے کی طاقت جس قدر زیادہ اور دور مار ہوگی بظاہر وہی غالب ہوگا تو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر تاکید کے ساتھ رمی کو قوت قرار دیا اور مسلمانوں کو اس قوت کے بنانے اور بڑھانے کا قرآنی حکم سنایا تا کہ مسلمان اس میدان میں اپنے دشمنوں سے پیچھے نہ رہ جائیں کیونکہ اگر قوت کے میدان میں یہ پیچھے رہ گئے تو دین و دنیا دونوں کی تباہی ان کا مقدر بن جائے گی اور یہ اپنے دشمن کے لئے ترنوالہ بن جائیں گے۔

حدیث

اسی طرح حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مسلم، جلد ۱ ص ۱۴۳)

دیکھئے کس قدر سخت وعید ہے اسلحہ سیکھ کر چھوڑ دینے اور بھول جانے پر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلحہ سیکھنا اور پھر اسے یاد رکھنا یعنی استعمال کرتے رہنا یہ اسلامی احکامات میں سے ہے اور اس کے چھوڑنے پر سخت وعید ہے۔ اب وہ مسلمان اپنی زندگیوں پر غور فرمائیں جنہوں نے کبھی اس اسلامی حکم کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہیں کی۔ بلکہ اس کو اپنے دین کا حصہ تک نہیں سمجھا حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اسلحہ کی مشق فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔

حدیث

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر اسلم قبیلے کے بعض افراد پر ہوا جو تیر اندازی کر رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھینکو یعنی تیر اندازی کرو تحقیق تمہارے والد (حضرت اسماعیل علیہ السلام) بھی تیر پھینکنے والے تھے۔ تیر پھینکو اور میں فلاں قبیلے کی طرف سے ہوں۔ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر ایک جماعت نے اپنے ہاتھ روک لئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا تیر اندازی کیوں نہیں کرتے ہو۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم کیسے تیر اندازی کریں اس حال میں کہ آپ دوسری جماعت کی طرف سے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تیر اندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔

غزوہ احد کے موقع پر حضور علیہ السلام نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اے سعد تیر پھینکو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔

اسی طرح ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ڈھال لئے ہوئے تھے مگر جب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ جو کہ بہترین تیر انداز تھے تیر مارتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک اٹھا کر ان کے تیر لگنے کی جگہ کو دیکھتے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۴۰۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیمات میں مساجد کا احترام اور لہو و لعب سے ان مساجد کو خالی رکھنا بھی شامل ہے۔ بلکہ مساجد میں لہو و لعب کو علامات قیامت میں سے قرار دیا گیا ہے۔ مگر مسجد میں اسلحہ سیکھنے اور اس کی مشق کرنے کی ممانعت نہیں فرمائی بلکہ جب اہل حبشہ کی ایک جماعت مسجد میں نیزہ بازی کا مظاہرہ کر رہی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود مشاہدہ فرماتے رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کنکریاں مار کر ان لوگوں کو بھگانا چاہا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عمر! ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دو۔ (بخاری ج ۱ ص ۴۰۲)

مسجد نبوی میں اسلحہ کا مظاہرہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جہاد کی تیاری ان عبادات میں سے ہے جن کے ذریعے سے مسلمان اللہ رب العزت کا تقرب حاصل کرتا ہے اس لئے مسجد میں اس کی اجازت دی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب و تشویق کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جنگی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور گھڑ سواری اور تیر اندازی میں اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل کرنا باعث سعادت و عزت سمجھتے تھے اور ان چیزوں میں ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کرتے تھے چنانچہ ان کی مہارت کا یہ عالم ہو چکا تھا کہ وہ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بے دھڑک سواری کرتے تھے اور بھاگتے ہرن کی ایک آنکھ کو تیرے نشانہ بناتے تھے۔

گھڑ سواری اور تیر اندازی کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو سمندر میں تیراکی اور بحری جنگی امور میں مہارت کی ترغیب دی اور ان لوگوں کے لئے من جانب اللہ جنت کی بشارت سنائی جو سمندروں کو عبور کر کے اسلامی بحری بیڑے کے ذریعے سے فتوحات حاصل کریں گے۔ (بخاری ج ۱ ص ۳۹۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک ترغیب اس اسلامی بیڑے کے لئے بنیاد بنی جس بیڑے نے آئندہ چل کر پوری دنیا کے ساحلوں پر اسلامی حکومتیں قائم کیں اور بے شمار علاقے فتح کر کے اسلامی خلافت کا حصہ بنائے اور طویل عرصہ تک یہ اسلامی بحری بیڑے سمندروں کے بے تاج بادشاہ بن کر تکبیر کے نعروں کو دنیا میں بلند کرتے رہے۔ مگر اب وہ دور آپہنچا جس میں مسلمان کے لئے کسی بھی قسم کی جنگی تیاری کی کوئی اہمیت باقی نہ رہی اور اسلام کی عظمت اور مسلمانوں کی حفاظت کا خیال تک ان کے دلوں سے نکل گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح خلفائے راشدین کے مبارک دور میں بھی مسلمانوں کی جنگی تیاری اور ہر فرد کو مجاہد بنانے کا عزم تازہ رہا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وہ خطوط اس سلسلے کی اہم کڑی ہیں جو انہوں نے اپنے مکانات اور گورنروں کے نام لکھے اور اسلامی فوج کو تعیش اور آرام پرستی سے دور رکھنے اور جفاکشی اور محنت سکھانے کے سلسلے میں تحریر فرمائے۔ ان حضرات کی مبارک زندگی خود اس جفاکشی اور ہمہ وقت جہاد کی تیاری کا ایک بہترین نمونہ تھی۔ سخت چمڑے کے بستریاں زمین پر سونا۔ پتھروں کو تکیہ بنانا۔ خورد و نوش میں سادگی، گھوڑے کی ننگی پشت پر اچھل کر سوار ہونا، بڑے بڑے معرکوں کے لئے شمشیر بکف، خود نکلنے کے لئے اپنے آپ کو سب سے پہلے پیش کرنا، موٹے کپڑے پہننا، بغیر چھپنے ہوئے آنے کی روٹی نوش فرمانا، ان حضرات کے عمومی معمولات تھے۔

ایک جنگ کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ٹھنڈا پانی پیش کیا گیا تو واپس فرما دیا اور فرمایا کہ کہیں ہمیں قیامت کے دن یہ نہ کہہ دیا جائے کہ تمہیں تو تمہارے اچھے اعمال کا بدلہ دنیا میں مل چکا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے جہادی تربیت کے ساتھ اس لگاؤ اور محبت کا سرچشمہ وہ قرآنی احکامات ہیں جن میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا ہے اور قوت بنانے کے ساتھ ساتھ قوت کی بنیاد کا بھی ذکر فرمایا ہے اور کافروں کی اس خواہش سے بھی مسلمانوں کو متنبہ کر دیا ہے کہ کافر مسلمانوں کو اسلحے سے غافل دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور اسلحہ سازی کی نعمت کا تذکرہ اپنے انبیاء پر اس طرح فرمایا

ہے کہ مسلمانوں کے قلوب اسلحے کی محبت سے لبریز فرما دیئے ہیں۔
آئیے ان قرآنی احکامات پر غور کرتے ہیں ممکن ہے کہ ہمیں اپنے احتساب کی توفیق مل جائے اور غفلت سے ہمارا
چھٹکارا ہو جائے۔

جہاد کی تیاری کی ضرورت

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلانِ جہاد کے بعد صحابہ کرامؓ جہاں بڑھ چڑھ کر اس مبارک عمل میں شرکت کی
کوشش کرتے تھے اور باوجود معذور ہونے کے بھی بہت سے افراد اس سعادت کو چھوڑنے پر رضا مند نہ ہوتے تھے، عورتیں
اپنے معصوم بچوں کو پیش کرتی تھیں اور بوڑھی مائیں اپنے جوان لختِ جگر بنا سنوار کر میدان میں لے آتیں تھیں، وہاں پر
منافقین جہاد میں شرکت سے ٹال مٹول کرتے تھے اور طرح طرح کے بہانے بنا کر اس مبارک عمل سے جان چھڑانے کی
بھرپور کوشش کرتے تھے۔ قرآن مجید نے ان کے بہانوں کا تذکرہ کیا ہے کہ کبھی تو وہ گرمی کو بہانہ بنا کر کہتے تھے۔

لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ (التوبہ ۸۱)

ترجمہ: مت کوچ کرو گرمی میں

تو ان کو جواب دیا گیا کہ جہاد چھوڑنے کی وجہ سے تمہیں جس جہنم میں ڈالا جائے گا اس کی گرمی بہت سخت ہے تم
اس عارضی گرمی سے بچنے کی خاطر اس ہمیشہ کی سخت گرمی کو کیوں قبول کرتے ہو۔
کبھی وہ بہانہ بناتے کہ۔

إِنَّ بَيُوتَنَا عَوْدَةٌ (الاحزاب ۱۳)

ترجمہ: ہمارے گھر کھلے ہیں۔ (یعنی غیر محفوظ)

تو قرآن مجید اس بہانے کو بھی رد فرمادیتا ہے۔

وَمَا هِيَ بِعَوْدَةٍ (الاحزاب ۱۳)

ترجمہ: اور وہ کھلے نہیں پڑے

کبھی وہ یوں کہتے کہ جہاد کہاں ہو رہا ہے۔ اگر جہاد ہوتا تو ہم ضرور شریک ہوتے۔

لَوْ نَعْلَمُ قِتَالَ رَبِّكَ اتَّبَعْنَاهُ (ال عمران ۱۶۷)

ترجمہ: اگر ہم کو معلوم ہو لڑائی تو البتہ تمہارے ساتھ رہیں۔

مگر قرآن مجید ان کے ان تمام بہانوں کو مسترد کرتا ہے۔ لیکن وہ منافقین پھر بھی یہی رٹ لگاتے تھے کہ ہمارا تو
جہاد میں نکلنے کا ارادہ ہے مگر کوئی نہ کوئی عذر آڑے آ جاتا ہے تو قرآن مجید نے ایک قاعدہ کلیہ بتا دیا کہ جہاد کا ارادہ
کب معتبر ہوگا؟ (وگرنہ ہر آدمی یہی کہے گا کہ میرا جہاد کا ارادہ ہے مگر مجھے عذر پیش آ گیا ہے۔ اس طرح ہر آدمی

ہزاروں بہانے بنا کر جہاد کو بھی ترک کر دے گا اور یہ دعویٰ بھی کرتا رہے گا میرا ارادہ پکا ہے میں تو جہاد کے لئے تڑپ رہا ہوں۔ جہاد کا شوق تو میرے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔) تو قرآن مجید نے ایک اصول بیان فرما دیا جس سے معذور اور غیر معذور کا پتہ چل جائے گا جس سے بہانہ بنانے والے اور سچ بولنے والوں کے درمیان فرق ہو جائے گا۔ قرآن مجید کا اصول ملاحظہ فرمائیں۔

وَلَوْ أَدْرَاكَ الْمُخْرُوجَ لَاعْتَدُوا لَهُ عُدَّةً وَلَٰكِنَّ كِبْرَهُ لَذُنِّفَهُمْ فَذَبَحْتَهُمْ وَفِيلَافَعْدُوا
مَعَ الْقَوِيلِينَ۔ (التوبہ ۳۶)

ترجمہ: اور اگر وہ نکلے کا ارادہ کرتے تو اس کے لئے سامان تیار کرتے لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا (اور جہاد میں نکلنا) پسند ہی نہیں فرمایا تو ان کو ملنے جلنے ہی نہ دیا اور (ان سے) کہہ دیا کہ جہاں (معذور) بیٹھے ہیں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اس اصول سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ اگر کسی نے جہاد کی تیاری کی ہوئی ہے جسمانی اور عسکری طور پر جہاد کے لئے بالکل تیار ہے۔ پھر اگر اسے عذر پیش آ گیا کہ وہ بیمار ہو گیا یا معذور ہو گیا یا اس کے پاس جہاد میں جانے کے لئے خرچہ نہیں ہے اور وہ مجاہدین کو جاتا دیکھ کر رو رہا ہے اور اس کا دل کڑھ رہا ہے مگر اس کے پاس مالی طور پر اپنی استطاعت نہیں کہ جاسکے تو وہ معذور ہے اور اس کا عذر قابل قبول ہے۔

مگر وہ آدمی جس نے جہاد کی تیاری ہی نہیں کی، باوجود استطاعت کے اس نے جہاد کے لئے کچھ سامان تیار نہیں کیا اور نہ ہی عسکری طور پر جہاد کے لوازمات کو پورا کیا، پھر بہانے بنا رہا ہے تو یہ آدمی جھوٹا ہے۔ اللہ رب العزت اس جیسے آدمی کو جہاد کے مبارک میدان میں لانا پسند ہی نہیں فرماتے، اس لئے اسے عورتوں کے پاس بٹھا دیا۔

قابل غور

اب اس قانون کی روشنی میں ہر آدمی..... اپنے آپ کو پرکھے، وہ مفکر بھی جو جہاد کے فضائل کے قائل ہیں مگر ان کے نزدیک جہاد کی شرائط پوری نہیں ہونیں اور وہ یہ نعرہ لگا رہے ہیں کہ اگر شرعی جہاد ہوا تو ہم ضرور نکلیں گے۔ کیا وہ اتنی تیاری رکھتے ہیں کہ جہاد کے میدان میں کھل کر دشمن کا مقابلہ کر سکیں گے ہرگز نہیں بلکہ ایسے لوگوں کے دلوں میں کبھی دوسو سے کے طور پر بھی یہ نہیں آیا کہ انہوں نے کبھی عملی جہاد کرنا ہے۔ بلکہ انہوں نے عملی جہاد کو ایک علمی، فکری مسئلہ بنا کر صفحات کے صفحات لکھ ڈالے، کیسٹوں کی کیسٹیں بھر ڈالی ہیں مگر خود عملی جہاد نہ کرنا چاہتے ہیں، نہ دوسروں کو اس میں جانے کی ترغیب دیتے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس جہاد کی کوئی تیاری ہے کہ اگر ان کی خود ساختہ شرائط پوری ہو بھی جائیں تو وہ جہاد میں نہ جاسکیں۔

بہر حال، اس قرآنی اصول سے جہاد کی تیاری کی اہمیت معلوم ہوئی کہ بغیر تیاری کے کوئی ارادہ بھی قابل قبول نہیں ہے بلکہ جب جہاد کا ارادہ ہوگا تو کسی نہ کسی قسم کی تیاری ضرور شروع کر دی جائے گی۔

جہاد کی تیاری کا وجوب

اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو جہاد کے لئے اس قدر قوت بنانے کا حکم دیا ہے جس سے دشمنوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے اور وہ مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کی کاروائی کا تصور تک نہ کر سکیں۔

اللہ رب العزت کا مبارک ارشاد ہے:

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ (سورة الانفال ۶۰)

ترجمہ: اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے ایک ایک حصے کی تشریح کرنے سے ان شاء اللہ اس موضوع کی کچھ وضاحت ہو جائے گی۔

وَأَعِدُّوا

امر کا صیغہ ہے اور اس میں تیاری کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم وجوبی ہے اور اللہ رب العزت کا ہر حکم مسلمانوں کی زندگی کا ضامن ہوتا ہے اور اس حکم سے روگردانی امت کی اجتماعی موت ثابت ہوتی ہے۔

لَهُمْ

یعنی ان کافروں کے لئے، اسلام کے دشمنوں کے لئے یعنی جب تک مسلمانوں کے دشمن کافروں کے پاس طاقت موجود ہے وہ اسے مسلمانوں کے خلاف خرچ کرتے رہیں گے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ ان سے بڑھ کر قوت مہیا کریں۔

مَا اسْتَطَعْتُمْ

یعنی جس قدر استطاعت ہو۔ جہاد کی تیاری کو کسی ایک حد میں بند نہیں کیا گیا بلکہ جس قدر مسلمانوں کی استطاعت ہو اور جس قدر طاقت مہیا کر سکتے ہوں کریں کیونکہ جس قدر طاقت زیادہ ہوگی اسی قدر مسلمانوں کو غلبہ ملے گا اور اعلائے کلمۃ اللہ کا شرعی فریضہ پورا ہو سکے گا اور فتنہ ختم ہو جائیں گے اور فتنہ پرست لوگ اپنی موت آپ مرجائیں گے چونکہ کافر ہر وقت مسلمانوں کی گھات میں بیٹھے ہیں اور ان کی پوری کوشش ہے کہ یا تو مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیں یا انہیں ان کے دین سے ہٹا کر گمراہ کر دیں اس لئے مسلمانوں کا مقابلہ ہر فتنہ پرست کافر سے ہے خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو مسلمان ایک ملت ہیں جب کہ سب کافر دوسری طرف ان کے مقابلے میں ایک ملت ہیں اس لئے جہاد کی تیاری کی کوئی حد بیان نہیں فرمائی بلکہ حکم دیا کہ جتنی کر سکتے ہو تیاری کر لو تا کہ تمہیں ہزیمت اور ذلت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

قُوَّةٍ

قوت میں ہر قسم کا اسلحہ آجاتا ہے وہ اسلحہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں استعمال کیا وہ بھی اور وہ اسلحہ جو مسلمانوں نے بعد میں ایجاد کیا وہ بھی اور قیامت تک استعمال ہونے والی قوت اس میں آجاتی

ہے۔ اسی لئے قوۃ کو نکرہ رکھا گیا ہے کہ ہر قسم کی قوت کی تیاری کرنا مسلمانوں کیلئے ضروری ہے اور اس قوت میں سب سے اہم قوت پھینکنے کی قوت ہے جو اس دور میں راکٹوں، میزائلوں اور بموں کے ذریعے سے استعمال کی جا رہی ہے۔

اب یہ قوت کہاں سے حاصل کی جائے گی تو قرآن مجید نے اس قوت کا منبع بھی مسلمانوں کو بتا دیا کہ اس قوت کا منبع وہ لوہا ہے جس میں اللہ رب العزت نے سخت طاقت رکھی ہے اور اس میں لوگوں کے لئے بے شمار منافع ہیں خصوصاً جب لوہے کے ساتھ آگ کو استعمال کیا جائے تو یہ بہترین قوت بن جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحديد ۲۵)

ترجمہ: اور ہم نے اتار لوہا اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں۔

آیت کریمہ میں لوہے کے متعلق فرمایا کہ ہم نے لوہا اتارا ہے جس میں سخت پڑ ہے۔ ”بَأْسٌ شَدِيدٌ“ کی تفسیر صاحب کشاف نے قتال سے کی ہے کہ لوہے کے ذریعے سے جہاد کیا جاتا ہے اور پھر جہاد کے ذریعے سے فتنہ و فساد ختم ہوتا ہے تو لوگ امن و سکون اور اطمینان کی زندگی گزارتے ہیں۔ یہ بھی مقصد ہو سکتا ہے مَنَافِعُ لِلنَّاسِ کا۔

اس سے پہلی آیات پر غور کرنے سے وہ ربط معلوم ہوتا ہے جو ان آیات میں کتاب، میزان اور لوہے کے درمیان پیدا کیا گیا ہے کہ اللہ رب العزت نے کتاب بھی نازل فرمائی اور لوہا بھی نازل فرمایا کہ اس کتاب کا نفاذ لوہے کے ذریعے سے ہوگا جو بھی اس کتاب یا انصاف کے آگے رکاوٹ ہو لوہے کے ذریعے سے اس کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ تو کتاب اور عدل و انصاف کی حفاظت لوہے کے ذریعے سے ہوگی یعنی لوہے سے بنائے گئے آلات قتال کے ذریعے سے۔

آیت کے اگلے حصے میں فرمایا گیا کہ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ تَاكَةً اللّٰهُ رَبَّ الْعِزَّةِ جَان لے کہ کون اس کے دین کی نصرت کرتا ہے یعنی لوہے کے بنے ہوئے آلات جہاد مثلاً تلوار، نیزے اور دیگر آلات کے ذریعے سے کون اللہ کے دین کی نصرت کرتا ہے اور ان آلات کو اللہ کے دین کے دشمنوں کے خلاف استعمال کرتا ہے ان اللہ قوی عزیز بے شک اللہ رب العزت طاقت والا غالب ہے وہ خود اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے کی طاقت رکھتا ہے مگر اس نے جہاد کا حکم دیا تاکہ مسلمان اس حکم کو پورا کر کے بے شمار دنیوی اور اخروی فوائد حاصل کر سکیں۔

انبیاء سابقین میں سے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ رب العزت نے خصوصی فضل فرمایا اور لوہے کو ان کے لئے نرم فرما دیا جس سے وہ دیگر سامان کے ساتھ ساتھ اسلحہ اور جنگ کا دفاعی سامان بنایا کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ارشاد گرامی ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا يُجِبَالُ أَوْبَىٰ مَعَهُ وَالطَّيْرُ ۚ وَأَتَيْنَاهُ الْحَدِيدَ ۖ أَنْ أَعْمَلَ سَبْعِينَ

وَقَدَّرْنَا فِي السَّجَدِ ۚ أَعْمَلُوا صَاحِبًا لِّرَبِّي يَمَّا نَعْمَلُونَ بَصِيرًا (سورة سبأ ۱۰-۱۱)

ترجمہ: اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے برتری بخشی تھی۔ اے پہاڑ ان کے ساتھ تسبیح کرو اور پرندوں کو (ان کا مسخر کر دیا) اور ان کے لئے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو اور نیک عمل کرو۔ جو عمل تم کرتے ہو میں ان کو دیکھنے والا ہوں۔

اسی طرح تفسیر قرطبی میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے زمین پر اترے تو ان کے پاس لوہے کے پانچ اوزار تھے۔ السندان (نہائی)، الکبتان (لوہار کا زنبور)، والمقیہ، والمطرقة (تھوڑا) والابرة (سوئی)۔ (قرطبی ج ۱ ص ۲۶۱)

اسی طرح اللہ رب العزت نے حضرت داؤد علیہ السلام پر اپنی اس نعمت کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے ان کو جہاد کے لئے اسلحہ بنانے کا فن سکھایا تھا۔

ارشاد ربانی ہے:

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِيُخَصِّصَ لَكُمْ مِنْ بَاسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ (الانبیاء ۸۰)

ترجمہ: اور ہم نے تمہارے لئے ان (یعنی حضرت داؤد علیہ السلام) کو ایک (طرح کا) لباس بنانا بھی سکھادیا تاکہ تم کو لڑائی (کے نقصان) سے بچائے پس تم کو شکر گزار ہونا چاہئے۔

اسی طرح لوہے اور آگ کو دشمن کے خلاف استعمال کرنے کا تذکرہ قرآن مجید میں حضرت ذوالقرنین کے قصے میں بھی ہے۔

قَالُوا يَا ذَا الْقُرْنَيْنِ إِنَّا يَا جُوبَ وَمَا جُوبٌ مُقْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا قَالَ مَا مَكْنِي فِيهِ ربي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۚ أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُ آيَاتٌ أَنْتُمْ يُرْشَدُونَ ۚ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغَ عَلَيْهِ قِطْرًا ۚ فَمِمَّا اسْتَطَعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ۚ (سورة الکہف ۹۴ تا ۹۷)

ترجمہ: ان لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین! یا جوج ماجوج زمین میں فساد کرتے رہتے ہیں تو کیا ہم لوگ آپ کے لئے کچھ چندہ جمع کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار کھینچ دیں۔ ذوالقرنین نے جواب دیا کہ جس مال میں میرے رب نے مجھ کو اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے (ہاں) تم مجھے قوت (بازو) سے مدد دو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ بنا دوں گا۔ تم لوہے کے (بڑے بڑے) تختے لاؤ یہاں تک کہ جب اس نے (ان تختوں سے) پہاڑ کے درمیان کا (حصہ) برابر کر دیا اور کہا کہ (اب اسے) دھونکو یہاں تک کہ جب اس کو (دھونک دھونک کر) آگ کر دیا تو کہا کہ میرے پاس تابنا لاؤ کہ اس پر پگھلا کر ڈال دوں۔ پھر ان (یا جوج اور ماجوج) میں یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں نقب لگا سکیں۔

ان دلائل سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اللہ رب العزت کے مقرب بندے جن

کے ایمان کی مضبوطی اور توکل کی طاقت کا اندازہ لگانا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔ لوہے کو دشمن کے خلاف موثر انداز میں استعمال فرماتے تھے اور خود اسلحہ بناتے اسے سیکھتے اور استعمال کرتے تھے۔ اس لئے اسلحہ نہ ہی ایمان کے منافی ہے اور نہ ہی ایمان والے اسلحہ سے خود کو مستغنی سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی اسلحے کے منافع اور ضروریات کا انکار کیا جاسکتا ہے۔

پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ اسلام کی عظمت اور سر بلندی جہاد میں ہے اور جہاد بغیر آلات جہاد کے نہیں ہوتا تو جہاد کے بے شمار فضائل اور منافع کا حصول بغیر آلات جہاد کے ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ قوت کے حصول کے حکم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب عمل کیا اور کرایا اور آپ نے اس دور کے جدید اور موثر اسلحے کو سیکھنے کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے وفود روانہ فرمائے۔ ابن سعد اور ابن ہشام نے ذکر فرمایا کہ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور غیلان بن سلمہ رضی اللہ عنہ طائف کے محاصرے میں شریک نہیں تھے کیونکہ یہ دونوں جرش نامی مقام پر منجیق، دبابہ اور ضرور سیکھنے کے لئے گئے ہوئے تھے۔

منجیق اور دبابہ اس زمانے کا سب سے بہترین اور موثر اسلحہ تھا جب کہ ضرور اس زمانے میں بلٹ پروف جیکٹ کے طور پر استعمال ہوتا تھا جسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم استعمال فرماتے اور اس کی آڑ لے کر دشمن کے تیروں سے بے خطر حملہ کرتے تھے اور بعض دوسری قسم کا محفوظ اسلحہ بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے استعمال فرمایا طائف کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منجیق استعمال فرمائی ہے۔

ابن ہشام سیرت میں لکھتے ہیں کہ اسلام میں منجیق استعمال فرمانے والی پہلی شخصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ بعض روایات میں خیبر کے موقع پر منجیق کے استعمال کا ذکر آتا ہے۔

وَمِنْ دَبَابِطِ الْحَيْلِ

قوت کے بعد خاص طور پر گھوڑے باندھنے کا حکم دیا گیا۔

میدان جہاد میں گھوڑے کو ایک خاص اہمیت اور مقام حاصل ہے چنانچہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں مجاہد کے ہانپتے دوڑتے چنگاریاں نکالتے اور حملہ کرتے گھوڑوں کی قسم کھائی ہے۔

وَالْعِدَابِيتِ ضَبْعًا ۚ فَالْمُؤَدِّيَتِ قَدَحًا ۚ فَالْمُعِزَّتِ صُبْحًا ۚ فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا ۚ فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا ۚ
(سورة العاديات ۵ تا ۱۰)

ترجمہ: ان سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم پھر (پتھروں پر نعل) مار کر آگ نکالتے ہیں پھر صبح کو چھاپہ مارتے ہیں پھر اس میں گرد اٹھاتے ہیں پھر اس وقت دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔

قرآن مجید نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ انبیاء سابقین نے جہادی قوت کے لئے گھوڑے کو استعمال فرمایا اور اس کی طرف خصوصی توجہ فرمائی خود حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب جہاد کا ارادہ فرمایا تو گھوڑوں کو طلب فرمایا پھر ان گھوڑوں کو دوڑانے کا حکم دیا جب یہ گھوڑے دوڑ کر نظروں سے غائب ہو گئے تو انہیں واپس بلوایا جب ان

کو واپس لایا گیا تو محبت کے ساتھ ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرا۔ اس کی وجہ گھوڑوں کی ضرورت اور اہمیت اور میدان جہاد میں ان کی اعلیٰ کارگزاری تھی۔

اللہ رب العزت اس واقعے کو قرآن مجید میں یوں بیان فرماتے ہیں:

وَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ إِذْ عَرَضَ عَلَيْكَ يَا عِيسَى الصَّفِيفُ الْجِيَادُ ۝ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ۝ (سورۃ ص ۳۰-۳۳)

ترجمہ: اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام عطا کئے۔ بہت خوب بندے (تھے) اور وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کرنے والے تھے جب ان کے سامنے شام کو اسیل (اور) عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے تو کہنے لگے میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہو کر) مال کی محبت اختیار کی۔ یہاں تک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ گیا (بولے کہ) ان کو میرے پاس واپس لاؤ۔ پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کو باندھنے اور اس کے پالنے کے عجیب و غریب فضائل بیان فرمائے ہیں۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے کی پیشانی میں خیر کو قیامت تک کے لئے رکھ دیا گیا ہے مراد اس سے اجر یا غنیمت ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

کہ جس نے ایمان و احساب کے ساتھ جہاد کے لئے گھوڑا باندھا تو اس کا کھانا پینا لید اور پیشاب قیامت کے دن میزان اعمال میں ہوں گے۔

بعض احادیث میں جہاد کے لئے گھوڑے پر خرچ کرنے کو صدقے کی طرح قرار دیا گیا ہے۔

اسلام کی ابتدائی جنگوں میں تو مسلمان پیادہ جہاد کرتے رہے انہیں گھوڑے کی سہولت حاصل نہیں تھی۔ احد کی لڑائی میں مسلمانوں کے پاس دو گھوڑے تھے بنی قریظہ کے محاصرے کے وقت مسلمانوں کے پاس کل چھ گھوڑے تھے جب مسلمانوں کو بنی قریظہ سے کافی مقدار میں غنیمت ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قیدی اور دیگر سامان نجد کی طرف بھیجا جہاں مسلمانوں نے ان کے بدلے گھوڑے اور اسلحہ خریدا چنانچہ غزوہ خیبر میں مسلمانوں کے پاس دو سو گھوڑے تھے اسی طرح مسلمان جنگی سامان خصوصاً گھوڑوں میں ترقی کرتے رہے یہاں تک کہ تبوک کے موقع پر اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی جن میں دس ہزار گھڑسوار تھے۔

اسلامی لشکر اور اس کے ساز و سامان میں یہ حیرت انگیز ترقی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سلسلے میں نفیس نفیس خصوصی توجہ اور اہتمام کی وجہ سے تھی۔

بخاری شریف میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی نضیر کے اموال مال فتنے میں سے تھے یعنی مسلمانوں نے بغیر جنگ کے حاصل کئے تھے اس وجہ سے یہ اموال خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

تھے آپ نے ان اموال میں سے اپنے اہل و عیال کا نفقہ پورا فرمایا اور جو اس میں سے بچ گیا تو اس سے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اسلحہ اور گھوڑے خریدے۔

تُرْهِبُونَ رَبَّهُ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ

اسلحے اور قوت بنانے کا مقصد کافروں پر رعب ڈالنا ہے تاکہ وہ مرعوب رہیں اور مسلمانوں کے خلاف فتنے برپا نہ کر سکیں۔ آیت کریمہ کے اس حصے سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہر وقت ایسا اسلحہ اور اتنی قوت بنا کر رکھنی چاہیے جس سے کافر مرعوب اور خوفزدہ رہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مروجہ اسلحہ تیر، تلوار، منجیق، گھوڑے وغیرہ تھے جن کی کثرت اور جودت سے دشمن دب جاتے تھے مگر اس زمانے میں جدید اسلحہ ایجاد ہو چکا ہے اور جب تک کسی قوم کے پاس یہ جدید ہتھیار نہ ہوں دوسری اقوام اس کا استحصال کرتی رہتی ہیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اتنی قوت پیدا کریں جس سے ان کے دشمن دب جائیں اور مسلمان چین اور اطمینان کے ساتھ ایمان و سلامتی کی زندگی گزار سکیں اور اگر مسلمان اس میدان میں کوتاہی کریں گے تو یقیناً ان کا دشمن ان پر غالب آ جائے گا اور مسلمانوں کی جان اور ان کا ایمان ہمیشہ کے لئے خطرہ میں رہے گا۔

چنانچہ جس دور میں مسلمانوں نے ان قرآنی آفاقی تعلیمات کو اپنایا اس دور میں انہوں نے پوری دنیا پر حکمرانی کی اور بحر و بر پر اسلامی جھنڈے لہرائے۔ اسلحے کے سلسلے میں مسلمانوں کی ترقی نے اس دور کے کفار کی کمر توڑ کر رکھ دی، سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور میں مسلمانوں نے سنی بہوں اور آگ کے شعلوں سے دشمن کے عزائم خاک میں ملائے اسی طرح اندلس کی لڑائیوں میں مسلمانوں نے سب سے پہلے بارود بنایا اور بڑی توپیں استعمال کیں۔ مگر آج مسلمان اسی میدان میں کفار سے پیچھے رہ گئے ہیں اور ان کے ایجاد کردہ اسلحے کو کافروں نے ترقی کے مختلف ادوار سے گزار کر وہ قوت حاصل کر لی ہے کہ جب چاہتے ہیں مسلمانوں کو رسوا کرتے ہیں اور خون مسلم کی ہولی کھیتے ہیں۔

ہائے کاش مسلمان اب بھی بیدار ہوں اور ان قرآنی تعلیمات کو اپنا کر آگ اور لوہے کی ربانی نعمتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے قوت پیدا کریں جس سے ان کا دشمن مرعوب و مرعوب ہو جائے اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ بحال ہو۔ اس دور میں بھی اگر اسلام نے کفر کو شکست دی ہے تو صرف اور صرف جہاد کے ذریعے سے دی ہے۔ آج افغانستان کی فتح مبین اسی جہاد کا نتیجہ ہے۔ سوویت یونین کی تباہی و بربادی مسلمانوں کے میدان جہاد میں قربانیوں کا ثمرہ ہے اس لئے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دین کے اس شعبے کو دوبارہ زندہ کریں اور اسلام کی عظمت اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر اسلحہ بنائیں، سیکھیں، جمع کریں اور پھر اسے کفر کے خلاف حکمت و جرأت کے ساتھ استعمال کریں۔

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم۔

سُورَةُ الْاَنْفَالِ اَمْكُنْهُمْ آيَةُ ۲۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَإِنْ جَنَحُوا بِلسَلْمٍ فَاجْنَمْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّهُ هُوَ

اور اگر وہ صلح کیلئے مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو بے شک وہی

السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۲۱

سننے والا جاننے والا ہے

خلاصہ

اگر کفار صلح کے لئے جھکیں اور پیشکش کریں تو اسے قبول کر کے صلح کرنے کی اجازت ہے۔ اور آپ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھیں اگر وہ صلح کے لبادے میں دھوکہ دینا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے نمٹ لے گا۔ اس سے کسی کا ظاہر و باطن مخفی نہیں وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

ربط

۱۔ اوپر اڑھاب کفار (یعنی کافروں کو دہشت زدہ کرنے) کا بیان تھا اس ارہاب کے بعد احیاناً (یعنی کبھی) کفار کی طرف سے صلح کی درخواست ہو سکتی ہے اس لئے آگے **وَإِنْ جَنَحُوا** میں اس کا حکم بیان فرماتے ہیں اور چونکہ صلح میں بعض اوقات احتمال ہوتا ہے کہ شاید کفار نے فریب کیا ہو اس کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وان یسریدوا میں وعدہ حفاظت اور تاکید وغیرہ کے لئے اپنے نعم سابقہ کی یاد دہانی کراتے ہیں۔ (بیان القرآن)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واعلم انه لما بین ما یرهب به العدو من القوة والا ستظهار، بین بعده انهم عند الارهاب اذا جنحوا ای مالوا الی الصلح..... الخ۔ (تفسیر کبیر)

یعنی پچھلی آیت میں ایسی قوت اور طاقت بنانے کا حکم تھا جس سے دشمن مرعوب اور دہشت زدہ ہو جائے اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس رعب کی وجہ سے اگر وہ صلح کی طرف مائل ہو جائے تو صلح قبول کر لی جائے۔ (تفسیر کبیر)

صلح کی پیشکش قبول کرنا ضروری نہیں

صاحب انوار الیمان لکھتے ہیں:

اس سے پہلی آیات میں جہاد کے لئے سامان تیار کرنے کا حکم تھا اور نقض عہد کے سلسلہ میں بعض ہدایات دی

تھیں۔ ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ دشمن اگر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیں یہ امر وجوبی نہیں موع مصلحت سے متعلق ہے۔ اگر اس میں دارالاسلام اور اہل اسلام کی مصلحت ہو تو صلح کی جاسکتی ہے۔ جنگ کرنا مقاصد میں سے نہیں ہے صلح سے کام چلتا ہو تو صلح کر لیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ ان سے جزیہ لینا قبول کر لیں۔

بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ لفظ **وَلَا تَجْعَلُوا** میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان خود سے صلح کی پیشکش نہ کریں اور وہ لوگ پیشکش کریں تو صلح کر لیں۔

وَلَا تَجْعَلُوا سے بعض اکابر نے جو یہ استنباط کیا ہے کہ اپنی طرف سے صلح کی پیشکش نہ ہو اس کی تائید سورہ محمد کی آیت **فَلَا تَهْمُؤْا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ** سے بھی ہوتی ہے ہاں اگر کوئی بہت ہی ایسی مجبوری ہو جائے کہ مسلمان کسی جگہ زغے میں آجائیں اور صلح کے بغیر کوئی صورت چھڑکارے کی نہ ہو تو اپنی طرف سے بھی صلح کی پیشکش کی گنجائش ہے، رہی یہ بات کہ ہو سکتا ہے کہ کافر صلح کر کے بد عہدی کر دیں اور حملہ آور ہو جائیں اس کے لئے فرمایا **وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ** (اور آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں وہ بلاشبہ سننے والا جاننے والا ہے) اگر صلح میں مصلحت دیکھیں تو آپ صلح کریں ایسے احتمالات کو بنیاد بنا کر صلح کی پیشکش کو نہ ٹھکرائیں۔ (انوار البیان)

صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

فَاجْتَنِبْهَا یہ حکم نہیں صرف اجازت ہے یعنی آپ اگر مصلحت صلح ہی میں دیکھیں تو کر سکتے ہیں یہ آپ کے اختیار تیزی پر ہے۔

ان الامر فی من تقبل منهم الجزية علی ما یرى فیہا الا ما صلاح الاسلام واهله من حرب او سلم ولیس بحتم ان یقاتلوا ابدا او یجابو الی الهدنة ابدا. (روح) وعقد الصلح لیس بلام للمسلمین وانما جائز باتفاقهم اجمعین. (ابن العربی)

تفسیر احکام القرآن کا مطالعہ کریں

یہ آیت منسوخ ہے یا محکم؟ سورہ انفال اور سورہ براءۃ کے زمانہ نزول کے فرق سے اس آیت کے حکم پر کیا اثر پڑتا ہے؟ صلح کا پیغام کب قبول کرنا چاہیے اور کب نہیں؟ امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں تفصیل سے یہ سارے احکامات بیان فرمادیئے ہیں وہاں مطالعہ فرمائیں۔

کلام برکت

یعنی اگر (وہ کافر صلح کرتے وقت) دل میں دغا رکھیں گے۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دینا چاہیں گے تو) اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے (وہ ان کو) اس کی سزا دے گا۔ (موضح القرآن)

دس سال سے زائد جنگ بندی کا معاہدہ

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

امام قتادہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے **فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ** اور **قَاتِلُوا الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا بَلَغْتُمْ فِيهِمْ** جیسی آیات سے اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ منسوخ نہیں ہے بلکہ جب صلح میں مسلمانوں کے لئے فائدہ ہو تو صلح قبول کرنے کی اجازت ہے۔ عام حالات میں اگر مسلمانوں کا امیر صلح میں مسلمانوں کی مصلحت دیکھے تو ایک سال سے کم کی صلح اور اگر مشرکین کی طاقت زیادہ ہو تو دس سال کی صلح جائز ہے اور دس سال سے زیادہ جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے دس سال جنگ بندی کا معاہدہ فرمایا تھا مگر انہوں نے مدت پوری ہونے سے پہلے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کر لی۔

ولا يجوز الزيادة عليها اقتداء برسول الله صلى الله عليه وسلم، فانه هادن اهل مكة عشرين سنين ثم انهم نقضوا العهد قبل كمال المدة. (التفسير الكبير)

تقریر عثمانی

مسلمانوں کی تیاری اور مجاہدانہ قربانیوں کو دیکھ کر بہت ممکن ہے کہ کفار مرعوب ہو کر صلح و آشتی کے خواستگار ہوں تو آپ کو ارشاد ہے کہ حسب صوابدید آپ بھی صلح کا ہاتھ بڑھادیں کیونکہ جہاد سے خونریزی نہیں اعلائے کلمۃ اللہ اور دفع فتنہ مقصود ہے اگر بدون خونریزی کے یہ مقصد حاصل ہو سکے تو خواہی نخواہی خون بہانے کی کیا حاجت ہے۔ پھر یہ احتمال ہو کہ کفار شاید صلح کے پردہ میں ہم کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں تو کچھ پروا نہ کیجئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیے وہ ان کی نیتوں کو جانتا اور ان کے اندرونی مشوروں کو سنتا ہے اس کی حمایت کے سامنے ان کی بدینتی نہ چل سکے گی آپ اپنی نیت صاف رکھئے۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ

مسلمان جب اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کر کے جہاد کی بھرپور تیاری کرتے تھے اور اپنے گھوڑوں کا رخ دشمنان اسلام کی طرف رکھتے تھے تو انہیں ہر طرف سے ”صلح“ کے بیانات ملتے تھے اور بڑے بڑے طاقتور ملک اور قبیلے ان کے سامنے جھک کر صلح کی پیشکش کرتے تھے۔ اب بھی یہ سب کچھ ہو سکتا ہے بشرطیکہ مسلمان جہاد کے لئے ہر وقت تیار ہوں اور جہاد کی خوب تیاری رکھیں۔

اللهم انصر واهد امة محمد صلى الله عليه وسلم. (آمین یا رب العالمین)

سُورَةُ الْاَنْفَالِ الْمَكِّيَّةُ آيَةُ ۱۳۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِي

اور اگر وہ چاہیں کہ تمہیں دھوکا دیں تو تجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے جس نے تمہیں

أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَيَا لَمُؤْمِنِينَ ۝ وَالْفَتْحُ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۝

اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے قوت بخشی۔ اور ان کے دلوں میں الفت ڈال دی

أَنْفَقَتْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ

جو کچھ زمین میں ہے اگر سارا تو خرچ کر دیتا ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتا

وَلَكِنَّ اللّٰهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں الفت ڈالی دی بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے

خلاصہ

اگر صلح کا پیغام بھیجنے والے کفار اس صلح کی آڑ میں آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے اور اس کی مدد آپ کے لئے بہت کافی ہے۔ اس نے آپ کو اپنی غیبی نصرت کے ذریعہ قوت دی ہے۔ اور ظاہری نصرت کے طور پر ایمان والوں کے ذریعے آپ کو طاقت عطا فرمائی ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نصرت اور قوت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اس نے ایمان والوں کے دل جوڑ دیئے حالانکہ یہ کام دنیا بھر کے خزانے خرچ کر کے بھی کوئی نہیں کر سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے یہ کام کر دیا بے شک وہ غالب ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور حکیم ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ (جیسے اس نے دلوں کے حالات اپنی قدرت اور حکمت سے بدل دیئے ایسے ہی وہ دنیا کے حالات بھی بدل دے گا اور آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ رکھنے والے ناکام ہو جائیں گے)

غزوہ بدر کی یاد دہانی

هُوَ الَّذِي آيَّدَكَ بِنَصْرِهِ (اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے اپنی مدد کے ذریعہ آپ کی تائید فرمائی اور آپ کو قوت دی) اس میں خصوصی اشارہ غزوہ بدر کی طرف ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أَيُّ قَوَاكِبِ بَنَصْرِهِ بِرَيْدِيَوْمِ بَدْرٍ۔ (القرطبی)

یعنی آپ کو اپنی مدد سے قوت دی مراد اس سے بدر کا دن ہے۔

صاحب تفسیر عثمانی لکھتے ہیں:

اگر صلح کر کے وہ لوگ دغا بازی اور عہد شکنی کا ارادہ کر لیں تو فکر نہ کیجئے خدا آپ کی مدد کے لئے کافی ہے ان کے سب فریب خدا بے کار کر دے گا اسی نے بدر میں آپ کی غیبی امداد فرمائی اور ظاہری طور پر جاں نثار و سرفروش مسلمانوں سے آپ کی تائید کی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی صلح کا قانون بیان فرماتے ہوئے بھی غزوہ بدر کی مدد یا دولائی گئی کہ آپ ان کی طرف سے دھوکے کی فکر نہ کیجئے غزوہ بدر کی عظیم الشان فتح اور نصرت عطا فرمانے والا رب آپ کے ساتھ ہے۔

بعض مفسرین کے نزدیک اس سے اللہ تعالیٰ کی ہر وہ مدد مراد ہے جو اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال المفسرون: يريد قواك واعا نك بنصره يوم بدر، واقول هذا التقييد خطأ لان امر النبي عليه السلام من اول حياته الى آخر وفاته ساعة فساعة كان امراً الهياً وتدبيراً علوياً. وما كان لكسب الخلق فيه مدخل. (تفسير كبير)

بہر حال دونوں باتوں کو جمع کیا جاسکتا ہے کہ آیت میں ہر طرح کی نصرت اور مدد کا ذکر ہوا اور بطور مثال خصوصی اشارہ غزوہ بدر کی طرف ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اور مسلمانوں کے ذریعہ قوت دی

ارشاد فرمایا وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَتْلُوا لِلَّهِ وَأَلْيَا لِرَسُولِهِ قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَتْلُوا لِلَّهِ وَأَلْيَا لِرَسُولِهِ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوت عطا فرمائی ایمان والوں کے ذریعے ان ایمان والوں سے مراد حضرات مجاہدین و انصار ہیں علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

من المهاجرين والانصار على ما هو لمتبادر. (روح المعاني)

جبکہ کئی مفسرین حضرات کے نزدیک آیت میں خاص طور پر ”حضرات انصار“ مراد ہیں۔

قال النعمان بن بشير رضى الله عنه نزلت في الانصار. (القرطبي)

وعن ابى جعفر والنعمان بن بشير وابن عباس والسدى رحمه الله انهم الانصار رضى

الله عنهم. (روح المعاني)

ایک سوال کا جواب

جب یہ بات یقینی ہے کہ نصرت اور مدد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے تو پھر وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ قُوا أَنْفُسَكُمْ قُوا أَنْفُسَكُمْ نصرت کا کیا معنی ہے؟ امام رازی رحمہ اللہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

التأييد ليس الا من الله لكنه على قسمين.

تائید اور مدد بے شک صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے مگر اس کی دو قسمیں ہیں:

۱ وہ مدد جو کسی واسطے یا ظاہری اسباب کے بغیر ہوتی ہے۔

۲ وہ مدد جو ظاہری اسباب کے واسطے سے ہوتی ہے۔

پس آیت کے پہلے حصے **هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِنَصْرِهِ** میں پہلی قسم کی مدد مراد ہے اور **وَيَا الْمُؤْمِنِينَ** میں دوسری قسم کی مدد مراد ہے۔ (التفسیر الکبیر)

اس سوال کا ایک سادہ سا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہاد ایک اجتماعی عمل ہے جس میں افراد اور مجاہدین کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور مسلمان ایک ”امت“ اور ایک ”جماعت“ ہیں اس لئے خاص طور پر مؤمنین کا ذکر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایمان والوں کی ایک مضبوط جماعت عطاء فرمادی ہے اب اس امت کو آگے بڑھنے سے کسی کی طاقت کسی کا دھوکہ اور فریب نہیں روک سکتا۔ صاحب تفسیر حقانی نے اس پوری آیت کو مستقبل کی فتوحات کی بشارت اور خوشخبری قرار دیا ہے اس سے یہی اشارہ ملتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دلوں میں الفت بہت بڑی نعمت

ارشاد فرمایا **وَأَلْقَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ** کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے دل جوڑ دیے۔ یعنی ان کے قلوب میں ایسی محبت، الفت، اتحاد اور ایک دوسرے کے لئے ایثار پیدا فرمادیا کہ وہ سب ایک جسم اور ایک جان بن گئے۔ اب ایسے مضبوط جاٹھاروں کی موجودگی میں کسی کا دھوکہ اور فریب آپ کو کیا نقصان دے سکتا ہے۔ دلوں میں اس عجیب جوڑ اور الفت کا پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کا خاص انعام تھا اس جوڑ کی وجہ سے ہر فرد میں پوری جماعت کی طاقت آ جاتی ہے اور جماعت کا کوئی فرد بھی اکیلا نہیں رہتا۔ یوں اگر سو آدمی ہوں اور ان کے قلوب میں سچی الفت اور جوڑ ہو تو ہر آدمی میں سو افراد کی طاقت ہوتی ہے اور سو افراد کی یہ جماعت دس ہزار افراد سے زیادہ طاقت رکھتی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن لوگوں کے درمیان بھیجا گیا تھا وہ تو باہمی نفرت، بغض اور خود غرضی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے۔ ان کی آپس میں شدید دشمنیاں تھیں اور پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک اللہ وحدہ لا شریک لہ کی طرف بلایا تو سب مل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض اور دشمنی کرنے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص اور غالب قدرت کے ذریعہ ان کے دلوں کو جوڑ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جوڑ، الفت اور اتحاد کا مرکز بنادیا اور پھر اس محبت کو اپنا مقدس نام عطاء فرمادیا کہ یہ الحب فی اللہ بن گئی۔

جب یہ محبت اللہ تعالیٰ کے لئے ہو گئی تو پھر اس کے ٹوٹنے یا ختم ہونے کا امکان ہی نہ رہا اور ان سب حضرات کی زندگیوں کا مقصد ایک ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم قیادت میں ایسی جماعت کا وجود میں آنا اسلام کے غلبے کی بشارت تھی اور کچھ ہی عرصہ میں یہ بشارت پوری ہو گئی۔ حضرات مفسرین نے اس خصوصی الفت اور محبت پر جو صحابہ کرام کے قلوب میں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی تھی عجیب وجد آفرین نکتے لکھے ہیں خصوصی طور پر امام رازی رحمہ اللہ نے محبت کی حقیقت اور اس کے مضبوط اور کمزور ہونے کے اسباب پر خصوصی بحث کی ہے یہ بحث تفسیر کبیر میں ملاحظہ

فرمائیں۔ یہاں چند ضروری عبارتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے:

۱) دلوں کی حالت بالکل بدل گئی

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث الی قوم انفتهم شدید..... الخ
یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے جن کی غیرت سخت اور قومی حمیت بہت زیادہ تھی یہاں تک کہ اگر کسی آدمی کو تھپڑ مار دیا جاتا تو اس کے قبیلے کے افراد اس تھپڑ کا پورا انتقام لینے تک جنگ کرتے رہتے تھے پھر ان کی یہ حالت بدل گئی حتیٰ کہ (اسلام کی خاطر) ان میں سے بعض نے اپنے بھائی، والد اور بیٹے سے قتال کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر متحد ہو گئے اور، دین اسلام کے انصار و مددگار بن گئے۔ ایک قول یہ ہے کہ آیت اوس و خزرج کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ ان کی آپس میں شدید دشمنی اور دائمی لڑائی تھی پھر ان کے دلوں کا بغض دور ہو گیا اور باہمی الفت اور محبت نصیب ہو گئی۔ پس دلوں سے ایسی سخت دشمنی کا منادینا اور اس کی جگہ مضبوط محبت اور کامل اخلاص کا پیدا کر دینا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے ممکن نہیں تھا۔ (التفسیر الکبیر)

۲) ایک سو بیس سالہ دشمنی ختم

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَأَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ قُلُوبُ الْأَوْسِ وَالْخَزْرَجِ بَعْدَ تَعَادِيهِمْ مِائَةً وَعِشْرِينَ سَنَةً. یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا مرا قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج ہیں کہ ان کے دلوں کو جوڑ دیا جبکہ وہ ایک سو بیس سال سے ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ (المدا رک)

۳) روئے زمین کے خزانے خرچ کرنے سے بھی یہ کام نہ ہوتا

”اسلام سے پہلے عرب میں جدال و قتال اور نفاق و شقاق کا بازار گرم تھا۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قبائل آپس میں ٹکراتے رہتے تھے۔ دو جماعتوں میں جب لڑائی شروع ہو جاتی تو صدیوں تک اس کی آگ ٹھنڈی نہ ہوتی تھی، مدینہ کے دو زبردست قبیلوں ”اوس“ و ”خزرج“ کی حریفانہ نیر آ ز مائی اور درینہ عداوت اور بغض کا سلسلہ کسی طرح ختم نہ ہوتا تھا۔ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا اور عزت و آبرو کا بھوکا تھا۔ ان حالات میں آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توحید و معرفت اور اتحاد و اخوت کا عالمگیر پیغام لے کر مبعوث ہوئے، لوگوں نے انہیں بھی ایک فریق ٹھہرا لیا اور سب نے مل کر خلاف و شقاق کا رخ ادھر پھیر دیا۔ پرانے کینے اور عداوتیں چھوڑ کر ہر قسم کی دشمنی کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کو طمع نظر نہ لایا۔ وہ آپ کی پند و نصیحت سے گھبراتے تھے اور آپ کے سایہ سے بھاگتے تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت نہ تھی جو درندوں کی بھیڑ اور بہائم کے گلہ میں معرفت الہی اور خُبتِ نبوی کی روح چھونک کر

اور شراب تو حید کا متوالا بنا کر سب کو ایک دم اخوت والفت کی باہمی زنجیر میں جکڑ دیتی اور اس مقدس ہستی کا درم نا خریدہ غلام اور عاشق جاں نثار بنا دیتی جس سے زیادہ چند روز پہلے ان کے نزدیک کوئی مبغوض ہستی نہ تھی۔ بلاشبہ روئے زمین کے خزانے خرچ کر کے بھی یہ مقصد حاصل نہ کیا جاسکتا تھا جو اللہ تعالیٰ کی رحمت و اعانت سے ایسی سہولت کے ساتھ حاصل ہو گیا۔ خدا نے حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک کی الفت دوسرے کے دل میں ڈال دی، اور پھر سب کی الفتوں کا اجتماعی مرکز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات کو بنادیا۔ قلوب کو ایسا دفعۃً پلٹ دینا خدا کے زور قدرت کا کرشمہ ہے اور ایسی شدید ضرورت کے وقت سب کو محبت والفت کے ایک نقطہ پر جمع کر دینا اس کے کمال حکمت کی دلیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ

امام رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ محبت کا سبب اگر دنیوی مقاصد کا حصول ہو تو یہ محبت کمزور اور جلد ختم ہونے والی ہوتی ہے اور اگر محبت کا سبب اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اور ہمیشہ کی نعمتیں حاصل کرنا ہو تو یہ محبت مضبوط اور قائم رہنے والی ہوتی ہے عربوں کی آپس میں خاندانی محبتیں دنیاوی جاہ و مال اور مقاصد کے لئے تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف اور آخرت کی طرف بلایا جب ان مضبوط بنیادوں پر ان کی محبت قائم ہوئی تو وہ مضبوط اور مثالی اور حقیقی محبت تھی تفسیر عثمانی کی مذکورہ بالا عبارت میں اسی نکتے کو بہت سلیقے اور بلاغت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس میں یہ خاص اشارہ سمجھا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کس طرح کی محبت پر قائم ہونی چاہیے۔ اور دین کی خاطر جہاد کرنے والوں میں کیسی بے غرض "الحب فی اللہ" ہونی چاہیے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

۲ غلبے کی بشارت

اسی طرح ملک عرب میں علاوہ بت پرستی و زنا کاری کے باہمی عداوت اور خانہ جنگی کا بھی کچھ حساب نہ تھا جہاں کسی نے ایک قبیلہ کے لڑکے کو ایک طمانچہ مار دیا دوسرا قبیلہ ان پر چڑھ آیا پھر یہ آتش جنگ قرونوں تک فرو (یعنی ختم) نہ ہوتی تھی، مدینہ کے رہنے والوں اوس اور خزرج دو قبیلوں میں صدیوں سے عداوت اور کشت و خون تھا پس جو نبی مکہ میں اس آفتاب ہدایت نے طلوع کیا جس طرح تمام عالم کو منور کیا اسی طرح تمام عرب میں محبت اور الفت پیدا کر دی اگر یہ ایک ایسا معجزہ نہیں جو تمام معجزات انبیاء سلف کا عطر ہے تو کیا ہے؟ اور **يَكُونُ حَكِيمٌ** میں اس مصلحت کی طرف اشارہ ہے کہ جس سے روم و ایران پر غلبہ دیا گیا اور آسمانی سلطنت کا جھنڈا قائم کیا گیا۔ (تفسیر حقانی)

۵ کلام برکت

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

عرب کی قوم میں آگے (یعنی پہلے) ہمیشہ بیر (یعنی دشمنی) رکھتے تھے اور ایک دوسرے کے خون کا پیاسا (تھا) پھر حضرت کے سبب سب متفق اور دوست ہو گئے۔

ان پانچ عبارات سے آیت کی تفسیر کے کئی پہلو واضح ہو گئے۔ بعض مفسرین حضرات کا فرمانا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو آپس میں اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرتے ہیں۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ سند کے ساتھ اس آیت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

قال هم المتحابون في الله وفي رواية نزلت في المتحابين في الله. فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں محبت رکھتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس مقام پر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان روایات کو بھی ذکر کیا ہے جن میں آپس میں محبت رکھنے والے مسلمانوں کے مصافحے کا ذکر ہے کہ جب وہ مصافحہ کرتے ہیں تو ان کی بخشش ہو جاتی ہے اور ان کے گناہ سوکھے درخت کے پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔ ان تمام روایات کے لئے ملاحظہ فرمائیں اس آیت کے ذیل میں تفسیر ابن کثیر۔

فائدہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ بیان القرآن میں لکھتے ہیں۔

”ظاہر ہے کہ اگر باہم اتفاق نہ ہو تو کوئی کام خصوصاً (یعنی خصوصاً) دین کی نصرت مل کر نہیں کر سکتے“ (بیان القرآن) دین کی نصرت میں سب سے اہم جہاد کا عمل ہے اور یہ آیت جہاد ہی کے بیان کے دوران آئی ہے پس اس سے یہ بات اچھی طرح سے سمجھی جاسکتی ہے کہ مجاہدین کے درمیان باہمی الفت و محبت کا ہونا کتنا ضروری ہے؟ مجاہدین کو اپنے قبیلہ، زبانیں اور خاندان بھلا کر اپنی جماعت کو ایک خاندان سمجھنا ہوگا اور باہمی الفت و محبت کی حفاظت کے لئے ہر طرح کی قربانی دینی ہوگی تب جا کر وہ اس قابل بنیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سپاہی اور اللہ تعالیٰ کے لشکر کے مجاہدین سکیں۔ اتفاق و الفت جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر ان کی قوت میں اضافہ ہوگا اور ان میں سے چند افراد پورے لشکر یا کافروں کے کسی پورے ملک کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی ہوں گے۔

باہمی الفت اور محبت تب پیدا ہوگی جب دل سے دنیا کی محبت اور اغراض نکل جائیں گی۔ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے۔ سب دنیا کی بجائے آخرت کو اپنا مقصود بنائیں گے اور اپنے امیر کی فرمانبرداری کریں گے۔..... مجاہدین کے لئے باہمی الفت بے حد ضروری ہے اور یہ آیت بتا رہی ہے کہ ”اللَّهُ يَرْزُقُ حَكِيمٌ“ ہی یہ الفت پیدا فرما سکتا ہے پس سب مجاہدین کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس نعمت کا سوال کریں کیونکہ اس میں کامیابی بھی ہے اور سکون بھی۔

اللهم الف بين قلوبنا واصلح ذات بيننا بحق لو انفقنا مافي الارض جميعاً ما الفت بين

☆☆☆

قلوبهم ولكن الله الف بينهم انه عزيز حكيم۔ آمین یا عزیز یا حکیم۔

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ ۝ آیت ۶۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

اے نبی! تجھے اور مومنوں کو جو تیرے تابعدار ہیں اللہ تعالیٰ کافی ہے

خلاصہ

آپ ﷺ کی مدد کیلئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور آپ کی پیروی کرنے والے مسلمانوں کی مدد کیلئے بھی اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

آسان تفسیر

”اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اکثر سلف کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اے پیغمبر! خدا تجھ کو اور تیرے ساتھیوں کو کافی ہے۔ یعنی قلت عدد اور بے سروسامانی وغیرہ سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ اور بعض علماء نے یہ معنی لئے ہیں کہ اے پیغمبر! تجھ کو فی الحقیقت اکیلا خدا کافی ہے اور ظاہر اسباب کے اعتبار سے مخلص مسلمانوں کی جماعت خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو کافی ہے۔ پہلے جو فرمایا آتَكَ يَنْصُرُهُ وَيَا الْمُؤْمِنِينَ گویا یہ اسی کا خلاصہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

کلام برکت

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آ کر مسلمان شمار کروائے مرد مقابل جنگ چھ سو ہوئے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) بہت خوش ہوئے کہ اب ہم کو کس کافر کا ڈر ہے؟ بعد اس کے یہ آیت اتری۔ (موضح القرآن)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ اے نبی آپ کے لئے اللہ تعالیٰ اور آپ کے متبع ایمان والے کافی ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی اسی مطلب کو اختیار کیا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:

قِيلَ الْمَعْنَى حَسْبُكَ اللَّهُ وَحَسْبُكَ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ وَقِيلَ الْمَعْنَى كَافِيكَ اللَّهُ وَكَافِيكَ مَنْ اتَّبَعَكَ، قَالَ الشَّعْبِيُّ وَابْنُ زَيْدٍ وَالْأَوَّلُ عَنِ الْحَسَنِ وَاخْتَارَهُ النَّحَّاسُ وَغَيْرُهُ. (القرطبي)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

”اور جب اللہ تعالیٰ کا اپنی غیبی امداد اور مومنین (کے ذریعہ) سے آپ کی نصرت فرمانا معلوم ہو گیا تو اسے نبی! اس سے ثابت ہو گیا کہ آپ کیلئے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور جن مومنین نے آپ کا اتباع کیا ہے ظاہر اُوہ کافی ہیں۔ (بیان القرآن)

مفسرین کی عبارات پر غور کرنے سے دونوں ترجمے درست معلوم ہوتے ہیں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کا دوسرے ترجمے کو بالکل غلط قرار دینا محض نظر ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

شان نزول

وقال الكلبي: نزلت الآية بالبيداء في غزوة بدر قبل القتال. (القرطبي)
 کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت غزوہ بدر کے موقع پر جنگ سے پہلے مقام ”بیداء“ پر نازل ہوئی۔
 بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت مکی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر یہ مدنی سورۃ میں شامل کی گئی ہے اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں کی تعداد ۳۹ تھی ۳۳ مرد اور ۶ عورتیں اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس قول کو رد کیا ہے۔
 مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں تفسیر قرطبی، البحر المحیط، المدارک وغیرہ۔

عجیب ربط

امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کا ماقبل سے مستقل ربط بیان فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں:
 اعلم انه تعالى لما وعده بالنصر عند مخادعة الأعداء وعده بالنصر والظفر في هذه الآية مطلقا على جميع التقديرات. (التفسير الكبير)
 یعنی پچھلی آیت میں یہ وعدہ تھا کہ اگر دشمنوں نے صلح کے نام پر دھوکا دیا تو اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت فرمائے گا اور اس آیت میں یہ وعدہ ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت فرمائے گا اور آپ کو غلبہ دے گا۔ (دشمنوں کی طرف سے دھوکا ہو یا نہ ہو) پس دونوں آیتوں میں تکرار نہیں ہے۔

اللہ والی جماعت کے لئے اللہ تعالیٰ کافی

حضرت لاہوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اللہ والی جماعت کو اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے (کفار کی مخالفت کی پروا نہ کیجئے) (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

نکتہ

اس سورۃ میں بار بار سمجھایا گیا ہے کہ فتح اور غلبہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ملتا ہے زیادہ تعداد اور سامان سے نہیں۔ اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کو ساتھ لینے کا ایک واضح طریقہ بتا دیا گیا کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کی مکمل نصرت اس کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور ان مسلمانوں کے ساتھ ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع اور پیروی کرتے ہیں۔ پس اے مسلمانو! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع اور پیروی اختیار کرو اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو اختیار کرو تب دنیا بھر کے کفر کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے لئے کافی

ہو جائے گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بشارت

اس آیت سے یہ بشارت بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ مسلمان جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں گے تو ان کی فتح یقینی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی پوری اور کافی نصرت ان کے ساتھ ہوگی۔

اللهم ارزقنا اتباع حبيبك محمد صلى الله عليه وسلم. آمين يا رب العلمين.

فائدہ

جہاد کا مبارک عمل زندہ کئے بغیر اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ مکمل نہیں ہو سکتا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس جہاد کیا اور اپنے رفقاء کو جہاد کی ترغیب دی اور اپنی امت کے لئے جہاد کا عمل جاری فرمایا۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُهَا ۲۵۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ

اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر تم میں

عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ

میں آدی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سو ہوں گے

يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۚ لَنْ

تو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے اس لیے کہ وہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے۔ اب

خَفَقَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ

اللہ تعالیٰ نے تم سے بوجھ ہٹا کر دیا اور معلوم کر لیا کہ تم میں کسی قدر کمزوری ہے پس اگر تم میں

مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا

سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر ہزار ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے

أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝۲۶

دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

خلاصہ

★ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کو قتال فی سبیل اللہ پر خوب ابھاریں۔

★ جہاد میں مسلمان اپنے سے دس گنا کافروں پر غالب رہیں گے۔ یہ بشارت بھی ہے اور حکم بھی کہ اپنے سے دس گنا لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اور پیٹھ نہ پھیریں۔ پھر اس حکم میں نرمی کر دی گئی جبکہ بشارت اب بھی باقی ہے۔ اور نرمی کے بعد حکم یہ ہے کہ مسلمان اپنے سے دو گنا لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔

★ مسلمانوں کو اس بات کی سمجھ ہے کہ جہاد کا کیا اجر و ثواب ہے جبکہ کافر تو اس بات کو نہیں سمجھتے کیونکہ وہ آخرت کے ثواب سے محروم ہیں۔ اس لئے وہ جنگ میں مسلمانوں سے کمزور رہتے ہیں کیونکہ جو دنیا کو مقصود بنا لیتا ہے وہ ہمت اور قوت کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتا۔ مسلمان اپنے اندر صفت صبر (ثابت قدمی اور دل کی مضبوطی) پیدا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت کو اپنے ساتھ پائیں گے۔

مضامین آیت

- ۱ آیت کا ماقبل سے ربط کیا ہے؟
- ۲ حَرِیْض (ابھاریے) کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟
- ۳ کافراس لئے شکست کھاتے ہیں کہ وہ لَا یَقْضُوْنَ نہیں سمجھتے۔ وہ کیا چیز نہیں سمجھتے؟
- ۴ آیت میں کونسا حکم بیان ہوا ہے؟
- ۵ کیا آیت (۶۶) نے آیت (۶۵) کو منسوخ کر دیا ہے؟
- ۶ صابر مسلمان کے لئے کتنی صفات کی ضرورت ہوتی ہے؟
- ۷ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا ایمان تو ہر آئے دن ترقی کر رہا تھا پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں کمزوری دیکھی تو حکم میں نرمی فرمادی؟

ربط

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

اوپر (یعنی پچھلی آیت میں) صلح کے متعلق مضمون تھا آگے قتال کے متعلق ایک قانون ہے نیز اوپر کفایت و نصرت الہیہ کا مضمون تھا (کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد کے لئے کافی ہے) آیت آئندہ میں بطور تفریع امر بالقتال ہے (کہ جب اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہارے ساتھ ہے تو اپنی کم تعداد کا عذر کر کے گھر نہ بیٹھے رہو بلکہ جہاد فی سبیل اللہ میں نکلو)۔ (بیان القرآن)

حرض کا معنی

ارشاد فرمایا کہ یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ

اے نبی آپ ایمان والوں کو قتال پر ابھاریے۔

یہاں دعوت دینے، ترغیب دینے یا مائل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ابھارنے کا حکم دیا۔ ملاحظہ فرمائیے حَرِّضِ کے لغوی معنی پر عبارتیں اور پھر چند نکتے:

- ۱ صاحب القاموس لکھتے ہیں:
- حرضه على الشيء: اكسانا، آماده کرنا، ابھارنا، مشتعل کرنا
- قرآن پاک میں ہے: یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ (القاموس الوحید، ص ۳۲۸)
- ۲ صاحب مصباح اللغات لکھتے ہیں:

حرضه على الامر: براہیجتہ کرنا۔ فلانا کسی کے بدن یا عقل کی خرابی کو دور کرنا۔ الحرض، بدن یا مذہب یا

عقل کی خرابی۔ الحرض قریب بہ ہلاکت۔ (مصباح اللغات ص، ۱۴۷)

۳ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ای حثہم وحضہم یقال حارض علی الأمر وواظب وواصب واکب بمعنی واحد، والعارض: الذی قد قارب الهلاک: ومنہ قوله عزوجل حتی تكون حرضاً (یوسف ۸۵) ای تذوب غما۔ (القرطبی)

۴ صاحب کشافؒ لکھتے ہیں:

التحریض المبالغة فی الحث علی الامر من الحرض وهو ان ینہک المرض یتبالغ فیہ حتی یشفی علی الموت أو أن تسمیہ حرضاً: وتقول له ما اراک الا حرضاً فی هذا الامر وممرضاً فیہ، لیہیجہ ویحک منه۔ (کشاف)

علامہ نسفی رحمہ اللہ نے المدا رک میں اس عبارت کا پہلا جملہ اختیار کیا ہے۔

۵ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والتحریض فی اللغة کا لتحضیض وهو الحث علی الشئ و ذکر الزجاج فی اشتقاقہ وجہاً آخر بعیداً فقال: التحریض فی اللغة ان یحث الانسان غیرہ علی شئ حتی یعلم منہ أنه ان تخلف عنہ کان حارضاً والعارض الذی قارب الهلاک اشار بہذا الی أن المومنین لو تخلفوا عن القتال بعد حث النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانوا حارضین ای ہالکین۔ (التفسیر الکبیر)

۶ علامہ آلوسی رحمہ اللہ امام زجاج رحمہ اللہ کے قول کی تائید کرتے ہوئے یہ ایمان افروز عبارت لاتے ہیں:

والحق معہ، ویؤیدہ ما قالہ الراغب من ان الحرض یقال لما أشرف علی الهلاک والتحریض الحث علی الشئ بکثرة التزیین وتسهيل الخطب فیہ کأنہ فی الاصل ازالة الحرض۔

المعنی ہنا یا ایہا النبی بالغ فی حث المومنین علی قتال الکفار۔ (روح المعانی)

ان تمام عبارتوں سے **حَرَضَ** کا معنی بالکل واضح ہو گیا اور مطلب یہ نکلا۔

۱ جہاد کی ترغیب کے لئے مسلمانوں کو خوب ابھارا جائے۔

۲ جہاد کی دعوت مسلسل دی جائے۔

۳ جہاد کی دعوت اس درد اور فکر سے دی جائے کہ اگر مسلمان جہاد نہیں کریں گے تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ مثلاً

کسی کا عزیز بیٹا بیمار ہے اور حکیم حازق نے بتایا ہے کہ اگر فلاں دواء اس نے نہ کھائی تو مر جائے گا یہ شخص اپنے بیٹے کو وہ

دوا کھلانے کے لئے کتنی محنت کرے گا اور کتنے جتن کرے گا پس اسی طرح امت مسلمہ کو قتال فی سبیل اللہ پر ابھارا جائے کیونکہ جہاد میں اس امت کی زندگی ہے۔

۲۰ **حَرْصٌ** کہتے ہیں سخت مہلک بیماری کو **حَرْصٌ** باب تفعیل سے سلب ماخذ کا خاصہ رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں میں حب دنیا اور بزدلی کی جو بیماری اور کمزوری پیدا ہو جاتی ہے آپ ایسی زبردست دعوت دیجئے کہ وہ کمزوری ان سے دور ہو جائے۔ یا مطلب یہ ہے کہ مسلمان جہاد چھوڑنے کی وجہ سے ہلاکت کے قریب ہو جاتے ہیں آپ انہیں قتال کی طرف بلا کر اس ہلاکت کو ان سے دور کر دیجئے۔

۵۱ جہاد کی دعوت آسان الفاظ اور ایسے دلکش انداز میں مزین کر کے دی جائے کہ سننے والوں کے قلوب دنیا سے آخرت کی طرف اور فنا سے بقاء کی طرف پھر جائیں۔

یہ پانچ باتیں حضرات مفسرین کی عبارات سے معلوم ہو گئیں، حضرات علماء کرام اور داعیان جہاد کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو اسی طرح ادا کریں جس طرح اسے ادا کرنے کا حکم ہے۔ نیز اس میں دو نکتے مزید ہیں:

۱ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد میں ابھارنے کے حکم کے ساتھ خود بھی قتال کرنے کا حکم دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضَ الْمُؤْمِنِينَ

اس آیت کی تشریح پہلے گزر چکی ہے اس سے یہ نکتہ سمجھا جاسکتا ہے کہ جہاد کی دعوت دینے والے اگر خود عملی مجاہد ہوں تو ان کی دعوت زیادہ مضبوط اور مؤثر ہوتی ہے اس لیے کہ جہاد ایک عملی عبادت ہے صرف علمی مسئلہ نہیں۔

۲ آیت میں **حَرِّضَ** کے ساتھ **قَاتِلْ** کا لفظ آیا ہے۔ **حَرِّضَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ** جہاد کا لفظ نہیں آیا۔ اس میں یہ نکتہ سمجھا جاسکتا ہے کہ جہاد میں بہت سے کام ہوتے ہیں حتیٰ کہ مجاہدین کی روٹیاں پکانا ان کا سامان اٹھانا، امیر کی تشکیل سے جو شخص جہاد کے جس کام میں بھی ہوگا اسے ان شاء اللہ پورا اجر ملے گا لیکن جہاں تک دعوت کا تعلق ہے تو مسلمانوں کو قتال کے عمل پر ابھارا جائے تاکہ پورے لشکر اور پوری جماعت میں لڑنے کا جذبہ پیدا ہو اور سب کی ہمت دشمن سے ٹکرانے کی ہو۔ پھر جب سب افراد جان دینے کے جذبے سے سرشار ہوں گے تو ان میں سے جس کو جو کام سپرد کیا جائے گا وہ اسے اچھی طرح سے نمٹائے گا۔ الغرض ہر مسلمان میں لڑنے اور جان دینے کا جذبہ

ضروری ہے اور اسی جذبے کو ابھارنے کا نام ہے **تحريض على القتال**۔ واللہ اعلم بالصواب

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے **تحريض على القتال** کی ایک مثال ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

ولهذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحرض على القتال، عند صفهم ومواجهة العدو كما قال لأصحابه يوم بدر حين أقبل المشركون في عددهم وعددهم قوموا إلى الجنة عرضها السموات والأرض فقال عمير بن الحمام: عرضها السموات والأرض؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم "نعم" فقال: بخ بخ الخ

یعنی اسی حکم کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کو قتال پر ابھارتے تھے خصوصاً جب دشمن کے مد مقابل صف بندی ہو جاتی۔ جیسا کہ غزوہ بدر کے دن جب مشرکین اپنی افرادی قوت اور جنگی تیاری کے ساتھ سامنے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا: چلو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان وزمین (سے بڑھ کر) ہے یہ سن کر حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آسمان وزمین جتنی چوڑی جنت؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اس پر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ (خوشی سے) کہنے لگے بخ بخ (یعنی واہ واہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کس بات نے تمہیں بخ بخ کہنے پر آمادہ کیا؟ وہ کہنے لگے: اس امید نے کہ میں بھی اس جنت والوں میں سے بن جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس جنت والوں میں سے ہو۔ پھر حضرت عمیر آگے بڑھے انہوں نے تلوار کا نیام توڑ ڈالا اور کچھ کھجوریں نکال کر کھانے لگے پھر باقی کھجوریں پھینک دیں اور فرمایا کہ اگر میں ان سب کو کھانے کی دیر زندہ رہا تو یہ بہت لمبی (اور مشکل) زندگی ہوگی پھر آگے بڑھ کر لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہاں تک آیت کے سات مضامین میں سے دو مضامین بجز اللہ آگئے باقی کے پانچ مضامین کو سمجھنے کیلئے پہلے چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیں، ان عبارتوں میں ان مضامین کی طرف اشارے موجود ہیں جبکہ آخر میں بطور خلاصہ بھی ان پانچ مضامین کو ان شاء اللہ بیان کیا جائے گا۔

تقریر عثمانیؓ

یہ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی کہ تھوڑے بھی ہوں توجی نہ چھوڑیں (یعنی دل نہ ہاریں) خدا کی رحمت سے دس گنا دشمنوں پر غالب آئیں گے۔ سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کی لڑائی محض خدا کے لئے ہے وہ خدا کو اور اس کی مرضی کو پہچان کر اور یہ سمجھ کر میدان جنگ میں قدم رکھتا ہے کہ خدا کے راستہ میں مرنا اصلی زندگی ہے اس کو یقین ہے کہ میری تمام قربانیوں کا ثمرہ آخرت میں ضرور ملنے والا ہے خواہ میں غالب ہوں یا مغلوب۔ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جو تکلیف میں اٹھاتا ہوں وہ فی الحقیقت مجھ کو دائمی خوشی اور ابدی مسرت سے ہمکنار کرنے والی ہے۔ مسلمان جب یہ سمجھ کر جنگ کرتا ہے تو تائید ایزدی (یعنی اللہ تعالیٰ کی نصرت) مددگار ہوتی ہے اور موت سے وحشت نہیں رہتی۔ اسی لیے پوری دلیری اور بے جگری سے لڑتا ہے۔ کافر چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا اس لیے محض حقیر اور فانی اغراض کے لئے

بہائم (یعنی جانوروں) کی طرح لڑتا ہے اور قوت قلبی اور امداد غیبی سے محروم رہتا ہے۔ بناءً علیہ خبر اور بشارت کے رنگ میں حکم دیا گیا کہ مومنین کو اپنے سے دس گنا دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی سے لڑنا چاہئے۔ اگر مسلمان بیس ہوں تو دوسو کے مقابلہ سے نہ ہئیں اور سو ہوں تو ہزار کو پیچھے نہ دکھائیں۔

منشیہ

۲۰ اور ۴۰ عدد مثلاً اس لیے بیان فرمائے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کے لحاظ سے ”سریہ“ میں کم از کم بیس اور ”جیش“ میں ایک سو سپاہی ہوتے ہوں گے۔ اگلی آیت مدت کے بعد اتری اس وقت مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی اس لیے سریہ کم از کم سو کا اور جیش ایک ہزار کا ہو گا دونوں آیتوں میں بیان نسبت کے وقت اعداد کا تفاوت (یعنی فرق) ظاہر کرتا ہے کہ اگلی آیت کے نزول کے وقت مسلمانوں کی مردم شماری بڑھ گئی تھی۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ گذشتہ آیت جس میں مسلمانوں کو دس گنا کافروں کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنے کا حکم تھا جب لوگوں کو بھاری معلوم ہوئی تو اس کے بعد یہ آیت اتری۔ **اَلَمْ تَكُنْ حَقَّقْتَ اللّٰهَ.....** الخ یعنی خدا نے تمہاری ایک قسم کی کمزوری اور سستی کو دیکھ کر پہلا حکم اٹھالیا اب صرف اپنے سے دو گنی تعداد کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری اور بھانگنا حرام ہے یہ کمزوری یا سستی جس کی وجہ سے حکم میں تخفیف (یعنی نرمی) ہوئی کئی وجوہ سے ہو سکتی ہے۔ ابتدائے ہجرت میں گئے چنے مسلمان تھے جن کی قوت و جلالت معلوم تھی، کچھ مدت کے بعد ان میں سے کئی افراد بوڑھے اور کمزور ہو گئے اور جوئی پود آئی ان میں پرانے مہاجرین و انصار جیسی بصیرت، استقامت اور تسلیم و تقویٰ نہ تھی اور تعداد بڑھ جانے سے کسی درجہ میں اپنی کثرت پر نظر اور ”توکل علی اللہ“ میں قدرے کمی ہوئی ہوگی اور ویسے بھی طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جو سخت کام تھوڑے آدمیوں پر پڑ جائے تو کرنے والوں میں جوش عمل زیادہ ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے لیکن وہی کام جب بڑے مجمع پر ڈال دیا جائے تو ہر ایک دوسرے کا منتظر رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ آخر کچھ میں ہی تنہا تو اس کا ذمہ دار نہیں۔ اسی قدر جوش، جرأت اور ہمت میں کمی ہو جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اول کے مسلمان یقین میں کامل تھے ان پر حکم ہوا تھا کہ اپنے سے دس گنا کافروں پر جہاد کریں۔ پچھلے مسلمان ایک قدم کم تھے تب یہی حکم ہوا کہ دو گنوں پر جہاد کریں۔ یہی حکم اب بھی باقی ہے لیکن اگر دو سے زیادہ پر حملہ کریں تو بڑا اجر ہے۔ حضرت کے وقت میں ہزار مسلمان اسی ہزار سے لڑے ہیں غزوہ موتہ میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ اس طرح کے واقعات سے اسلام کی تاریخ مجید اللہ بھری پڑی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تقریر احمدی

فوجی بھرتی جاری رہے تاکہ فوجی قوت میں ضعف اور کمی نہ آنے پائے۔ ابتدائے اسلام میں اپنے سے دس گنا لشکر کے ساتھ مقابلہ لازمی تھا۔ بعد کو دگنے لشکر کا مقابلہ لازمی قرار دیا گیا۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

تقریر خواجہ

دشمن بہت کثرت سے ہیں اور ہر وقت آمادہ جنگ و پیکار، ادھر مسلمانوں کو بھی دنیا میں رہنا ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ ان کے مخالف کس قدر اور کہاں کہاں آباد ہیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رکھیں۔

جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و ہم نشینی سے تیار ہوئے ہیں ان میں سے بیس مقاصد حیات پر مٹنے والے دو سو کافروں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوں گے اور اگر سو ہوں گے تو ایک ہزار پر غالب آجائیں گے اور اگر باب ایمان کیوں نہ ان ہزاروں کافروں پر غالب و قاہر ہوں گے جو عقل و دانائی سے بے بہرہ، وحدت مقصد سے ناواقف اور اعتماد و توکل علی اللہ سے محروم ہیں، انہیں اجتماعی نشو و ارتقاء سے کوئی تعلق نہیں، وہ صرف انفرادی ترقی کے خواہاں ہیں اور اس لیے ذاتی خواہشات پر ملک و ملت کے فوائد کو قربان کر دیتے ہیں، جو شخص صدمہ معبودان باطل سے خوف زدہ ہو، وہ اس نفس قدسی کا کیسے مقابلہ کر سکتا ہے جس کے دل میں صرف ایک اللہ ہی کا خوف ہو، ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے جس درجہ جانناز اور فداکار سپاہی تیار ہوں گے ویسے بعد کو عام طور پر نہ ہوں گے اس لیے آپ کے زمانہ حیات میں مجاہدین و انصار کے یہی شایان شان تھا کہ ایک مسلمان دس کافروں کا مقابلہ کرے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ضعف و ضحلال کو دیکھ کر اس قانون میں رعایت کر دی کہ لازمی طور پر ایک مسلمان دو کافروں کا مقابلہ کرے، حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے قرآن حکیم کی جن پانچ آیات کو منسوخ تسلیم کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے لیکن اس کو منسوخ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ اب بھی اگر کوئی مسلمان دو سے زیادہ کفار کا مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتا ہو تو اس کو شریعت منع نہ کرے گی۔ (تفسیر الفرقان)

ان عبارتوں کے بعد ملاحظہ فرمائیں باقی ماندہ چھ مضامین آیت:

کافروں کے کمزور ہونے کی وجہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتْلُوا صُورًا وَلَا يَفْقَهُونَ (تھوڑے مسلمان زیادہ کافروں پر اس لئے غالب ہوں گے کیونکہ) وہ کافر ایسے لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے۔

قرآن پاک کے اس بلیغ جملے کا معنی سمجھنے کے لئے حضرات مفسرین کے چند اقوال ملاحظہ فرمائیں:

① ذلک بانکم تفقہون ماتقاتلون علیہ وهو الثواب وهم لایعلمون ما یقاتلون علیہ۔

(القرطبی)

یعنی اے مسلمانو! تم اس چیز کو سمجھتے ہو جس کی خاطر تم جہاد کرتے ہو یعنی آخرت کا ثواب اور وہ اس چیز کو نہیں جانتے۔

(یقینی بات ہے کہ ایک شخص کے سامنے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی حسین جنت مسکراہی ہو اور دوسرا اندھیرے کی طرف بڑھ رہا ہو تو دونوں کی ہمت اور قوت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔)

۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یعنی (وہ کافر) یقین نہیں رکھتے اللہ پر اور ثواب پر۔ اور جس کو یقین ہے وہ موت پر دلیر ہے۔ (موضح القرآن) پس مسلمان موت پر دلیر ہے وہ موت کے پیچھے بھاگتا ہے جبکہ کافر موت سے ڈرتا ہے تو موت اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔

۳ بسبب أن الكفار قوم جهلة يقاتلون غير احتساب وطلب ثواب كالبهائم فيقل ثباتهم ويعدمون لجهلهم بالله نصرته بخلاف من يقاتل على بصيرة وهو يرجو النصر من الله. (المدارك)

کفار جاہل قوم ہیں وہ اجر و ثواب کے لئے نہیں لڑتے ان کی لڑائی جانوروں کی طرح بے مقصد ہے پس ان کی ثابت قدمی کمزور ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو نہ پہچاننے کی وجہ سے وہ نصرت الہی سے بھی محروم رہتے ہیں۔ جب کہ مسلمان بصیرت کے ساتھ جنگ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کا امیدوار ہوتا ہے (پس وہ ثابت قدمی سے لڑتا ہے) یہ تینوں اقوال ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اب ملاحظہ فرمائیے امام رازی رحمہ اللہ کی تحقیق کا خلاصہ:

۴ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ رکھتا ہو اور آخرت کو نہ مانتا ہو اس کے نزدیک دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ پس وہ اس زندگی کو بچانے کی فکر میں ہوتا ہے۔ جب کہ وہ شخص جو یقین رکھتا ہو کہ اصل سعادت اور کامیابی آخرت ہی میں مل سکتی ہے اور دنیا میں زندہ رہنا کوئی سعادت کی بات نہیں وہ دنیا کی زندگی کی پرواہ ہی نہیں کرتا۔ اس لئے وہ پوری قوت اور سچے جذبے کے ساتھ لڑتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جان بچانے کی فکر رکھنے والے کئی افراد مل کر بھی اس اکیلے شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ (تفسیر کبیر)

۵ کفارنا سمجھ ہیں وہ اپنی طاقت اور قوت پر بھروسہ رکھتے ہیں جب کہ مسلمان دعاء اور عاجزی کے ذریعہ اپنے رب سے مدد مانگتے ہیں۔ ظاہر بات ہے نصرت اور کامیابی کے وہ زیادہ مستحق ہوتے ہیں (کیونکہ کامیابی طاقت سے نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملتی ہے) (تفسیر کبیر)

۶ مسلمانوں کو ایک خاص قسم کا نور اور رعب نصیب ہوتا ہے جب کہ کافر اس نور اور رعب سے محروم ہوتے ہیں۔ بے شک جو مسلمان جہاد کے لئے نکلتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے جان و مال کی قربانی پیش کرتا ہے تو گویا کہ وہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے نور جلال کو دیکھنے والا ہوتا ہے پس اس کا دل مضبوط ہو جاتا ہے اور اس کی روح مکمل ہو جاتی ہے اور اسے دوسروں سے منفرد قوت و قدرت نصیب ہو جاتی ہے جبکہ کافرنا سمجھ کا دل علم و معرفت اور اس نور کے مشاہدہ سے خالی ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

آیت مبارکہ کا حکم

پہلے حکم تھا کہ مسلمان اپنے سے دس گنا لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اب یہ حکم ہے کہ دو گنا لشکر کے مقابلے میں ڈٹے رہنا ضروری ہے امام ابو بکر بھصا رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وکان الفرض فی اول الاسلام علی الواحد قتال العشرة من الکفار لصحة بصائر المومنین فی ذلك الوقت وصدق یقینهم، ثم لما اسلم قوم آخرون خالطهم من لم یکن لهم بصائر هم ونیا تم خفف عن الجميع واجراهم مجری واحداً ففرض علی الواحد مقاومة الاثنين۔ (احکام القرآن)

یعنی کمزوری والے حکم کو سب پر فرض قرار دے دیا گیا لیکن مضبوط ایمان والوں کے لئے بشارت اب بھی باقی ہے کہ وہ اگر ہمت کر کے اپنے سے دس گنا یا زیادہ کے مقابلے میں ڈٹ جائیں گے تو انہیں ان شاء اللہ غلبہ نصیب ہوگا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثم نسخ هذا الامر وبقيت البشارة۔

یعنی حکم تو منسوخ ہو گیا مگر بشارت اب بھی باقی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لیکن اگر دو سے زیادہ پر حملہ کریں تو بڑا اجر ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہزار مسلمان اسی ہزار سے لڑے ہیں۔ (موضح القرآن)

کیا آیت ۶۵ کا حکم منسوخ ہے؟

یہ بات تو طے ہے کہ حکم میں تخفیف ہوئی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اس بارے میں بالکل واضح ہے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ روایت کئی طرق سے بیان کی ہے عن عكرمة عن ابن عباس قال: لما نزلت إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَبِرُوا وَيَعْلَبُوا مَا تَتَيْنَ شَقِ ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ حَتَّى فَرَضَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ أَنْ لَا يَفِرُوا وَاحِدٌ مِنْ عَشْرَةٍ ثُمَّ جَاءَ التَّخْفِيفُ فَقَالَ أَلَا نَخَفُّ اللَّهُ عَنْكُمْ۔ (تفسیر ابن کثیر)

اب بعض مفسرین کی رائے ہے کہ پہلی آیت کے حکم کو منسوخ مانا جائے گا جب کہ دیگر مفسرین حضرات نے منسوخ ماننے سے انکار کیا ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ اور بھصا رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر بہت عمدہ علمی بحث فرمائی ہے شائقین وہاں ملاحظہ فرمائیں ویسے آیت (۶۵) کو منسوخ نہ ماننا کئی وجوہ سے بہتر ہے کیونکہ اس میں تخفیف شدہ حکم کے علاوہ بھی کئی احکامات ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

صابر مسلمان

صبر کے معنی تو بہت وسیع ہیں، صبر ایک صفت کا نام ہے جس کا خلاصہ ”ضبط النفس“ یعنی اپنے نفس پر قابو پانا ہے جب کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے جڑے رہنا، حق پر اور نیک اعمال پر ڈٹے رہنا، گناہوں سے بچنا، مصیبتوں کے وقت ثابت قدم رہنا۔ یہ سب کچھ صبر کے مفہوم میں شامل ہے۔ اور جب اپنے سے کئی گنا دشمنوں سے مقابلہ ہو تو امام رازی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق مسلمان میں مزید یہ صفات صبر بھی ہونی چاہیں۔

۱ ان یکون شدید الاعضاء قویا جلدًا

یعنی مضبوط جسم والا، طاقتور اور توانا ہو۔

۲ ان یکون قوی القلب شجاعاً غیر جبان۔

یعنی مضبوط دل والا بہادر ہو بزدل نہ ہو۔

۳ ان یکون غیر منحرف الالقتال او متحیزا الی فتنہ

جنگ میں سوائے جنگی ضرورت اور حکمت کے پیٹھ پھیرنے والا نہ ہو۔ (تفسیر کبیر)

کمزوری کا کیا مطلب ہے

ارشاد فرمایا کہ **وَ عَلَّمَ آتٍ فِیْكُمْ ضَعْفًا** کہ اب اللہ تعالیٰ نے تم میں کمزوری دیکھی ہے (اس لئے حکم میں تخفیف کی جارہی ہے) سوال یہ اٹھتا ہے کہ صحابہ کرام تو ہر آئے دن ایمان میں ترقی فرما رہے تھے تو اس کمزوری کے پیدا ہونے کا کیا مطلب ہے؟ پچھلی عبارات میں اس کے کئی جوابات آچکے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اور ضعف (یعنی کمزوری) کی وجہ احقر کے نزدیک یہ ہے کہ یہ قائدہ طبعی ہے کہ جب کام کرنے والے کم ہوں اور کام ضروری سمجھا جاتا ہے تو اس وقت ہمت زیادہ ہوتی ہے ہر شخص جانتا ہے کہ میرے ہی کرنے سے ہوگا اور جب کام کرنے والے بڑھ جاتے ہیں تو ہر شخص کو خیال ہوتا ہے کہ کیا مجھ ہی پر منحصر ہے اور بھی تو کام کرنے والے ہیں، سب مل کر کیوں نہیں کرتے اس لئے جوش اور گرمی میں کمی ہو جاتی ہے پس اس لئے ابتداء اسلام میں مثلاً بدر میں ہمت کی اور حالت تھی جب ماشاء اللہ مردم شماری بڑھی تو طبیعت اور ہمت کا رنگ بدل گیا چنانچہ ”درمنثور“ میں بعض سلف سے اس پہلے حکم کا دربارہ بدر کے ہونا اور دوسرے حکم کا بعد کے لئے ہونا منقول ہے اور یہ ایک امر طبعی ہے۔ پس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ ان کے ملکات باطنہ روز آ نہ رو بہ ترقی تھے اور اس سے انحطاط کا شبہ ہوتا ہے۔ (بیان القرآن)

جہاد کو جاری رکھنے کا ذریعہ

جہاد قیامت تک جاری رہے گا کیونکہ اسلام کی بقاء کے لئے جہاد ضروری ہے۔ چنانچہ جہاد کے عمل کو جاری رکھنے کا

نسخہ اس آیت مبارکہ میں سمجھا دیا گیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایمان والوں کو قتال پر ابھاریے۔ یعنی جہاد کو قائم رکھنے کے لئے جہاد کی بھرپور اور مضبوط دعوت دی جائے۔ جب جہاد کی دعوت مضبوط ہوگی تو اس کے نتیجے میں مضبوط جہاد وجود میں آئے گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر بھی دیگر احکامات کی طرح پورا عمل فرمایا اور بہت مضبوطی اور سختی کے ساتھ جہاد کی دعوت دی۔ حدیث شریف کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھ لی جائے دعوت جہاد پر سینکڑوں احادیث موجود ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے ایسے فضائل بیان فرمائے کہ ان فضائل کو پڑھتے ہی انسان اپنے اندر ایک خاص حرارت، قوت، زندگی اور جذبہ محسوس کرتا ہے اور اس کی روح عالم آخرت کی طرف مچلنے لگتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر قرآن پاک کے بتائے ہوئے طریقے پر جہاد کی دعوت دی جائے تو کوئی سچا مسلمان اس مبارک عمل سے محروم نہیں رہتا۔ اسی لئے دشمنان اسلام نے دعوت جہاد کے اس سلسلے پر ایسا وار کیا کہ لفظ ”جہاد“ ہی کو مشکوک بنادیا۔ چنانچہ جب جہاد کی خالص دعوت ماند پڑ گئی تو جہاد بھی کمزور ہوا۔ اور جب جہاد کمزور ہوا تو مسلمان دنیا بھر میں مغلوب ہوتے چلے گئے۔ اس وقت اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث حضرات علماء کرام حَرِّضَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ کے حکم کو زندہ کریں اور مسلمانوں کو قتال پر ابھاریں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے دعوت جہاد کی دونوں آیتوں میں لفظ الجہاد کی جگہ أَلْقَتَالِ ارشاد فرمایا۔ اب الحمد للہ أَلْقَتَالِ میں تو کوئی تاویل نہیں ہو سکتی اس کا معنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑنا ہے۔ اور اسی عمل پر ابھارنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قتال حکومتوں کا کام ہے اس لئے ہم نہیں ابھارتے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابھارنے کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا اور فرمایا کہ آپ ایمان والوں کو ابھاریں۔ حضرات علماء کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں۔ اور حکمرانوں کی بددینی اور غفلت کے باوجود جمعہ اور جماعت کا اہتمام کراتے ہیں۔

پس اسی طرح وہ فریضہ جہاد کو بھی معطل نہ ہونے دیں اور اس کی دعوت کو عام کریں۔ جب ہر مسجد اور ہر گلی میں قتال فی سبیل اللہ کی بھرپور دعوت ہوگی تو مسلمانوں میں بیداری پیدا ہوگی اور کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بیداری کی برکت سے ایسے حکمران بھی مسلمانوں کو نصیب فرمادے جو اپنی شرعی ذمہ داری کو سمجھیں اور جہاد کے لازمی عمل کو جاری کریں۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ الْاَنْفَالِ الْمَكِّيَّةُ آیت ۶۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ

نبی کو نہیں چاہئے کہ اپنے ہاں قیدیوں کو رکھے یہاں تک کہ ملک میں خوب خونریزی کر لے

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ

تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ غالب

حَكِيمٌ

حکمت والا ہے

خلاصہ

بدر میں مشرکین کو خوب قتل کرنا چاہیے تھا۔ قیدیوں کو فدیہ لے کر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔ فدیہ کے مال کی جگہ آخرت کے ثواب پر نظر رکھنی چاہیے تھی یہ ثواب مشرکین کے قتل سے زیادہ نصیب ہوتا۔ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے وہ فدیہ کے بغیر بھی تم کو مالدار کر دیتا کافروں پر غلبہ اور فتوحات دے کر۔

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

بدر کی لڑائی میں ستر کافر پکڑے آئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ پوچھا کہ ان کو کیا کریں۔ اکثر مسلمانوں کی مرضی ہوئی کہ مال (یعنی فدیہ) لے کر چھوڑ دیں اور بعضوں کی مرضی ہوئی کہ سب کو قتل کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی یہی مشورت تھی آخر مال لے کر چھوڑ دیا۔ یہ آیت اتری عتاب کی۔ یعنی نبیوں کو جہاد سے مال سمیٹنا منظور نہیں بلکہ کافروں کی ضد (یعنی قوت اور شوکت) توڑنی (مطلوب ہے) وہ بات (یعنی کافروں کی قوت کا ٹوٹنا) اسی میں ہے کہ قتل کرے تا (کہ) اس کے خوف۔ سے کفر کی ضد چھوڑیں۔ (موضح القرآن)

جامع تفسیر

”بدر کی لڑائی سے ستر کافر مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہو کر آئے حق تعالیٰ نے ان کے متعلق دو صورتیں مسلمانوں کے سامنے پیش کیں، (۱) قتل کر دینا، (۲) یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا، اس شرط پر کہ آئندہ سال اسی تعداد میں تمہارے آدمی قتل کئے جائیں گے۔ حقیقت میں خدا کی طرف سے ان دو صورتوں کا انتخاب کے لئے پیش کرنا، امتحان و آزمائش کے

طریقہ پر تھا کہ ظاہر ہو جائے کہ مسلمان اپنی رائے اور طبیعت سے کس طرف جھکتے ہیں۔ جیسے ازواجِ مطہرات کو د صورتوں میں تنخیر دی گئی تھی، اِنْ كُنْتُمْ تُرِيدُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَذَيِّتَهَا فَتَعَالَيْنَ الْاٰیة۔ (الاحزاب ۲۸)

یامعراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عمرو بن (دودھ اور شراب) کے دو برتن پیش کئے گئے تھے آپ نے دودھ کو اختیار فرمایا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اگر بالفرض آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپ کی امت بہک جاتی۔ بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے اس معاملہ میں رائے طلب کی۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ سب قیدی اپنے خویش و اقارب اور بھائی بند ہیں۔ بہتر ہے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اس نرم سلوک اور احسان کے بعد ممکن ہے کہ کچھ لوگ مسلمان ہو کر وہ خود اور ان کی اولاد و اتباع ہمارے دست و بازو بنیں اور جو مال بالفعل (یعنی ابھی) ہاتھ آئے اس سے جہاد وغیرہ دینی کاموں میں سہارا لگے۔

باقی آئندہ سال ہمارے ستر آدمی شہید ہو جائیں تو مضاقت نہیں درجہ شہادت ملے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان بھی فطری رحمہ لی اور شفقت و صلہ رحمی کی بنا پر اسی رائے کی طرف تھا بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی عام رائے اسی جانب تھی بہت سے تو ان ہی وجوہ کی بنا پر جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائیں اور بعض محض مالی فائدہ کو دیکھتے ہوئے اس رائے سے متفق تھے (کم ایظہر من قوله تعالیٰ تریدون عرض الدنيا صرح به الحافظ ابن حجر وابن القيم رحمہما اللہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ قیدی کفر کے امام اور مشرکین کے سردار ہیں، ان کو ختم کر دیا جائے تو کفر و شرک کا سرٹوٹ جائے گا، تمام مشرکین پر ہیبت طاری ہو جائے گی۔ آئندہ مسلمانوں کو ستانے اور خدا کے راستہ سے روکنے کا حوصلہ نہ رہے گا اور خدا کے آگے مشرکین سے ہماری انتہائی نفرت و بغض اور کامل بیزاری کا اظہار ہو جائے گا کہ ہم نے خدا کے معاملہ میں اپنی قرابتوں اور مالی فوائد کی کچھ پروا نہیں کی۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان قیدیوں میں جو کوئی ہم میں سے کسی کا عزیز و قریب ہو وہ اسے اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ الغرض بحث و تمحیص کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل ہوا، کیونکہ کثرتِ رائے اُدھر تھی اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طبعی رافت (یعنی نرم دلی) و رحمت کی بنا پر اسی طرف مائل تھے۔ اور ویسے بھی اخلاقی اور کلی حیثیت سے عام حالات میں وہی رائے قرین صواب معلوم ہوتی ہے، لیکن اسلام اس وقت جن حالات سے گذر رہا تھا۔ ان پر نظر کرتے ہوئے وقتی مصالح کا تقاضا یہ تھا کہ کفار کے مقابلہ میں سخت کمر شکن کاروائی کی جائے۔ تیرہ سال کے ستم کشوں (یعنی مظلوموں) کو طاغوت کے پرستاروں پر یہ ثابت کر دینے کا پہلا موقع ملا تھا کہ تمہارے تعلقاتِ قرابت، اموال، جتھے اور طاقتیں اب کوئی چیز تم کو خدا کی شمشیر انتقام سے پناہ نہیں دے سکتی۔ ابتداً ایک مرتبہ ظالم مشرکین پر رعب و ہیبت بٹھلا دینے کے بعد نرم خوئی اور صلہ رحمی کے استعمال کے لئے آئندہ بہتر سے

مواقع باقی رہتے تھے۔ ادھر ستر (۷۰) مسلمانوں کے آئندہ قتل پر راضی ہو جانا معمولی بات نہ تھی۔ اسی لئے اس رائے کو اختیار فرمانا وقتی مصالح اور ہنگامی حیثیت سے حق تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ نہ ہوا۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُفْخِنَ فِي الْأَرْضِ میں اسی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ ایک سخت خطرناک اجتہادی غلطی قرار دی گئی۔ اور جن بعض لوگوں نے زیادہ تر مالی فوائد پر نظر کر کے اس سے اتفاق کیا تھا ان کو صاف طور پر ”تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا“ سے خطاب کیا گیا یعنی تم دنیا کے فانی اسباب پر نظر کر رہے ہو، حالانکہ مومن کی نظر انجام پر ہونی چاہئے خدا کی حکمت مقتضی ہو تو وہ تمہارا کام اپنے زور قدرت سے ظاہری سامان کے بدون بھی کر سکتا ہے، بہر حال فدیہ لے کر چھوڑ دینا اس وقت کے حالات کے اعتبار سے بڑی بھاری (اجتہادی) غلطی قرار دی گئی اتنا یاد رکھنا چاہئے کہ روایات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ محض صلہ رحمی اور رحمت کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان اس رائے کی طرف تھا۔ (الغرض) ”بَغْضَ فِی اللّٰہِ“ میں کوتاہی کرنا اور اصل مقصد ”جہاد“ سے غفلت برتنا اور ستر مسلمانوں کے قتل کئے جانے پر اپنے اختیار سے رضا مند ہو جانا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جیسے مقربین کی شان عالی اور منصب جلیل کے منافی سمجھا گیا۔ اسی لئے ان آیات میں سخت عتاب آمیز لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تنبیہ

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اللہ تعالیٰ کے بہت مقرب اور پیارے بندے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کے موقع پر ان کی بہت اونچی نصرت فرمائی اور انہیں شاندار فتح عطا فرمائی۔ اس شکرانے کے طور پر وہ مزید مشرکوں کو قتل کر کے اللہ تعالیٰ کو اور زیادہ خوش کرتے اور اپنی آخرت کے لئے مزید اجر بناتے مگر مشورے میں یہ ہی طے ہو گیا کہ قیدیوں کو چھوڑنا چاہیے اور فدیہ لے لینا چاہیے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اللہ تعالیٰ کے پیارے تھے اس لئے ان کو ڈانٹا گیا، سمجھایا گیا اور معاف کر کے فرمایا گیا جو مال لیا ہے اسے مزے سے کھاؤ یہ تمہارے لئے حلال اور پاکیزہ ہے۔ یہ ہے حضرات صحابہ کرام کی شان۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاهم اجمعین۔

نکتہ

آیت بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوب خوریزی فرماتے۔ ان مشرکوں اور ظالموں کی جو حق کے خلاف جنگ کر رہے تھے۔

حَتَّىٰ يُفْخِنَ فِي الْأَرْضِ اِثْخَان کے معنی خوب خون بہانا۔ خوریزی کرنا۔ یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں عبادت ہے اور بہت سی عبادتوں سے افضل ہے۔ چنانچہ اسی آیت میں فرمایا گیا کہ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا تم تو دنیا کا مال چاہتے تھے جب کہ وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ تم آخرت کی فکر رکھو اور اس کا اجر

بڑھاؤ۔ تفسیر جلالین میں ہے۔ واللہ یرید لکم الآخرة ای ثوابہا بقتلہم جبکہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اس بات کو پسند کرتا تھا کہ تم ان قیدیوں کو قتل کر کے آخرت کا ثواب حاصل کرو۔
وہ لوگ اس آیت پر غور کریں جن کے نزدیک قتل و قتال کا لفظ ہی برا اور اسلام کے خلاف ہے۔ (نعوذ باللہ)
(واللہ اعلم بالصواب)

تفسیر حقانیؒ

بدر کی لڑائی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ستر قیدی کفار کے لے کر مدینہ میں آئے ان قیدیوں کی بابت کہ جن میں حضرت کے چچا عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل رضی اللہ عنہ بھی تھے لوگوں سے رائے طلب کی گئی ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے آپ کی قوم ہے خدا ان کو توفیق ہدایت دے گا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا قتل کرنا چاہیے تاکہ کفر کا زور ٹوٹے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا آگ میں جلا دیجئے آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے پسند آئی ہر ایک سے چالیس اوقیہ (یعنی سولہ سو درہم) لے کر چھوڑ دیا عباس رضی اللہ عنہ سے خود ان کا اور ان کے بھتیجے عقیل رضی اللہ عنہ کا اور نوفل بن حارث کا تاوان لیا، جس پر عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں فقیر ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سونا جو گھر میں دبا کر آیا ہے کہاں ہے؟ چونکہ اس کی کسی کو بھی خبر نہ تھی یہ سنتے ہی عباس رضی اللہ عنہ اسلام لائے کتب حدیث میں یہ مضمون پایا جاتا ہے۔ فدیہ لینا اور قتل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دونوں فعل مباح تھے اور اسی لئے لوگوں سے مشورہ لیا تھا لیکن زیادہ تر مناسب وقت ان کا قتل کرنا تھا تاکہ پھر سرکشی نہ کرتے اور انبیاء علیہم السلام پر ”ترک اولیٰ“ پر بھی عتاب ہوتا ہے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی کو زیہ نہیں کہ قیدی بنا رکھے اور خوب قتل نہ کرے کیا اے مسلمانو! تم فدیہ کی طرف مائل ہوتے ہو جو دنیا کا اسباب ہے اللہ تعالیٰ تو تمہارے لئے عالم باقی کی تیاری کر رہا ہے وہ حکیم اور زبردست ہے مصلحت اور حکمت قتل کو خوب جانتا ہے۔ (تفسیر حقانی)

ربط

حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:
اوپر قتال کا حکم ہے چونکہ قتال میں گاہے (یعنی کبھی) کفار قید ہو کر آتے ہیں اس لئے آگے ضمن اساری بدر کے (یعنی بدر کے قیدیوں کے ضمن میں) اس کا حکم ہے۔ (بیان القرآن)
امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واعلم ان المقصود من هذه الآية تعليم حكم آخر من أحكام الغزو والجهاد في حق النبي صلى الله عليه وسلم.

یعنی پچھلی آیت میں جہاد کا ایک حکم بیان ہوا تھا اب اس آیت میں ایک دوسرا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔ (تفسیر کبیر)

صحابہ کرام کی حضرات انبیاء علیہم السلام سے تشبیہ

قیدیوں کے بارے میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اپنے اپنے مشورے دیئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے اور عمر رضی اللہ عنہ کی مثال حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی نسبتوں کو بیان فرمایا اور ان کی تعریف فرمائی۔ امام رازی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وان مثلك يا ابا بکر مثل ابراهيم (قال فمن تبعني فانه مني ومن عصاني فانك غفور رحيم) ومثل عيسى في قوله (ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم) ومثلك يا عمر مثل نوح (قال رب لا تذر على الارض من الكافرين دياراً) ومثل موسى حيث قال (ربنا اطمس على اموالهم واشدد على قلوبهم) (تفسير كبير)

(اثخان کا معنی امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک:

حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ یہاں تک کہ زمین میں خوب خون بہا لے۔ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الاثخان في كل شئ عبارة عن قوته وشدته يقال: قد اثخن المرض اذا اشتد قوة المرض عليه وكذلك اثخن الجراح والاثخان الغلظة فكل شئ غليظ فهو ثخين فقوله حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ معناه حتى يقوى ويشدد ويغلب ويبالغ ويقهر ثم ان كثيرا من المفسرين: قالوا المراد منه: ان يبالغ في قتل اعدائه قالوا وانما حملنا اللفظ عليه لان الملك والدولة انما تقوى وتشتد بالقتل. قال الشاعر

لا يسلم الشرف الرفيع من الأذى

حتى يراق على جوانبه الدم

ولان كثرة القتل توجب قوة الرعب وشدّة المهابة وذلك يمنع من الجرأة ومن الاقدام على مالا ينبغي فهذا السبب امر الله تعالى بذلك. (تفسير كبير)

خلاصہ یہ ہے کہ اثخان کے لفظ میں شدت اور مبالغہ کا معنی پایا جاتا ہے اس لئے اکثر مفسرین نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ نبی کو چاہیے کہ اپنے دشمنوں کو خوب قتل کریں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ خوب قتل کرنے سے ملک مضبوط ہوتا ہے اور کافروں کے دل میں ایسا شدید خوف اور رعب پیدا ہو جاتا ہے کہ پھر وہ غلط کاموں کی جرأت نہیں کر سکتے

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خوب خوزیزی کا حکم دیا۔

فائدہ

بعض لوگوں نے اس آیت کی بنیاد پر (نعوذ باللہ) عصمت انبیاء علیہم السلام کے مسئلے پر انگلی اٹھائی ہے امام رازی رحمہ اللہ نے مفصل بحث میں ان کے اعتراضات کو دفع فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیے (تفسیر کبیر) جب کہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اکثر مفسرین کی یہ رائے لکھی ہے کہ آیت میں عتاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں ہے بلکہ ان حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو ہے جنہوں نے فدیہ کی خاطر قتل نہ کرنے کی رائے دی تھی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هذه الآية نزلت يوم بدر، عتاباً من الله عز وجل لاصحاب نبیه صلى الله عليه وسلم والمعنى: ما كان ينبغي لكم ان تفعلوا عن الفعل الذي اوجب ان يكون للنبي اسرى قبل الاثخان ولهم هذا الاخبار بقوله تريدون عرض الدينا.

والنبي لم يأمر باستبقاء الرجال وقت الحرب، ولا اراد قط عرض الدنيا وانما فعله جمهور مباشرى الحرب فالتوبيخ والعتاب انما كان متوجها بسبب من اشار على النبي صلى الله عليه وسلم بأخذ الفدية هذا قول اكثر المفسرين.

مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ آیت میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تنبیہ کی گئی کہ آپ لوگوں نے ایسی صورتحال کیوں پیدا کی جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ زیادہ خوزیزی سے پہلے قیدی آ گئے۔ جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو جنگ کے دوران مشرکین کو زندہ رکھ کر پکڑنے کا حکم دیا تھا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کبھی بھی دنیا کے مال کی طرف گئی تھی پس ثابت ہوا کہ اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کو ہے جنہوں نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا تھا

یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ یہ قول لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

وهو الذي لا يصح غيره.

کہ بس یہی قول صحیح ہے۔

آگے لکھتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے مشرکین کو قید کرنا شروع کر دیا تو یہ معاملہ بہت اچانک ہوا اور دوسرا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمانی نصرت کی طرف متوجہ تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیدی بنانے کے اس عمل کو نہ روک سکے۔ اسی لئے جب یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ (القرطبی)

نکتہ

اسلام ہی میں ہر انسان کی کامیابی ہے اور اسلام ہی میں دنیا و آخرت کا امن ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ تمام انسانوں اور جنات کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اور اعلان فرمادیں کہ اب اسلام کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں ہے۔ اب کچھ لوگ اسلام کے خلاف کھڑے ہو گئے، لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکنے لگے اور اسلام قبول کرنے والوں کو مارنے لگے۔ ان لوگوں کا کیا حکم ہونا چاہیے؟ یہ انسانوں کو جہنم کی آگ کا مستحق بنانا چاہتے ہیں، یہ سچے دین کے خلاف جنگ کرتے ہیں، یہ مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں۔ کیا ایسے لوگوں کا خون بہانا ظلم ہے؟ آپ اپنے گھر میں بہت معزز مہمان بٹلائیں اور انہیں مہمان خانے میں بٹھائیں پھر اس مہمان خانے میں ایک دو زہریلے سانپ گھس آئیں۔ ان سانپوں کے بارے میں کیا حکم ہے جن کے بارے میں یقین ہے کہ اگر ان کو نہ مارا گیا تو وہ مہمانوں کو مار دیں گے، جب کوئی معزز اور شریف آدمی اپنے مہمانوں کے دفاع سے غافل نہیں ہو سکتا تو اسلام مسلمانوں کے دفاع سے کس طرح غفلت کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کے دشمنوں کے خون بہانے کو عبادت قرار دیا۔ ہر ملک کی حکومت جب کسی کو اپنے ہاں آنے کا ویزہ دیتی ہے تو اس کی حفاظت کا بھی بندوبست کرتی ہے۔ اسلام بھی اپنے ماننے والوں کے لئے عزت اور حفاظت کا پورا نظام بناتا ہے اور اس نظام کی برکت سے تمام انسانیت پر احسان کرتا ہے۔ بلکہ خون بہانے کے اس عمل میں خود کافروں پر بھی احسان ہے کہ ان میں سے جو بچ جاتے ہیں وہ جلد اسلام قبول کر لیتے ہیں کیونکہ ان کی نظروں میں اسلام کی قوت اور کفر کی حقارت آ جاتی ہے لیکن اگر مسلمان کمزور ہوں تو کافر خود کو حق پر سمجھتے ہیں اور اپنی دنیوی ترقی دیکھ کر خود کو اونچی اور برتر نسل قرار دیتے ہیں، تب وہ اسلام کی طرف راغب نہیں ہوتے۔ صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

اشخان کے لفظ اور اس کے لغوی معنی پر بہت بحث ہوئی ہے لیکن اصل شے اس اشخان یا خونریزی کی غایت و مقصود ہے اور وہ فساد کی جڑ کاٹنا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم قتل و قتال اس وقت تک جاری رکھنا ہے جب تک فساد کی بیج کٹی نہ ہو جائے جب تک اسلام معزز اور کفر حقیر نہ ہو جائے۔ (تفسیر ماجدی)

اس آیت میں یہ بھی فرمایا گیا کہ تم نے تو دنیا کا فانی سامان یعنی فدیہ لے لیا جب کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آخرت کا فائدہ اور اجر و ثواب چاہتا ہے۔ حضرات مفسرین نے لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کافروں کو قتل کرتے تو اس سے اسلام کو عزت ملتی اور کفر ذلیل ہوتا تو یہ بات تمہارے لئے آخرت کے اجر و ثواب کا باعث ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ جہادی اعمال قتل وغیرہ کا فائدہ پورے دین اسلام کو ملتا ہے چنانچہ مجاہد کو پورے دین اسلام اور اس کے ہر شعبے کی خدمت کا اجر نصیب ہوتا ہے اس لئے مجاہد کو غیر مجاہد پر فضیلت حاصل ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

ای یرید لکم ثواب الآخرة أو سبب نیل الآخرة من الطاعة باعزاز دینه و قمع اعدائه۔

(روح المعانی)

اور صاحب مدارک لکھتے ہیں:

واللہ یرید الآخرة ای ما هو سبب الجنة من اعزاز الاسلام بالاثخان فی القتل۔ (المدارک)



مجاہدین کے لئے سخت تاکید ہے کہ جہاد کے کسی بھی مرحلے پر مال کو اپنا مقصود نہ بننے دیں مال کی طرف توجہ مجاہد کے ایمان اور شان کے خلاف ہے۔ اسی طرح مجاہدین پر لازم ہے کہ اسلام کے حکم اور اسلامی رشتے کو قوم، قبیلے اور برادری کے رشتے پر ہر حال میں مقدم رکھیں۔ آیت مبارکہ میں یہ دونوں سبق بالکل واضح ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ اٰیَتٌ ۲۸-۲۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَوْ لَا كَتَبُ مِنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَنَسَّكُمْ فِیْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ

اور اللہ تعالیٰ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو جو تم نے لیا اس کے بدلے تم پر بڑا

عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طِیْبًا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ

عذاب ہوتا۔ پس جو مال تمہیں غنیمت میں حلال اور طیب ملا ہے اسے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک

اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۹﴾

اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

خلاصہ

اس فدیہ کے لینے میں تم پر بڑا عذاب آ جاتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے ایک بات (یا معافی) لکھی ہوئی نہ ہوتی۔

اب جو کچھ تم نے فدیہ میں لیا ہے وہ تمہارے لئے حلال اور پاکیزہ ہے آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے اس نے تمہاری غلطی بخش دی ہے اور بہت مہربان ہے کہ تمہارے لئے فدیہ اور غنیمت کا مال حلال اور پاکیزہ قرار دیا ہے۔

لولا کتاب من اللہ سبق اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بات پہلے سے لکھی ہوئی نہ ہوتی تو تمہیں فدیہ لینے پر بڑے عذاب کا سامنا ہوتا۔

اس بات سے کیا مراد؟

حضرات مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ نے ان میں سے اکثر اقوال کو رد کیا ہے اور فرمایا ہے میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اگر پہلے سے معافی کا فیصلہ نہ فرمایا ہوتا تو تم پر عذاب آ جاتا وہ لکھتے ہیں:

معناه لولا انه تعالى حكم في الازل بالعفو عن هذه الواقعة لمسهم عذاب عظيم.

یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ازل میں اس واقعہ کو معاف کرنے کا حکم نہ فرمایا ہوتا تو تمہیں بڑا عذاب پہنچ جاتا۔ (تفسیر کبیر)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کی رائے الگ ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:

وہ یہ بات لکھ چکا تھا کہ ان قیدی لوگوں میں بہتوں کی قسمت تھی مسلمان ہونا۔ (موضح القرآن)
امام قرطبی رحمہ اللہ نے یہ چند اقوال تحریر فرمائے ہیں:

۱) یہ بات لکھی جا چکی تھی کہ اس امت کے لئے مال غنیمت حلال ہے۔

ای بتحلیل الغنائم۔

۲) یہ بات لکھی جا چکی تھی کہ غزوہ بدر کے مجاہدین کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عام معافی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو فرما دیا ہے کہ تم جو کچھ کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

الكتاب السابق هو مغفرة الله لاهل بدر ماتقدم او تأخر من ذنوبهم۔ لقول رسول الله صلى الله عليه وسلم لعمر في اهل بدر وما يدريك لعل الله اطلع على اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم خرجه مسلم۔ (القرطبي)

۳) یہ بات لکھی جا چکی تھی کہ جب تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان میں موجود ہیں عذاب نہیں آئے گا
الكتاب السابق هو الايعذبهم ومحمد عليه السلام فيهم۔

۴) لکھی ہوئی بات یہ تھی کہ جو نہ جاننے کی وجہ سے گناہ کر لے تو اس پر عذاب نہیں آتا جب تک اسے پہلے نہ بتا دیا جائے کہ یہ چیز گناہ ہے۔

الكتاب السابق هو الايعذب احدا بذنب اتاه جاهلاً حتى يتقدم اليه۔

۵) لکھی ہوئی بات یہ تھی کہ کبیرہ گناہوں سے بچنے والوں کے صغیرہ گناہ مٹا دئے جاتے ہیں۔

الكتاب السابق هو مما قضى الله من محو الصغائر باجتناب الكبائر۔

(امام رازی رحمہ اللہ نے اسے معتزلہ کا قول قرار دیا ہے)

۶) طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سارے معانی اس لفظ میں داخل ہیں۔ یعنی عذاب نہ آنے کی یہ تمام وجوہات ہو سکتی ہیں۔

وذهب الطبري الى ان هذه المعاني كلها داخله تحت اللفظ وانه يعمها۔ (القرطبي)

تفسیر المدارک، روح المعانی، بیان القرآن میں جو اقوال اس آیت کے بارے میں لکھے ہیں صاحب تفسیر عثمانی نے ان کو جمع فرما دیا ہے ملاحظہ فرمائیں ان کی یہ عبارت۔

”یعنی یہ غلطی تو فی حد ذاتہ ایسی تھی کہ سخت سزا ان لوگوں کو دی جاتی جنہوں نے دنیوی سامان کا خیال کر کے ایسا مشورہ دیا مگر سزا دی سے وہ چیز مانع ہے جو خدا پہلے سے لکھ چکا اور طے کر چکا ہے اور وہ کئی باتیں ہو سکتی ہیں۔ ۱) مجتہد

کو اس قسم کی اجتہادی خطا پر عذاب نہیں ہوگا۔ ۲ جب تک خدا امر او نہیا کسی چیز کا صاف حکم بیان نہ فرمائے اس وقت تک اس کے مرتکب کو عذاب نہیں دیتا۔ ۳ اہل بدر کی خطاؤں کو خدا معاف فرما چکا ہے۔ ۴ غلطی سے جو رویہ (یعنی فیصلہ) قبل از وقت اختیار کر لیا گیا یعنی فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینا خدا کے علم میں طے شدہ تھا کہ آئندہ اس کی اجازت ہو جائے گی فاما منا بعد واما فداء (سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم)۔ ۵ یہ بھی طے شدہ ہے کہ جب تک پیغمبر علیہ السلام ان میں موجود ہیں یا لوگ صدق دل سے استغفار کرتے ہیں عذاب نہ آئے گا۔ ۶ ان قیدیوں میں سے بہت کی قسمت میں اسلام لانا لکھا گیا تھا۔ الغرض اس قسم کے موانع اگر نہ ہوتے تو یہ غلطی اتنی عظیم و ثقیل تھی کہ سخت عذاب نازل ہو جانا چاہیے تھا۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ

آیت مبارکہ کی تفسیر سمجھنے کے لئے ان تمام اقوال کو ذکر کیا گیا اصل بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ یہ ساری تنبیہ اور سرزنش اس غلطی پر کی جا رہی ہے کہ مسلمانوں نے کفر کو مزید ذلیل کرنے اسلام کو عزت دلانے اور مسلمانوں کو زیادہ محفوظ کرنے کا ایک موقع کیوں ضائع کر دیا اور اسلام دشمن کافروں کو قتل کرنے کی بجائے فدیہ کیوں لے لیا۔ قرآن پاک مسلمانوں کو جو جذبہ اور مزاج دینا چاہتا ہے ہمیں وہ اپنانا چاہیے اور اپنے مزاج کے درست ہونے کی اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگنی چاہیے۔ ان تین آیات میں مسلمانوں کو جو مزاج دیا جا رہا ہے اسی کو مسلمان اپنائیں گے تو ان کے دل میں اسلام کی اصل حقیقت اور عظمت اور کفر کی اصل گندگی اور خباثت کا درست تصور آئے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

عذاب دکھلایا گیا

اس موقع پر جو عذاب مسلمانوں پر آ سکتا تھا وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب سے دکھایا گیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت روئے صحیح مسلم شریف میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔
امام شفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

روی ان عمر رضی اللہ عنہ دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا هو ابوبکر یبکیان فقال: یا رسول اللہ اخبرنی فان وجدت بکاء بکیت وان لم أجد بکاء تباکیت۔ فقال، أبکی علی اصحابک فی اخذهم الفداء ولقد عرض علی عذابهم ادنی من هذه الشجرة (لشجرة قریبة منه)۔ (المدارک)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں رو رہے ہیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بھی (رونے کی وجہ) بتائیں اگر مجھے رونا آتا تو رولوں گا ورنہ رونے والوں کی صورت تو بنا لوں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

تمہارے ساتھیوں نے قیدیوں کا جو فیہ لیا اس پر رو رہا ہوں کیونکہ مجھے ان کا عذاب اس درخت سے بھی قریب دکھایا گیا۔ (اپنے قریب کے درخت کی طرف اشارہ فرمایا)
ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے:

لو نزل عذاب من السماء لما نجامنه غیر عمر وسعد بن معاذ۔
یعنی اگر عذاب نازل ہو جاتا تو (صحابہ کرام میں سے) عمرو اور سعد رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی نہ بچتا۔ (المدارک)
فَكُفُّوا وَمَا غَنَمْتُمْ

روایات میں آیا ہے کہ جب پہلی آیات میں سخت تنبیہ نازل ہوئی تو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے مال غنیمت اور فدیے سے ہاتھ روک لئے۔ یعنی خوف کی وجہ سے وہ ان اموال کو استعمال نہیں کر رہے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ یہ مال تمہارے لئے حلال بھی ہے اور پاکیزہ بھی اس لئے تم اسے استعمال کر سکتے ہو۔

روی انہم امسکوا عن الغنائم ولم يمدوا ايديهم اليها فنزلت۔ وقيل: هو اباحة للفداء لانه من جملة الغنائم۔ (المدارک)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَاتَّقُوا اللَّهَ یعنی ڈرتے رہو گے کچھ خطا بھی ہو جاوے گی تو بخشنے گا۔ قیدیوں کا حکم سن کر مسلمان ڈرے غنیمت سے بھی۔ یہ ان کو تسلی فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے خوشی سے کھاؤ لیکن غنیمت کے واسطے جہاد نہ کرو۔ اب خفی (یعنی فقہ حنفیہ) کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کافر پکڑے آویں تو ان کو مال لے کر چھوڑنا روا نہیں۔ نہ مفت چھوڑنا کہ پھر کافروں میں جا لیں۔ مگر روا (یعنی جائز) ہے غلام کر رکھنا۔ (یعنی غلام بنالینا) یا چھوڑ دینا کہ رعیت ہو کر ملک اسلام میں رہیں (یعنی ذمی بنالینا) اور شافعی رحمہ اللہ کے پاس وہ بھی روا ہے سورہ محمد میں فرمایا **فَمَا مِمَّا بَعْدُ وَإِنَّا فِئَاءٌ** (موضح القرآن)
صاحب انوار البیان نے اس آیت کے ذیل میں قیدیوں کے احکامات بیان کئے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ عموماً مفسرین حضرات قیدیوں کے احکامات سورہ محمد کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں۔



سُورَةُ الْاَنْفَالِ اِنْ مَكَانَتْ آيَةٌ ۴۰، ۴۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنِ فِيْ أَيْدِيكُمْ مِّنَ الْأَسْرَىٰ ۖ إِن

اے نبی! جو قیدی تمہارے ہاتھ میں ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر

يَعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ

اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں نیکی معلوم کرے گا تو تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے

وَيَغْفِرَ لَكُمْ ۖ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۴۱ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ

اور تمہیں بخشے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر یہ لوگ تم سے دغا کرنا چاہیں گے

فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۖ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝۴۲

یہ تو پہلے ہی اللہ تعالیٰ سے دغا کر چکے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں گرفتار کر دیا اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے

خلاصہ

ان قیدیوں میں سے جو سچے دل سے ایمان لائے ہیں وہ فدیہ میں مال دینے پر افسوس نہ کریں اللہ تعالیٰ انہیں اس مال سے بہت زیادہ مال عطا فرمائے گا اور اپنی بخشش بھی نصیب فرمائے گا۔ اور اگر یہ قیدی پھر خیانت اور شرارت کریں گے تو ان کا دوبارہ بھی برا انجام ہوگا۔

شان نزول

مفسرین کے نزدیک آیت حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے بھتیجوں۔ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ اور حضرت نوفل رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

قال ابن عباس رضی اللہ عنہما نزلت فی العباس، وعقیل ابن ابی طالب ونوفل بن

الحارث۔ (تفسیر کبیر)

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیادہ بہتر قول یہ ہے کہ آیت تمام قیدیوں کے بارے میں ہے۔

وقال آخرون: انها نزلت فی الكل وهذا اولی۔ (تفسیر کبیر)

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آیت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی مگر حکم عام ہے۔

اقصى ما فی الباب ان یقال: سبب نزول الآیة هو العباس رضی اللہ عنہ، الا ان العبرة

بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔ (التفسیر کبیر)

مختصر تفسیر

”بعض قیدیوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا (مثلاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ) ان سے کہا گیا کہ اللہ دیکھ گاہ کہ واقعی تمہارے دل میں ایمان و تصدیق موجود ہے تو جو کچھ زرفندیہ اس وقت تم سے وصول کیا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بہتر تم کو مرحمت فرمائے گا اور پچھلی خطاؤں سے درگزر کرے گا اور اگر اظہار اسلام سے پیغمبر کو فریب دینا مقصود ہے یا دغا بازی کرنے کا ارادہ ہے تو پیشتر (یعنی پہلے) خدا سے جو دغا بازی کر چکے ہیں، یعنی فطری عہد السّٰت کے خلاف کفر و شرک اختیار کیا یا بعض ”بنی ہاشم“ جو ابوطالب کی زندگی میں عہد کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر متفق ہوئے تھے اب کافروں کے ساتھ ہو کر آئے اس کا انجام آنکھوں سے دیکھ لیا کہ آج کس طرح مسلمانوں کی قید اور قابو میں ہیں آئندہ بھی دغا بازی کی ایسی ہی سزا مل سکتی ہے، خدا تعالیٰ سے اپنے دلوں اور نیتوں کو چھپا نہیں سکتے اور نہ اس کے حکیمانہ انتظامات کو روک سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: خدا کا وعدہ پورا ہوا ان میں جو مسلمان ہوئے حق تعالیٰ نے بے شمار دولت بخشی جو نہ ہوئے وہ خراب ہو کر تباہ ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بدر کے بعض قیدیوں نے کہا تھا کہ ہم مجبور کر کے لائے گئے تھے، ہمارا ارادہ مسلمانوں سے لڑنے کا نہیں تھا انہیں کہا جاتا ہے کہ اگر تمہارے دلوں میں بہتری ہے تو اس کے عوض میں جو کچھ تم سے لیا گیا ہے، جب تم مسلمان ہو جاؤ گے تمہیں اس سے زیادہ دیا جائے گا۔ اور اگر اس کہنے میں خیانت کا ارادہ کر رہے ہیں تو پہلے بھی ان حرکتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تھا کہ اگر آپ اسلام قبول کر لیں تو یہ بات مجھے اپنے والد خطاب کے اسلام قبول کرنے سے زیادہ محبوب ہے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے اسلام قبول کرنے سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی خوشی ہوگی۔ (تفسیر ابن کثیر)

امام رازی رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے تفصیلی واقعات لکھے ہیں۔ ان میں سے چند ایک جن کا تعلق ان آیات سے ہے تفسیر انوار البیان کی عبارت میں ملاحظہ فرمائیے۔

”حضرت عباس رضی اللہ عنہ مشرکین کے لشکر میں آئے تھے اور بیس اوقیہ سونا لے کر چلے تھے تاکہ ساتھیوں کو کھلاتے پلاتے رہیں۔ (وہ افراد جنہوں نے پورے لشکر کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری اٹھائی تھی یہ ان میں سے ایک تھے مگر ان کے کھلانے کی باری نہیں آئی تھی بلکہ ان کی باری والے دن جنگ ہو گئی تھی) اب ان کے پاس بیس اوقیہ رہ گئے تھے وہ بیس اوقیہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے ان سے مقام بدر میں لے لئے تھے۔ جب قید کر کے لائے گئے اور ان سے

سوال ہوا کہ فدیہ دو تو انہوں نے کہا کہ وہ جو میں اوقیے لے لئے ہیں ان ہی کو میری جان کے فدیہ میں لگا لیں، آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز آپ ہمارے مقابلہ میں خرچ کرنے کیلئے لیکر آئے تھے وہ آپ کے حساب میں نہیں لگ سکتی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یوں بھی کہا کہ یا رسول اللہ! میں تو مسلمان تھا آپ نے فرمایا اگر تم مسلمان تھے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دے دے گا۔ ہمارے نزدیک بظاہر تم مقابلہ کرنے کے لئے جنگ میں شریک ہوئے تھے لہذا تم اپنی جان کا بھی فدیہ دو اور دونوں بھتیجیوں نوفل بن حارث اور عقیل بن ابی طالب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا بھی فدیہ دو عباس نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مجھے اس حال میں چھوڑنا چاہتے ہو کہ زندگی بھر قریش سے بھیک مانگا کروں میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ اس قدر فدیہ دے سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مال کہاں ہے، جو تم نے اور تمہاری بیوی ام الفضل نے مل کر فدیہ کیا ہے تم نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں اس سفر میں مقتول ہو گیا تو یہ مال میرے بیٹوں عبداللہ اور عبید اللہ، اور فضل اور قثم کے کام آئے گا۔ عباس نے کہا اللہ کی قسم یا رسول اللہ اس بات کا علم میرے اور ام الفضل کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔ آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا مجھے میرے رب تعالیٰ شانہ نے بتایا۔ اس پر عباس کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں۔“ (من معالم التنزیل ص ۲۶۳ ج ۲، ابن کثیر ص ۳۶۷ ج ۲)

صحیح بخاری ص ۴۲۸ ج ۱، میں ہے کہ انصار میں سے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اجازت دیجئے کہ ہم عباس کی جان کا بدلہ (یعنی فدیہ) چھوڑ دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔ یہ قانون میں مساوات اختیار کرنے کا ایک نمونہ ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جب پوری طرح اسلام میں داخل ہو گئے تو انہوں نے اس وعدہ کو سچا پایا وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بیس اوقیہ کی جگہ بیس غلام عطاء فرمائے جو مال کما کر لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید بھی رکھتا ہوں کیونکہ آیت شریفہ میں اس کا بھی وعدہ ہے ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا جو مال مجھ سے لیا گیا تھا اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے چالیس غلام عطاء فرمائے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سو گنا مال عطا فرمادیا۔ (انوار البیان)

صاحب مدارک وہ واقعہ بھی لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے اموال سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو چادر بھر کر مال عطاء فرمایا تھا۔

روی انہ قدم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال البحرین ثمانون الفاً فتواضوا لصلوة الظهر وما صلی حتی فرقه وأمر العباس ان يأخذ منه فأخذ منه ما قدر علی حملة وکان یقول: هذا خیر مما أخذ منی وارجو المغفرة وکان له عشرون عبداً وان ادناهم لیتجر فی

عشرین الفاً وكان يقول أنجز الله أحد الوعدين وأنا على ثقة من الآخر. (المدارك)

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وذكر انه اسلم حين أسر يوم بدر وذكر أنه اسلم عام خيبر وكان يكتب لرسول الله صلى الله عليه وسلم باخبار المشركين وكان يحب ان يهاجر فكتب اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم امكث بمكة فمقامك بها انفع لنا.

یعنی ایک قول یہ ہے کہ وہ بدر کے دن جب قید ہوئے تو اسلام لے آئے اور ایک قول یہ ہے کہ خیبر والے سال اسلام لائے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی خبریں اور حالات لکھ کر بھیجا کرتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کریں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لکھ بھیجا کہ آپ کہ میں ٹھہریں آپ کا وہاں موجود رہنا ہمارے لئے زیادہ نفع مند ہے۔ (القرطبی)

اللہ تعالیٰ کا وعدہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا گیا کہ اگر یہ لوگ خیانت کریں گے اور آپ کے خلاف سازش کریں گے یا جنگ میں آئیں گے تو جس اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر پہلے قابو دیا تھا وہ ہر وقت موجود ہے وہ ان سے نمٹ لے گا۔ پس مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ قیدیوں کو اسلام کی طرف لائیں اور ان سے دین کی نصرت کا کام لیں۔ پھر اگر وہ دھوکہ کریں گے تو ہر سازشی کی سازش کو توڑنے والا اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں خیر دیکھے گا

اکثر مفسرین نے خیر کے معنی ایمان کے لئے ہیں کہ اگر تمہارا ایمان اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا ہوا۔ امام رازی رحمہ اللہ نے اس خیر میں چھ چیزیں بیان کی ہیں:

- ۱ ایمان۔
 - ۲ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اطاعت کا عزم۔
 - ۳ کفر سے توبہ۔
 - ۴ تمام گناہوں سے توبہ۔
 - ۵ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کا عزم۔
 - ۶ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے سے توبہ۔ (التفسیر الکبیر)
- یہ تمام اشیاء آپس میں ملتی جلتی ہیں اور ان سب کے مجموعہ کا نام ہے ”خیر“۔ تو اگر ان کے دل میں یہ ”خیر“ ہوگی تو ان سے بہترین بدلے اور مغفرت کا وعدہ ہے۔

یہاں خیانت کا مطلب

اور اگر وہ آپ کے ساتھ خیانت کریں گے۔ اس خیانت کا کیا معنی ہے؟ امام رازی رحمہ اللہ نے کئی اقوال لکھے ہیں۔
۱ مراد خیانت فی الدین ہے یعنی اگر وہ کفر کریں گے۔

۲ انہوں نے جو فدیہ دینے کا وعدہ کیا ہے اگر اس کے ادا کرنے میں خیانت کریں گے۔

۳ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چھوڑتے وقت ان سے عہد لیا تھا کہ وہ آئندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ نہیں کریں گے تو خیانت سے مراد اس عہد میں خیانت ہے۔ (تفسیر کبیر)

الغرض وہ جس قسم کی بھی خیانت، شرارت اور دغا بازی کرنا چاہیں گے تو اللہ پاک ان کو ناکام فرما دے گا۔ پہلی آیت میں قیدیوں کے لئے تسلی ہے کہ ان کے لئے رحمت اور بخشش کے دروازے کھلے ہیں اور دوسری آیت میں مسلمانوں کے لئے تسلی ہے کہ وہ دین اور جہاد پر قائم رہیں کسی کی خیانت اور سازش ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ دونوں آیات میں جہادی نکتے بھی سمجھے جاسکتے ہیں کہ جنگی قیدی دشمن کے لوگ ہوتے ہیں اور دشمنوں کے اندر کے رازوں اور کمزوریوں سے واقف ہوتے ہیں یہ لوگ اگر مخلص مسلمان بن جائیں تو اسلام کی بہت خدمت کر سکتے ہیں اور جہادی کام کو بہت آگے بڑھا سکتے ہیں اس لئے اگر انہیں زندہ رکھنا ہو تو ان کے ساتھ بہت احسان اور اخلاق والا برتاؤ کیا جائے تاکہ وہ اسلام کے قریب آئیں۔ اسی طرح مسلمانوں کو ہر وقت کافروں کی سازشوں اور خیانتوں کی پریشانی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمہ جو کام لگایا ہے وہ کرنا چاہیے باقی تمام معاملہ اس اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ جو علیم بھی ہے اور حکیم بھی وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ وہ جانتا ہے کہ کون کیا خیانت اور کیا سازش کر رہا ہے اور وہ اپنی حکمت سے ایسی صورتیں پیدا فرما دیتا ہے جس سے ہر خائن اور ہر سازشی ناکام ہو جاتا ہے۔ مسلمان جب کافروں کی سازشیں اور ان کی طاقتیں دیکھا کریں تو اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ اور اس کی عظیم صفات پر بھی ایک نظر کر لیا کریں تاکہ ”توکل علی اللہ“ اور ”اعتماد باللہ“ کی کیفیات نصیب ہو جائیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

مطلب یہ کہ اگر ان کی نیت خالص نہ بھی ہو اور ان کا مقصود آپ کو دھوکا ہی دینا ہو جب بھی آپ تشویش نہ کیجئے اللہ تعالیٰ ان کی چالاکی چلنے نہ دے گا اور انہیں آپ کے ہاتھ میں گرفتار کر دے گا جیسا کہ اس سے قبل جنگ بدر میں ہو چکا ہے وَلَا یُزِیْدُ وَآخِیَاتُکَ یعنی یہ (اگر) دل سے مسلمان نہیں ہیں بلکہ محض اظہار اسلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دینا چاہتے ہیں خیانت کا مفہوم بڑا وسیع ہے، ہر قسم کی چالاکی اور پوشیدہ بدعہدی اس کے تحت میں داخل ہے لفظ امانت اس کی ضد ہے۔

الخیانة مخالفة الحق بنقض العهد في السر ونقيض الخيانة الامانة۔ (راغب)

فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ یعنی دغا دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر چکے اور آپ کے مقابلہ میں آچکے ہیں۔ (رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت ہے)

فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قابو میں دے دیا مثلاً معرکہ بدر۔ اسی اقدارک علیہم حسبما رأیت فی بدر۔ (روح المعانی)

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ چنانچہ وہ عَلِيمٌ ہے خوب جانتا ہے کہ خائن کون کون ہے اور وہ حَكِيمٌ ہے کوئی نہ کوئی تدبیر بھی ایسی نکال دے گا جس سے یہ خائن مغلوب ہو کر رہیں اور اس طرح علم و حکمت دونوں کے تقاضے پورے پورے ہو کر رہیں گے۔ (تفسیر ماجدی)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيت ٤٢، ٤٣، ٤٤، ٤٥

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ تعالیٰ کی

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ

راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق

بَعْضُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ

ہیں اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تمہیں ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہیں

مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجَرُوا ۚ وَإِنْ اسْتَنْصَرُواكُمُ فِي الدِّينِ

یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ دین کے معاملہ میں مدد چاہیں

فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ إِلَّا عَلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ ۖ وَاللَّهُ

تو تمہیں ان کی مدد کرنی لازم ہے مگر ان لوگوں کے مقابلہ میں کہ ان میں اور تم میں عہد ہو جو تم کرتے ہو

يَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٤٢﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِعَصْمِهِمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضُ

اللہ تعالیٰ اسے دکھتا ہے۔ اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں

الْأَتَفَعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ط (٤٣)

اگر تم یوں نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ پھیلے گا اور بڑا فساد ہوگا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ وَإِنِّي سَبِيلَ اللَّهِ وَالَّذِينَ

اور جو لوگ ایمان لائے اور اسے گھ جھوڑے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے

اَوْ اَوْا وَنَصْرُوا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَرِزْقٌ

انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی سچے مسلمان ہیں ان کیلئے بخشش اور عزت کی

كِرِيمٌ ﴿٤٣﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجْهَهُدُوا

روز کی ہے۔ اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور گھ چھوڑے اور تمہارے ساتھ ہو کر لڑے

مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي

سو وہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں اور رشتہ دار آپس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے

کِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۷۵﴾

مطابق ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خبردار ہے

خلاصہ

۱ مہاجرین اور انصار آپس میں ایک دوسرے کے رفیق، دوست حامی، مددگار اور وارث ہیں۔ یعنی وہ ایک جماعت ہیں ان میں سے ایک کا دوست سب کا دوست اور ایک کا دشمن سب کا دشمن ہے۔ مہاجرین وہ ہیں جو ایمان لائے پھر انہوں نے ہجرت کی اور پھر اپنی جان اور مال سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا۔ اور انصار وہ ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ہجرت والے مسلمانوں کو ٹھکانا دیا اور ان کی بھرپور نصرت کی۔ پس اسلام کا رشتہ تمام رشتوں سے زیادہ مضبوط اور طاقتور ہے اور اس رشتے کی بنیاد ایمان، ہجرت، نصرت اور جہاد پر ہے۔

۲ وہ لوگ جو اسلام تو لے آئے ہیں مگر انہوں نے ہجرت نہیں کی وہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ صلح، جنگ، میراث وغیرہ معاملات میں شامل نہیں ہیں۔ ہاں اگر وہ دین کی نسبت سے مسلمانوں کی جماعت کو کافروں کے خلاف جنگ میں اپنی مدد کے لئے پکاریں تو مسلمانوں کی جماعت پر ان کی مدد لازمی ہے۔ لیکن اگر ان کا مقابلہ ایسے کافروں سے ہو رہا ہو جن سے مسلمانوں کی جماعت کا معاہدہ ہے۔ اور وہ مسلمانوں کی جماعت کو ان کافروں کے خلاف جنگ کے لئے بلائیں تو معاہدہ ختم کئے بغیر ان کی مدد کے لئے جانا جائز نہیں ہے۔

۳ اور کافر ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار ہیں وہ مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ متفق اور متحد ہو جاتے ہیں اور اپنے سارے اختلافات بھلا کر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اس لئے مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے ساتھ دوستی رکھیں، یا رشتہ داری کی صورت میں ان کو اپنی وراثت میں حصہ دار بنائیں۔ بلکہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کی یاری اور دوستی سے دور رہیں۔ اور اگر وہ رشتہ دار ہوں تو ان سے وراثت کا لین دین نہ کریں۔

۴ اگر مسلمانوں نے ان احکامات پر عمل نہ کیا تو زمین فتنے اور بہت بڑے فساد سے بھر جائے گی۔ یعنی اگر مسلمانوں نے اسلام کی بنیاد پر ایک دوسرے سے مضبوط تعلق نہ رکھا۔ ایمان، ہجرت، نصرت اور جہاد کی بنیاد پر اپنی الگ اور مضبوط جماعت قائم نہ کی۔ مظلوم مسلمانوں کے پکارنے پر ان کی مدد کے لئے نہ گئے۔ انہوں نے کافروں سے یاری نہ چھوڑی۔ اور اسلام کے رشتے کو ہر شے پر مقدم نہ رکھا تو زمین میں شدید فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا اس لئے کہ جب تک مسلمان کافروں کے مقابلے میں ایک جسم کی طرح متحد نہیں ہوں گے تو کفار غالب رہیں گے

اور فساد عام ہوگا۔

۵) حقیقی مسلمان وہی ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا۔ اور وہ ہیں جنہوں نے ان مہاجرین کو جگہ دی اور ان کی نصرت کی۔ مہاجرین اور انصار ہی حقیقت میں مسلمان ہیں ان کے لئے بخشش کا اور دنیا و آخرت میں عزت والی روزی کا وعدہ ہے۔ اسلام میں کسی خاص نسل، قوم، قبیلے کو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے فضیلت کا معیار ایمان، ہجرت، نصرت اور جہاد ہے۔ اور یہی سچا اور حقیقی مسلمان ہونے کا معیار ہے۔ اور اسی بنیاد پر مسلمانوں کی قوم اور جماعت وجود پاتی ہے۔

۶) جو لوگ بعد میں ایمان لائے مگر انہوں نے ہجرت کر لی اور مسلمانوں کی مرکزی جماعت کے ساتھ مل کر جہاد بھی کیا وہ بھی سچے اور حقیقی مسلمان ہیں اور مسلمانوں کی جماعت کے افراد ہیں۔ باقی رہا مال میں میراث کا معاملہ تو اب اس کی بنیاد ہجرت اور نصرت نہیں بلکہ قربت داری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مال کی میراث اب صرف رشتہ داروں کے درمیان ہی جاری ہوگی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں جو ہر چیز کا پورا علم رکھنے والا ہے۔

رابط

غزوہ بدر کے بعد اسلام کی قوت و شوکت میں اضافہ ہوا، بہت سے قیدی بھی مسلمان ہوئے، عرب کے قبائل مسلمانوں سے معاہدے کرنے لگے اور ان میں بھی اسلام پھیلنے لگا۔ اہل مکہ میں جو لوگ تردد کی حالت میں تھے وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ پھر ان مسلمان ہونے والوں میں سے بعض نے ہجرت کی اور بعض نے نہیں کی۔ ان حالات میں صلح، جنگ، تعاون، عدم تعاون اور موالات کے لئے ایک مستقل قانون کی ضرورت تھی۔ جو ان آیات میں مہاجرین و انصار کے فضائل کے ساتھ بتا دیا گیا اور مسلمانوں کی جماعت کے لئے واضح قانون اور ضابطہ مقرر فرما دیا گیا۔ اور نئے مسلمان ہونے والوں کو بھی دو ٹوک بتا دیا گیا کہ بے فکر ہو کر اسلام قبول کرو اسلام کسی خاص قوم یا قبیلے کا دین نہیں ہے۔ جو بھی ایمان لائے، ہجرت کرے (اس وقت ہجرت فرض تھی) اور جان و مال کی قربانی جہاد میں پیش کرے وہ سچا، حقیقی اور اصل مسلمان ہے اگرچہ وہ بعد میں مسلمان ہوا ہو خواہ اس کا تعلق کسی بھی قبیلے، رنگ، نسل اور قوم سے ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب) صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں۔

جب ان قیدیوں کو عہد لے کر چھوڑا اور ان میں سے بہت نے بدر کے موقع پر آسمانی مدد اور اسلام کا برحق ہونا دیکھا تھا، اس لئے اسلام کی طرف مائل ہوئے اور نیز عرب کے قبائل نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد باندھنا شروع کیا اور عرب میں اس جنگ کی کرامات و اعجاز نے شہرت پائی جس سے مخالف قبائل خصوصاً مکہ کے رہنے والوں میں سے بہت سے مشرف باسلام ہونے شروع ہوئے مگر ان میں سے بعض تو ترک وطن کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کیونکہ اس وقت ہجرت فرض تھی اور بہت ایسے تھے کہ جن سے جو رو (یعنی بیوی) بچے گھر بار، خویش و تبار نہ چھٹ سکے اس لئے تو مسلمانوں اور دیگر قبائل کی بابت کوئی قاعدہ اتحاد و ہمدردی

(یعنی تعاون وغیرہ) کا مقرر ہونا ضروری تھا پس ان آیات میں مع فضائل مہاجرین و انصار اس کو بیان فرمایا اور مسلمانوں کے مرتبے بھی ظاہر کر دیئے۔ (تفسیر حقانی)

چار طبقے

امام نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان آیات میں لوگوں کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں: ① جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی۔ ② جو ایمان لائے اور انہوں نے نصرت کی۔ ③ جو ایمان لائے مگر انہوں نے ہجرت نہیں کی۔ ④ وہ جو کفر پر رہے۔ (المدارک)

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان چاروں آیات پر بہت نافع و جامع حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ صاحب تفسیر عثمانی نے اسی کی تسہیل فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ”کلام برکت“ تفسیر عثمانی“ کی عبارت میں۔

قیدیوں میں بعض ایسے تھے جو دل سے مسلمان تھے مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے ہجرت نہ کر سکے اور بادل نا خواستہ کفار کے ساتھ ہو کر بدر آئے۔ ان آیات میں یہ بتلانا ہے کہ ایسے مسلمانوں کا کیا حکم ہے۔ حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے دو فرقے تھے ”مہاجرین“ اور ”انصار“ مہاجرین کنبہ اور گھر چھوڑنے والے اور انصار جگہ دینے والے اور مدد کرنے والے۔ ان دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات (بھائی چارہ) قائم کر دیا تھا۔ آیت کا مضمون یہ ہوا کہ جتنے مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہیں ان سب کی صلح و جنگ ایک ہے، ایک کا موافق سب کا موافق، ایک کا مخالف سب کا مخالف، بلکہ آغاز ہجرت میں رشتہ مواخات کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ترکہ کا وارث بھی ہوتا تھا۔ اور جو مسلمان اپنے ملک میں رہے جہاں کافروں کا زور اور تسلط ہو، یعنی دارالحرب سے ہجرت نہ کی ان کی صلح و جنگ میں دارالاسلام کے رہنے والے مسلمان (مہاجرین و انصار) شریک نہیں اگر دارالحرب کے مسلمانوں نے صلح و معاہدہ کسی جماعت کفار سے کر لیا ہے تو دارالاسلام کے آزاد مسلمان اس معاہدہ کے پابند نہیں ہو سکتے، بلکہ ان سے حسب مصلحت جنگ کر سکتے ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ دارالحرب کے مسلمان جس وقت دینی معاملہ میں آزاد مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو ان کو اپنے مقدور کے موافق مدد کرنا چاہیے مگر جس جماعت سے ان آزاد مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہو اس کے مقابلے میں تابقائے عہد دارالحرب کے مسلمانوں کی امداد نہیں کی جاسکتی نیز تو ریث باہمی کا سلسلہ جو مہاجرین و انصار میں قائم کیا گیا تھا اس میں بھی دارالحرب کے مسلمان شامل نہیں تھے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ یعنی کافر و مسلم میں نہ حقیقی رفاقت ہے نہ ایک دوسرے کا وارث بن سکتا ہے ہاں کافر، کافر کا رفیق و وارث ہے بلکہ سب کفار تم سے دشمنی کرنے کو آپس میں ایک ہیں، جہاں پائیں گے ضعیف مسلمانوں کو ستائیں گے اس کے بالمقابل اگر مسلمان ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار نہ ہونگے یا کمزور مسلمان اپنے

کو آزاد مسلمانوں کی معیت اور رفاقت میں لانے کی کوشش نہ کریں گے تو سخت خرابی اور فتنہ بپا ہو جائے گا یعنی ضعیف مسلمان مامون نہ رہ سکیں گے ان کا ایمان تک خطرہ میں ہوگا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سردار (یعنی امیر) کے ساتھ والے مسلمان اعلیٰ ہیں گھر بیٹھے والوں سے، آخرت میں ان کے لئے بڑی بھاری بخشش ہے اور دنیا میں عزت کی روزی یعنی غنیمت اور دوسرے فائق حقوق۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ یعنی مہاجرین میں جتنے بعد کو شامل ہوتے جائیں وہ سب باعتبار احکام ’مہاجرین اولین‘ کی برادری میں منسلک ہیں۔ ہجرت کے تقدم و تاخر کی وجہ سے صلح و جنگ و توریث وغیرہ کے احکام پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہاں اگر قدیم مہاجرین کا کوئی رشتہ دار پیچھے (یعنی بعد میں) مسلمان ہوا یا بعد میں ہجرت کر کے آیا تو وہ اس قدیم مہاجر کی میراث کا زیادہ حقدار ہے اگرچہ رفاقت قدیم اوروں سے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمان اگر کافروں سے یاری کریں

امام قرطبی رحمہ اللہ، امام ابن اسحاق رحمہ اللہ کا یہ قول لکھتے ہیں:

إِذَا تَفَعَّلُوا وَهَوَانٌ يَتَوَلَّى الْمُؤْمِنُ الْكَافِرَ دُونَ الْمُؤْمِنِينَ تَكُنْ فِتْنَةٌ أَوْ مُحَنَةٌ بِالْحَرْبِ، وَمَا أَنْجَرَ مَعَهُمُ الْغَارَاتِ وَالْجَلَاءِ وَالْأَسْرِ وَالْفَسَادَ الْكَبِيرَ ظُهُورَ الشَّرِّكَ. (القرطبی)
یعنی اگر مسلمانوں نے مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے یاری کی تو شدید فتنہ آئے گا جنگ مسلط ہوگی مسلمانوں کو لوٹ مار، جلا وطنی اور قید کا سامنا ہوگا اور ’فَسَادٌ كَبِيرٌ‘ یعنی بڑے فساد سے مراد شرک کا غالب آ جانا ہے۔

ہجرت اور جہاد

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هَمُّ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ هَجَرُوا أَوْطَانَهُمْ وَتَرَكَوْهُ لَاعِدَائِهِمْ فِي اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ وَجَهْدُ مَا يَأْمُرُ بِهِمْ فَصْرُ فَوْهَا لِلْكَرَاعِ وَالسَّلَاحِ وَانْفِقُوا عَلَى مُحَاوِجِ الْمُسْلِمِينَ وَأَنْفُسِهِمْ بِمُبَاشَرَةِ الْقِتَالِ وَافْتِحَامِ الْمَعَارِكِ وَالْخَوْضِ فِي لُجَجِ الْمِهَالِكِ.

یعنی یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے وطن چھوڑے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے گھر اپنے دشمنوں کے لئے چھوڑ آئے اور انہوں نے مال سے جہاد کیا کہ جہاد کے لئے سامان، سواری اور اسلحے پر اپنا مال لگایا اور حاجت مند مسلمانوں پر (جہاد کے دوران) خرچ کیا اور انہوں نے اپنی جان سے جہاد کیا یعنی خود جنگوں میں شریک ہوئے، معرکوں کے گھسان میں اور موت کی لہروں میں گھسے۔ (روح المعانی)

صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

”پھر ترک وطن کیا خدا کی راہ میں وطن اور سارے ممالک و ممالک کو چھوڑ کر پردیس میں آئے پھر اپنا روپیہ خرچ کر کے سامان جہاد درست کیا پھر اپنی جانوں کو معرکہ قتال میں پیش کیا۔“ (تفسیر ماجدی)

صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خویش و اقارب، وطن اور فرزند و زن سب کو چھوڑ دیا یہ بات اپنے آپ کو قتل کر دینے سے کچھ کم نہیں جلا وطنی، کالا پانی بھی پھانسی سے کچھ کم سزا نہیں سو جس طرح انہوں نے اپنے مذہب قدیم کو چھوڑ اسی طرح وطن قدیم سے بھی منہ موڑا۔ انہوں نے اپنی جان سے اور مال سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا ہے جان کو اللہ تعالیٰ کے لئے سخت جہلموں (یعنی ہلاکت کے مقامات) میں ڈال دیا۔ (تفسیر حقانی)

صاحب تفسیر الفرقان لکھتے ہیں:

جہاد فی سبیل اللہ کا اہم ترین مقدمہ (یعنی ابتدائی قدم) ہجرت ہے۔

وطن و مکان کا علاقہ (یعنی تعلق) ایک ایسا علاقہ ہے جس کے ترک کرنے میں بعض اوقات اہل و عیال، مال و متاع، دوست و احباب ہر طرح کے علاقوں (یعنی تعلقات) کو ترک کر دینا پڑتا ہے۔ اور اس کی (یعنی وطن و مکان کے ساتھ) محبت و الفت کی زنجیر اور ساری زنجیروں سے بھاری ہے، اس لئے ترک وطن کی ہجرت، اعلیٰ اور جامع قسم کی ہجرت ہوئی اور زیادہ تر ”مہاجر ت“ کا اطلاق تارکین وطن پر کیا گیا۔ مگر مادہ پرست اقوام نے اس کو ذلیل کر دیا اور روحانی کمالات سے دور جا پڑے، پھر بھی دنیاوی فضائل پورے طور پر حاصل ہو گئے۔ یہ حیرت انگیز انکشافات، انقلاب انگیز ایجادات، دولت کی فراوانی، تجارت کی عالمگیری، نئی نئی آبادیوں کا قیام، طرح طرح کے وسائل معیشت کا ظہور پھر ملکوں کا عروج، قوموں کی بالادستی اور تمدن کی وسعت اسی ہجرت کے ثمرات و نتائج ہیں۔ مگر اسلام کا نصب العین اس سے بہت بلند تر ہے، اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ محض رضائے الہی کے لئے گھر بار چھوڑ دو۔ جب ہجرت مقدمہ جہاد ٹھہرا تو ضروری تھا کہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالی جاتی اور بتا دیا جاتا کہ بہترین مسلمان کون لوگ ہیں اس لئے ان آیات میں ان کے مختلف اقسام بیان کئے اور وہ یہ ہیں۔

(الف) اسلام نسلی اور ملکی امتیازات سے بالاتر ایک قومیت بنانا چاہتا ہے اس لئے حکم ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کا قانون بلند و برتر کرنے اور انسانوں کا انسانوں سے رشتہ کاٹ کر صرف اللہ تعالیٰ سے جوڑنے کے لئے اپنے آپ کو، مال و متاع کو اور وطن و دیار کو ترک کر کے مرکز اسلام میں آ جاتے ہیں کہ ارتقاء اسلام کی صورت پیدا ہوا اور اپنی ہر عزیز چیز اس کی خاطر قربان کر دیتے ہیں۔ یہ مہاجر ہیں۔

(ب) جو لوگ دارالاسلام میں رہتے ہیں وہ ان فداکاران ملت کے لئے اپنی آنکھیں بچھا دیتے ہیں، ان کے قصور و محلات کے دروازے ان مہاجرین کے لئے ہر وقت مفتوح (یعنی کھلے) رہتے ہیں اور ان کی نصرت و دستگیری میں اپنی تمام قوت صرف کر دیتے ہیں یہ انصار ہیں۔ (تفسیر الفرقان)

آیت کی تفسیر میں دو قول

مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک ان آیات میں ”ولایت“ کا معنی وراثت اور ولی کا معنی وارث ہے۔ جب کہ دوسرے بعض مفسرین کے نزدیک ”ولایت“ کا معنی دوستی، گہرا تعلق اور آپس میں امداد و اعانت ہے۔ اوپر خلاصہ تفسیر میں اس دوسرے قول کے مطابق آیت کی تشریح لکھی گئی ہے۔ المدارک وغیرہ تفاسیر میں یہی معنی لئے گئے ہیں۔ صاحب روح المعانی اور صاحب بیان القرآن نے ولایت کو وراثت کے معنی میں لے کر تقریر کی ہے شائقین حضرات ان دونوں تفاسیر کا مطالعہ فرمائیں۔ یہاں طلبہ علم کے لئے امام نسفی رحمہ اللہ کی مختصر تفسیر بطور حوالہ پیش خدمت ہے۔ کیونکہ انہوں نے دونوں معانی کو جمع فرمایا ہے۔ نیز ان کے نزدیک اسی سورۃ کی آخری آیت کا یہ ٹکڑا وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ اس حکم کے لئے ناخ ہے جو اوپر کی آیت میں بیان ہوا کہ مہاجرین اور انصار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ جب کہ دیگر مفسرین کے نزدیک وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ کی تفسیر وہ ہے جو پیچھے تفسیر عثمانی کے حوالہ سے بیان ہو چکی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ”المدارک“ کی عبارت۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا مِنْ مَكَّةَ حَبَالَهُ وَرَسُولَهُ وَجَهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ هُمُ الْمُهَاجِرُونَ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أَيْ أَوْوَاهُمْ إِلَىٰ دِيَارِهِمْ وَنَصَرُوهُمْ عَلَىٰ أَعْدَائِهِمْ وَهُمُ الْإِنصَارُ أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ أَيْ يَتَوَلَّىٰ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي الْمِيرَاثِ وَكَانَ الْمُهَاجِرُونَ وَالْإِنصَارُ يَتَوَارَثُونَ بِالْهَجْرَةِ وَبِالنَّصْرَةِ بَعْضُهُمَا دُونَ ذَوِي الْقُرَابَاتِ حَتَّىٰ نَسَخَ بِقَوْلِهِ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ وَقِيلَ: أَرَادَ بِهِ النَّصْرَةَ وَالْمَعَاوَةَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَهَاجِرُوا مِنْ مَكَّةَ مَا لَكُمْ مِنْهُمْ وَلَا يَتَوَلَّوْنَ مِنْ تَوَلَّيْهِمْ فِي الْمِيرَاثِ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يَهَاجِرُوا فَكَانَ لِمِيرَاثِ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَمْ يَهَاجِرْ مِمَّنْ آمَنَ وَهَاجَرَ، وَلَمَّا أَبْقَىٰ لِلَّذِينَ لَمْ يَهَاجِرُوا اسْمَ الْإِيمَانِ وَكَانَتِ الْهَجْرَةُ فَرِيضَةً فَصَارُوا بِتَرْكِهَا مُرْتَكِبِينَ كَبِيرَةٍ دَلَّ عَلَىٰ أَنَّ صَاحِبَ الْكَبِيرَةِ لَا يَخْرُجُ مِنَ الْإِيمَانِ وَإِنْ اسْتَصْرَفُوا أَيْ مِنْ أَسْلَمَ وَلَمْ يَهَاجِرْ فِي الَّذِينَ فَعَلِكُمُ النَّصْرُ أَيْ أَنْ وَقَعَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْكُفَّارِ قِتَالٌ وَطَلَبُوا مَعُونَةً فَوَاجِبٌ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْصُرُوهُمْ عَلَى الْكَافِرِينَ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ لَكُمْ نَصْرُهُمْ عَلَيْهِمْ لِأَنَّهُمْ لَا يَبْتَدِئُونَ بِالْقِتَالِ إِذَا لِمِيثَاقٍ مَانِعٌ مِنْ ذَلِكَ وَاللَّهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ تَحْذِيرٌ عَنْ تَعْدِي حَدِّ الشَّرْعِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ ظَاهِرُهُ اثْبَاتُ الْمَوَالَةِ بَيْنَهُمْ وَمَعْنَاهُ نَهَى الْمُسْلِمِينَ عَنْ مَوَالَةِ الْكُفَّارِ وَمَوَارِثَتِهِمْ وَاجِبٌ مَبَاعَدَتِهِمْ وَمَصَارِمَتِهِمْ وَأَنْ كَانُوا أَقْرَابَ وَأَنْ يَتْرَكُوا يَتَوَارَثُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا: ثُمَّ قَالَ إِلَّا تَفْعَلُوا أَيْ إِلَّا تَفْعَلُوا مَا مَرَّتُمْ بِهِ مِنْ تَوَاصُلِ الْمُسْلِمِينَ وَتَوَلَّىٰ بَعْضُهُمْ بَعْضًا حَتَّىٰ فِي التَّوَارِثِ تَفْضِيلًا لِنِسْبَةِ الْإِسْلَامِ عَلَىٰ نِسْبَةِ الْقُرَابَةِ وَلَمْ تَجْعَلُوا قُرَابَةَ الْكُفَّارِ كَلَا قُرَابَةَ تَكُنْ فِتْنَةً فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ

تحصل فتنة في الارض ومفسدة عظيمة لان المسلمين مالم يصيروا يداً واحدة على الشرك كان
الشرك ظاهراً والفساد زائداً وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ لِلَّهِ وَاتَّبَعُوا سَبِيلَ اللَّهِ وَلِلَّهِ الْوَدَّ وَالنُّصْرُ
أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّانَّهُمْ صدقوا ايمانهم وحققوه بتحصيل مقتضياتها من هجرة الوطن
ومفارقة الأهل والسكن والانسلاخ من المال والدنيا لاجل الدين والعقبى تَهُم مَغْفِرَةً وَرِزْقًا كَرِيمًا
لامنة فيه ولا تنغيص ولا تكرر لان هذه الآية واردة للثناء عليهم مع الوعد الكريم والا ولى
للامر بالتواصل وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ يَرِيدُ اللاحقين بعد السابقين الى الهجرة وَهَاجَرُوا
وَجْهَهُمْ وَمَالَهُمْ مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مَعَكُمْ جعلهم منهم تفضلاً وترغيباً وَأُولَٰئِكَ الْأَرْحَامُ بَعْضُهُمْ أَوْلَى
بِبَعْضٍ واولو القربات اولى بالتوارث وهو نسخ للتوارث بالهجرة والنصرة فِي كِتَابِ اللَّهِ فِي
حكمه وقسمته او في اللوح او في القرآن وهو آية الموارث وهو دليل لنا على توريث ذوى
الارحام إِنَّ اللَّهَ يَكْفِي شَيْءًا عَلَيْهِمْ فيقضى بين عباده بما شاء من احكامه. (المدارك)

نکتہ

میراث کا حقدار رشتہ داروں کو قرار دے دیا گیا بظاہر اس سے اسلامی جماعت کو زیادہ مضبوطی ملی اس لئے کہ مال
جھگڑے کی چیز ہے اور اس کا فتنہ سخت ہے۔ رشتہ داروں نے تو خونی رشتے کی مجبوری کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ
رہنا ہی ہوتا ہے۔ اس لئے مال پران کے جھگڑے اتنے نقصان دہ نہیں ہوتے۔ جبکہ اسلامی اور جماعتی رشتے کے لئے
مال کا جھگڑا زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قرآن پاک کو ماننے والی ایک جماعت

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مخالفین اسلام ایک دوسرے کے معین و مددگار ہونگے إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنَّ فِتْنَةٌ قُرْآن شریف پر عمل
کرنا اسی صورت میں آسان ہے جب کہ قرآن شریف کے ماننے والے ایک جماعت اور نہ ماننے والے دوسری
جماعت ہو جائیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

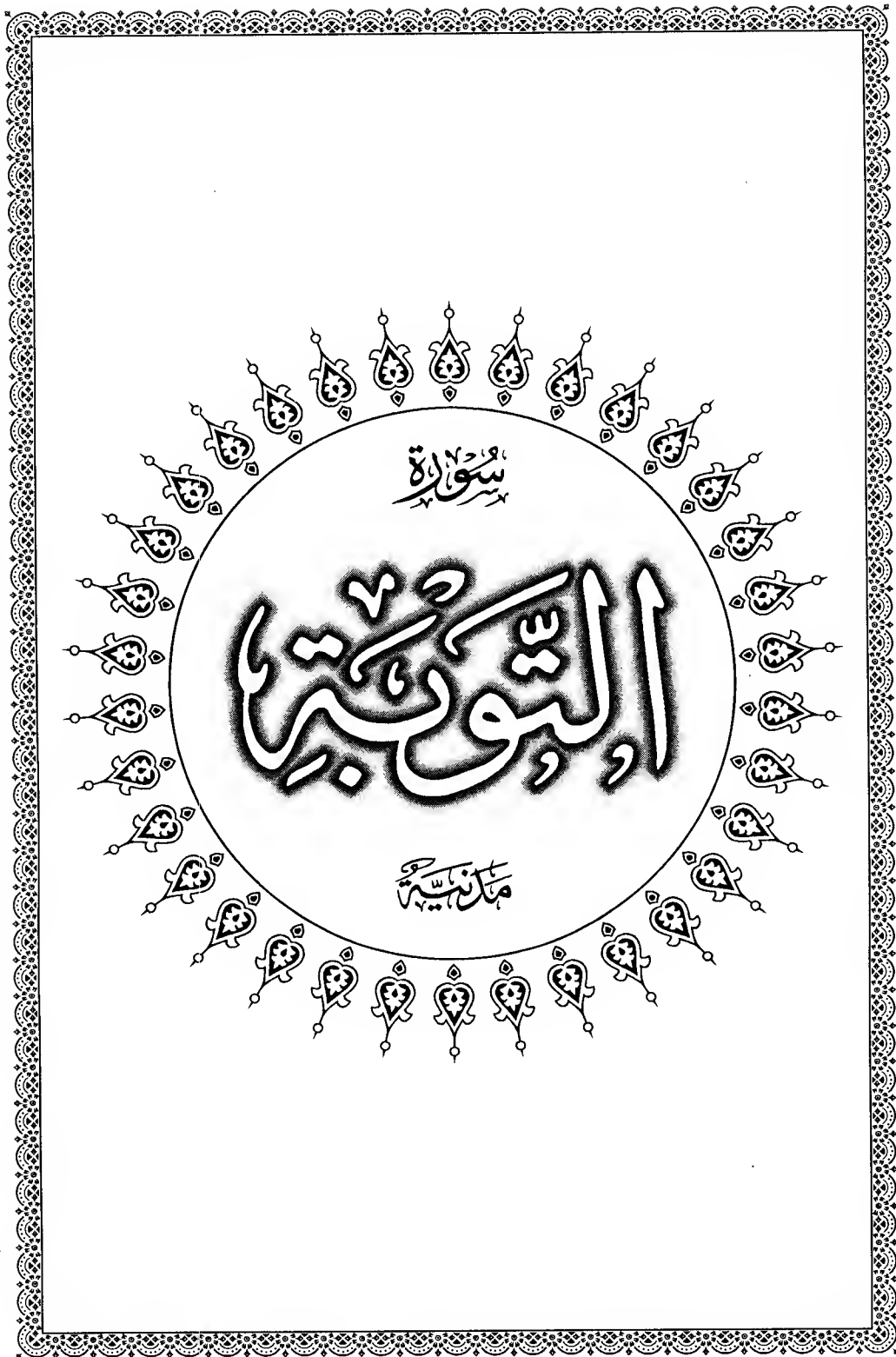
سورۃ انفال کی آخری آیات میں مسلمانوں کے درمیان جس طرح کے ”تعلق“ پر زور دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ہم
سب کو یعنی امت مسلمہ کو اس پر عمل کی توفیق اور پھر اس کے ثمرات عطا فرمائے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔
ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم وتب علينا انک انت التواب الرحيم۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم


تسلیمًا کثیرا کثیرا۔


۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ


یوم الجمعہ





البتدائیہ


سورة کے ناموں کی تحقیق 

سورة مبارکہ کے غزوات، واقعات اور زمانہ نزول 

سورة التوبہ کا سورة الانفال سے ربط 

سورة التوبہ کے مضامین جہاد کا عجیب خلاصہ 

جہادی نکات از حضرت شاہ عبدالقادر 

خلاصہ مضامین سورة التوبہ 



سورۃ کا ایک مشہور نام تو التوبہ ہے۔

لان فیہا التوبۃ علی المؤمنین (المدارک)

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی توبہ قبول فرمائی اور ان پر اپنی خاص توجہ فرمائی۔

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ الى إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (التوبہ ۱۱۷-۱۱۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے نبی کے حال پر رحمت سے توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت میں (غزوہ تبوک کے موقع پر) نبی کا ساتھ دیا اس کے بعد کہ ان میں سے بعض کے دل پھر جانے کے قریب تھے پھر اپنی رحمت سے ان پر توجہ فرمائی بے شک وہ ان پر شفقت کرنے والا مہربان ہے اور ان متینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا یہاں تک کہ جب ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں سوائے اسی کی طرف آنے کے، پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان پر متوجہ ہوا تاکہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

یعنی مشکل حالات میں جہاد کے لئے نکلنا اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جو وہ اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ اور اگر کوئی جہاد سے رہ جائے تو وہ خوب توبہ کرے۔

سورۃ کے دیگر نام

اس سورۃ مبارکہ کا دوسرا مشہور نام ”سورۃ البراءۃ“ ہے۔ براءۃ کہتے ہیں ترک موالات اور رفع امان کو۔ یعنی تعلقات ختم اور حفاظت کی ضمانت ختم اب تمہارا فیصلہ تلوار کے ذریعہ ہوگا..... ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

◆ براءۃ کے معنی ترک موالات و رفع امان کے ہیں۔

البراءۃ هی قطع الموالاة وارتفاع العصمة وزوال الامان (جصاص) معنی البراءۃ انقطاع العصمة (کبیر)

مشرکین عرب کی مسلسل عہد شکنیوں کے بعد اب انہیں ٹوٹس دیا جا رہا ہے کہ اتنی مدت کے بعد تم سے سارے معاہدے ختم، بس اب تلوار ہی تمہارا فیصلہ کرے گی۔ (تفسیر ماجدی)

حضرات مفسرین نے اس سورۃ مبارکہ کے تیرہ نام نقل فرمائے ہیں چونکہ اس سورۃ مبارکہ کا بنیادی موضوع جہاد فی سبیل اللہ ہے اس لئے اس کے تمام نام جہاد کے مختلف پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

فقال بعضهم: الانفال وبراءۃ واحدة نزلت فی القتال

یعنی بعض صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ انفال اور براءۃ دونوں ایک ہی سورۃ ہے جو قتال فی سبیل اللہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

مفسرین حضرات نے اس سورۃ کے درج ذیل نام ذکر فرمائے ہیں:

- ۱ سورۃ البرآة ۲ التوبة ۳ سورۃ العذاب ۴ المقتشئة ۵ المبعثرة ۶ المشرقة ۷ الحزبية ۸ المشرقة ۹ الحافرة ۱۰ المنكئة ۱۱ المددمة ۱۲ الفاضحة ۱۳ الحامزة۔ (کشاف، المدارک، حقانی)
- البرآة اور التوبة کے معنی اوپر بیان ہو چکے ہیں سورۃ العذاب کا معنی بھی واضح ہے کہ اس میں کافروں اور منافقوں کے لئے عذاب کا بیان ہے۔ سورۃ کے باقی ناموں کا تعلق منافقین کی حالت سے ہے کہ یہ سورۃ انہیں رسوا کرتی ہے ان کے عیبوں اور بیماریوں کو کرید کرید کر بیان کرتی ہے اور ان کے مکر و فریب اور سازشوں کی نقاب کشائی کرتی ہے۔ (وغیرہ)

سورۃ مبارکہ کے غزوات و واقعات اور زمانہ نزول

اس سورۃ مبارکہ میں تین بڑے غزوات کا تذکرہ ہے:

- ۱ فتح مکہ
- ۲ غزوہ حنین
- ۳ غزوہ تبوک

اور اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مبارکہ کے واقعہ کو بھی تبعاً بیان کیا گیا ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سورۃ ۹ھ میں نازل ہوئی جبکہ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس سورۃ مبارکہ میں چند آیات فتح مکہ کی ترغیب میں ہیں یعنی وہ آیات پہلے نازل ہوئیں اور ان میں مسلمانوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ مکہ پر حملہ کریں اور اسے فتح کریں..... اور غزوہ حنین کے بارے میں جو آیات ہیں وہ غزوہ حنین کے بعد نازل ہوئیں..... اور غزوہ تبوک کے بارے میں دو طرح کی آیات ہیں کچھ آیات غزوہ تبوک سے پہلے نازل ہوئیں ان میں غزوہ تبوک کی ترغیب ہے اور کچھ آیات غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئیں ان میں غزوہ تبوک میں نہ جانے والے منافقین وغیرہ پر عتاب ہے..... اور سب سے آخر میں وہ آیات نازل ہوئیں جن میں مشرکین سے ہر طرح کے عہد معاہدے ختم کرنے کا اعلان ہے..... اس تحقیق کے اعتبار سے یہ پوری سورۃ ۸ھ تا ۹ھ کے آخر تک کے زمانے میں نازل ہوئی۔

اس تحقیق کی مدلل تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے تفسیر روح المعانی و بیان القرآن۔ بہر حال حضرات مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سورۃ توبہ قرآن پاک کی ان سورتوں میں سے ہے جو بالکل آخری زمانے میں نازل ہوئیں۔

وروی البخاری عن البراء انها آخر سورة نزلت

یعنی امام بخاریؒ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آخر میں نازل ہونے والی سورۃ ہے۔ (جلالین)

ابن کثیر لکھتے ہیں:

هذه السورة الكريمة من اواخر ما نزل على رسول الله صلى الله عليه وسلم
یعنی یہ سورۃ مبارکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی آخری سورتوں میں سے ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)
شیخ عبداللہ عزام فرماتے ہیں:

نزلت في العام التاسع من الهجرة وهي تتكلم عن غزوة تبوك
یعنی یہ سورۃ ۹ھ میں نازل ہوئی اور یہ غزوہ تبوک کو بیان کرتی ہے۔ (فی ظلال سورۃ التوبة)
جب یہ سورۃ مبارکہ قرآن پاک کی ان سورتوں میں سے ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری زمانے میں
نازل ہوئیں تو یہ کہنا درست ہے کہ:
جہاد کے حتمی احکامات، جہاد کی بالکل واضح شکل..... اور جہاد کی اصل شرعی حیثیت اسی سورۃ سے واضح طور پر سمجھی
جاسکتی ہے۔

ان هذه السورة تمثل الشرعة النهائية لحكم القتال في سبيل الله (الشيخ عزام)
سورۃ مبارکہ میں مذکور غزوات، واقعات اور ترتیب نزول آیات کے بارے میں صاحب بیان القرآن تحریر
فرماتے ہیں:

”اس سورۃ میں چند غزوات اور چند واقعات کہ حکماً وہ بھی غزوات ہیں مذکور ہیں ❶ قبائل عرب سے معاہدہ ختم
کرنے کا اعلان ❷ فتح مکہ ❸ غزوہ حنین ❹ حرم شریف سے کفار کو (ہمیشہ کے لئے) نکالنے کا بیان
❺ غزوہ تبوک۔“

پچھلی سورۃ (الانفال) میں اکثر غزوہ بدر اور کچھ غزوہ بنی قریظہ کے واقعات تھے پس دونوں سورتوں کے درمیان
رابطہ اور مناسبت واضح ہوگئی۔ (مفہوم بیان القرآن)
تفسیر الفرقان میں ہے:

”تمام سورۃ پڑھنے کے بعد ہر شخص بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اس کا نزول سب سے آخر میں ہوا بخاری میں
براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: آخر سورة نزلت برأة سب سے آخر میں (سورۃ) تو یہی کا
نزول ہوا۔ ظاہر ہے اس کا مقام نزول مدينة النبي کے سوا اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی، اسی پر جمہور مفسرین کا اتفاق ہے
اور یہی ابن عباس، ابن الزبیر اور قتادہ کی رائے ہے۔ ترتیب آیات و واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ تمام
وکمال ۹ ہجری میں نازل ہوئی ہے ہاں اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ اس کی ابتدائی آیات اس سال کے آخر میں نازل ہوئی

ہوں گی کیونکہ یہی وہ آیات تھیں جن کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مشرکین عرب کے سامنے حج کے روز تلاوت کیا تھا تاکہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اب اسلام ان سے کوئی جدید عہد نہیں کرے گا۔ آیات نمبر ۲۹ سے آخر سورۃ تک غالباً غزوہ تبوک سے قبل یا فوراً بعد اور عجیب نہیں کہ عین دوران جنگ میں نازل ہوئی ہوں۔ ظاہر ہے کہ جنگ تبوک بھی ہجرت کے نویں ہی سال وقوع میں آئی تھی۔ (تفسیر الفرقان)

سورۃ التوبہ کا سورۃ الانفال سے ربط

”سورۃ الانفال کی تعلیم سے جب مسلمان قانون جنگ کے ماہر ہو گئے تو اب اس سورۃ میں سب سے پہلے عرب کو اور اس کے بعد تمام مخالفین کو اعلان جنگ دیا گیا کہ اگر وہ اسلام کے بقاء میں مزاحم ہوئے تو جس طرح سرزمین عرب میں حق کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی اور باطل کا جڑ سے خاتمہ کیا گیا اسی طرح ہر جگہ اہل کفر کی سرکوبی کر دی جائے گی

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلْعَالَمِينَ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ“ (تفسیر الفرقان)

۱ ان دونوں میں ربط یہ ہے کہ دونوں سورتوں میں جہاد کا تذکرہ ہے۔ (تفسیر المدارک، تفسیر الفرقان)

۲ سورۃ انفال کے آخر میں مسلمانوں کی ”عالمی جماعت“ اور ”عالمی برادری“ قائم کی گئی جب مسلمانوں کا یہ اتحاد قائم ہو گیا تو مخالفین اسلام سے عمومی جنگ کا اعلان کر دیا گیا..... تفسیر الفرقان میں ہے:

سورۃ انفال کے آخر میں فرمایا تھا: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ وَإِيْمَانَهُمْ وَأَنْفُسَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ

یہی وہ لوگ تھے جن کی نسبت کہا گیا:

أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ

پس جب مسلمانوں میں مذہبی اتحاد اور سیاسی یگانگت قائم ہو گئی تو فوراً بعد سورۃ توبہ میں مخالفین اسلام کو اعلان جنگ دیا گیا: بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (تفسیر الفرقان)

۳ سورۃ انفال میں جہاد کے لئے تیاری کرنے کا حکم تھا وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ (انفال ۶۰) اور اس سورۃ میں منافقین پر تنقید ہے کہ وہ جہاد کی تیاری نہیں کرتے وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوبَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً (التوبہ ۳۶)

امام آلوسی لکھتے ہیں:

وانه تعالى امر في الاولى (الانفال) بالاعداد فقال سبحانه: وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ (الانفال ۶۰) ونعى هنا على المنافقين عدم الاعداد بقوله عز وجل: وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوبَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً (التوبہ ۳۶)۔ (روح المعانی)

۴ سورۃ انفال کے آخر میں حکم دیا گیا تھا کہ مسلمان ایک دوسرے سے دوستی اور موالات رکھیں اور کافروں سے

یاری اور موالا ت نہ کریں سورۃ توبہ میں اسی بات کو مزید وضاحت سے بیان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے بری ہیں۔ صاحب روح المعانی تحریر فرماتے ہیں:

وانه سبحانه ختم الاولى بايجاب ان يوالى المومنين بعضهم بعضا وان يكونوا منقطعين عن الكفار بالكلية وصرح جل شانہ فی هذه بهذا المعنى بقوله تبارك وتعالى بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (التوبة: ۱)

۵) سورۃ انفال میں مال غنیمت کی تقسیم کا بیان تھا اور سورۃ توبہ میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان ہوئے ہیں (جن میں سے ایک صرف جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنا بھی ہے)

ووجه مناسبتها للانفال ان فى الاولى قسمة الغنائم وجعل خمسها لخمسة اصناف على ما علمت وفى هذه قسمة الصدقات وجعلها لثمانية اصناف على ما ستعلم ان شاء الله تعالى۔ (روح المعانی)

۶) ”سورۃ انفال میں معاہدوں کی پابندی اور صلح کا تذکرہ تھا: وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ اب چونکہ کفار نے بار بار اپنے عہد ناموں کو توڑ ڈالا اور ہمیشہ مسلمانوں کو تکلیف دی اس لئے توبہ میں ان پابندیوں سے مسلمانوں کو آزا کر دیا گیا۔“ (تفسیر الفرقان)

وقال الآلوسی: وفى الاولى ايضاً ذكر العهود وهنا نبذها.

۷) سورۃ انفال میں غزوہ بدر کا بیان تھا جبکہ اس سورۃ میں فتح مکہ جنین، تبوک اور پھر تمام قبائل عرب سے حتمی اعلان جنگ ہے۔ غزوہ بدر کے وقت مسلمان کمزور تھے مگر انہوں نے جہاد جہاری رکھا اور سورۃ انفال کے حکم کے مطابق جہاد کی تیاری میں لگے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ یہ اعلان کرنے کے قابل ہو گئے کہ تمام مشرک و کافر جزیرۃ العرب سے نکل جائیں پس سورۃ انفال اور سورۃ برآۃ کا جوڑ مسلمانوں کو قوت، غلبہ اور اسلامی اقتدار حاصل کرنے کی ترتیب سمجھاتا ہے کہ کمزوری کے وقت بھی مسلمان جہاد اور اس کی تیاری نہ چھوڑیں بلکہ جہاد اور اس کی تیاری میں لگے رہیں تو انہیں وہ غلبہ ملے گا جو سورۃ توبہ میں مذکور ہے۔ یعنی مسلمان سورۃ انفال پر عمل کر کے سورۃ برآۃ والی عظمت اور شان تک پہنچ سکتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

۸) سورۃ انفال اور سورۃ برآۃ کے درمیان اور بھی بہت سی مناسبات ہیں۔ مثلاً سورۃ انفال میں غزوہ بدر کا بیان تھا جس کا ایک اہم سبق مسلمانوں کے لئے یہ تھا کہ اگر تم کمزور یا تھوڑے ہو تو گھبراؤ نہیں اور سورۃ توبہ میں غزوہ جنین کا بیان ہے جس کا ایک اہم سبق یہ ہے کہ اگر تم زیادہ ہو تو اتراؤ نہیں۔

سورۃ انفال میں بتایا گیا تھا کہ مشرکین مکہ کعبۃ اللہ کی بے حرمتی کرتے ہیں اور وہ اس کی خدمت کے اہل نہیں ہیں

سورۃ توبہ میں کعبہ اللہ کے آزاد، صاف اور پاک ہونے کا بیان ہے سورۃ انفال میں فتنہ ختم کرنے کے لئے قتال کا حکم تھا اور سورۃ توبہ میں اس کا عملی اظہار ہے کہ کس طرح سے قتال کی برکت سے جزیرۃ العرب سے فتنہ ختم ہوا اور کس طرح سے سرزمین حجاز کی تطہیر ہوئی پس اگر مسلمان قتال فی سبیل اللہ جاری رکھیں گے تو انہیں دنیا میں ہر جگہ ایسے ہی نتائج حاصل ہوں گے۔ سورۃ انفال میں قریب کے دشمنوں سے جنگ کا واقعہ بیان ہوا تھا کیونکہ بدر کا محاذ مدینہ منورہ کے قریب تھا جبکہ سورۃ توبہ خاص طور پر غزوہ تبوک کو بیان کرتی ہے جو بہت دور کا محاذ تھا معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اسلام کی دعوت، عظمت اور غلبے کے لئے قریب، دور ہر جگہ جانا ہوگا۔

سورۃ انفال میں یہ سمجھایا گیا کہ مسلمان تھوڑے ہوں تب بھی جہاد کو جاری رکھیں اور سورۃ توبہ میں یہ سمجھایا گیا کہ مسلمان زیادہ ہوں تب بھی جہاد کو جاری رکھیں اور عجیب نکتہ یہ ہے کہ دونوں سورتوں میں ہجرت کے واقعے کی طرف اشارہ فرمایا گیا کہ اللہ پاک نے ہجرت کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کس طرح نصرت فرمائی تھی۔ یعنی فتح اور نصرت تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے ملتی ہے اور وہی اس دین کا محافظ ہے باقی جو لوگ اس دین کی نصرت کریں گے یہ خود ان کی خوش نصیبی ہوگی ورنہ اللہ تعالیٰ تو اس دین کے غلبے کا فیصلہ فرما ہی چکا ہے جس کا واضح ثبوت ہجرت کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی عجیب نصرت ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک عجیب نکتہ

سورۃ انفال ہجرت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی یعنی غزوہ بدر کے موقع پر اور سورۃ توبہ کی اکثر آیات کا نزول ۹ھ کے آس پاس ہے مگر دونوں سورتوں کا لہجہ اور انداز بہت ملتا جلتا ہے۔ حالانکہ دنیا میں عام اصول یہ ہے کہ جب کوئی تحریک یا جماعت کمزور ہوتی ہے تو اس کا لہجہ اور انداز اور ہوتا ہے اور جب وہ تحریک یا جماعت قوت پکڑ لیتی ہے تو اس کا لہجہ اور انداز بدل جاتا ہے۔ مگر قرآن پاک کے پاس جب تین سو تیرہ نئے افراد کا لشکر تھا تب بھی وہ کافروں کو اسی طرح للکارتا رہا اور جب اسی کے پاس دسیوں ہزار مسلح مجاہدین تھے تب بھی اس کا لہجہ وہی رہا۔ کوئی بھی انصاف کے ساتھ اس نکتے پر غور کرے تو بے ساختہ پکار اٹھے گا کہ بے شک قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کسی انسان کا ہرگز نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سورۃ توبہ کے بعض جہادی مضامین کا عجیب خلاصہ

سورۃ توبہ اوّل تا آخر جہادی معارف اور مضامین سے لبریز ہے اور یہ سورۃ چونکہ آخر میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے اس لئے اس کے تمام مضامین محکم، قطعی اور حرف آخر ہیں۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ یہ سورۃ مبارکہ اسلام کے کئی اہم غزوات کو بیان فرماتی ہے۔ جیسے فتح مکہ، غزوہ تبوک، غزوہ حنین۔ حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ اس

سورۃ کی آیت **فَاتْلُوهُمْ يُعَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** (آیت ۱۴) میں فتح مکہ کی ترغیب ہے۔ اور آیت **لَا تُفِرُوا خِفَافًا وَلَا ثِقَالًا** (آیت ۴۱) کے ذریعے مشکل ترین جہادی سفر غزوہ تبوک کی ترغیب ہے۔ یعنی اس سورۃ میں جہاد کا مکمل نصاب موجود ہے جہاد کی فرضیت، جہاد کی ترغیب، فرضیت جہاد کی وجوہات اور حکمتیں، جہاد کے فضائل، جہاد چھوڑنے کی وعیدیں، جہاد کرنے کے فائدے، شہادت کے عجیب فضائل، مشرکین کے خلاف جہاد، اہل کتاب کے خلاف جہاد..... جہاد کے بارے میں منافقین کا طرز عمل۔ جہاد کے مخالف منافقین کی اقسام۔ ان منافقین کے سدا بہار بہانے۔ مسلمانوں کے لئے ایک عظیم اور خالص مرکز کا قیام۔ فضیلت ہجرت و نصرت۔ جہاد میں مال خرچ کرنے کی اہمیت اور فضیلت۔ جنگ کرنے کا طریقہ۔ منافقین کا طرز عمل اور ان سے نمٹنے کے طریقے۔ اور بہت کچھ.....

طلبہ علم کی سہولت کے لئے سورۃ مبارکہ کے بعض ضروری جہادی مضامین کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ ہر مضمون کے آخر میں اس آیت کا نمبر بھی لکھا جا رہا ہے جس میں یہ مضمون مذکور ہے۔

(۱) جہاد فی سبیل اللہ کی سات حکمتیں اور فائدے

قال تو نام ہے لڑائی کا۔ کیا اس لڑائی میں انسانیت کے لئے فائدے اور حکمتیں ہیں کہ اللہ پاک نے اس کا حکم دیا۔ جی ہاں قال فی سبیل اللہ میں بہت عظیم الشان ظاہری و باطنی حکمتیں اور فائدے ہیں سورۃ توبہ کی آیت (۱۴) اور (۱۵) میں سات بہت اونچی حکمتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

(۲) وہ پانچ باتیں جو جہاد سے رکنے کا عذر نہیں بن سکتیں

پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کو عذر قرار دے کر لوگ جہاد سے رک جاتے ہیں، سورۃ توبہ نے بیان فرمایا کہ یہ پانچ عذر جہاد چھوڑنے کا بہانہ نہیں بن سکتے۔ ❶ دشمنان اسلام اگر بعض نیک کام کرتے ہوں تو ان کی وجہ سے ان کے خلاف جہاد رک نہیں جائے گا مشرکین مکہ حرم شریف کے مجاور اور خادم تھے مگر اس نیکی کی وجہ سے ان کے خلاف جہاد ترک نہیں کیا گیا۔ آیت ۱۲ ❷ مسلمان مسجد میں بیٹھ کر ذکر و فکر کرنے اور مساجد کے آباد رکھنے کو جہاد چھوڑنے کا عذر نہیں بنا سکتے آیت ۱۹ ❸ دشمنان اسلام سے اگر کوئی دنیاوی تعلق یا خونی رشتہ ہو تو اسکی وجہ سے ان کے خلاف جہاد بند نہیں ہوگا آیت ۲۳ ❹ قلت تعداد مانع جہاد نہیں ہو سکتی یعنی کم تعداد کو عذر بنا کر جہاد چھوڑنا ٹھیک نہیں ہے آیت ۲۵۔ ❺ اگر دشمنان اسلام سے جہاد کرنے میں مسلمانوں کو اپنے اقتصادی اور مالی نقصان کا خطرہ ہو تو اس کی وجہ سے جہاد ترک نہیں کیا جائے گا۔ یعنی اگر دشمنان اسلام سے مسلمانوں کو کچھ مال و مفادات مل رہے ہوں اور ان کے خلاف جہاد کرنے سے ان مفادات کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو اس کی قطعاً پرواہ نہ کی جائے آیت ۲۸۔ (مفہوم تقریر حضرت لاہوریؒ)

(۳) اہل کتاب کے خلاف جہاد

اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے خلاف بھی جہاد ہوگا..... سورۃ توبہ نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ اہل کتاب کے

خلاف کب تک جہاد جاری رکھا جائے گا؟..... اہل کتاب کے خلاف جہاد کیوں کیا جاتا ہے؟..... اہل کتاب میں کون کون سی ایسی خرابیاں آگئی ہیں جن کی وجہ سے ان کو مغلوب کرنا ضروری ہے؟..... (ورنہ ان کی یہ خرابیاں دنیا میں پھیل جائیں گی) آیت ۲۹ تا ۳۵۔

(۲) خود اپنے آپ کو جہاد سے مستثنیٰ رکھنا نفاق کی علامت ہے

کسی شرعی عذر کے بغیر جہاد سے رخصت مانگنا اور خود کو جہاد سے مستثنیٰ رکھنا نفاق کی علامت ہے اس اہم مضمون کا آغاز آیت ۲۵ سے ہوتا ہے..... اور پھر سورۃ توبہ نے وہ پانچ طرح کے افراد بیان فرمائے ہیں جو خود کو جہاد سے مستثنیٰ رکھتے ہیں اور نفاق کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں:

۱) وہ لوگ جو جہاد میں نکلنے کی تیاری ہی نہیں کرتے پھر جب جہاد کا وقت آتا ہے تو بہانے بنا کر خود کو مستثنیٰ رکھتے ہیں اور رخصت مانگتے ہیں۔ (آیت ۲۵، ۲۶)

۲) وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم جہاد میں نکل بھی گئے تو ہم کمزور ہیں ہم کچھ نہیں کر سکیں گے بلکہ ہم گناہوں اور فتنوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ (آیت ۲۹)

۳) وہ جو اللہ پاک کی رضا کے لئے نہیں مال کی خاطر جہاد کرتے ہیں بس جب ان کو مال کم ملتا ہے تو بگڑ جاتے ہیں اور ناراض ہو بیٹھتے ہیں۔ (آیت ۵۸)

۴) وہ جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم خیال نہیں ہیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمان ہیں ایسے لوگ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خاطر لڑنے کو درست نہیں سمجھتے۔ (آیت ۶۱)

۵) وہ جو عہد کرتے ہیں کہ ہمیں جب وسعت اور آسانی ملے گی تو ہم جہاد کریں گے پھر جب وسعت مل جاتی ہے تو اسی کے مزے میں پڑ جاتے ہیں اور جہاد نہیں کرتے۔ (آیت ۷۵، ۷۶) (مفہوم تقریر حضرت لاہوری)

(۵) جہاد کی بدولت منافق بے نقاب ہو جاتے ہیں

بہت سے منافق جو خود کو مسلمان کہتے ہیں اور جماعت اسلام میں گھسے رہتے ہیں ان کی اصل حقیقت تب بے نقاب ہوتی ہے جب انہیں اسلام کے اہم فریضے جہاد فی سبیل اللہ میں جانی اور مالی شرکت کے لئے بلایا جاتا ہے۔ نفاق اور منافقت کو سمجھنے کے لئے سورۃ توبہ کے مضامین بے حد صاف، واضح اور مفصل ہیں۔ اس میں منافقین کی اقسام کا بھی بیان ہے مثلاً آیت (۱۰۱) میں ان منافقین کا تعارف ہے جو ”نا قابل معافی“ ہیں کیونکہ ان کا نفاق اعتقادی ہے اور ان کا نصب العین افتراق بین المسلمین ہے جبکہ اس کے بعد والی آیت میں کئی مفسرین کے نزدیک ان منافقین کا بیان ہے جو قابل معافی ہیں کیونکہ ان کا نفاق عادی ہے اعتقادی نہیں اسی طرح آیت (۶۷) میں منافقین کا نصب العین اور ان کی سزا کو بیان کیا گیا ہے جب کہ آیت (۱۰۷) میں مسجد ضرار کا تذکرہ ہے کہ کس طرح سے مسلمانوں میں گھسے ہوئے منافق اسلام دشمن کافروں کو مسلمانوں کے خلاف مدد، تعاون، مراکز اور اڈے فراہم کرتے

ہیں۔ الغرض منافقین کی سوچ، ان کے خیالات ان کے طرز عمل ان کے منشور اور ان کے طریقہ کار کو سمجھنے کے لئے سورۃ توبہ کے مضامین حرف آخر کا درجہ رکھتے ہیں اور چند مثالیں پیش کر دی گئی ہیں باقی تفصیل آیات کے ترجمے، تفسیر اور معارف سے انشاء اللہ واضح ہو جائے گی کیونکہ اگر ان تمام مضامین کا صرف خلاصہ بھی لکھا جائے تو وہ بھی بہت مفصل ہو جائے گا، ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ نفاق، منافقت اور منافقوں سے حفاظت کے لئے سورۃ توبہ کو اچھی طرح سے پڑھے اور سمجھے..... واللہ اعلم بالصواب..... منافقین کی جہاد سے دوری، جہاد سے نفرت اور پہلو تہی، جہاد میں نہ جانے کے لئے ان کے نقلی عذر اور بہانے اور ان کے بہانوں کا جواب یہ سورۃ توبہ کا ایک اہم ترین موضوع ہے۔

(۶) ترک جہاد پر سخت وعیدیں

سورۃ توبہ کا ایک موضوع فریضہ جہاد کے ترک پر وعیدیں ہیں ظاہر بات ہے یہ وعیدیں غزوہ تبوک کے بیان کے ضمن میں آئی ہیں تو اس سے جہاد کا معنی بھی واضح ہو جاتا ہے کہ کون سا جہاد چھوڑنے پر یہ تمام وعیدیں آئی ہیں۔ ترک جہاد پر یہ وعیدیں کئی آیات میں وارد ہوئی ہیں مثلاً آیت (۱۳)، (۱۶)، (۲۳)، (۲۸)، (۳۹)، (۴۲)، (۴۵)، (۴۶)، (۴۷)، (۸۷)، (۹۳)، (۹۵)..... اور بہت سی آیات..... دراصل سورۃ توبہ میں ترک جہاد پر منافقین کو بہت سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں چنانچہ اگر ان تمام آیات کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ فہرست کافی لمبی ہو جائے گی۔ تمام مسلمانوں سے گزارش ہے کہ وہ ان آیات کو جن کے نمبرات یہاں عرض کیے گئے ہیں ایک بار توجہ سے پڑھ لیں اور پھر ان آیات کی روشنی میں جہاد کے بارے میں اپنے عقیدے، فکر اور عمل کی اصلاح فرمائیں۔

(۷) فرضیت و افضلیت جہاد

سورۃ توبہ جہاد فی سبیل اللہ کی فرضیت کو بھی بیان فرماتی ہے اور دوسرے اعمال پر جہاد کی افضلیت کو بھی، چنانچہ ملاحظہ کریں درج ذیل آیات.....

(۴۱)، (۱۹)، (۲۰)، (۲۱)، (۲۲)، (۸۸)، (۸۹)، (۱۱۱)، (۱۱۲)، (۱۳۰)، (۱۳۱)، (۳۹)، (۳۶)، (۴۳)، (۷۱)، (۷۲)، (۷۳)، (۷۴)، (۱۱۷)، (۱۲۳)..... اور دیگر کئی آیات

اگر صرف یہی آیات ترجمے اور مختصر تشریح کے ساتھ پڑھ اور سمجھ لی جائیں تو انشاء اللہ جہاد کی فرضیت، افضلیت اور عظمت سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔

(۸) طریق جنگ کی تعلیم

سورۃ توبہ میں مسلمانوں کو جنگ کے طریقے کی تعلیم بھی ہے

مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیے آیات (۱۲)، (۱۲۳)

(۹) سورۃ انفال کا تتمہ اور مسلمانوں کا ایک خالص مرکز

سورۃ انفال کے آخر میں مسلمانوں کی ایک عالمی برادری اور جماعت قائم فرمائی گئی تھی اب اس جماعت اور

برادری کے لئے ایک ایسے مرکز کی ضرورت تھی جو ان ہی کے لئے خاص اور خالص ہو اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے سرزمین حجاز کو منتخب فرمایا اور اس مرکز کی ترتیب کا پورا نقشہ سورۃ برآۃ میں نازل فرما دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کرام نے اسی نقشے کے تحت اسلامی مرکز کو قائم فرمایا جس کے بعد اسلام پوری دنیا پر چھاتا چلا گیا۔ سورۃ برآۃ کی ابتدائی آیات میں مسلمانوں کے لئے خالص مسلمان بننے اور زمین پر اللہ تعالیٰ کے نظام کو قائم کرنے کے لئے واضح حکم اور سبق موجود ہے۔

اس نکتے کو مزید سمجھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے یہ دلنشین عبارت:

” (سورۃ انفال اور سورۃ توبہ) دونوں کے مضامین باہم اس قدر مرتبط و متشقق واقع ہوئے ہیں کہ گویا برآۃ کو ”انفال“ کا تتمہ اور تکملہ کہا جاسکتا ہے۔ سورۃ انفال تمام تر غزوہ بدر اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہے، یوم بدر کو قرآن نے ”یوم الفرقان“ کہا کیونکہ اس نے حق و باطل، اسلام و کفر اور موحدین اور مشرکین کی پوزیشن کو بالکل جدا کر کے دکھا دیا۔ بدر کا معرکہ فی الحقیقت خالص اسلام کی عالمگیر اور طاقتور برادری کی تعمیر کا سنگ بنیاد اور حکومت الہی کی تاسیس کا دیباچہ تھا۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ کے مقابلہ میں جس خالص اسلامی برادری کے قیام کی طرف ”انفال“ کے خاتمہ پر إِلَّا تَفْعَلُوا تُكُنْ فِي الْآسْرِ ضٍ وَفَسَادٍ كَبِيرٍ کہہ کر توجہ دلائی ہے، اس کا صریح اقتضاء ہے کہ اس عالمگیر برادری کا کوئی طاقتور اور زبردست مرکز حتیٰ طور پر بھی دنیا میں قائم ہو جو ظاہر ہے کہ جزیرۃ العرب کے سوانہیں ہو سکتا جس کا صدر مقام مکہ معظمہ ہے۔ ”انفال“ کے اخیر میں یہ بھی جتلا دیا گیا تھا کہ جو مسلمان مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے نہیں آئے اور کافروں کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں، دارالاسلام کے آزاد مسلمانوں پر ان کی ولایت و رفاقت کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ مَا لَكُمْ مِّنْ دَلِيلٍ وَلَا يَتَّبِعُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجَرُوا ہاں حسب استطاعت ان کے لئے دینی مدد بہم پہنچانی چاہئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مرکز اسلام میں مولانا و اخوة اسلامی کی کڑیوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ جوڑنے کے لئے دو باتوں میں سے ایک ہونی چاہئے یا تمام عرب کے مسلمان ترک وطن کر کے مدینہ آ جائیں اور اسلامی برادری میں بے روک ٹوک شامل ہوں اور یا آزاد مسلمان مجاہدانہ قربانیوں سے کفر کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کی سطح ایسی ہموار کر دیں کہ کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت باقی نہ رہے، یعنی تقریباً سارا جزیرۃ العرب خالص اسلامی برادری کا ایسا ٹھوس مرکز اور ”غیر مخلوط مستقر“ بن جائے جس کے دامن سے عالمگیر اسلامی برادری کا نہایت محکم اور شاندار مستقبل وابستہ ہو سکے۔ یہ دوسری صورت ہی ایسی تھی جس سے روز بروز کے فتنہ فساد کی تیخ کئی ہو سکتی تھی اور مرکز اسلام کفار کے اندرونی فتنوں سے بالکل پاک و صاف اور آئے دن کی بدعہدیوں اور ستراہیوں سے پورا مامون و مطمئن ہو کر تمام دنیا کو اپنی عالمگیر برادری میں داخل ہونے کی دعوت دے سکتا تھا، اسی اعلیٰ اور پاک مقصد کے لئے مسلمانوں نے ۲ھ میں پہلا قدم میدان بدر کی طرف اٹھایا تھا جو آخر کار ۸ ہجری میں مکہ معظمہ کی فتح عظیم پر منتہی ہوا جو فتنے اشاعت یا حفاظت اسلام کی راہ میں مزاحم ہوتے رہتے تھے فتح مکہ

نے ان کی جڑوں پر تیشہ لگایا۔ لیکن ضرورت تھی کہ **وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً** (الانفال رکوع ۵) کے اقتعال میں اسلامی برادری کے مرکز اور حکومت الہیہ کے مستقر (جزیرۃ العرب) کو فتنہ کے جراثیم سے بالکل صاف کر دیا جائے تاکہ وہاں سے تمام دنیا کو اسلامی دیانت اور حقیقی تہذیب کی دعوت دیتے وقت تقریباً سارا جزیرۃ العرب یک جان و یک زبان ہو اور کوئی اندرونی کمزوری یا خلفشار بیرونی مزاحمتوں کے ساتھ مل کر اس مقدس مشن کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ پس جزیرۃ العرب کو ہر قسم کی کمزوریوں اور فتنوں سے پاک کرنے اور عالمگیر دعوت اسلامی کے بلند ترین مقام پر کھڑا کرنے کے لئے لازم ہوا کہ دعوت اسلام کا مرکز خالص اسلامیت کے رنگ میں رنگین ہو۔ اس کے قلب و جگر سے صدائے حق کے سوا کوئی دوسری آواز نکل کر دنیا کے کانوں میں نہ پہنچے۔ پورا جزیرہ سارے جہان کا معلم اور ہادی بنے اور ایمان و کفر کی کشمکش کا ہمیشہ کے لئے یہاں سے خاتمہ ہو جائے۔ سورۃ برآۃ کے مضامین کا یہی حاصل ہے۔ چنانچہ چند روز میں خدا کی رحمت اور سچائی کی طاقت سے مرکز اسلام ہر طرح کے دسائس کفر و شرک سے پاک ہو گیا اور سارا عرب متحد ہو کر شخص واحد کی طرح تمام عالم میں نور ہدایت اور عالمگیر اسلامی اخوت پھیلانے کا کفیل و ضامن بنا۔ **فَلِّلْهُ الْحَمْدُ عَلَى ذَلِكَ**۔ الغرض سورۃ انفال میں جس چیز کی ابتداء تھی سورۃ توبہ (برآۃ) میں اسکی انتہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ بہت جامع اور مفید عبارت ہے طلبہ علم کو چاہئے کہ سورۃ توبہ کی اصل روح اور اسلام کے اصل مزاج کو سمجھنے کے لئے اس عبارت کو بار بار کیسی سے سمجھنے کی کوشش کریں اور پھر اس کی روشنی میں سورۃ توبہ کے مضامین کا مطالعہ کریں۔

(۱۰) سورۃ برآۃ کے چھ حصے

شیخ عبداللہ عزام شہیدؒ کے بیان کے مطابق سورۃ توبہ چھ اہم موضوعات پر مشتمل ہے:

(۱) **المقطع الاول: من الآية الاولى الى الآية الثامنة والعشرين، وهذه كلها تعلن الحرب**

على مشركى الجزيرة العربية الخ

یعنی سورۃ برآۃ کا پہلا حصہ اور موضوع جو ابتدائی اٹھائیس آیات پر مشتمل ہے وہ ہے مشرکین عرب سے عمومی اعلان جنگ، معاہدوں وغیرہ کے ختم ہونے کی تفصیلات، چار مہینے کی مہلت، مشرکین سے قتال کرنے کی وجوہات وغیرہ۔

(۲) **المقطع الثانى: حملة شديدة على اهل الكتاب، مبررات قتالهم**

یعنی سورۃ کا دوسرا حصہ اور موضوع اہل کتاب کے خلاف قتال کے حکم اور ان کے خلاف قتال کی وجوہات پر مشتمل ہے۔

(۳) **المقطع الثالث: تهديد ووعيد وتايب وتبكيه للذين يقعدون عن الجهاد**

مَا لَكُمْ رَادَّ قِيلَ لَكُمْ تَفُوتُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّكُمْ تَقْلَتُمْ إِلَى الْأَرْضِ (التوبة ۳۸)

سورۃ کا تیسرا حصہ اور موضوع ان لوگوں کے لئے سخت تنبیہ، وعید، ڈانٹ پر مشتمل ہے جو جہاد پر نہیں نکلتے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: **مَالِكُمْ اِذَا قِيلَ لَكُمْ الْاَيَةُ**

(۴) المقطع الرابع: وهو نصف السورة تقريباً كشف صفات المنافقين (ومنهم من عاهد الله) (ومنهم الذين يؤذون النبي) (ومنهم من يقول أذن لي ولا تفتني) (والذين اتخذوا مسجداً ضراراً وكفراً) الى آخره. هذا نصف السورة تقريباً، سميت البحوث، لانها: بحثت عن عيوب المنافقين، قال ابن عباس: ما زالت آيات التوبة تنزل وتقول منهم ومنهم حتى قلنا لا تدع احداً بينت نهائياً صفاتهم ومؤامراتهم، تخللهم في داخل المجتمع المسلم، بث الاراجيف، الفساد، تثبيط المسلمين عن الجهاد.

یعنی سورۃ کا چوتھا حصہ اور موضوع جو تقریباً آدھی سورۃ پر مشتمل ہے وہ ہے منافقین کے حالات اور صفات کا انکشاف..... سورۃ توبہ کا ایک نام سورۃ ”الجوٹ“ بھی ہے کیونکہ وہ منافقین کے عیوب کو کرید کرید کر نکالتی اور دکھاتی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سورۃ توبہ کی آیات برابر نازل ہوتی رہیں اور بتاتی رہیں کہ ان منافقوں میں سے وہ بھی ہیں..... اور وہ بھی ہیں..... یہاں تک کہ ہم نے کہا یہ سورۃ کسی کو نہیں چھوڑے گی۔ اس سورۃ نے قطعی طور پر منافقین کی صفات، ان کی سازشیں، اسلامی معاشرے میں ان کا گھسنا، مسلمانوں میں خوف پھیلانا، فساد مچانا، مسلمانوں کو جہاد سے روکنا سب کچھ بیان فرما دیا ہے۔

(۵) والمقطع الخامس: تصنيف المجتمع المسلم

یعنی سورۃ کا پانچواں موضوع اسلامی معاشرے میں موجود افراد کی قسمیں بیان کرنا ہے۔

۱ **الْمُشْفِقُونَ الْاَوَّلُونَ.....** یعنی ایمان اور ہجرت و نصرت میں سبقت کرنے والے مہاجرین و انصار۔ **۲** وہ کمزور ایمان والے جنہوں نے نیک و بد اعمال خلط کئے۔ **۳** منافقین۔ **۴** وہ جن کی توبہ کا معاملہ مؤخر رکھا گیا۔ **۵** وہ جنہوں نے مسجد ضرار بنائی۔ **۶** بیعت رضوان والے۔ **۷** بدروالے۔ **۸** احد والے وغیرہ وغیرہ۔

(۶) المقطع السادس: هو مقطع طبيعة البيعة لهذا الدين (إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ) طبيعة هؤلاء الذين لا يتخلفون عن رسول الله صلى الله عليه وسلم مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ مَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ (التوبة ۱۲۰)

یعنی سورۃ کا چھٹا حصہ اور موضوع ان خاص مسلمانوں کے مزاج اور صفات کا بیان ہے جو اس دین کی خاطر خود کو بیچ دیتے ہیں یعنی جان و مال کی قربانی دیتے ہیں اور کسی بھی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد

کرنے سے پیچھے نہیں رہتے۔ جیسے یہ آیات..... ان اللہ اشتري الآیة ما كان لاهل المدينة الآیة۔ (فی ظلال سورة التوبة)

(۱۰) جہادی نکات سورة توبہ از حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ

ملاحظہ

سورة توبہ کے نکات کا درج ذیل خلاصہ حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارتوں سے سمجھا گیا ہے۔

نماز اور زکوٰۃ نہیں تو امان بھی نہیں

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دل کی خبر اللہ تعالیٰ کو ہے ظاہر میں جو مسلمان ہے وہ سب کے برابر امان میں ہے اور ظاہری طور پر مسلمان ہونے کی علامتیں یہ مقرر کی گئیں کہ ایمان کا اقرار کرے، کفر سے توبہ کرے، نماز اور زکوٰۃ کو قائم رکھے۔ اسی واسطے جو کوئی شخص نماز چھوڑے یا زکوٰۃ تو اس کی ”امان“ ختم ہوگئی چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کے منکروں کو کافروں کے برابر قرار دے کر قتل فرمایا..... (آیت ۵)

فتح مکہ کے ایک سال بعد برآۃ کا اعلان

جب مکہ فتح ہوا اس کے ایک برس بعد یہ حکم نازل ہوا کہ کسی مشرک سے صلح نہ رکھو اور حج کے دن یہ اعلان حج کے قافلوں میں سناؤ..... (آیت ۱)

اسلام پر اعتراض کرنے والے کافر کو ذمی نہیں بنایا جاسکتا

اگر ثابت ہو جائے کہ ایک کافر ہمارے دین کو عیب دیتا ہے تو وہ ذمی نہیں رہا..... (آیت ۱۲)

جہاد کا درجہ قرابت سے بڑا ہے

ایک بار حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ سے عرض کیا اگر آپ پہلے ہجرت کرتے تو جہاد میں حاضر ہوتے اور بلند مرتبے پاتے، اس پر حضرت عباسؓ نے فرمایا ہم بھی اللہ تعالیٰ کے کاموں میں تھے حاجیوں کی خدمت کرتے تھے اور مسجد حرام کو آباد رکھتے تھے۔ اس پر یہ فرمایا گیا کہ یہ کام ان کے برابر نہیں اور مشرکوں کی خدمت قبول نہیں، کوئی مسلمان خدمت کرے تو قبول ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عمل کا درجہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت سے بڑا ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ قرابت میں قریب تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ عمل میں زیادہ..... (آیت ۱۹)

اہل کتاب سے جہاد

پہلے حکم ہوا کہ مشرکوں سے لڑو اور ان کو ملک سے نکالو..... اب حکم ہوا اہل کتاب سے لڑائی کا کہ یہ بھی دین حق سے منکر ہیں اور اللہ تعالیٰ اور آخرت کو جیسا ماننا چاہئے ویسے نہیں مانتے، لیکن ان سے جزیہ قبول ہے (اگر ہتھیار ڈال دیں) باقی عرب کے مشرکوں سے جزیہ ہرگز قبول نہیں اور عرب کے علاوہ باقی علاقوں کے مشرکین سے

احناف کے نزدیک جزیہ لینا جائز ہے۔ جزیہ ہر مہینے پانچ آنے یا دس یا سواروپہ ان کی حالت کے موافق مقرر ہوگا اور وہ ذلیل ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ سواری میں، لباس میں، راہ چلنے میں اور ہتھیار باندھنے میں مسلمانوں کی برابری نہ کریں۔ (آیت ۲۹)

غزوہ حنین کا سبق

غزوہ حنین میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ ادب سکھایا کہ وہ اسباب پر نظر نہ رکھیں۔ (آیت ۲۵)

پھونکنے مارنے سے مراد کافروں کا جھوٹا پروپیگنڈہ ہے

یعنی جیسا کوئی پھونک سے چراغ بجھا دے وہ (اہل کتاب) چاہتے ہیں کہ اپنی جھوٹی باتوں سے اسلام کو نہ پھیلنے

دیں۔ (آیت ۳۲)

دین اسلام سب سے اونچا ہے

یہ دین سب سے اوپر ہے عقل کے نزدیک اور اللہ کے نزدیک۔ (آیت ۳۳)

کافروں سے لڑنا ہمیشہ جائز ہے

اس آیت سے یہ بھی نکلتا ہے کہ کافروں سے لڑنا ہمیشہ جائز ہے اور آپس میں ظلم کرنا ہمیشہ گناہ ہے اور ان چار حرمت والے مہینوں میں زیادہ بڑا گناہ ہے لیکن بہتر ہے کہ اگر کوئی کافر حرمت والے چار مہینوں کے ادب کو مانے اور جنگ نہ کرے تو ہم بھی اس سے ان مہینوں میں لڑائی کی ابتداء نہ کریں۔ (آیت ۳۶)

منافقوں کے حالات کا بیان اس سورۃ کا خاص موضوع ہے

یہاں سے غزوہ تبوک کا بیان ہے..... اس غزوہ میں دشمن طاقتور نظر آ رہا تھا اور سفر لمبا تھا اور اسباب کم تھے تو منافق لوگ طرح طرح کے بہانے بنانے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو رخصت دی پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے غالب و منصور واپس تشریف لے آئے تو منافق بہت رسوا ہوئے۔ اس سورۃ میں اکثر منافقوں کی باتیں بیان ہوئی ہیں۔ آیت ۳۸ سے لے کر سورۃ کے آخر تک یہ مضمون پھیلا ہوا ہے۔

ایک منافق کا عجیب بہانہ

ایک منافق جد بن قیس یہ بہانہ بنالایا کہ روم کی عورتیں خوبصورت ہیں اگر میں آپ کے ساتھ وہاں جہاد میں گیا تو برائی میں مبتلا ہو جاؤں گا اس لئے مجھے رخصت دیجئے میں مال کے ذریعے آپ کی مدد کروں گا۔ (آیت ۴۹) اس کو جواب دیا گیا کہ تمہارا خرچ کرنا قبول نہیں ہے۔ (آیت ۵۳)

بد دین کا مال اور اس کی اولاد نعمت نہیں و بال ہے

آپ اس پر تعجب نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے بے دین کو مال و اولاد کی نعمت کیوں دی؟ یہ مال و اولاد اس کے حق میں

وہاں ہے۔ ان کی فکر میں اس کا دل پریشان رہتا ہے اور مال و اولاد کے چھوٹ جانے کے خوف سے وہ توبہ کرنے اور نیکی کا راستہ (جہاد وغیرہ) اختیار کرنے سے بھی محروم رہتا ہے۔ (آیت ۵۵)

مجاہدین زکوٰۃ کا مصرف ہیں

اور اللہ کی راہ یعنی جہاد کا خرچ۔ (آیت ۶۰)

دین کی باتوں کا مذاق اڑانے والے منافق ہیں

جو کوئی دین کی باتوں میں ٹھٹھا کرے اگرچہ دل سے منکر نہ ہو وہ کافر نہ بھی ہوا تو منافق ضرور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دین کی بات میں ظاہر و باطن با ادب رہنا ضروری ہے۔ (آیت ۶۳، ۶۵)

منافقین کے دو برے کارنامے

اسلامی لشکر میں لسانیت کی بنیاد پر تفریق ڈالنے کی کوشش اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی سازش۔ (آیت ۷۷)

گناہگار اور بد عقیدہ کے درمیان فرق

گناہگار جو اپنی برائی کو برائی سمجھتا ہے اور اس پر شرمندہ ہوتا ہے اس کو تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور استغفار سے فائدہ پہنچتا ہے مگر جو بد اعتقاد ہو اس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر استغفار بھی فائدہ نہیں دیتی۔ پس جو برے کام کو عیب نہ جانے اور اللہ تعالیٰ کے فرض کو ادا کرنا نہ کرنا برابر سمجھے اور فرض ادا کرنے والوں پہ طعنے کسے وہ بے اعتقاد ہے۔ (آیت ۸۰)

السابقون یعنی قدیم مسلمان کون؟

غزوہ بدر تک جو مسلمان ہوئے ہیں وہ قدیم ہیں اور باقی ان کے تابع ہیں۔ (آیت ۱۰۰)

اگر ایک جہاد سے رہ گئے ہو تو اگلے کا انتظار کرو

یعنی اگر اس جہاد میں کوتاہی ہوئی ہے تو آگے اور جہاد ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اور خلفاء کرام کے زمانے میں تو ان میں حصہ لینا۔ (آیت ۱۰۵)

بے انصافی کی شامت

یعنی بے انصافی کی شامت سے نیک عمل کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ (آیت ۱۰۹)

السائحون کے تین معانی

السائحون کا مطلب ہے بے تعلق رہنے والے۔ بے تعلق رہنے کا مطلب روزے رکھنا یا ہجرت کرنا یا دنیا کے مزاروں میں دل نہ لگانا۔ (آیت ۱۱۲)

کافر تم میں سختی دیکھیں

یعنی کافر تمہارے اندر جنگ کی قوت دیکھیں یا معاملے میں بے رحمی۔ پس کافر سے نرمی نہ کرے مگر اس وقت کہ جب اسے دین کی طرف راغب دیکھے۔ (آیت ۱۲۳)

منافق کی پہچان اکثر جہاد کے وقت ہوتی ہے

اکثر جنگ و جہاد کے وقت منافق معلوم ہو جاتے تھے۔ (آیت ۱۲۶)

یعنی منافق کا پتہ جہاد کے وقت چلتا ہے کیونکہ اکثر وہ جہاد میں نہیں جاتا بلکہ مخالفت بھی کرتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ میری امت زیادہ ہو جائے

حریص علیکم (وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم) تلاش رکھتا ہے تمہاری۔ یعنی چاہتا ہے کہ امت میری زیادہ ہو جائے۔ (آیت ۱۲۹)۔ (موضح القرآن، تسہیل)

صاحب مدارک کی ایک جامع عبارت

لها اسماء: براءة، التوبة، المقشقة، المبعثرة، المشرده، المخزية، الفاضحة، المثيرة، الحافرة، المنكلة، المدممة، لان فيها التوبة على المومنين وهي تقشش من النفاق أى تبرئ منه، وتبعثر عن اسرار المنافقين وتبحث عنها وتثيرها وتحفر عنها وتفضيهم وتنكلهم وتشردهم وتخزيهم وتدمم عليهم، وفي ترك التسمية فى ابتدائها اقوال، فعن على وابن عباس رضى الله عنهم، ان بسم الله امان وبرأة نزلت لرفع الامان، وعن عثمان رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا نزلت عليه سورة أو آية قال: اجعلوها فى الموضع الذى يذكر فيه كذا وكذا، وتوفى رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يبين لنا اين نضعها، وكانت قصتها تشبه الانفال لان فيها ذكر اليهود وفى برأة نبذ العهود، فلذلك قرنت بينهما وكانتا تدعيان القرينتين وتعدان السابقة من الطوال وهى سبع، وقيل: اختلف اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال بعضهم: الانفال وبرأة سورة واحدة نزلت فى القتال، وقال بعضهم: هما سورتان فتركت بينهما فرجة لقول من قال هما سورتان وتركت بسم الله لقول من قال هما سورة واحدة. (المدارك ۴۸۳)

ترجمہ: اس سورۃ کے کئی نام ہیں براءۃ، توبہ، المقشقة، المبعثرة، المشرده، المخزیه، الفاضحہ، المثیرۃ، الحافرۃ، المنکلہ، المدممہ، کیونکہ اس میں ایمان والوں پر توبہ کے نازل ہونے کا ذکر ہے اور یہ سورۃ نفاق سے بیزاری کا اعلان کرنے والی ہے اور منافقین کے رازوں کو الٹی پلٹی اور ڈھونڈتی ہے ان کے رازوں کو کرید کرید کر نکالتی ہے، انہیں خوب

کھول کر بیان کرتی ہے، ان کے دروازوں سے پردہ ہٹاتی ہے، ان کو رسوا کرتی ہے، ان کو عبرتناک سزا دیتی اور سناتی ہے، انہیں منتشر اور شکست زدہ کرتی ہے، انہیں ذلیل کرتی ہے اور ان پر خوب غضبناک ہو کر برستی ہے..... اور اس سورۃ کے شروع میں ”بسم اللہ“ نہ ہونے کے بارے میں کئی اقوال ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بسم اللہ تو امان ہے اور یہ سورۃ امان ختم کرنے کے لئے اتری (دوسری روایت میں ہے کہ یہ سورۃ تو تلوار کے ساتھ اتری ہے) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوئی سورۃ یا آیت نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اس کو فلاں جگہ رکھو مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کے بارے میں کچھ نہ بتایا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ چونکہ اس سورۃ کے مضامین سورۃ انفال کے مضامین جیسے تھے کہ اُس میں معاہدوں کا ذکر تھا اور اس میں معاہدوں کے توڑنے کا پس اسی لئے ان دونوں کو جوڑ دیا ان دونوں سورتوں کو جڑواں سورتیں کہا جاتا تھا اور ان دونوں کو ملا کر اور ایک قرار دے کر سات بڑی سورتوں میں شامل کیا جاتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا اختلاف ہوا بعض نے فرمایا انفال اور برآۃ ایک سورۃ ہے جو قتال فی سبیل اللہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور بعض نے کہا یہ دو الگ سورتیں ہیں۔ پس دونوں سورتوں کے درمیان خالی جگہ چھوڑ دی گئی ان حضرات کے قول پر جو ان کو دو سورتیں مانتے ہیں اور دونوں کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھی گئی ان کے قول پر جو ان کو ایک سورۃ مانتے ہیں۔ (المدارک)

ملاحظہ

علامہ آلوسیؒ نے سورۃ برآۃ کے مزید کچھ نام بھی ذکر فرمائے ہیں اور انہوں نے اس سورۃ مبارکہ کے تمام ناموں کا مفہوم اور مطلب بھی بیان کیا ہے طلبہ علم تفسیر روح المعانی میں ملاحظہ فرمائیں:

فائدہ

سورۃ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ نہ ہونے پر حضرات مفسرین نے بہت طویل بحثیں فرمائی ہیں شائقین حضرات معتمد تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

خلاصہ مضامین سورۃ توبہ مأخوذ از تفسیر الفرقان

ابتدائے سورۃ میں مشرکین کو اعلان جنگ دیا گیا، اس قطع تعلق کے بعد دوسری آیت میں ان کو چار ماہ غور کے لئے دیئے گئے، اس تقاطع کا اعلان حج اکبر کے دن کیا گیا کیونکہ اطراف عرب کے نمائندے شرکت کی غرض سے وہاں آئے ہوئے تھے اور ان کی معرفت تمام قبائل کو اطلاع ہو سکتی تھی۔ آیت نمبر (۷) سے ان اسباب کو بیان کیا گیا جو اس قطع تعلق (اور اعلان جنگ) کا باعث بنے، جب مخالفین اسلام کو اعلان جنگ دیا گیا تو آیت نمبر (۱۶) سے فرزند ان اسلام کو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے آمادہ کیا گیا کہ ان کی حیات قومی کار از اس حقیقت میں

پہاں ہے، جنگ شروع ہونے سے قبل اکثر (کئی لوگ) مختلف قسم کی معذوریاں بیان کر کے اپنے آپ کو جنگ سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، آیت نمبر (۱۷) سے ان حیلوں کا ذکر کر کے ہر ایک کو غلط ٹھہرایا اور بتا دیا کہ ان میں سے ایک بات بھی قابل توجہ نہیں۔ شبہات تو زائل ہو گئے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کن لوگوں کے ساتھ جنگ کی جائے؟ اس لئے آیت نمبر (۲۹) میں اس مسئلہ کو بھی صاف کر دیا، دشمنان دین برابر اس کوشش میں رہیں گے کہ مسلمانوں کو مٹا دیں، اس لئے خود ان کو بھی اپنے مخالفین کے مقابلہ میں ہمہ تن مستعد جنگ رہنا چاہئے، اس سلسلہ کے ختم ہونے کی کوئی صورت نہیں اس لئے آیت نمبر (۳۶) میں بتایا گیا کہ سپاہیوں کو سال بھر میں چار ماہ رخصت دی جائے گی کہ آرام کر سکیں اور گھر کا نظم و نسق کرنے کے قابل ہوں (رخصت دینا تو ٹھیک ہے مگر چار مہینوں میں جنگ کی حرمت کے مسئلے پر جمہور کی رائے یہ ہے کہ اب ان مہینوں میں قتال کی حرمت باقی نہیں رہی) دشمن نے سب طرف سے مسلمانوں کو گھیر رکھا ہے اور تمام دنیا کے لوگ ان کی مخالفت پر آمادہ ہیں اس لئے آیت نمبر (۳۸) میں فرمایا کہ تمام مسلمان بلا استثناء تیار ہوں اور کوئی شخص بھی کسی قسم کا عذر پیش کر کے پیچھے رہنے کی کوشش نہ کرے اور پھر اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ آیت نمبر (۴۱) میں بتایا کہ جہاد کے لئے ہر وقت تیار رہیں، نہیں معلوم کہ دشمن کب اور کس وقت حملہ کر دے۔ جب حالت یہ ہے کہ ہر شخص تمہارا دشمن ہے اور باوجود اس کے تم اپنے اغراض کی وجہ سے تیاری نہیں کرتے اور جہاد سے مستثنیٰ رہنے کی فکر میں ہو تو یاد رہے اس جرم کی پاداش میں تم گرفتار مصائب ہو گے، آیت نمبر (۴۲) میں اسی مضمون پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب دوم

اربابِ نفاق: اس میں منافقین کی حسب ذیل اقسام بیان کی گئی ہیں:

جنگ شروع ہوگئی، دشمن سے مقابلہ ہے، اربابِ نفاق مختلف قسم کے عذر پیش کر کے جہاد سے بچنا چاہتے ہیں اس لئے یہاں سے ان رکاوٹوں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جو دورانِ جنگ میں پیدا ہوتی ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر کامیابی کا پورا یقین ہو اور مدت بھی زیادہ نہ صرف ہو تو شریک ہونے کو تیار ہیں، اس جنگ میں یہ دونوں باتیں نہیں اس لئے شرکت ہی بے سود ہے۔ آیت نمبر (۴۲) سے ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ آیت نمبر (۴۵) سے اس جماعت کا بیان ہے جو خیال کرتی ہے کہ قرآن کے ذریعہ سے مسلمان ترقی نہیں کر سکتے، اور پھر وہ اسی بات پر قناعت نہیں کرتی بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھتی ہے، اور جب مسلمانوں کی جماعت حق کی دعوت کے لئے جاتی ہے تو یہ بھی اپنے جاسوس روانہ کر دیتی ہے تاکہ وہ ان کی غلطیوں اور کمزوریوں کی یادداشت تیار کریں، اور واپسی پر ان کی وجہ سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچائیں، بعض منافقین یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اگر ہم نے جہاد میں شرکت کی تو ہمارے مذہبی کاموں میں خلل واقع ہوگا، اور تھوڑی سی نیکی سے بھی محروم رہیں گے، اس لئے جنگ سے الگ رہنا بہتر ہے، مگر ان کا

یہ کہنا بھی سراسر نفاق پر مبنی ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کی تکلیفوں، مصیبتوں پر مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی کامیابی انہیں ناگوار گزرتی ہے۔ آیت نمبر (۴۹) میں ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ آیت نمبر (۵۸) سے ان لوگوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں جو روپیہ ملنے پر فوراً شرکت جنگ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور جہاں تھوڑی سی تاخیر ہوئی آگے بڑھنے کا نام نہیں لیتے، بعض لوگوں کا یہ کام ہوتا ہے کہ اپنے امیر کے ہر کام پر نکتہ چینی کرتے ہیں تاکہ رکاوٹ پیدا ہو، ان کی تنبیہ کے لئے گزشتہ اقوام کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ آیت نمبر (۶۱) سے ان کے حالات پر روشنی ڈالی، بعض ارباب نفاق یہ کہا کرتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس روپیہ ہو تو ضرور ہی قومی کاموں میں صرف کریں (اللہ کی راہ میں خرچ کریں) مگر جب ان کی آرزو پوری ہو جاتی ہے تو نہ صرف بخل کا اظہار کرتے ہیں، بلکہ ان مسلمانوں کے ساتھ تمسخر بھی کرتے ہیں جو اپنی غربت کی وجہ سے معمولی رقمیں چندہ میں دیتے ہیں ان لوگوں کا تذکرہ آیت نمبر (۷۶) سے شروع ہوتا ہے۔

باب سوم

اَلْشَّيْقُوْنَ اَلْاَوْكُوْنَ: یہاں تک ان لوگوں کا تذکرہ تھا جو پیچھے رہنے کی کوشش کرتے ہیں، ان سب کو قرآن حکیم نے منافقین کے نام سے تعبیر کیا ہے، اب آیت نمبر (۸۳) سے بتایا جاتا ہے کہ جہاد سے پیچھے رہنے کا نتیجہ کیا ہوگا، اس تہدید کے بعد ان کے حالات میں کس قسم کا تغیر رونما ہوگا، یہ بیان آیت نمبر (۸۴) سے شروع ہو جاتا ہے۔ پہلے ان اہل مدینہ کا تذکرہ ہے، جنہوں نے ابتداء میں مدد دینے سے انکار کیا، پھر بتایا کہ ایک ہی مرتبہ جنگ سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے آئندہ ان پر اعتماد نہ کیا جائے گا، بعد ازاں اعراب کی حالت بیان کی کہ وہ بھی مختلف بہانے بنا کر اپنے آپ کو معذور قرار دیتے ہیں، حالانکہ ایسے حالات کا پیدا کر لینا جو جہاد کے لئے رکاوٹ بن جائیں خود ایک قسم کا نفاق ہے، اس سلسلہ میں مختلف لوگوں کا تذکرہ کیا، آیت نمبر (۱۰۰) سے مسلمانوں کے مختلف طبقات کا بیان کیا، کچھ ان میں اَلْشَّيْقُوْنَ اَلْاَوْكُوْنَ ہیں، بعض وہ ہیں جنہوں نے اچھے اور برے ہر قسم کے اعمال کا ارتکاب کیا، مگر باوجود غلطی میں مبتلا ہونے کے اپنے جرم کا اقرار کرتے ہیں، کچھ ایسے بھی ہیں جو نیک نیتی سے غلط راستہ اختیار کیے ہوئے ہیں، ان سب جماعتوں کے نتائج اعمال پر بحث کی، آیت نمبر (۱۰۸) سے نمبر (۱۱۱) تک اس جماعت کی خصوصیات بیان کیں جو مسلمانوں میں نفاق ڈالنے کی کوشش میں رہتی ہے، آیت نمبر (۱۱۲) میں بتایا کہ سرفروشان اسلام کو بہترین نعمتیں ملیں گی اور چونکہ جنگ ہمیشہ نہیں رہتی اس لئے آیت نمبر (۱۱۳) سے ان کی ممتاز خصوصیات بیان کیں کہ ہر شخص انہیں دیکھتے ہی شناخت کر سکے، پھر جب وہ ہمہ تن مسلم ہیں اور خدا کے ہاتھ میں بک گئے ہیں تو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے عزیز ترین کافر رشتہ دار پر رحم نہیں کر سکتے اس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ پیش کیا۔ آیت نمبر (۱۱۸) سے ان اصحاب ثلاثہ کا بیان شروع کیا جو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے مورد عتاب ہوئے تھے

اور فوراً بعد ان صحابہ کرام کا تذکرہ کیا جو اس سخت تکلیف میں بھی جاں نثاری سے باز نہ آئے۔ آیت نمبر (۱۲۱) میں بتایا کہ مرکزی جماعت کو تو ایک لمحہ کے لئے بھی جہاد سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے اس لئے کہ ان کے لئے انعام و اکرام بھی بے شمار ہیں، آیت نمبر (۱۲۳) میں شخصی و اجتماعی فرائض کی تقسیم کی، آیت نمبر (۱۲۴) میں فرمایا کہ دنیا میں جہاد فی سبیل اللہ کے اہم فرض کی اشاعت کن تدابیر سے ممکن ہے اور آخر میں بتایا کہ اگر امت میں سے ایک تنفس بھی اس فریضہ ملی (جہاد فی سبیل اللہ) کے ادا کرنے کو تیار نہ ہوگا تو انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ عرش عظیم کا مالک اور زمین و آسمان کا شہنشاہ اعظم خود اس قانون کو بلند و برتر کرنے کے لئے اپنے دوسرے بندے چن لے گا اور اس پر سورۃ البرۃ ختم ہو جاتی ہے۔ (تفسیر الفرقان)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ ٢٤ آیت

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں سے بے زاری ہے جن سے تم نے عہد کیا تھا

فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۝

سو اس ملک میں چار مہینے پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکو گے

وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۝

اور بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو ذلیل کرنے والا ہے

خلاصہ

آیت ① جن مشرکین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر میعاد میعادے تھے ان کے ساتھ صلح کے تمام معاہدوں کو ختم کیا جا رہا ہے..... اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان تمام مشرکین کے ساتھ جنگ کا اعلان ہے..... اسلام کے مرکز کو کفر و شرک سے پاک کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

آیت ② ان مشرکوں کو چار مہینے کی مہلت دی جا رہی ہے..... ان چار مہینوں میں ان کے لئے چلنے پھرنے کی مکمل آزادی اور امن ہے..... ان چار مہینوں کے بعد انہیں یا تو کفر و شرک چھوڑنا ہوگا یا یہ علاقہ۔ اگر وہ کفر پر قائم رہیں گے اور علاقہ بھی نہیں چھوڑیں گے تو ان کے ساتھ کھلی اور فیصلہ کن جنگ ہوگی..... ان مشرکین کو اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ کافروں کو دنیا و آخرت میں رسوا کرنے والا ہے۔

فائدہ

ان دو آیات میں ان مشرکین کا حکم بیان ہوا جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ تو تھا مگر اس معاہدے کی کوئی مدت مقرر نہیں تھی۔ چنانچہ انہیں صاف بتا دیا گیا کہ اب معاہدہ ختم ہے اور تمہارے پاس سوچنے یا جنگ کی تیاری کرنے کے لئے چار مہینے کا وقت ہے۔ مفسرین حضرات کے نزدیک یہ حکم ان مشرکین کے لئے بھی تھا جن سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ ہی نہیں تھا ان کو بھی چار مہینے کا وقت دیا گیا۔ اس قول کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے تفسیر بیان القرآن۔ ان دو آیتوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے چند مختصر عبارتیں ملاحظہ فرمائیں.....

۱ تفسیر حضرت لاہوریؒ

کفار سے اعلان جنگ: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کفار کی ہر قسم کی حفاظت سے بیزار ہیں، اعلان جنگ کے بعد

چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے، اسلام کی مخالفت سے باز آ جاؤ ورنہ تمہارا استیفاء کر دیا جائے گا۔ (حاشیہ لاہوری)
حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ چار ماہ کی مہلت اس لئے تھی کہ اگر لڑنا چاہتے ہو تو تیاری کر لو یا اسلام قبول کر لو یا وطن چھوڑ جاؤ۔ (مفہوم موضح القرآن)

۲ تفسیر عثمانیؒ

۲ ہجری میں بمقام ”حدیبیہ“ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان معاہدہ صلح ہو چکا تو بنی خزاعہ مسلمانوں کے اور بنی بکر قریش کے حلیف بنے، بنی بکر نے معاہدہ کی پروا نہ کر کے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے اسلحہ وغیرہ سے ظالم حملہ آوروں کی مدد کی اس طرح قریش اور ان کے حلیف دونوں معاہدہ حدیبیہ پر قائم نہ رہے، جس کے جواب میں ۸ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک حملہ کر کے مکہ معظمہ بڑی آسانی سے فتح کر لیا۔ ان قبائل کے سوا دوسرے قبائل عرب سے مسلمانوں کا میعاد یا غیر میعاد معاہدہ تھا جن میں سے بعض اپنے معاہدہ پر قائم رہے۔ بہت سے قبائل وہ تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اس سورۃ کی مختلف آیات مختلف قبائل کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ شروع کی آیات میں غالباً ان مشرکین کا ذکر ہے جن سے معاہدہ تھا مگر میعاد نہ تھا ان کو اطلاع کر دی گئی کہ ہم آئندہ معاہدہ رکھنا نہیں چاہتے۔ چار ماہ کی مہلت تم کو دی جاتی ہے کہ اس مدت کے اندر اسلامی برادری میں شامل ہو جاؤ یا وطن چھوڑ کر مرکز ایمان و توحید کو اپنے وجود سے خالی کر دو ورنہ جنگی مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ لیکن یہ خوب سمجھ لینا کہ تم خدا کی مشیت کو روک نہیں سکتے۔ اگر اسلام نہ لائے تو وہ تم کو دنیا آخرت میں رسوا کرنے والا ہے۔ تم اپنی تدبیروں اور حیلہ بازیوں سے اسے عاجز نہ کر سکو گے۔ باقی جن قبائل سے کوئی معاہدہ ہی نہ تھا، ممکن ہے انہیں بھی چار ماہ کی مہلت دی گئی ہو۔ یہ اور اس کے بعد کی آیتوں کا اعلان عام ۹ ہجری میں حج کے موقع پر تمام قبائل عرب کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکین کی چار قسمیں

ان دو آیات اور پھر بعد والی آیات کو سمجھنے کے لئے معاہدوں کے اعتبار سے مشرکین کی اقسام کا سمجھنا ضروری ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ آیات ۹ھ کے حج کے موقع پر سنائی گئی تھیں اور اس وقت مکہ مکرمہ پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ مگر وہاں مکہ میں اور اس کے آس پاس مشرکین موجود تھے یہ لوگ حج پر بھی آتے تھے اور ننگے ہو کر طواف بھی کرتے تھے، ان کا نظریہ تھا کہ ہم ان کپڑوں میں طواف نہیں کر سکتے جن میں ہم نے گناہ کیے ہیں، پھر جوان میں مالدار تھے وہ تو کرائے پر طواف کے لئے خاص کپڑے لے لیتے تھے اور جو اسکی طاقت نہیں رکھتے تھے وہ ننگے ہو کر طواف کرتے تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ معاہدوں کے اعتبار سے ان مشرکین کو چار قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

① وہ مشرکین جن سے مسلمانوں کا غیر میعاد معاہدہ تھا، یعنی معاہدے کی کوئی مدت مقرر نہیں تھی، ایسے معاہدے کو کوئی بھی فریق دوسرے کو اطلاع دے کر ختم کر سکتا ہے۔ سورۃ توبہ کی پہلی دو آیات میں ایسے ہی مشرکین کا

حکم بیان ہوا کہ حج کے موقع پر ان کو اطلاع دے دی جائے کہ ان کے ساتھ معاہدہ ختم اور ان کو چار مہینے کی مہلت دی جا رہی ہے۔

۲) وہ مشرکین جن سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ تھا ہی نہیں..... کئی مفسرین حضرات کے نزدیک وہ بھی ان دو آیتوں کے حکم میں شامل ہیں اور ان کو بھی چار مہینے کی مہلت دی گئی۔

۳) وہ مشرکین جن کے ساتھ معاہدہ تھا مگر انہوں نے معاہدے کی پاسداری نہیں کی۔ ان کا حکم آیت (۳) میں بیان ہوا ہے کہ ان کے ساتھ صلح کا معاہدہ باقی ہی نہیں رہا اس لئے ان کے ساتھ اعلان جنگ ہے، ہونا تو یہ چاہئے کہ ان کے ساتھ فوری جنگ شروع کر دی جائے مگر حرمت والے مہینوں کے ادب کی وجہ سے ان کو بھی کچھ مہلت دی جا رہی ہے، انہیں چاہئے کہ وہ توبہ کر کے اسلام قبول کر لیں اور اگر وہ توبہ نہیں کریں گے تو دنیا آخرت میں ذلت و عذاب کا سامنا ہوگا۔

۴) وہ مشرکین جن کے ساتھ مسلمانوں کا میعادی معاہدہ تھا یعنی ایسا معاہدہ تھا جس کی مدت مقرر تھی اور ان قبائل نے مسلمانوں کے ساتھ اپنے معاہدے کی پوری پاسداری کی تھی تو ایسے مشرکین کا حکم آیت (۴) میں بیان ہوا ہے کہ مسلمان ان کے ساتھ معاہدے کی مدت پوری ہونے تک صلح جاری رکھیں لیکن جب مدت ختم ہو جائے گی تو ان کے ساتھ نیا معاہدہ نہیں کیا جائے گا۔

ملاحظہ فرمائیے تفصیل کے لئے تفسیر بیان القرآن..... حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے مگر وہ فرماتے ہیں کہ جن کے ساتھ مسلمانوں کا غیر میعادی معاہدہ تھا یا جن کے معاہدے کی مدت چار ماہ سے کم رہ گئی تھی ان مشرکین کو تو چار مہینے کی مہلت دی گئی۔ یعنی ۱۰ ذوالحجہ (اعلان والے دن سے) ۱۰ ربیع الثانی تک اور وہ مشرکین جن سے کوئی عہد نہیں تھا یا جنہوں نے معاہدہ توڑ دیا تھا ان کو حرمت والے مہینے ختم ہونے تک کی مہلت دی گئی یعنی محرم کے آخر تک ان کو مہلت ہے اس کے بعد ان سے قتال کیا جائے گا۔ یوں ان کی مہلت کل پچاس دنوں کی ہوئی یعنی دس ذوالحجہ (اعلان والے دن سے) محرم کے آخر تک..... بیس دن ذوالحجہ کے اور بیس دن محرم کے۔

ملاحظہ فرمائیے ابن کثیرؒ کی اپنی عبارت:

فقال قائلون: هذه الآية لذوى العهود المطلقة غير المؤقتة او من له عهد دون اربعة اشهر فيكمل له اربعة اشهر، فاما من كان له عهد موقت فاجله الى مدته مهما كان، لقوله تعالى فَاتِمُوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ (التوبة ۴) الآية ولما سياتى فى الحديث. ومن كان بينه وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم عهد فعده الى مدته وهذا احسن الاقوال واقواها، وقد اختاره ابن جرير رحمه الله، وروى الكلبي ومحمد بن كعب القرظي وغير

واحد وقال علی بن ابی طلحة عن ابن عباس فی قوله: **بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدُوا عَهْدَ تَمَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ** ۱۰ **فَيَسْجُودُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ** الآية قال: حدّ الله للذين عاهدوا رسوله اربعة اشهر يسبحون في الارض حيث شاؤوا واجل من ليس له عهد انسلخ الاشهر الحرم من يوم النحر الى سلخ المحرم فذلك خمسون ليلة، فامر الله نبيه اذا انسلخ الاشهر الحرم ان يضع السيف فيمن لم يكن بينه وبينه عهد بقتلهم حتى يدخلوا في الاسلام وأمر بمن كان له عهد اذا انسلخ اربعة اشهر من يوم النحر الى عشر خلون من ربيع الآخر يضع فيهم السيف ايضا حتى يدخلوا في الاسلام۔ (تفسير ابن كثير)

یہاں تک الحمد للہ ان دو آیات مبارکہ کا موضوع واضح ہو گیا..... مہلت والے چار مہینے کون سے تھے یہ بات بھی سمجھ آ گئی۔ اس کی مزید وضاحت تھوڑا آگے چل کر تفسیر المدارک کے حوالے سے بھی ان شاء اللہ آ جائے گی۔

ان آیات کا زمانہ اور ماحول

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ سے ہجرت کا نواں سال ہے، نو سال پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کو اس شہر میں اتنا ستایا گیا تھا کہ آپ اور آپ کے رفقاء ہجرت پر مجبور ہوئے تھے۔ مگر صرف نو سال کے عرصے میں ماحول بدل چکا ہے، ۶ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں عمرہ کرنے سے روکا گیا تھا، حدیبیہ کے مقام پر صحابہ کرام نے موت اور جہاد پر ثابت قدمی کی، بیعت رضوان کی اور مشرکین کے ساتھ دس سالہ جنگ بندی کا معاہدہ ہوا۔ پھر اسی معاہدے کی رو سے ۷ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ ادا فرمایا..... زندگی کے سات سال ہجرت اور جہاد میں گزرا کر صرف تین دن کے لئے اپنے مولد میں تشریف آوری ہوئی۔ چند ماہ بعد مشرکین مکہ نے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کے حلیف قبیلے ”بنی نخوع“ پر ظلم ڈھایا، بنی خزاعہ اپنی مظلومیت کی فریاد لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدد کا وعدہ فرمایا اور مکہ پر حملے کی خفیہ تیاری شروع فرمادی۔ ۸ھ کے رمضان المبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسانی کے ساتھ مکہ فتح فرمالیا اور پھر حنین بھی گیا۔ آپ ﷺ حج ادا کئے بغیر واپس تشریف لے آتے ہیں اور مکہ مکرمہ کا حاکم حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو بنا آتے ہیں۔ چند ماہ مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور پھر جب ۹ ہجری میں مشکل ترین جہادی سفر غزوہ تبوک کے لئے روانگی ہو گئی۔ سفر لمبا تھا، مشکل تھا اور مد مقابل اس زمانے کی سپر پاور کہلانے والا طاقتور دشمن تھا۔ اس صورتحال میں منافقین نے جان اور مال بچانے کی فکر کی، تب سورۃ براءۃ آسانی بجلی کی طرح کڑکی۔ اور اس نے منافقین کے ”غیر جہادی اسلام“ کو ناقابل قبول قرار دے دیا۔ اور اسلام اور نفاق کے درمیان قیامت تک ایسی واضح لکیر کھینچ دی۔ جس لکیر کو دیکھ کر کسی کے اسلام اور نفاق کا آسانی سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

غزوہ تبوک خیر سے مکمل ہوا۔ سورۃ براءۃ اس پورے سفر اور بعد میں انوارات برساتی رہی۔ اب ارادہ ہوا کہ حج ادا

کیا جائے مگر ابھی تک مرکز اسلام خالص مسلمانوں کا مرکز نہیں بناتھا۔ سورۃ توبہ کی آیات نازل ہوئیں اور مسلمانوں کو ایک مستقل خالص مرکز دینے کا پورا نصاب نازل فرما دیا گیا۔

اب یہی نصاب لے کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (امیر حج) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد خاص) حج کے لئے جا رہے ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا۔ ادھر حج کا خطبہ مکمل ہوا اور ساتھ ہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھڑا فرما دیا۔ عرفات کی وادی اس اعلان سے گونج اٹھی۔

بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ

بس اب بالکل صاف اعلان ہے۔ آئندہ سال کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔ کوئی بھی ننگے ہو کر کعبہ کا طواف نہیں کرے گا۔ اور جنت میں صرف ایمان والے داخل ہوں گے۔ اور جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ ہے وہ معاہدہ اپنی مدت تک نافذ رہے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جو ہجرت کی رات موت کے گھیرے میں تھے آج ایک ایک مشرک کو یہ اعلان سن رہے تھے، آپ ایک ایک خیمے تک پہنچے اور اس قدر جوش سے اعلان فرمایا کہ آواز بیٹھ جاتی تھی تب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہی اعلان شروع کر دیتے تھے۔ ٹھیک نو سال میں حالات کس قدر بدل گئے۔ اللہ تعالیٰ قوت والا ہے اور وہ ایمان والوں کی کس طرح سے نصرت فرماتا ہے۔ اب ہر طرف ایک ہی اعلان ہے کہ جزیرۃ العرب کو کفر و شرک سے پاک کرنا ہے۔ جس نے لڑنا ہے وہ میدان میں اتر آئے۔ جو مسلمان ہو گا وہ ہمارا بھائی ہے..... اور کافروں کو یہ وطن چھوڑنا ہو گا..... سورۃ انفال نے اسلامی جماعت بنائی اور سورۃ توبہ نے اسلامی مرکز بنایا..... حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کا وقت قریب تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کا غزوہ ادا کر کے اہل کتاب کے خلاف جہاد کا آغاز فرما دیا تھا اور اب برأت کا یہ اعلان کروا کے جزیرۃ العرب کی تطہیر اور پاکی کا کام شروع فرما دیا تھا۔ آپ ﷺ کے خلفائے کرام نے سورۃ برأت کے نصاب کو آگے بڑھایا اور ان کاموں کی تکمیل کی جن کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آخری زمانے میں فرما دیا تھا..... یہ ہے وہ ماحول جن میں یہ آیات مبارکہ نازل ہو رہی تھیں اور پڑھ پڑھ کر سنائی جا رہی تھیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اب ملاحظہ فرمائیے ان دو آیات کی مختصر لفظی تشریح:

بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ: برأت کے معنی ترک موالات اور رفع امان (یعنی امان ختم ہونے) کے ہیں۔

البراءة هي قطع الموالاة وارتفاع العصمة وزوال الامان (جصاص)
مشرکین عرب کی مسلسل عہد شکنیوں کے بعد اب انہیں نوٹس دیا جا رہا ہے کہ اتنی مدت کے بعد تم سے سارے معاہدے ختم، بس اب تلوار ہی تمہارا فیصلہ کرے گی۔ (تفسیر ماجدی)

ایک عجیب نکتہ

سورۃ توبہ کے پہلے لفظ بَرَآءَةٌ ہی سے جہاد کا پورا فلسفہ سمجھا دیا گیا۔ اور وہ اس طرح کہ اس لفظ اور جملے کو سنتے ہی یہ چند باتیں ذہن میں آ جاتی ہیں:

۱ جن مشرکوں اور کافروں سے اللہ تعالیٰ بری ہے حالانکہ وہ ان کا خالق ہے اور جن کافروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بری ہیں حالانکہ آپ بے حد شفیق ہیں تو ایسے کافروں پر کسی اور کو ترس کھانے کی کیا ضرورت ہے؟

۲ جن کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اور جو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھتے ہیں وہ ان کافروں کی قوت کس طرح سے برداشت کر سکتے ہیں جن سے قطع تعلق کا اعلان اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول فرما دے۔

۳ جب اللہ تعالیٰ ان کافروں سے بیزاری، قطع تعلق اور دست برداری کا اعلان فرما رہے ہیں تو ظاہر بات ہے جو مسلمان ان کے خلاف لڑے گا وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا مستحق ہوگا۔

۴ مسلمان کسی سے بھی کوئی دوستی اور تعلق اسی وقت رکھ سکتا ہے جب اللہ اور اس کے رسول اس تعلق کو پسند فرمائیں پس جن کافروں سے اللہ تعالیٰ بری ہے ان سے مسلمان کبھی بھی دوستی کا تعلق نہیں رکھ سکتے۔

برآءۃ یعنی بیزاری، قطع تعلق دست برداری کا لفظ پڑھتے ہی یہ تمام باتیں خود دل میں اتر جاتی ہیں اور ایک مسلمان کو خالص اللہ تعالیٰ کا سپاہی بنادیتی ہیں۔ باقی رہی بات رشتہ داری اور خونی قرابت کی تو زہریلے سانپ کے بھی رشتے دار ہوتے ہیں اور اس کے بھی بچے ہوتے ہیں قاتل کے بھی بیوی بچے ہوتے ہیں اور اسے مارا جائے تو اس کا بھی خون نکلتا ہے۔ مگر زہریلے سانپ اور قاتل کو مارنا ہر کوئی درست سمجھتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کی زمین پر ظلم اور فساد کی علامت بن جاتے ہیں اگر ان کو ختم نہ کیا جائے تو زمین پر سوائے کفر اور ظلم کے کچھ بھی نظر نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیتا ہے اب اگر کسی کے اندر ہمدردی جوش مارنے لگے تو اسے سمجھایا گیا کہ اللہ تعالیٰ جو اس بندے کا خود خالق ہے وہ اس سے قطع تعلق کا اعلان فرما رہا ہے اب بتاؤ بھلا خالق سے بڑھ کر بھی کوئی پیار کرنے والا ہو سکتا ہے؟ اور عجیب بات یہ ہے کہ قتال کا یہ حکم بھی رحمت اور شفقت پر مبنی ہے کہ اس کی وجہ سے بے شمار لوگوں کو ایمان قبول کرنے کی توفیق ملتی ہے اور وہ جہنم سے بچ کر جنت میں جانے والے بن جاتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ : اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے برآءۃ کا اعلان ہے ان مشرکوں سے جن کے ساتھ اے مسلمانو! تم نے معاہدے کر رکھے ہیں۔

الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ : صیغہ جمع حالانکہ عہد و معاہدہ کرنے والے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ بہ حیثیت امیر و حاکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل حکم ساری امت کا فعل تھا:

ولم يعاهدكم الا النبي صلى الله عليه وسلم وحده، ولكنه كان الأمر والحكم وكل ما

امر به او احکمه فهو لازم للامة منسوب اليهم محسوب عليهم (ابن العربي) یعنی الى الذين عاهدهم رسول الله صلى الله عليه وسلم لانه كان المتولى للعقد، واصحابه كلهم راضون فكانهم عاقدوا وعاهدوا فنسب العقد اليهم (قرطبي)

آیت سے جواز نکل آیا اس کا کہ بعض موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا امیر امت کے عمل کو منسوب امت کی جانب کیا جائے۔ (تفسیر ماجدی)

فَسَيَحْوَ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ : تو اے مشرک! زمین میں چار ماہ چل پھرو۔ امام قرطبی فرماتے ہیں:

ای سیروا فی الارض مقبلین ومدبرین، آمنین غیر خائفین احدا من المسلمین بحرب ولا سلب ولا قتل ولا اسیر

یعنی زمین پر امن کے ساتھ آؤ جاؤ، اور مسلمانوں کی طرف سے لڑائی، لوٹ مار اور قتل و گرفتاری سے بے خوف رہو۔ (قرطبی)

”دنیاوی حکومتوں کا دستور یہ ہے کہ اعلان جنگ کے بعد دشمنوں کو غور کا موقع بہت کم دیتی ہیں، اس لئے کہ ان کا مقصد جمع مال کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، مگر اسلام یکسر رحمت ہے اور وہ امن و سلامتی عالم کے قیام کے لئے بھیجا گیا ہے اس لئے ارضی حکومتوں کے برخلاف اس نے اپنے مخالفین کو چار ماہ کامل غور کی مہلت دی، اس دوران وہ تمام عرب میں باطمینان رہ سکتے ہیں اپنے اور دشمنوں کے حالات کا اچھی طرح مطالعہ کر کے اپنے مستقبل کے متعلق خوب دلجمعی سے فیصلہ کر سکتے ہیں، اگر وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے تیار ہوں تو انہیں لبیک کہا جائے گا، لیکن اس مدت کے ختم ہوتے ہی عرب کی ایک انچ زمین بھی ان کو پناہ نہ دے سکی گی، مخالفین کو اس امر میں غور کرنا چاہئے کہ جب مسلمانوں کی تعداد کم تھی، ان کے پاس ساز و سامان نہ تھا عرب کا ایک ایک باشندہ ان کا دشمن تھا، ہر طرف سازشوں کے جال بچھے ہوئے تھے، یہودی ایک طرف ان کی جان کے لیوا تھے، دوسری جانب نصاریٰ ان کو خوفزدہ کر رہے تھے، مجوسی بھی کسی سے کم نہ تھے، جب ان حالات میں مسلمان زندہ رہے تو اب اس وقت تم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہو جبکہ تمام عرب پر ان کا قبضہ ہے، ہر طرف ان کی حکومت ہے، اس وقت کفار یقین کر لیں کہ وہ مسلمانوں پر کبھی غالب نہ آ سکیں گے، بلکہ جو شخص قرآن سمجھنے کے باوجود اس کی مخالفت کرے گا وہ خود ذلیل ہوگا۔“ (تفسیر الفرقان)

چار مہینے کون سے؟

امام نسفی کہتے ہیں:

والا شهر الاربعة: شوال و ذو القعدة و ذوالحجة والمحرم، او عشرون من ذی الحجة والمحرم وصفر وشهر ربیع الاول وعشر من ربیع الآخر وکانت حرما لانهم او منوا فیها وحرم قتلهم وقتالهم او علی التغلیب لان ذالحجة والمحرم منها. والجمهور علی اباحة

القتال فی الأشهر الحرم وان ذلك قد نسخ. (المدارك)

یعنی چار مہینوں سے مراد شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں یا ذوالحجہ کے بیس دن، محرم، صفر، ربیع الاول اور دس دن ربیع الآخر کے۔ اگر دوسرا قول لیا جائے تو ان چار مہینوں کو ’’اشہر حرم‘‘ اس لئے کہا گیا کہ ان میں مشرکوں کو امان دی گئی تھی یا تغلیب کی بناء پر کہا گیا کیونکہ ذوالحجہ اور محرم ان میں شامل ہیں۔ باقی جمہور کے نزدیک اب اشہر حرم میں قتال جائز ہے اور حرمت قتال منسوخ ہو چکی ہے۔

وَأَعْلَمُوا أَنكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ مُحْضِي الْكَافِرِينَ

اور اے مشرکوں! خوب جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ ان الفاظ میں مشرکین کے لئے اسلام کی دعوت بھی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے نہ ٹکراؤ تم نے دیکھ لیا کہ کل تک تم اس زمین کے مالک و حکمران تھے اور تم مسلمانوں کو یہاں سے نکالتے تھے مگر آج صورتحال کس قدر بدل چکی ہے؟ کیا تم اس سے اسلام کی حقانیت کا اندازہ نہیں لگاتے؟

اور آیت کے آخری جملے میں مسلمانوں کے لئے فتح و نصرت کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ایسی مدد فرمائے گا کہ کافر ذلیل و خوار ہو کر ناکام ہو جائیں گے۔ ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

’’یعنی یہ احمق معاندین اللہ کے مقابلے کی قوت تو کہاں سے لائیں گے اللہ ہی انہیں الٹا رسوا کر کے رہے گا اس رسوائی کا ظہور حشر میں تو بہر حال کامل اور یقینی طور پر ہو ہی جائے گا، باقی نزول آیت کے بعد دنیا میں بھی اچھی طرح ہو کر رہتا ہے۔

قال ابن عباس بالقتل فی الدنيا والعذاب فی الآخرة (کبیر)

آیت میں مسلمانوں کو اطمینان بھی دلایا گیا ہے کہ وہ کافروں پر غالب آکر رہیں گے۔

قال الزجاج: هذا ضمان من الله عز و جل بنصرة المؤمنين على الكافرين (کبیر)۔

(تفسیر ماجدی)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ ٣٠ آيَةٌ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَإِذْ أُنْذِرَ مِنْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بڑے حج کے دن لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

بَرِّحَیْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۚ وَرَسُولُهُ فَإِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ

اور اس کا رسول مشرکوں سے بے زار ہے پس اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے اور

إِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۚ وَبَشِّرِ الَّذِينَ

اگر نہ مانو تو جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو ہر گز عاجز کرنے والے نہیں اور کافروں کو

كَفَرُوا بِعَذَابِ آيِئِمٍ ۙ

دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو

خلاصہ

حج کو اکبر اس لئے کہا کہ ”عمرہ“ حج اصغر ہے اور ”یوم الحج الاکبر“ سے دسویں تاریخ عید الاضحیٰ کا دن یا نویں تاریخ ”عرفہ“ کا دن مراد ہے۔

اس آیت میں مذکور اعلان غالباً ان قبائل کے لئے تھا جنہوں نے میعاد کی معاہدہ کیا پھر خود ہی عہد شکنی کی (مثلاً بنی بکر یا قریش وغیرہم) یعنی ایسے لوگوں سے کوئی معاہدہ باقی نہیں رہا۔ اگر یہ سب لوگ شرک و کفر سے توبہ کر لیں تو ان کی دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں گی، نہیں تو اللہ تعالیٰ کا جزیرۃ العرب کو پاک کرنے کا جو ارادہ ہے وہ پورا ہو کر رہے گا، کوئی طاقت اور تدبیر اسے مغلوب نہیں کر سکتی اور کافروں کو کفر و بد عہدی کی سزا مل کر رہے گی (تنبیہ) ان قبائل کی عہد شکنی اگرچہ فتح مکہ ۸ ہجری سے پہلے ہو چکی تھی، بلکہ اسی کے جواب میں مکہ فتح کیا گیا، تاہم ۹ ہجری کے حج کے موقع پر اس کا بھی اعلان عام کرایا گیا تاکہ واضح ہو جائے کہ اس قسم کے جتنے لوگ ہیں ان سے کسی قسم کا معاہدہ باقی نہیں رہا۔ (مفہوم تفسیر عثمانی)

تفسیری اقوال

أَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ: اعلان عام ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے۔

والأذان بمعنى الأيدان وهو الأعلام (المدارك) یعنی اذان کا مطلب ہے اعلان عام

إِلَى النَّاسِ: تمام لوگوں کی طرف

الناس هنا جميع الخلق (القرطبي)

امام نفی لکھتے ہیں کہ

براءة تو صرف ان مشرکوں سے تھی جن سے معاہدے وغیرہ تھے مگر اعلان سب کے لئے تھا۔

لان البراءة مختصة بالمعاهدين و الناكثين منهم، واما الاذان فعلم لجميع الناس من عاهد ومن لم يعاهد ومن نكث من المعاهدين ومن لم ينكث (المدارك)

امام رازی فرماتے ہیں کہ اعلان عام مسلمانوں اور کافروں سب کے لئے تھا کیونکہ اس حکم کا تعلق ان سب کے ساتھ تھا مسلمانوں کے ساتھ اس لئے کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ کب تک قتال ممنوع ہے اور کب ہم نے قتال شروع کرنا ہے۔

وهي عامة في حق جميع الناس، لان ذلك مما يجب ان يعرفه المومن والمشرک من حيث كان الحكم المتعلق بذلك يلزمهما جميعا، فيجب على المومنين ان يعرفوا الوقت الذي يكون فيه القتال من الوقت الذي يحرم فيه (تفسير كبير)

يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ : اس میں دو تفسیری بحثیں ہیں:

◀ پہلی بحث یہ ہے کہ یہ کون سا دن تھا عام طور پر مفسرین کے تین اقوال ہیں: ❶ نو ذوالحجہ یوم عرفہ ❷ ۱۰ ذوالحجہ یوم النحر ❸ اس سے ایک دن نہیں بلکہ تمام ایام حج مراد ہیں یعنی ایام منیٰ کلھا اور عربی میں یوم کا لفظ اس طرح کثرت سے استعمال ہوتا ہے جیسے یوم صفین، یوم بعثت۔

ان تین اقوال کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے تفسیر قرطبی و تفسیر کبیر و دیگر تفاسیر۔

◀ دوسری بحث یہ ہے کہ ۹ ہجری کے حج کو ”حج الاکبر“ کسی خاص وجہ سے کہا گیا ہے یا ہرج ”حج اکبر“ کہلاتا ہے اکثر مفسرین حضرات کی رائے یہ ہے کہ حج اکبر حج ہی کو کہتے ہیں کیونکہ عمرہ حج اصغر یعنی چھوٹا حج کہلاتا ہے۔ مگر بعض مفسرین کے نزدیک ۹ ہجری کے حج کو بعض خصوصیات کی وجہ سے ”حج اکبر“ کہا گیا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے تفسیر البحر المحیط اور تفسیر کبیر۔

أَنَّ اللَّهَ بَرَّحَ مِّنَ الْمَشْرُكِينَ ۚ وَرَسُولُهُ

یعنی (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں امن دینے سے بری الذمہ اور دست بردار ہیں۔

(تفسیر ماجدی)

اعلان عام کا مختصر واقعہ

”براءة کے مفہوم کو دوبارہ و اذان من اللہ و رسولہ فرما کر دہرایا اور ۹ ہجری میں جو حج ہوا اس میں حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ذریعہ مواقف حج میں اعلان کروادیا کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہے

اور اس کے علاوہ بھی بعض امور کا اعلان کروایا گیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اعلان کرنے پر مامور فرمایا۔

صحیح بخاری (ج ۲ ص ۲۷۱) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ جس حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیقؓ کو امیر بنا کر بھیجا تھا اس میں انہوں نے یوم النحر (ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو) جن لوگوں کو اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا ان میں میں بھی تھا، تاکہ یہ لوگ منیٰ میں اعلان کر دیں

الا لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبيت عریان (خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگے ہونے کی حالت میں بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ مشرکین ننگے ہونے کی حالت میں بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے۔ اس لئے یہ اعلان کروایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر حج بنا کر بھیجا تھا پھر پیچھے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا تاکہ ان کے ذریعہ اعلان کروایا جائے اور وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ کی خدمت میں یہ رائے پیش کی گئی تھی کہ اہل عرب کا یہ طریقہ ہے کہ عہد اور نقض عہد کے بارے میں اسی شخص کے اعلان کو معتبر سمجھتے تھے جو خاص اسی قبیلہ کا ہو جس سے معاہدہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ قبیلہ کی حیثیت سے تو نہ تھا مسلمانوں کی جماعت کا امام ہونے کی حیثیت سے تھا اور دین اسلام کی طرف سے تھا لیکن احتمال تھا کہ لوگ اسے بنی ہاشم کا معاہدہ سمجھیں اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا جانا مناسب سمجھا جو بنی ہاشم ہی کے ایک فرد تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سورۃ برآۃ کے مطابق اعلان کرتے تھے اور مشرکین کو پوری طرح اعلان سناتے تھے چونکہ اتنے بڑے اجتماع میں شخص واحد کافی نہ تھا اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کو بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کام پر لگایا۔ معالم التنزیل (ص ۲۶۷ ج ۲) میں زید بن تیہج سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ کو اس حج میں کیا پیغام دے کر بھیجا گیا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے چار چیزوں کا اعلان کرنے کا حکم ہوا تھا، اول یہ کہ آئندہ بیت اللہ کا طواف کوئی شخص ننگا ہونے کی حالت میں نہ کرے۔ دوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس قبیلہ سے کوئی معاہدہ ہے تو یہ معاہدہ صرف اپنی مدت تک ہے اور جس سے کوئی معاہدہ نہیں اس کو چار ماہ کی مہلت دی جا رہی ہے (چار ماہ تک زمین میں چلیں پھریں) مسلمان ان سے کوئی تعرض نہ کریں گے یہ مدت ختم ہو جانے کے بعد ان کے خون کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔ سوم یہ کہ جنت میں مومن کے سوا کوئی شخص داخل نہ ہوگا۔ چہارم یہ کہ اس سال کے بعد مشرکین اور مسلمین (حج میں) جمع نہ ہوں گے یعنی کسی مشرک کو اس سال کے بعد حج کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، نیز صاحب معالم التنزیل (ص ۲۶۶ ج ۲) لکھتے ہیں کہ یہ چار ماہ کی جو مدت مقرر کی گئی کہ اس کے بعد امان نہ ہوگی، اس کی ابتداء حج کے دن سے ہے جس میں برآۃ کا اعلان کیا گیا تھا اور یہ مدت دس ذوالحجہ سے لے کر دس ربیع الآخر تک تھی کیونکہ مدت کا شمار اعلان کے بعد ہی سے معتبر ہو سکتا ہے۔ (انوار البیان)

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُ ۲۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدَتْهُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُواكُمْ شَيْئًا وَ

مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا تھا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ کوئی قصور نہیں کیا اور

لَمْ يَظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتَيْتُمُوهُمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ

تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد نہیں کی سو ان سے ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کر دو

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ

بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے

خلاصہ

مشرکین کے وہ قبیلے جن کے ساتھ مسلمانوں کا میعاد میعادہ ہے اور انہوں نے معاہدے کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی اور نہ مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمنوں کی کوئی مدد کی ہے ان کا معاہدہ اپنی مدت پوری ہونے تک جاری رکھا جائے گا۔ عہد اور معاہدے کو پورا کرنا اور نبھانا تقویٰ کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں سے محبت فرماتا ہے۔

چند عبارتیں

۱ جن کا عہد مبہم ہے ان کو چار ماہ گزرنے کے بعد جہاں پاؤ قتل کر دو اور جن کے عہد کی مدت معین ہے اگر انہوں نے خود نہیں توڑا تو تم بھی اس میعاد تک عہد پورا کرو۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)

۲ یہ استثناء ان قبائل کے لئے ہے جن کا معاہدہ میعاد میعاد تھا، پھر وہ اس پر برابر قائم رہے کچھ کوتاہی ایفاء عہد میں نہیں کی، نہ بذات خود کوئی کارروائی خلاف عہد کی اور نہ دوسرے بدعہدوں کو مدد پہنچائی (مثلاً بنی ضمرہ و بنی مدلج) ان کے متعلق اعلان کر دیا گیا کہ میعاد معاہدہ منقضی ہونے تک مسلمان بھی برابر معاہدہ کا احترام کریں گے میعاد ختم ہونے کے بعد کوئی جدید معاہدہ نہیں۔ اس وقت ان کے لئے بھی وہی راستہ ہے جو اوروں کے لئے تھا۔ (تفسیر عثمانی)

۳ لَمْ يَنْقُصُواكُمْ شَيْئًا یعنی اپنی طرف سے اس عہد کو نبھانے اور پورا کرنے میں کچھ بھی کمی نہیں کی وَ لَمْ يَظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاہدہ جب مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کی اعانت کرنے لگے تو وہ ناقض عہد (یعنی عہد توڑنے والا) ہو گیا۔

یدل علی ان المعاهد متی علینا عدونا فقد نقض عہدہ (جصاص)

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ اور اسی تقویٰ و پرہیزگاری کی ایک فرد ایفاء عہد بھی ہے، جنگ ہو یا صلح، اسلام

بہر حال اخلاقی پابندیوں کے توڑ دینے کا روادار نہیں، عین عتاب و عقاب کے سیاق میں تقویٰ اور اخلاق صالح پر زور دینا قرآن مجید ہی کا حصہ ہے۔ (تفسیر ماجدی)

۴ امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

لكن الذين لم ينكثوا فاتهم عهدهم ولا تجروهم مجراهم ولا تجعلوا الوافي كالغادر
لأن الله يحب المتقين يعنى ان قضية التقوى ألا يسوى بين الفريقين فانتقوا الله فى ذلك
(المدارك)

لیکن جنہوں نے معاہدہ نہیں توڑا ان کے ساتھ معاہدہ پورا کرو اور انہیں معاہدوں کو توڑنے والوں جیسا نہ بناؤ، وفا کرنے والوں کو دھوکا دینے والوں جیسا قرار نہ دو اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو پسند فرماتا ہے اور تقویٰ کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں فریقوں کو برابر قرار نہ دو۔

۵ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

بقى لبنى ضمرة، وبنى مدلج حيين من كنانة من عهدهم تسعة اشهر فاتهم عهدهم۔ (روح المعاني)

یعنی بنی ضمہرہ اور بنی مدلج جو کنانہ قبیلے کی دو شاخیں تھیں ان کے معاہدے کی مدت میں نو مہینے باقی تھے چنانچہ اس مدت تک ان کے ساتھ معاہدہ پورا کیا گیا۔



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَثَلَنِيَّةٌ آيَةٌ ۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فَإِذَا نَسَخَ الْأَشْهُرَ الْحَرَّمَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ

پھر جب عزت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کردو

وَجَدْتَهُمُ وَخُدُودَهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَأَقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ

اور پکڑو اور انہیں گھیر لو اور ان کی تاک میں ہر جگہ بیٹھو پھر

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ

اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو

لَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

خلاصہ

جب مہلت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ جیسے چاہو قتل کرو اور انہیں پکڑو، گھیرو اور ہر جگہ ان پر گھات لگاؤ، پھر اگر وہ ایمان قبول کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان سے جنگ نہ کرو اللہ پاک بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

چار مہینے

بعض مفسرین حضرات کی رائے یہ ہے کہ ان چار مہینوں سے مراد ذوالحجہ سے لے کر ربیع الثانی تک کی مدت ہے اور ان چار مہینوں کو ”اشہر حرم“ یعنی حرمت والے مہینے اس لئے کہا گیا کہ ان میں اللہ پاک نے مشرکین کو مہلت دی تھی اور ان کے ساتھ لڑائی سے منع فرمایا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے اس قول کے مطابق چند حوالے جن کے ضمن میں آیت کی تفسیر بھی واضح ہو جاتی ہے:

① دس ذوالحجہ سے لے کر چار مہینے جو مہلت دی گئی ہے جب وہ پوری ہو جائے تو پھر جہاں پاؤ انہیں تباہ کردو، ہاں اسلام کے حلقہ گوشت ہو جائیں تو چھوڑ دو۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)

② الأشهر الحرم الأربعة هذه من العاشر ذي الحجة الى العاشر ربيع الثاني یعنی حرمت والے چار مہینے دس ذوالحجہ سے لیکر دس ربیع الثانی تک تھے۔ (فی ظلال سورة التوبة)

دوسرا قول

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مشرکین جنہوں نے عہد شکنی کی تھی ان کے لئے مہلت کی مدت محرم کے آخر تک تھی چنانچہ

”اشہر حرم“ سے مراد یہ ہے کہ جب حرمت والے معروف مہینے ختم ہو جائیں تو ان کے خلاف قتال شروع کر دیا جائے۔ یعنی یکم صفر سے جنگ شروع ہو جائے گی، اس قول کے چند حوالے تفسیر ابن کثیر وغیرہ کے حوالے سے گزر چکے ہیں۔ مزید چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

قال الاصم: ارید به من لا عقد له من المشركين، فاجب ان يمسك عن قتالهم حتى ينسلخ الحرم وهو مدة خمسين يوما على ما ذكره ابن عباس لان النداء كان بذلك يوم النحر. (القرطبي)

امام اصم فرماتے ہیں کہ مراد اس آیت میں وہ مشرکین ہیں جن سے مسلمانوں کا معاہدہ باقی نہیں رہا تھا ان مشرکین سے حرمت والے مہینے ختم ہونے تک قتال سے روکا گیا یعنی ان کو پچاس دن کی مہلت دی گئی یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق ہے۔ چونکہ اس مہلت کا اعلان دس ذوالحجہ کے دن کیا گیا تھا۔ (اس لئے پچاس دن بنے)

ایک جامع عبارت

حضرت مجاہد اور ابن اسحاق نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں جن اشہر الحرام کا ذکر ہے ان سے وہی مہینے مراد ہیں جن کا شروع سورۃ میں ذکر آیا ہے جن لوگوں کے ساتھ کوئی معاہدہ بلا تعین مدت کا تھا اور جن سے کوئی عہد نہ تھا ان کو چار ماہ کی مہلت دی گئی اور جنہوں نے نقض عہد کیا تھا یعنی قریش مکہ ان کو چار ماہ کی مدت میں سے بیس دن ذی الحجہ کے اور محرم کا پورا مہینہ گزر جانے تک کی مہلت دی گئی۔ صاحب معالم التنزیل نے یہ بات لکھی ہے اور علامہ نسفی نے بھی مدارک التنزیل میں ایسا ہی فرمایا ہے۔ صاحب روح المعانی نے بھی یوں ہی لکھا ہے کہ اشہر الحرام سے وہ مہینے مراد نہیں ہیں جو عرب میں معروف و مشہور تھے (یعنی ذیقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور ربیعہ، اہل عرب ان مہینوں میں قتال نہیں کرتے تھے اور اسلام کے ابتدائی دور میں بھی ان میں قتال ممنوع تھا) اور یہ اس لئے فرمایا کہ جس وقت برآۃ کا اعلان ہوا تھا ان میں صرف بیس دن ذی الحجہ کے اور ایک مہینہ محرم کا باقی رہ گیا تھا اور ربیعہ تک پہنچنے کے لئے بیچ میں پانچ مہینے کا فصل تھا اگر ان پانچ مہینوں کا بھی حساب لگا دیا جائے تو میعاد لمبی ہو جاتی حالانکہ چار مہینوں سے زیادہ کسی کو مہلت نہیں دی گئی۔ آیت کریمہ میں یہ فرمایا کہ جب ”اشہر حرام“ نکل جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ ان کو پکڑو اور انہیں روک لو۔ روکنے کی تفسیر کرتے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان کو قلعہ بند کر دو، باہر نکلنے سے روک دو اور ان کے لئے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھ جاؤ یعنی مکہ کے راستوں میں بیٹھو، مشرکین کو اس میں داخل نہ ہونے دو

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ ۱ یعنی اگر وہ شرک سے توبہ کر لیں اور اسلام قبول کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو ان پر چلنے پھرنے کی اور مکہ معظمہ میں داخل ہونے پر کوئی پابندی نہیں۔ ۱ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ ذَحِيمٌ جب اسلام قبول کر لیا تو زمانہ کفر میں جو کچھ کیا تھا سب ختم ہے اس پر دارو گیر (یعنی پکڑ) نہیں ۲ وَأَحْصِرُوا ۱۱ سے دشمنوں کا محاصرہ کرنے کا جواز معلوم ہوا اور ۱۲ وَأَقْعُدُوا ۱۲

کُلِّ قَرْصٍ سے معلوم ہوا کہ دشمنوں سے حفاظت کے لئے ان سے چونکار ہنے کے لئے اپنے ملکوں اور شہروں میں چوکیاں مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔ (انوار البیان)

تقریر عثمانیؒ

یعنی ان عہد شکنی کرنے والوں سے اگر چہ اب کوئی معاہدہ باقی نہیں رہا اس لئے علی الفور جنگ کی جاسکتی ہے، تاہم ”شہر حرم“ کی رعایت مانع ہے کہ فوراً ان پر حملہ کیا جائے خواہ اس لئے کہ اس وقت تک اشہر حرم میں ابتداءً قتال کرنا ممنوع ہوگا یا مصلحت کہ تھوڑی سی بات کے لئے عام لوگوں میں کیوں تشویش پیدا کی جائے کیونکہ ان مہینوں میں قتال کی حرمت ان کے یہاں معروف و مسلم چلی آتی تھی۔ بہر حال ماہ محرم کے ختم تک ان کو مہلت دی گئی کہ جو چاہیں اپنا بندوبست کر لیں۔ اس کے بعد تطہیر جزیرۃ العرب کی خاطر جنگ سے چارہ نہیں جو کچھ جنگ میں ہوتا ہے۔ (مارنا، پکڑنا، گھیرنا، داؤ لگانا، گھات میں رہنا) وہ سب ہوگا۔ البتہ اگر بظاہر کفر سے توبہ کر کے اسلامی برادری میں داخل ہو جائیں جس کی بڑی علامت نماز ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا ہے تو پھر مسلمانوں کو ان سے تعرض کرنے اور ان کا راستہ روکنے کی اجازت نہیں۔ رہا باطن کا معاملہ وہ خدا کے سپرد ہے مسلمانوں کا معاملہ اس کے ظاہر کو دیکھ کر ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کلمہ اسلام پڑھ کر نماز ادا نہ کرے یا زکوٰۃ نہ دے تو مسلمان اس کا راستہ روک سکتے ہیں امام احمدؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ کے نزدیک اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ تارکِ صلوٰۃ اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دے (امام احمدؒ کے نزدیک ردّہؒ (یعنی مرتد ہونے کی وجہ سے) اور مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک حدّ اوتغزیہؒ) امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسے خوب زد و کوب کرے اور قید میں رکھے حتیٰ یموت او یتوب (حتیٰ کہ مر جائے یا توبہ کرے) بہر حال تخلیہ سبیل کسی کے نزدیک نہیں۔ رہے مانعین زکوٰۃ ان کے اموال سے حکومت جبراً زکوٰۃ وصول کرے اور اگر وہ لوگ مل کر حکومت سے آمادہ بیکار (یعنی جنگ پر تیار) ہوں تو راہ راست پر لانے کے لئے جنگ کی جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ پر جو جہاد کیا تھا اس کا واقعہ کتب حدیث و تاریخ میں مشہور و معروف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کلام برکت

جن سے وعدہ ٹھہر گیا تھا اور دغا ان سے نہ دیکھی ان کی صلح قائم رہی اور جن سے وعدہ کچھ نہ تھا ان کو فرصت ملی چار مہینے، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دل کی خبر اللہ کو ہے ظاہر میں جو مسلمان ہو وہ سب کے برابر امان میں ہے۔ اور ظاہر مسلمانی کی حد ٹھہرائی ایمان لانا، کفر سے توبہ اور نماز اور زکوٰۃ۔ اسی واسطے جو شخص نماز چھوڑ دے یا زکوٰۃ پھر اس سے امان اٹھ گئی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کے منکروں کو برابر کافروں کے قتل فرمایا۔ (موضح القرآن) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بے نمازی کا تو اسلام ہی معتبر نہ تھا جبکہ آج بے نمازی لوگ مسلمانوں کے حکمران بنے بیٹھے ہیں اور خود کو وہ امت مسلمہ کا خیر خواہ قرار دیتے ہیں۔ والی اللہ المشتکی۔

یہ آیت ”آیت السیف“ ہے

قرآن مجید کی یہ آیت مفسرین حضرات کے ہاں آیت السیف یعنی تلوار والی آیت کہلاتی ہے، امام ابن کثیر فرماتے ہیں: وهذه الآية الكريمة هي آية السيف التي قال فيها الضحاك بن مزاحم انها نسخت كل عهد بين النبي صلى الله عليه وسلم وبين احد من المشركين وكل عقد وكل مدّة (تفسير ابن کثیر)

حضور پاک ﷺ کو چار تلواریں عطاء کی گئیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار تلواریں دے کر بھیجا گیا: بعث النبي صلى الله عليه وسلم باربعة اسيف:

① سيف في المشركين في العرب

پہلی تلوار مشرکین عرب کے خلاف عطاء فرمائی گئی جو اس آیت میں ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (تفسير ابن کثیر)

باقی تین تلواریں غالباً یہ ہیں:

② اهل کتاب کے خلاف تلوار قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ (التوبة ۲۹)

③ منافقین سے قتال کی تلوار يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ (التوبة ۷۳)

(التحریم ۹) (تفسير ابن کثیر)

④ باغیوں سے قتال کی تلوار وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا (الحجرات ۹) (تفسير ابن کثیر)

قتال فی سبیل اللہ کے حکم پر ناک چڑھانے والے ان چار تلواروں اور ان آیتوں پر غور کریں اور پھر سیرت طیبہ میں دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تلواروں کو کیسے استعمال فرمایا اور ان آیتوں پر کس طرح سے عمل فرمایا۔

جنگ کی تاکید

جہاد کوئی سرسری حکم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا تاکیدی حکم ہے جس کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یہاں اتنا کہنا بھی کافی تھا کہ جب حرمت والے مہینے ختم ہو جائیں تو مشرکین سے لڑو یا ان کو مارو۔ مگر یہاں تو پوری تاکید اور مکمل تفصیل کے ساتھ فیصلہ کن لڑائی کا پورا انصاب بتایا گیا۔

① ان کو ہر جگہ قتل کرو ② جس طرح چاہو قتل کرو (مثلاً ممنوع ہے) ③ ان کو پکڑو اور قید کرو ④ اگر کہیں چھپ جائیں یا قلعہ بند ہو جائیں تو وہاں پہنچ کر ان کو گھیر لو ⑤ ان کے راستوں پر ناک لگاؤ اور ان کے گزرنے کی ہر جگہ پر گھات لگا کر بیٹھو اور ان کے ایک ایک فرد کو مارنے اور پکڑنے کی عسکری ترتیب بناؤ، صحراؤں اور بازاروں تک کی

ناکہ بندی کرو۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

اولها: قوله قَاتِلُواْ مَن حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَذَكَ امْرُ بَقْتَلَهُمْ عَلَى الْاِطْلَاقِ فِى اِى وَقْتِ وَاِى مَكَانٍ (تفسیر کبیر)

قال المفسرون: المعنى اقعدوا لهم على كل طريق ياخذون فيه الى البيت او الى الصحراء او الى التجارة۔ (تفسیر کبیر)

وَاقْعُدُواْ سے اس کے لفظی معنی مراد نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ غنیم (یعنی دشمن) کی فکر میں لگے رہو اور یہی صورت وَاَحْصِرُوْهُمْ کے لئے ہے۔

لیس معناه حقيقة القعود بل المراد ترقبهم وترصدهم (روح) واحصرهم ای امنعوهم عن الخروج اذا تحصنوا منكم بحصن (روح عن ابن عباس) (تفسیر ماجدی)

ایک گزارش

اس آیت میں جو جنگی تفصیل بیان ہوئی ہے اسے وہ مسلمان صرف ایک بار دل کی آنکھوں سے پڑھ لیں جنہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کو اپنی زندگیوں سے نکالا ہوا ہے۔ خواہ کسی بھی بہانے سے، خواہ کسی بھی تاویل سے۔ پھر اپنے دل سے پوچھیں کہ ہم کیسے مسلمان ہیں..... جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کے لئے خود کو کبھی بھی تیار نہیں پایا۔ استغفر اللہ، استغفر اللہ۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک قول

کئی مفسرین حضرات کے نزدیک یہ آیت ان تمام آیات کو منسوخ کرنے والی ہے جن میں مشرکین سے درگزر کرنے کا حکم ہے۔

وهذه هي الآية المعروفة بآية السيف التي نسخت جميع آيات الامر بالصفح عن المشركين، والصبر على اذاهم (قرة العينين)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آیت ۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ

اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیدو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنیں

ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۖ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ۝

پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو یہ اس لیے ہے کہ وہ لوگ بے سمجھ ہیں

خلاصہ

مہلت کے مہینے گزرنے کے بعد جب ان مشرکین کو قتل کرنے کا حکم نافذ ہو جائے اس وقت بھی اگر کوئی مشرک اسلام کی حقیقت سمجھنے کے لئے آپ کے پاس آ کر امان مانگے تاکہ اطمینان سے قرآن پاک اور اسلام کی حقانیت کے دلائل سن سکے تو آپ اس کو پناہ دے دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن اور سمجھ لے اس کے بعد اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجئے تاکہ وہ سوچ سمجھ کر اپنی رائے قائم کرے۔ یہ پناہ دینے کا حکم اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ دین کی پوری خبر نہیں رکھتے اس لئے ان کو مزید موقع دیا جاتا ہے۔

اقوال وحوالے

اسلام کا دروازہ کھلا ہے

اگر کوئی مشرک رفع شکوک کے لئے آئے تو بڑی خوشی سے اجازت دی جائے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)

چند ضروری احکامات

علامہ ابوبکر بھٹو فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کوئی حربی امان طلب کرے تو اسے امان دینا جائز ہے۔ وہ امان طلب کر کے مسلمانوں کے پاس آئے، اللہ کا کلام سنے تو حید کو سمجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل معلوم کرے تو اس کے لئے ایسا موقع فراہم کیا جائے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی کافر ہم سے دلائل توحید کا اور دلائل رسالت کا مطالبہ کرے تاکہ وہ سمجھنے کے بعد دونوں باتوں کو مان لے تو ہمارے ذمہ واجب ہوگا کہ پوری حجت قائم کریں اور توحید و رسالت کو واضح طور پر بیان کریں اور جب کوئی شخص ہم سے توحید اور رسالت کے دلائل طلب کرے تو دلائل بیان کرنے اور حجت قائم کرنے سے پہلے اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔ پھر لکھتے ہیں ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ سے معلوم ہوا کہ امام المسلمین پر واجب ہے کہ جو کوئی کافر حربی امان لے کر آئے اس کی حفاظت کرے تاکہ کوئی شخص اسے قتل نہ کر دے اور کسی طرح تکلیف نہ پہنچائے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جو لوگ اہل ذمہ

ہیں (یعنی ذمی ہیں) امام المسلمین کے ذمہ ان کی حفاظت واجب ہے تاکہ کوئی مسلمان ان پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔ کافر حربی کو واپس ان کی جائے امن پہنچانے کا جو حکم ہے اس سے یہ مستنبط ہوا کہ کافر حربی کو دارالاسلام میں مستقل طور پر قیام نہ کرنے دیا جائے۔ اس میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک سال دارالاسلام میں رہ گیا تو ذمی ہو جائے گا اور اہل ذمہ کے احکام اس پر نافذ ہوں گے جزیہ بھی مقرر کر دیا جائے گا۔ (احکام القرآن ص ۸۴ ج ۳) پھر فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں جانتے (کہ اسلام کیا ہے اور دعوت اسلام کی کیا حقیقت ہے اور اسلام قبول کرنے کی کیا ضرورت ہے؟) فلا بد من اعطائهم الامان حتى يسمعوا او يفهموا الحق (پس انہیں امان دینا ضروری ہے تاکہ وہ سن لیں یا حق کو سمجھ لیں) (مدارک) (انوار البیان)

اسلام کے کمالات

جن لوگوں نے اپنی طاقت کے زمانے میں مسلمانوں کو مارا، ستایا انہیں وطن سے نکالا ان پر حملے کئے اور ان کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے بڑی بڑی جنگیں کیں ان کے ساتھ اسلام کا یہ حسن سلوک ہے کہ ان کو لڑائی سے پہلے چار مہینے کی مہلت دی جا رہی ہے کہ اگر لڑنا چاہتے ہو تو تیاری کر لو اور سوچنا چاہتے ہو تو سوچ لو اللہ اکبر کبیرا۔ اسلام نے ثابت کر دیا کہ کمزور قوموں کو بلا مہلت کسی جگہ سے نکل جانے کا حکم دینا یا ان پر اچانک حملہ کر دینا بزدلی اور غیر شریفانہ فعل ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند افراد کے علاوہ باقی سب کے لئے امان کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ یہ ہے اسلام اور یہ ہے اس کا جہاد کہ اسلام جیسے جیسے طاقتور ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس کے اخلاق بلند ہوتے چلے جاتے ہیں جبکہ دوسری قومیں جیسے جیسے طاقت پکڑتی جاتی ہیں اسی قدر وحشی، ظالم اور متکبر ہوتی جاتی ہیں۔ اس لئے زمین پر امن کے لئے اسلام اور مسلمانوں کا اس پر غالب رہنا ضروری ہے۔ اب اس آیت کے حکم ہی کو لے لیجئے کہ مہلت کی مدت گزرنے کے بعد بھی دعوت کا دروازہ کھلا ہے۔ اسلام کو اپنی حقانیت پر پورا اعتماد ہے اس لئے وہ سننے اور سمجھنے والوں کے لئے اپنا دروازہ ہر وقت کھلا رکھتا ہے۔ اور حق کی دعوت سنا کر پھر انہیں اپنے مقام تک واپس جانے کی بھی اجازت اور ضمانت دیتا ہے۔ نہتی آبادیوں پر اندھا دھند بمباری کرنے والے ان انسانی اور اخلاقی قدروں سے کس قدر محروم ہیں۔

طلبہ کے لئے آسان و جامع تفسیر

والمعنى وان جاءك احد من المشركين بعد انقضاء الاشهر لا عهد بينك وبينه واستامنك ليسمع ماتدعوا اليه من التوحيد والقرآن فأمنه حَتَّى يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ ويتدبره ويطلع على حقيقة الامر على ان المستامن لا يوذى وليس له الإقامة في دارنا ويمكن من العود ذلِكَ اى الامر بالإجارة فى قوله فأجره بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ بسبب انهم قوم جهلة لا يعلمون ما الاسلام وما حقيقة ماتدعوا اليه، فلا بد من اعطائهم الامان حتى يسمعوا او يفهموا الحق. (المدارك) ★★

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُ ٢٤

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا

بملا مشرکوں کیلئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ہاں عہد کیونکر ہو سکتا ہے ہاں

الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ

جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد کیا ہے اگر وہ قائم رہیں

فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝

تو تم بھی قائم رہو بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے

خلاصہ

مشرکین کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے کیسے ”امان“ ہو سکتی ہے..... وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے منکر ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں..... بار بار اپنے عہد اور معاہدے توڑتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں۔ ایسے لوگوں کو امان دینا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ ہاں ان میں سے جن کے ساتھ مسلمانوں نے حرم شریف میں معاہدہ کیا وہ جب تک اس معاہدے پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو۔ بے شک عہد اور معاہدے کی پابندی تقویٰ کا ایک حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔

ان شرکین کو قتل کرنے میں پریشانی محسوس نہ کرو

امام نسفی لکھتے ہیں:

استفهام فی معنی الاستنکار ای مستنکر ان یثبت لهؤلاء عهد فلا تطمعوا فی ذلك ولا تحدثوا به نفوسکم ولا تفکروا فی قتلهم۔ (المدارک)

یعنی استفہام بمعنی انکار ہے کہ ان لوگوں کے لئے عہد اور امان کا قائم رہنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک ناپسندیدہ ہے پس تم اسکی خواہش نہ رکھو اور نہ دل میں ایسا سوچو اور نہ ان کے قتل کرنے میں کوئی فکر اور اندیشہ کرو۔

یہ برأت اور اعلان جنگ کی وجہ بیان فرمائی ہے

امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اس آیت میں مشرکین سے اعلان برأت کرنے، انہیں چار مہینے کی مہلت دینے اور پھر ان پر کھلی تلوار چلانے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ مشرکین کے لئے کس طرح سے امان ہو سکتی ہے؟ اور انہیں ان کی حالت پر کیسے

چھوڑا جاسکتا ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں..... ملاحظہ فرمائیے ابن کثیر کی یہ عبارت:

يبين تعالى حكمته في البرأة من المشركين ونظرته اياهم اربعة اشهر ثم بعد ذلك السيف المرفف اين ثقفوا فقال تعالى: كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ اِى امان ويتركون فيما هم فيه وهم مشركون بالله كافرون به وبرسوله. (تفسير ابن کثیر)

عجیب تفسیر

بعض مفسرین کے نزدیک عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهِ کا ترجمہ اس طرح سے ہے:

کیف یكون للمشرکین عہد عند اللہ یا منون بہ عذابہ غدًا

یعنی مشرکین کو اللہ تعالیٰ کی وہ امان کیسے مل سکتی ہے جس کے ذریعہ کل قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ سکیں وکیف یكون لهم عند رسولہ عہد یا منون بہ عذاب الدنیا اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ امان کیسے مل سکتی ہے جس کے ذریعہ وہ دنیا کے عذاب سے بچ سکیں۔ (تفسیر القرطبی)

ڈاکٹر عبداللہ عزام شہیدؒ نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے:

عهد عند الله يحميهم من عذاب يوم القيامة وعهد عند رسولہ يحميهم من القتال في الدنيا. (فی ظلال سورة التوبة)

خلاصہ اس پوری تفصیل کا یہ ہوا کہ مسلمانوں کو جہاد کا بنیادی نکتہ سمجھایا جا رہا ہے کہ جن مشرکوں کو اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم امان نہیں دیتے ان کے لئے تمہارے دل میں نرمی یا ہمدردی کی کیا گنجائش ہے؟ یہ لوگ امن عالم کے لئے اور انسانیت کے لئے ایک ایسا ناسور بن چکے ہیں جس کے کاٹنے ہی میں سب کی خیر ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

إِلَّا الَّذِينَ عٰهَدُوْاكُمْ عٰهْدًا فَمِنْكُمْ هُمُ الْمَسْكُوْنَةُ اَلْحَرَامَةُ :

یعنی مشرکین میں سے جن تھوڑے سے افراد نے اپنے عہد کو نبھایا ہے مسلمان بھی ان کے ساتھ اپنے معاہدے کو پورا کریں۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد وہی قبیلہ بنی کنانہ کی دو شاخیں بنی ضمہ اور بنی مدجن ہیں جنہوں نے معاہدے کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قریش اور بنو بکر ہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ قریش اور بنو بکر کے ساتھ تم نے جو معاہدہ حدیبیہ میں کیا ہے تو جب تک وہ اس معاہدے کو نبھائیں تم بھی ان کے ساتھ ٹھیک رہو مگر پھر بنو بکر اور قریش نے بنو خزاعہ پر حملہ کر کے اس معاہدے کو توڑ دیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آیت مبارکہ کی مزید تشریح کے لئے ملاحظہ فرمائیے چند عبارات:

اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دوستی؟

”خدا تعالیٰ کے دشمنوں سے کیسے دوستی ہو سکتی ہے ہاں جن سے معاہدہ ہے اگر وہ نبھائیں تو مسلمان بھی نبھاتے جائیں۔“ (حاشیہ حضرت لاہوری)

اعلان جنگ کی وجوہات

”گذشتہ رکوع سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو لوگ قرآن کے آگے خمیدہ گردن نہ ہوں گے (یعنی سر نہیں جھکائیں گے) اور اس کو اپنا دستور العمل نہ بنائیں گے وہ باغی ہیں، ظاہر ہے کہ کسی حکومت کی حدود میں باغیوں کا وجود اس سلطنت کی تباہی کا موجب ہوگا، اس لئے کوئی دانشمند سلطنت اس امر کو گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی حدود میں مفسد اور فتنہ پرداز لوگ باقی رہیں، اس لئے قرآن حکیم نے ان باغیوں کو گذشتہ رکوع میں اعلان جنگ دے دیا، اس کے بعد ان کے لئے صرف دو ہی صورتیں باقی رہ گئی تھیں، اسلام قبول کریں، ورنہ اسلامی حکومت کی حدود سے باہر نکل جائیں اب بتایا جاتا ہے کہ ان کو اعلان جنگ دینے کے کون سے اسباب تھے قاعدہ ہے کہ اعلان جنگ دیتے وقت ان اسباب کا بھی ذکر کیا جاتا ہے جو اس جھگڑے کا باعث ہوئے ہیں۔ فتح مکہ کے روز عرب کی سر زمین میں ایک عظیم انقلاب ہو گیا، حکومت بدل جانے سے ہر چیز میں تغیر آ جاتا ہے، کفار جب اپنے گرد و پیش دیکھیں گے کہ اس وقت زمام سلطنت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن کو ہم کل تک ذلیل خیال کرتے تھے تو ان کے رگِ حمیت میں جوش آ جائے گا اور اس جنون و وارفتگی میں عجب نہیں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیں۔ انہیں خیال ہوگا کہ شاید اس مجنونانہ حرکت سے کھوئی ہوئی طاقت مل جائے یہ بالکل ظاہر ہے کہ اس سفاکی کے ارتکاب کے وقت وہ کسی قانون کے پابند نہ ہوں گے اور یہ تو بارہا تجربہ ہو چکا ہے کہ انہوں نے عہد ناموں کو توڑا اور مسلمانوں کو تکلیفیں دیں اس لئے ایسے باغیوں سے تعلقات رکھنا ایک لمحہ کے لئے بھی جائز نہیں اور نہ اللہ و رسول کے نزدیک ان کے عہد ناموں کی کوئی عزت ہے، البتہ اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو اپنے عہد پر قائم رہے اور وہ صرف بنو نضیر اور بنو مدلج ہی تھے۔“ (تفسیر الفرقان)

اعلان برأت کی حکمت

”پچھلی آیات میں جو برأت کا اعلان کیا گیا تھا، یہاں اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں، یعنی ان مشرکین عرب سے کیا عہد قائم رہ سکتا ہے اور آئندہ کیا صلح ہو سکتی ہے جن کا حال تم مسلمانوں کے ساتھ یہ ہے کہ اگر کسی وقت ذرا قابو تم پر حاصل کر لیں تو ستانے اور نقصان پہنچانے میں نہ قرابت کا مطلق لحاظ کریں نہ قول و اقرار کا۔ چونکہ اتفاق سے تم پر غلبہ اور قابو حاصل نہیں ہے اس لئے محض زبانی عہد و پیمان کر کے تم کو خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ ورنہ ان کے دل ایک منٹ کے لئے بھی اس عہد پر راضی نہیں، ہر وقت عہد شکنی کا موقع تلاش کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ ان میں اکثر لوگ غدار اور بدعہد ہیں اس لئے اگر کوئی ان کا دُعا و فائدے کا خیال کرتا بھی ہے تو کثرت کے مقابلہ میں اس کی کچھ پیش نہیں جاتی

بہر حال ایسی دعا باز بد عہد قوم سے خدا اور رسول کا کیا عہد ہو سکتا ہے۔ البتہ جن قبائل سے تم بالخصوص مسجد حرام کے پاس معاہدہ کر چکے ہو۔ سو تم ابتداء کر کے نہ توڑو، جب تک وہ وفاداری کے راستہ پر سیدھے چلیں تم بھی ان سے سیدھے رہو اور بڑی احتیاط رکھو کہ کوئی حقیر سے حقیر بات ایسی نہ ہونے پائے جس سے تمہارا دامن عہد شکنی کی گندگی سے داغدار ہو، خدا کو وہی لوگ محبوب ہیں جو پوری احتیاط کرتے ہیں، چنانچہ بنو کنانہ وغیرہ نے مسلمانوں سے بد عہدی نہ کی تھی مسلمانوں نے نہایت دیانتداری اور احتیاط کے ساتھ اپنا عہد پورا کیا۔ اعلان برأۃ کے وقت ان کے معاہدہ کی میعاد منقضی ہونے میں نو مہینے باقی تھے، ان میں معاہدہ کی کامل پابندی کی گئی۔“ (تفسیر عثمانی)

وجوہات قتال مع المشرکین

اس آیت مبارکہ سے ان ”وجوہات“ کا بیان شروع ہو گیا ہے جن کی بنیاد پر مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کو جنگ و قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے یعنی ”مبشرات القتال مع المشرکین“ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ ۝ آیت ۸

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلَّا وَا ذِمَّةً ط

کیونکہ صلح ہو اور اگر وہ تم پر غلبہ پائیں تو نہ تمہاری قرابت کا لحاظ کریں اور نہ عہد کا

يَرْضَوْنَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ ۚ وَكَثَرُهُمْ فَيَسْقُونَ ۝ ۸

تمہیں اپنے منہ کی باتوں سے راضی کرتے ہیں اور ان کے دل نہیں مانتے اور ان میں سے اکثر بدعہد ہیں

خلاصہ

ان مشرکین کا کوئی عہد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک قابل رعایت کیسے ہو سکتا ہے..... اور ان مشرکین سے تمہاری دوستی کس طرح سے قائم رہ سکتی ہے؟ جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر ان کو کسی وقت بھی ذرا موقع مل جائے اور وہ تم پر قوت پائیں تو وہ تمہارے بارے میں نہ کسی قرابت داری کی رعایت کریں نہ عہد و پیمان کی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ لوگ معاہدہ کرنے کے وقت بھی دل میں اس کے پورا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، ان کا صلح کرنا مجبوری اور جہاد کے خوف سے ہوتا ہے دل سے نہیں۔ وہ تو صرف اپنی زبانی باتوں اور الفاظ سے تمہیں خوش کرنا چاہتے ہیں، ان کے دل تمہاری دشمنی سے بھرے پڑے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق یعنی عہد، معاہدہ توڑنے والے ہیں۔

ان سے دوستی کیسے ہو سکتی ہے؟

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

ان سے دوستی کس طرح ہو سکتی ہے؟ اگر ان کا بس چلے تو پھر نہ رشتہ داری کا لحاظ کریں نہ عہد کی پابندی کو ملحوظ رکھیں یعنی ہر ممکن طریقہ سے تمہیں ایذا دیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

اللہ پاک مسلمانوں کو سمجھاتے ہیں

اس آیت میں کافروں کا عمومی مزاج مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے اور اللہ پاک سے زیادہ علم کس کے پاس ہو سکتا ہے؟ کافر اسلام دشمنی پر بہت پکے ہوتے ہیں چنانچہ ان کو جب بھی مسلمانوں پر ہاتھ چلانے کی قوت ملتی ہے تو وہ کسی عہد معاہدے اور رشتہ داری کی پروا نہیں کرتے مگر جب وہ مغلوب اور مجبور ہوتے ہیں تو امن، انسانیت اور اتفاق و اتحاد کی میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ اور ان کی ان باتوں کا مقصد بھی مسلمانوں کو نہبتا اور کمزور بنانا ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ مسلمانوں کو کافروں کی دشمنی سے متنبہ اور خبردار فرمایا ہے۔ حضرات صحابہ کرام اور

دور اوّل کے مسلمانوں نے قرآن پاک کی ان باتوں کو اپنے دل کا نظریہ بنالیا چنانچہ انہوں نے کافروں کی مسکراہٹوں، باتوں اور تہذیبوں سے کوئی دھوکا نہیں کھایا مگر دور حاضر کے مسلمانوں نے ان قرآنی فرمودات کو بھلا دیا ہے وہ کافروں کی اسلام دشمنی سے غافل ہو کر ان کے جال میں پھنستے چلے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے ان کا دین اور دنیا دونوں تباہ ہو رہے ہیں۔

صاحب انوار البیان لکھتے ہیں:

آیات بالا میں جو کافروں اور مشرکوں کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ ”اگر تم پر غالب ہو جائیں تو کسی رشتہ داری اور معاہدہ کا لحاظ نہ کریں گے وہ تمہیں زبانی باتوں سے راضی رکھتے ہیں اور ان کے دل انکاری ہیں۔“ ہمیشہ سے کافروں اور مشرکوں کا یہی حال رہا ہے اور اب بھی مسلمانوں کے قتل و قتل سے بچنے کے لئے اور ان کے جذبہ جہاد کو ٹھنڈا کرنے کے لئے قومیت، وطنیت اور یک جہتی کی بنیاد پر اتحاد اور اتفاق کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ اور معاہدات بھی کر لیتے ہیں لیکن اگر کبھی ان کا اپنا موقع لگ جائے تو ہر طرح کے تعلقات توڑ کر، سارے معاہدوں کی پاسداری چھوڑ کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیتے ہیں۔ یہی حال ان فرقوں کا ہے جو فرقے اسلام کے نام لیوا ہیں لیکن اسلامی عقائد سے منحرف ہونے کی وجہ سے مسلمان نہیں بلکہ ان فرقوں کی بنیاد ہی اسلام اور مسلمانوں کی کمر میں خنجر گھوپنے پر ہے یہ لوگ اسلام کے نام پر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور اتحاد و اتفاق کی دعوت دیتے رہتے ہیں، لیکن اندر سے دشمنان اسلام ہونے کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں کوئی کسر نہیں رکھتے، جب بھی موقع لگتا ہے مسلمانوں کے قتل و خون سے باز نہیں آتے، صد ہا سال سے یہی ہو رہا ہے۔ (انوار البیان)

کافر اپنی باتوں سے مسلمانوں کو خوش اور مطمئن کرتے ہیں چنانچہ اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کے اداروں کو کافروں کی باتیں سمجھ لیں یہ تمام ادارے مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ اسلامی ملکوں پر بمباری اور فوج کشی کرنے والے کافروں کے لشکر ان کے دل ہیں۔ ان لشکروں نے اسلامی ملکوں کو پامال اور اسلامی عزتوں کو بے حرمت کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ ان حالات میں قرآن پاک کی یہ آیت پوچھتی ہے کہ اے مسلمانو! ایسے کافروں سے کیسی دوستی؟ اور کیسے معاہدے؟.....

کفر و شرک کی نحوست

ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

دنیا میں صرف شرک ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے تمام محاسن اخلاق (یعنی اچھے اخلاق) کو برباد کر دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ابتداءً صرف شرک ہی کو سب سے بڑا سبب قرار دیا جس کی بناء پر مخالفین قابل اعتماد نہ رہے، اب ان آیات میں بتایا جاتا ہے کہ اس شرک کی وجہ سے ان میں اور کون سی بد عملیاں رونما ہوتی ہیں، اگر وہ مسلمانوں پر غالب آجائیں تو پھر کسی قرابت اور عہد و پیمان کا لحاظ نہیں کرتے۔

لَا يَتَّقِفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَاللَّسَنَةُ بِالسُّوءِ (۲۰:۶۰) اگر کا فر تم کو (مغلوب) پائیں تو تمہارے دشمن ہو جائیں اور تم پر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ چلائیں۔ اپنے دلفریب الفاظ اور ولولہ انگیز تقریروں سے تمہیں خوش کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ ان کے دل ویسے ہی حسد سے بھرے ہوئے ہیں، وہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ جس طرح بن پڑے ان کو تباہ کر دیں یا انہیں اپنا غلام بنالیں۔ (تفسیر الفرقان)

آج کل کی فرنگی قومیں

صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

گویا ان مشرک جاہلوں کی ذہنیت بھی آج کل کی مہذب فرنگی قوموں کی سی تھی کہ آپس کے معاہدوں میں لحاظ صرف وقتی مصلحت جوئی کا ہے۔ (تفسیر الفرقان)

بے شک یہ صرف ”اسلام“ ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو ہر حال میں عہد اور معاہدے کی پابندی کا حکم دیتا ہے اور کافروں اور دشمنوں کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے بھی پوری ایمانداری کے ساتھ نبھانے کا حکم فرماتا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے معاہدے پورے کرنے میں جو عجیب اور ناقابل فراموش قربانیاں دی ہیں ان کے واقعات سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اس کے برعکس کافروں اور مشرکوں کی اکثریت صرف وقتی مصلحت کے تحت صلح اور معاہدے کا سہارا لیتی ہے اور جیسے ہی اسے قوت یا موقع ملتا ہے اس معاہدے کی خلاف ورزی کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچاتی ہے کاش مسلمان قرآن پاک کے ان احکامات کو سمجھیں اور ان پر عمل کریں تو وہ دوبارہ اپنی عظمت رفتہ حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ آج مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کافروں کی نوکری، چاکری اور غلامی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا چکی ہے۔ والی اللہ المشتکی۔

اللہ اور رسول کے منکر تو تمہارے دوست کس طرح ہے؟

علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں یہ وجد آفرین عبارت تحریر فرماتے ہیں:

يقول تعالى محرّضاً للمؤمنين على معاداتهم والتبري منهم ومبيناً انهم لا يستحقون ان يكون لهم عهد لشركهم بالله تعالى وكفرهم برسول الله صلى الله عليه وسلم: ولا نهم لو ظهروا على المسلمين واديلوا عليهم لم يبقوا ولم يذروا ولا راقبوا فيهم الا ولازمة۔

قال على بن ابی طلحة و عكرمة والعو فی عن ابن عباس: الاّ القراة والذمة العهد۔ یعنی..... اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مشرکوں سے دشمنی کرنے پر ابھارتا ہے اور ان سے برأت و بیزاری پر آمادہ فرماتا ہے اور اس بات کو بیان فرماتا ہے کہ یہ لوگ کسی معاہدے کے مستحق نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں..... اور اس وجہ سے کہ وہ اگر مسلمانوں پر قوت پائیں اور غالب آجائیں تو ان کے ساتھ کسی قرابت اور عہد کا لحاظ نہ کریں۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ الإلّٰی کا معنی قرابت اور الذمّة کا معنی عہد ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)
یعنی ان کا سب سے بڑا جرم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، دوسرا بڑا جرم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنا
اور تیسرا بڑا جرم مسلمانوں سے دشمنی رکھنا ہے۔ قرآن پاک ان تین جرائم کو بہت بھیانک اور سخت جرائم قرار دیتا ہے۔
کاش مسلمان بھی ان جرائم کو بڑا سمجھیں اور ان جرائم کے مرتکب لوگوں سے دوستی نہ رکھیں..... آپ اس زمانے کے
کافروں کو دیکھیں کہ انہوں نے ”اسلامی جہاد“ کو دہشت گردی کا نام دے کر اسے دنیا کا سب سے بڑا جرم قرار دے
دیا ہے اور اس کے خلاف جنگ کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں۔ کاش مسلمان بھی اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ
وفاداری کرتے اور اللہ اور اس کے رسول کے منکروں کو مجرم سمجھتے تو آج دنیا کی صورتحال ہی مختلف ہوتی۔

مشرکین فاسق کس طرح؟

اس آیت کے آخر میں مشرکین کے بارے میں فرمایا گیا ہے وَ أَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ کہ ان میں سے اکثر
نافرمان ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ویسے تو ہر مشرک لازماً فاسق یعنی نافرمان ہوتا ہے مگر یہاں فسق یعنی نافرمانی کی
ایک خاص قسم مراد ہے اور وہ ہے ”عہد شکنی“ یعنی معاہدہ کر کے اس کی خلاف ورزی کرنا..... اس لئے فرمایا گیا کہ ان
میں سے اکثر فاسق ہیں کیونکہ بعض مشرک ایسے بھی تھے جو معاہدوں کی خلاف ورزی یعنی عہد شکنی نہیں کرتے تھے۔
قرآن پاک کے اس مختاط انداز سے چند اسباق آسانی سے سمجھ جاسکتے ہیں۔

- ۱ جب کسی کی مخالفت کی جائے تو اس میں بھی سچ اور انصاف کا لحاظ رکھا جائے، چنانچہ جو چند گئے چنے مشرک
عہد شکنی نہیں کرتے تھے ان کا خیال رکھتے ہوئے فرمایا گیا کہ ان کی اکثریت عہد شکن ہے ان کے تمام افراد نہیں۔
- ۲ عہد شکنی اتنا گند ابرم ہے کہ بعض مشرک بھی اس سے عار کھاتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو تو عہد شکنی کی ہوا سے بھی
بچنا چاہئے۔

- ۳ اللہ تعالیٰ کی زمین پر بدترین لوگ تو کافر ہیں مگر ان کافروں میں بھی زیادہ فاسق اور بدترین وہ ہیں جو عہد شکنی
کرتے ہیں جیسا کہ سورۃ انفال میں بیان ہو چکا ہے۔

امام نفی لکھتے ہیں:

وَ أَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ناقضون العهد (المدارک)

امام قرطبی فرماتے ہیں:

ای ناقضون العهد، وکل کافر فاسق ولكنه اراد ههنا المجاهرین بالقبائح ونقض العهد
(القرطبی)

یعنی ”فاسقون“ سے مراد ہے عہد توڑنے والے۔ ویسے تو ہر کافر فاسق ہے لیکن یہاں وہ مراد ہیں جو کھلم کھلا بڑے
کام کرتے ہیں اور عہد توڑتے ہیں۔

فائدہ

صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

انسان کے تمام اخلاق اور سب خوبیوں کے غارت کرنے کے لئے ایک شرک کافی ہے جو جہل اور حُبِ دنیا اور خود غرضی اور مالکِ حقیقی کی احسان فراموشی پر مبنی ہے۔ (تفسیر حقانی)

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو کفار و مشرکین کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے اور ہمیں ان کے ظاہری و باطنی شرور سے اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَةٌ ۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اِشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ شَمْنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِهِ

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالا پھر اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں

اِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۙ

بے شک وہ برا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں

خلاصہ

یہ مشرکین کسی برحق عقیدے، نظریے یا دین پر نہیں ہیں بلکہ وہ صرف دنیا کے بیماری اور حُب دنیا کے مریض ہیں، ان سے قتال کرنا اور دوستی ختم کرنا اس لئے ضروری ہے کہ یہ حقیر دنیا کی خاطر اللہ تعالیٰ کی آیات اور احکام کا انکار کرتے ہیں، تھوڑی سی حقیر دنیا کے چھن جانے کا جو وہم انہیں تھا اسکی وجہ سے انہوں نے ایمان قبول نہ کیا کیونکہ جو شخص دنیا ہی کو سامنے رکھے گا وہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر نہیں چل سکتا، ایسے لوگ خود بھی ایمان قبول نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی ایمان قبول نہیں کرنے دیتے، جن کاموں میں یہ لگے ہوئے ہیں ان کے یہ کام برے ہیں۔ (مستفاد من ابن کثیر و انوار البیان)

اس میں قتال کی ترغیب ہے

امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

يقول تعالى ذمًا للمشركين وحثًا للمؤمنين على قتالهم اِشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ شَمْنًا قَلِيلًا
یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کی مذمت کرنے کے لئے اور مسلمانوں کو ان کے خلاف جہاد پر ابھارنے کے لئے فرماتے ہیں اِشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ شَمْنًا قَلِيلًا (تفسیر ابن کثیر)

دنیا کی محبت میں اتنا مست ہو جانا کہ ایمان پیچھے رہ جائے ایک خطرناک جرم ہے کیونکہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے انہیں ظلم، بدعہدی اور بد اخلاقی سے روکنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا کو بے ایمانی، ظلم اور بے حیائی سے بھر دیتے ہیں جس کا نقشہ آج کل کے حالات میں دیکھا جاسکتا ہے کہ طاقت کے زور پر ظلم اور بے حیائی کو پھیلایا جا رہا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مشرکین کی خرابیوں کا سبب حُب دنیا ہے

صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں:

اس کے بعد نویں آیت میں ان غدار مشرکین کی غدار کی علت اور ان کے مرض کا سبب بیان فرما کر ان کو بھی

ایک ہدایت نامہ دے دیا کہ اگر یہ نور کریں تو اپنی اصلاح کر لیں اور عام مسلمانوں کو بھی متنبہ کر دیا کہ جس سبب سے یہ لوگ غدر و خیانت میں مبتلا ہوئے اس سبب سے پورے طور پر پرہیز کو اپنا شعار بنالیں۔ اور وہ سبب ہے ”حُبِّ دنیا“ کہ دنیا کے مال و متاع کی محبت نے ان کو اندھا کر دیا ہے تھوڑے سے پیسوں کے بدلہ میں اللہ کی آیات اور اپنے ایمان کو بیچ ڈالنے ہیں اور ان کا یہ کردار نہایت برا ہے۔ (معارف القرآن)

آخرت کی ذمہ داری محسوس نہ کرنا جرم ہے

”یعنی انہوں نے احکام الہی کی لازوال نعمت کے بجائے حاصل کیا تو کیا کیا؟ اس دنیائے فانی کی تھوڑی سی متاع ناپائیدار؟ یہاں ان کی بدعہدی کی اصلی لم (یعنی وجہ) بتادی کہ آخرت کا اعتقاد تو ان کو ہے نہیں اور آخرت کی کوئی ذمہ داری یہ اپنے دل میں نہیں پاتے۔“ (تفسیر ماجدی)

خواہشات کے پیچھے ایمان کو چھوڑنے والے

”ان نالائقوں نے خواہشات نفسانی کے پیچھے پڑ کر ایمان جیسی محبوب چیز کو چھوڑ دیا ہے بھلا ان سے کیسے دوستی ہو؟“ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

ان تمام عبارتوں کو باریکی سے پڑھیں..... دنیا پرستی کو آج ہمارے معاشرے میں بہت بڑا کمال، ہنر اور فن سمجھا جاتا ہے۔ اسی دنیا کی ظاہری چمک کی خاطر مسلمان اپنے ایمان سے ہاتھ دھو رہے ہیں..... حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کتنا خطرناک اور برا جرم ہے۔ جو لوگ اس دنیا کی خاطر ایمان اور قرآن سے محروم ہیں ایسے لوگ قابل نفرت مجرم ہیں کیونکہ انہوں نے ایک حقیر اور ادنیٰ چیز کے پیچھے ایمان جیسی نعمت کو چھوڑ دیا ہے اور وہ دنیا پرستی کی چمک دکھا کر دوسرے لوگوں کو بھی ایمان سے روکتے ہیں۔ ایسے لوگ بدترین برائی میں مبتلا ہیں حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:

یعنی یہ مشرکین وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی تھوڑی سی طمع اور اپنی اغراض و اہواء (یعنی خواہشات) کی خاطر خدا کے احکام و آیات کو رد کر دیا۔ اس طرح خود بھی خدا کے رستہ پر نہ چلے اور دوسروں کو بھی چلنے سے روکا جو ایسے بدترین اور نالائق کاموں میں پھنسے ہوں اور خدا سے نہ ڈریں وہ عہد شکنی کے وبال سے کیا ڈریں گے اور اپنے قول و اقرار پر کیا قائم رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

طلحہ علم کے لئے آیت کی آسان تفسیر

إِشْتَرَوْا اسْتَبْدَلُوا بِآيَاتِ اللَّهِ بِالْقُرْآنِ شِمًا قَلِيلًا عَرْضًا يَسِيرًا وَهُوَ اتِّبَاعُ الْاِهْوَاءِ وَالشَّهَوَاتِ فَصَلُّوا وَاعْبُدُوا سَبِيلَهُ فَعَدَلُوا عَنْهُ وَصَرَفُوا غَيْرَهُمْ اِئْتَمُّ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ اِی بئس الصنيع صنيعهم. (المدارك)

یعنی اِشْتَرَوْا اسْتَبْدَلُوا کے معنی میں ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کی جگہ ایک گھٹیا چیز یعنی اپنی خواہشات کی پیروی کو اختیار کر لیا ان لوگوں کا یہ عمل بہت ہی برا ہے۔

کاش

کاش مسلمان اس آیت پر عمل کرتے ہوئے ان لوگوں کے کام کو برا سمجھیں جو دنیا کی خاطر ایمان اور قرآن سے محروم ہیں۔ پس مسلمان ان کی ظاہری ترقی اور چمک دمک سے ہرگز متاثر نہ ہوں۔

ایک ایمان گمشدہ سترخوان

مفسرین میں سے امام مجاہد کا قول یہ ہے کہ شَمْنَا قَلِيلًا تھوڑی سی قیمت سے مراد وہ دعوت ہے جو مشرکین کو ابوسفیان نے کھلائی تھی اسی کی وجہ سے انہوں نے مسلمانوں سے معاہدے توڑ دیئے۔ امام قرطبی لکھتے ہیں:

يعنى المشركين فى نقضهم العهود بأكلة اطعمهم اياها ابوسفيان، قاله مجاهد. (القرطبي)

آیت میں یہود کی طرف بھی اشارہ ہے

تفسیر حقانی میں ہے:

انہوں نے تھوڑی سی دنیا پر آیات الہی کو بیچ ڈالا یعنی فوائد دنیا کو دین پر مقدم رکھا اس میں یہود بنی قریظہ کی طرف بھی اشارہ ہے جو بدعہدی میں شامل تھے۔ (تفسیر حقانی)

غالباً یہ قول امام رازیؒ کی درج ذیل تحقیق سے لیا گیا ہے۔

الثانى، لا يبعد ان تكون طائفة من اليهود اعانوا المشركين على نقض تلك العهود، فكان المراد من هذه الآية ذم اليهود. (تفسیر کبیر)

اچھے اخلاق صرف سچے دین کی پیروی میں

تفسیر الفرقان میں ہے:

وہ (مشرکین) اس فکر میں رہتے ہیں کہ جس طرح بن پڑے ان (مسلمانوں) کو تباہ کر دیں یا انہیں اپنا غلام بنالیں، خود کسی مذہب کے پابند نہیں، اور ان کی زندگی فسق و فجور کا نمونہ ہوتی ہے، اس میں دراصل یہ حقیقت واضح کر دی کہ ان کے عقائد کی بنیاد حق پر نہیں اور انسان کے اندر اخلاق فاضلہ صرف قانون الہی کی پابندی سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ جب لامذہبیت ان میں اثر کر گئی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیاوی فوائد کی خاطر دین کو بیچ ڈالتے ہیں اللہ کی آیات کو پردہ بنا کر بد اخلاقی پھیلاتے ہیں اور اس طرح لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ (تفسیر الفرقان)

خود کو سیکولر کہلوانے والے مسلمان بھی ”لامذہبیت“ کی اس بیماری میں مبتلا ہیں اور ان کے نزدیک بھی دین کے احکامات چھوڑ کر دنیا کے مفادات حاصل کرنا بڑی عقلمندی ہے۔ العیاذ باللہ۔

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَةُ ۱۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا وَلَا ذِمَّةً وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ۝

یہ لوگ کسی مومن کے حق میں نہ رشتہ داری کا خیال کرتے ہیں اور نہ عہد کا اور یہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں

خلاصہ

یہ صرف تمہارے ہی نہیں ہر مسلمان کے دشمن ہیں، یعنی صرف یہی نہیں کہ ان لوگوں نے عہد کرنے والے مسلمانوں سے غدار کی اور ان کی قربت اور عہد و پیمان کو پیچھے ڈال دیا بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ کسی مسلمان کے بارے میں نہ قربت کی رعایت کرنے والے ہیں نہ کسی عہد و پیمان کی ان کو مسلمان نام ہی سے دشمنی ہے، کوئی بھی مسلمان ہو موقع پانے پر اس کو نقصان پہنچانے کے لئے سب تعلقات قربت اور معاہدے توڑ دیتے ہیں، اس بارے میں ان کی ظلم و زیادتی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔ (مستفاد از تفسیر عثمانی و معارف)

آیت میں تکرار نہیں ہے

بظاہر سورۃ توبہ کی آیت ۸ اور آیت ۱۰ کا مضمون ایک جیسا ہے مگر اکثر مفسرین کے نزدیک دونوں آیتوں میں تکرار نہیں ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آیت ۸ میں تھا کہ وہ تم لوگوں کے ساتھ کسی قربت وغیرہ کا لحاظ نہیں کرتے اور اس آیت میں ہے کہ کسی بھی مومن کی قربت وغیرہ کا لحاظ نہیں کرتے پس آیت ۸ کا مفہوم خاص تھا ان مسلمانوں کے لئے جن سے مشرکین کا معاہدہ تھا اور آیت ۱۰ کا مفہوم سب مسلمانوں کے لئے عام ہے کہ یہ کسی مومن کو نہیں بخشنے۔

ولا تکرار، لان الاول على الخصوص حيث قال فيكم والثاني على العموم لانه قال فِي مُؤْمِنٍ (المدارك)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ آیت ۸ میں تمام مشرکین کا بیان تھا جب کہ اس آیت میں یہودیوں کا بیان ہے کہ یہودی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کسی چیز کا لحاظ نہیں کرتے۔

قال النحاس: ليس هذا تكريراً ولكن الاول لجميع المشركين والثاني لليهود خاصة (القرطبي)

دوسرا قول

بعض مفسرین کے نزدیک دونوں آیات کے مضمون میں تکرار ہے اور مقصد اس کا تاکید ہے کہ یہ لوگ اس جرم میں

اس قدر حد سے بڑھے ہوئے ہیں کہ عام انسانی قدروں کا بھی خیال نہیں رکھتے بلکہ اسلام دشمنی ان کے خون کا حصہ بن چکی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

لَا يَرْجُونَ الخ کی تکرار تاکید کے لئے ہے، مواخذہ اخروی اور دینی ذمہ داری سے اتر کر ایک چیز شرافت بھی ہے جس کے جوہر بلا قید ملت ہر قوم میں پائے جاتے ہیں، اور اس کا تقاضہ ہے کہ انسان قرابت اور اپنے قولی اقرار کا پاس بہر حال کرتا ہے، یہ ننگ انسانیت معاندین اسلام اس جوہر سے بھی محروم تھے۔ (تفسیر ماجدی)

حدود انسانیت سے گزرے ہوئے لوگ

حضرت لاہوری تحریر فرماتے ہیں:

ان کو نہ کسی کے ایمان کی پروا ہے نہ رشتہ داری کا لحاظ ہے، نہ عہد کا پاس ہے یہ تو حدود انسانیت سے گزر چکے ہیں۔
(حاشیہ حضرت لاہوری)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ ١١ آيَةٌ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخِوَانُكُمْ فِي

اگر یہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو دین میں تمہارے بھائی

الدِّينِ ۝ وَنُفِصِلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

ہیں اور ہم سمجھ داروں کیلئے کھول کھول کر احکام بیان کرتے ہیں

خلاصہ

قال فی سبیل اللہ کا مقصد دین کی سر بلندی ہے..... اور زمین اور اس پر رہنے والوں کی اصلاح مطلوب ہے۔ اس لئے مشرکین و کفار کی بد عہدیوں اور دوسرے جرائم کے باوجود بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ چنانچہ اب بھی اگر وہ کفر سے توبہ کر کے احکام اسلام (نماز، زکوٰۃ وغیرہ) کا اہتمام کریں تو نہ صرف یہ کہ وہ آئندہ کے لئے محفوظ و مامون ہوں گے بلکہ اسلامی برادری میں شامل ہو کر ان حقوق کے مستحق ہوں گے جن کے دوسرے مسلمان مستحق ہیں، جو کچھ بد عہدیاں اور شرارتیں پہلے کر چکے ہیں سب معاف کر دی جائیں گی۔ اہل علم کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ان تمام احکامات پر خوب غور و فکر کر کے ان کو سمجھیں اور ان پر عمل کریں۔

مختصر تفسیر

امام قرطبی تحریر فرماتے ہیں:

فان تابوا ای عن الشرك والتزموا احكام الاسلام فاخوانكم ای فهم اخوانكم فی الدین قال ابن عباس: حرمت هذه دماء اهل القبلة وقد تقدم هذا المعنى وقال ابن زيد: افترض الله الصلوة والزكاة وابی ان یفرق بینهما، وابی ان یقبل الصلوة الا بالزكاة. (القرطبی) یعنی اگر وہ شرک سے توبہ کر لیں اور اسلامی احکام کا پورا اہتمام کریں تو وہ تمہارے بھائی ہیں دین میں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس آیت نے اہل قبلہ کے خون (یعنی ناجائز قتل) کو حرام کر دیا۔ یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے اور ابن زید فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کو فرض فرمایا اور ان دونوں کے درمیان فرق کرنے سے انکار فرما دیا اور بغیر زکوٰۃ کے نماز قبول کرنے سے بھی انکار فرما دیا۔ (قرطبی)

نکتہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے فی الدین کے لفظ سے یہ عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے:

یہ جو فرمایا کہ بھائی ہیں حکم شریعت میں۔ اس سے سمجھ لیں کہ جو شخص قرآن سے معلوم ہو کہ ظاہر میں مسلمان ہے اور دل سے یقین نہیں رکھتا، اس کو ظاہری حکم میں مسلمان گنیں مگر معتد اور دوست نہ بنائیں۔ (موضح القرآن)

اللہ پاک رحم فرمائے اب تو وہ لوگ جو اسلام کے یہ ظاہری تقاضے بھی پورے نہیں کرتے، نماز اور زکوٰۃ جیسے فرائض کا بھی اہتمام نہیں کرتے وہ مسلمانوں کے حکمران اور رہنما بنے ہوئے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ وہ امت مسلمہ کے خیر خواہ اور نجات دہندہ ہیں۔ اللھم ارحم امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

نکتہ

بعض مفسرین نے اسی آیت سے یہ ملیخ نکتہ سمجھا ہے کہ کفار اور مشرکین جب تک توبہ نہ کر لیں اس وقت تک اس قابل نہیں ہیں کہ ان پر اعتبار کیا جائے اور ان سے دوستی کی جائے اسی کی طرف آیت کے آخری حصے میں اشارہ ہے کہ ہم ان احکامات کو سمجھدار لوگوں کے لئے کھولتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

اگر وہ (مشرکین و کفار) ابتدائی مدارج کو تسلیم کر لیں تو پھر ہمیں ان سے کوئی پر خاش نہیں، اہل علم اس حقیقت کو یاد رکھیں کہ شرک و بت پرستی کے دلدادہ اور یہودیت و عیسویت کے شیدائی ان کے کبھی دوست نہیں بن سکتے، پس وہ ایک لمحہ کے لئے بھی ان کی دوستی پر اعتماد نہ کریں۔ (تفسیر الفرقان)

صاحب کشف اور صاحب مدارک نے آیت کے آخری جملے **وَنُقْصِلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ** کو جملہ معترضہ قرار دیا ہے اور اس کا مطلب اس طرح سے فرمایا ہے:

كانه قيل: وان من تامل تفصيلها فهو العالم تحريضا على تامل ما فصل من احكام المشركين المعاهدين وعلى المحافظة عليها. (المدارك)

اسلامی برادری میں داخل ہونے کی تین شرطیں

صاحب معارف القرآن تحریر فرماتے ہیں:

”اس آیت نے واضح کر دیا کہ اسلامی برادری میں داخل ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں، اول کفر و شرک سے توبہ دوسرے نماز تیسرے زکوٰۃ، کیونکہ ایمان و توبہ تو ایک امر مخفی (چھپی ہوئی چیز) ہے جس کی حقیقت کا عام مسلمانوں کو علم نہیں ہو سکتا اس لئے اس کی دو ظاہری علامتوں کو بیان کر دیا گیا یعنی نماز اور زکوٰۃ.....

آخر آیت میں معاہدین اور تائبین سے متعلقہ احکام مذکورہ کی پابندی کی تاکید کرنے کے لئے ارشاد فرمایا:

وَنُقْصِلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ یعنی ہم سمجھدار لوگوں کے لئے احکام کو خوب تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔“ (معارف القرآن)

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُ ١٢

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَاِنْ تَكْتُوْا اَيَّمَا نَهْمُ مِنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعْنُوْا فِى دِيْنِكُمْ

اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں عیب نکالیں

فَقَاتِلُوْا اَيُّسَةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَا اِيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿١٣﴾

تو کفر کے سرداروں سے لڑو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں تاکہ وہ باز آئیں

خلاصہ

اگر یہ لوگ اپنے عہد و پیمان کو توڑ ڈالیں (جس طرح بنو مکہ نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے حملہ آوروں کی مدد کی) اور کفر سے باز نہ آئیں بلکہ دین اسلام کے متعلق طعنہ زنی اور گستاخانہ عیب جوئی کرتے رہیں تو سمجھ لو کہ اس طرح کے لوگ ”ائمۃ الکفر“ (کفر کے سردار اور امام) ہیں کیونکہ ان کی حرکات دیکھ کر اور باتیں سن کر بہت سے کم عقل اور بیوقوف لوگ ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں، پس ایسے سرغنون سے خوب جنگ کرو۔ کیونکہ ان کا کوئی قول و قسم اور عہد و پیمان باقی نہیں رہا ممکن ہے تمہارے ہاتھوں سے کچھ سزا پا کر اپنی شرارت و سرکشی سے باز آ جائیں یا کفر و شرک سے توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں۔ (ملخص از عثمانی)

رابط

مشرکین کے ساتھ قتال کے مہزرات بیان ہو رہے تھے یعنی وہ وجوہات جن کی بناء پر مشرکین سے قتال کیا جاتا ہے، درمیان میں اس قتال کی حد بتادی کہ جب تک وہ توبہ نہیں کرتے یہ قتال جاری رہے گا اب قتال کو فوری طور پر لازم کرنے والی دو چیزیں ارشاد فرمائی ہیں ❶ وہ معاہدہ کی خلاف ورزی کریں ❷ دین اسلام کی شان میں گستاخی کریں..... اور مجاہدین کو ایک بڑا ہدف بتا دیا کہ کفر کے اماموں اور سرداروں کو نشانہ بناؤ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ کفر و شرک کی طاقت ٹوٹ جائے گی اور وہ بد عہدی اور فتنہ انگیزی کے قابل نہیں رہیں گے یا کفر و شرک سے ہی باز آ جائیں گے۔ کافروں کی طاقت اور شرارت توڑنے کا بہترین طریقہ قتال فی سبیل اللہ ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرْضُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَىٰ اللَّهُ اَنْ يُّكَلِّفَ بَاسًا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ وَاللّٰهُ اَشَدُّۢ بَاسًا وَّ اَشَدُّۢ تَنْكِيلًا ۝ (النساء ۸۴)

حضرت تھانویؒ کے نزدیک آیات کا ربط اس طرح سے ہے کہ آیت ❷ سے لے کر آیت ❶ تک فتح مکہ

سے پہلے نازل ہوئیں اور ان میں اس بات کی پیشین گوئی ہے کہ یہ مشرکین (جن سے حدیبیہ کے مقام پر معاہدہ ہوا تھا) اپنا معاہدہ توڑ دیں گے..... اس آیت (۱۲) میں بتایا گیا کہ جب وہ معاہدہ توڑ دیں تو ان کے ساتھ قتال ہوگا اور اس کے بعد آیت (۱۳) مشرکین کی طرف سے معاہدہ ٹوٹنے کے بعد نازل ہوئی اور اس میں مسلمانوں کو ان سے قتال کا حکم دیا گیا تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں تفسیر بیان القرآن۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اس آیت کریمہ میں ”ائمۃ الکفر“ کفر کے سرداروں سے قتال کا حکم ہے کفر کے سردار کون ہیں اس پر تھوڑا آگے چل کر بات ہوگی پہلے اس آیت کی مختصر تشریح حضرات مفسرین کے اقوال کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

تقریر قرطبیؒ

امام قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں درج ذیل قیمتی نکات بیان فرمائے ہیں:

① استدلال بعض العلماء بهذه الآية على وجوب قتل كل من طعن في الدين. الخ بعض علماء كرام نے اس آیت کو اس مسئلے کی دلیل بنایا ہے کہ جو کوئی بھی دین اسلام کی گستاخی کرے وہ واجب القتل ہے اور دین کی گستاخی کے دو مطلب ہیں ① دین کی طرف ایسی چیز منسوب کرنا جو اس کی شان کے مطابق نہ ہو ② دین اسلام کے کسی بھی حکم کی توہین کرنا..... آگے لکھتے ہیں:

وقال ابن المنذر: اجمع عامة اهل العلم على ان من سب النبي صلى الله عليه وسلم عليه القتل

یعنی ابن منذرؒ فرماتے ہیں: اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے وہ واجب القتل ہے۔

② اَيُّمَةُ الْكُفْرِ کے بارے میں کئی اقوال ہیں:

① والمراد صناديد قریش فی قول بعض العلماء

بعض علماء کے نزدیک اس سے مراد قریش کے بڑے سردار ہیں جیسے ابو جہل، عتبہ، شیبہ۔

امام قرطبیؒ اس قول پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ آیت جس وقت نازل ہوئی اس وقت تو قریش کا سرداری نظام ختم ہو چکا تھا کچھ مسلمان ہو چکے تھے اور کچھ امن مانگتے پھرتے تھے۔

② من اقدم على نكث العهد والطعن في الدين يكون اصلاً وراساً في الكفر۔

جو کافر بھی مسلمانوں سے کئے ہوئے معاہدے کی خلاف ورزی کرے اور دین کی گستاخی کرے وہ کفر کا سردار ہے۔

③ جن مشرکین نے بنو خزاعہ کے خلاف بنو بکر کا ساتھ دیا تھا وہ مراد ہیں چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے

ایک بار فرمایا ان ائمة الکفر میں سے اب صرف تین باقی رہ گئے ہیں۔ (القرطبی)

آسان تفسیر

صاحب انوار البیان لکھتے ہیں:

فَقَاتِلُوهُمْ کی بجائے فَقَاتِلُوا اَيُّمَةَ الْكُفْرِ فرمایا (یعنی ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا)۔ اس سے تمام مشرکین قریش مراد ہیں جو پورے عرب کے مشرکوں کے سرغنے بنے ہوئے تھے نہ ایمان قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے اور قبل عرب نے انہیں اپنا مقتدی بنا رکھا تھا جو اس انتظار میں تھے کہ یہ لوگ مسلمان ہوں گے تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے یا ”اُتْمَةُ الْكُفْرِ“ سے قریش کے سردار مراد ہیں جیسے ابو جہل اور سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابوسفیان بن حرب وغیرہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی کو اختیار فرمایا۔ وہ فرماتے تھے کہ یہ آیت قریش مکہ کے سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نقض عہد بھی کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے جلا وطن کرنے کا مشورہ بھی دیا جب وہ دارالندوہ میں جمع ہوئے تھے اِنَّهُمْ لَا اِيْمَانَ لَهُمْ ان کی قسمیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں نَعَلَهُمْ يَكْتُمُونَ تم ان سے جنگ کرو تا کہ یہ تمہارے دین پر طعن کرنے اور مقابلہ میں جنگ کے لئے کھڑے ہونے سے باز آ جائیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفر سے باز آ جائیں (معالم التنزیل)

قریش مکہ تو عہد توڑ چکے تھے پھر حرف شرط کے ساتھ ان کے عہد توڑنے کو کیوں ذکر فرمایا؟ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نقض عہد پر قائم رہیں اور ایمان نہ لائیں تو ان سے قتال کرو۔ احقر کے ذہن پر یہ وارد ہوا ہے کہ جملہ شرطیہ لاکر آئندہ آنے والوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ قریش مکہ تو عہد توڑ ہی چکے ہیں ان کے علاوہ آئندہ بھی کافروں کی جو جماعت نقض عہد کرے اور تمہارے دین میں طعن کرے ان سے جنگ کرنا اور خاص کر کفر کے سرغنوں کو قتل کرنے کا اہتمام کرنا ان لوگوں کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں، ایسے لوگوں سے قتال کرتے رہو گے تو وہ تمہارے دین میں طعن کرنے اور جنگ کرنے کی ہمت سے باز رہیں گے۔ (انوار البیان)

آیت مبارکہ کے الفاظ کی تشریح

تفسیر ماجدی میں ہے:

وَ اِنْ تَكُنُّوْا اَيُّمًا نَّهُمْ مِنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ یعنی یہ عہد شکنی کر کے بجائے ایمان لانے کے کفر پر قائم رہیں۔ وَ طَعَنُوْا فِیْ دِيْنِكُمْ طعن کے لغوی معنی نیزہ مارنے کے ہیں، طعن کا اطلاق سنجیدہ، علمی، عقلی، اختلاف رائے و عقیدہ پر نہیں ہوتا، طعن کہتے ہی ہیں اس بات کو جو دل کو چھید دے، زخمی کر دے۔ طعن فی الدین سے مقصود تحقیق کسی درجہ بھی نہیں ہوتی، بلکہ دین کی توہین اور اہل دین کی دل آزاری ہوتی ہے۔ ایسی زبان درازی اس روشن خیال بیسویں صدی میں بھی ہر قانون میں جرم ہے۔

فَقَاتِلُوْا اَيُّمَةَ الْكُفْرِ یہ سرداروں کے قتل کا حکم عوام کے قتل کی نفی نہیں ہے، سرداروں کی تصریح اہتمام

وخصوصیت و تاکید کے لئے ہے ان کے قتل سے عوام خود بخود منتشر یا مطیع و منقاد ہونے لگیں گے۔

ای قاتلوا الکفار (بحر) وخص الائمة بالذکر لانهم هم الذین یحرضون الاتباع علی البقاء علی الکفر (بحر)

تخصیصہم بالذکر لان قتلہم اہم لا لانہ لا یقتل غیرہم (روح)
آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ معاہدہ جب معاہدہ کی کسی دفعہ کی بھی خلاف ورزی کرے یا دین پر طعن کرے تو وہ ناقض عہد (یعنی معاہدہ توڑنے والا) ہو جائے گا۔

فیہ دلالة علی أن اهل العهد متى خالفوا شیئاً مما عوہدوا علیہ وطعنوا فی دیننا فقد نقضوا العهد (الجصاص) (تفسیر ماجدی)

اَئِمَّةُ الْکُفْرِ یعنی کفر کے سردار کون؟

قرآن پاک کے احکامات قیامت تک کے لئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے اس آیت میں کافروں اور مشرکوں کو ان کی شرارتوں، گستاخیوں اور سازشوں سے باز رکھنے کا یہ نسخہ بیان فرمایا ہے کہ کفر کے اماموں سے لڑو۔ تب یہ لوگ اپنی شرارتوں اور گستاخیوں سے باز آ جائیں گے اور ممکن ہے کفر و شرک سے بھی باز آ کر مسلمان ہو جائیں۔
امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

لعلہم ینتہون ای عن کفرہم وباطلہم واذیتہم للمسلمین و ذلك یقتضی ان یکون الغرض من قتالہم دفع ضررہم لینتہوا عن مقاتلتنا ویدخلوا فی دیننا۔ (القرطبی)
یعنی امید ہے کہ وہ باز آ جائیں گے اپنے کفر سے اور باطل سے اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانے سے..... پس اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کا کافروں سے قتال کرنے کا مقصد ان کے ضرر کو دور کرنا ہو تاکہ وہ ہمارے خلاف جنگ سے باز ہیں اور ہمارے دین میں داخل ہو جائیں۔

لَعَلَّ کاللفظ قرآن پاک میں امید سے بڑھ کر یقین کے معنی میں آتا ہے..... پس مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو اگر کافروں کو ان کی شرارتوں، فتنہ انگیزیوں، گستاخیوں سے باز رکھنا چاہتے ہو اور ان میں دین اسلام خوب پھیلا نا چاہتے ہو تو پھر کفر کے سرداروں سے لڑو..... تمہارا یہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔

یہ قرآن پاک کی بیان فرمودہ عجیب جنگی حکمت عملی ہے۔ دراصل کفر اور شرک کا کوئی ایسا سچا نظریہ تو ہے نہیں کہ لوگ خود اس پر جبرے رہیں۔ یہ چند لوگ ہوتے ہیں جو اپنی طاقت اور صلاحیتوں کے زور پر لوگوں کو کفر و شرک پر جمائے رکھتے ہیں..... اور چند دنیاوی مفادات ہوتے ہیں جنکی وجہ سے لوگ کفر و شرک پر اڑے رہتے ہیں۔ اب اگر کفر کے بڑے سرغنوں کو ختم کر دیا جائے تو باقی کافروں کے لئے کفر و شرک پر قائم رہنے میں کوئی خاص کشش نہیں رہتی، پھر

مسلمانوں کے قتال کی وجہ سے انہیں اپنے دنیاوی مفادات بھی خطرے میں نظر آتے ہیں۔ یہ وہ وقت ہے جب عقل سے پردے ہٹتے ہیں اور لوگ اچھی طرح سے سوچنے لگتے ہیں۔ تب اسلام کی فطری کشش انہیں اپنی طرف کھینچتی ہے اور وہ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگتے ہیں۔

آيَةُ الْكَفْرِ سے قتال کے دو معنی بالکل واضح ہیں: ❶ پہلا یہ کہ ان لوگوں کو معلوم کرو جو کافروں کے نظریاتی اور انتظامی سردار ہیں۔ نظریاتی سرغنہ وہ جو انہیں کفر و شرک پر قائم رکھتے ہیں، انہیں اسلام کے خلاف بھڑکاتے ہیں، ان کے سامنے اپنے باطل مذہب کی خوبیاں بیان کرتے ہیں اور ان میں کفر و شرک کا تعصب پیدا کرتے ہیں اور انتظامی سرغنہ وہ جو کفر و شرک کی طاقت کے لئے اموال فراہم کرتے ہیں، سیاسی اتحاد قائم کرتے ہیں اور لشکروں کو چلاتے اور سنبھالتے ہیں۔

یہ بڑے سرغنہ اگر راستے سے ہٹا دیئے جائیں تو باقی لوگ بہت تیزی سے امن اور ایمان کی طرف آ جاتے ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں میں اس قرآنی نکتے کو بہت ملحوظ رکھا گیا ہے..... چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت کم افراد قتل ہوئے اور بہت زیادہ افراد اسلام میں داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے **يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا** کا منظر خود مشاہدہ فرمایا۔

❷ دوسرا مطلب اس جملے کا یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ جب دشمنوں کی طرف سے بدعہدی اور دین کے خلاف گستاخی اور منفی باتیں سامنے آئیں تو فوراً ان کے خلاف ”زوردار قتال عام“ شروع کر دیں اور قتال اتنا طاقتور اور زوردار ہو کہ مسلمان کفر کے سرداروں تک بھی پہنچ جائیں..... ظاہر بات ہے کہ کفر کے سردار اور سرغنہ تو بہت پردوں کے پیچھے بیٹھے ہیں اور ان کی حفاظت کے لئے بڑے بڑے لشکر اور جتھے مامور ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان تک پہنچنا تبھی ممکن ہوگا جب قتال زوردار ہو اور راستے کی رکاوٹیں روند ڈالی جائیں۔ مقصد یہ ہے کہ اس آیت میں سرسری جنگ کی بجائے زوردار اور فیصلہ کن جنگ کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ایسی جنگ جو کفر کی جڑوں تک پہنچ جائے اور ان کو بھی کاٹ دے..... ملاحظہ فرمائیے تفسیر الفرقان کی یہ عبارت:

”اگر باوجود عہد کرنے کے پھر بھی یہ لوگ باز نہ آئیں، اپنی بات کی کچھ وقعت نہ کریں، ہر جگہ اسلام پر آوازے کیں، مسلمانوں کو مورد طعن و تشنیع بنائیں اور اس امر کا اعلان کریں کہ جب تک اسلام کے نام لیوا برباد نہ ہوں گے کرہ ارض امن سے معمور نہ ہوگی، تو ایسے لوگوں کا بہترین علاج یہی ہے کہ ان کے رؤساء و امراء اور صاحبان سیاست کو بالکل یہ نیست و نابود کر دیا جائے، اس لئے کہ قوم کی ترقی کا دار و مدار اور فتح و شکست کا انحصار انہی لیڈروں کے وجود پر ہوتا ہے، تمام اعمال قومی کے یہی ذمہ دار ہوتے ہیں، جس وقت قتل کیے گئے قوم خود بخود ان ناشائستہ حرکات سے باز آ جائے گی اور چاروں طرف امن و سلامتی نظر آنے لگے گی مگر یہ بہترین دل و دماغ نہایت ہی محفوظ ہوتے ہیں اور ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دشمنوں کی زد میں نہ آ جائیں، اس لئے ان فراغ وقت کو مارنے کے لئے قتل عام کی ضرورت

ہوگی کہ سرچشمہ کفر فنا ہو، لڑائی کا مقصد بھی دراصل یہی ہوتا ہے کہ مخالف قوت کے اعضاء و ارکان فنا ہو جائیں جو فساد کے اصل بانی ہیں۔ (تفسیر الفرقان)

اب یہاں مزید ایک اور نکتہ سمجھنے کی ضرورت ہے، اسلام کی بنیاد تو الحمد للہ ایک واضح اور فطری عقیدے اور نظریے پر ہے اس لئے اسے اپنے لوگوں کو مضبوط رکھنے کے لئے کسی کو گالی دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مگر کفر و شرک کی تو کوئی بنیاد نہیں ہے اس لئے کافروں کے سرغنہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ اپنے لوگوں کو کس طرح سے اپنے باطل مذہب پر لپکا کریں۔ تب انہیں گستاخی، بدزبانی اور طعنہ بازی کا راستہ نظر آتا ہے۔ وہ اسلام کے خلاف بدزبانی کرتے ہیں، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور مسلمانوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اس طرح سے وہ اپنے لوگوں کو باطل مذہب پر چٹنگی فراہم کرتے ہیں۔ چنانچہ گستاخی، بدزبانی اور طعنہ زنی کے ماہر خطباء شعراء اور مصنفین بھی ”اُمۃ الکفر“ میں شامل ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے آٹھ افراد کے بارے میں یہ حکم جاری فرمایا کہ اگر وہ کعبۃ اللہ کے پردوں کے ساتھ بھی لٹکے ہوئے ہوں تب بھی ان کو قتل کر دو۔ چنانچہ ابن خطل نامی ایک بدزبان مشرک سرغنہ کو اسی حالت میں قتل کیا گیا۔

مسلمانوں کے ممالک میں رہنے والے ذمیوں کی حفاظت مسلمانوں پر لازم ہے اور اسلام میں اس کی بہت سخت تاکید ہے لیکن اگر کوئی ذمی اسلام پر طعنہ زنی یا بدزبانی کرے تو وہ ذمی نہیں رہے گا اور اسے قتل کیا جائے گا۔ امام نسفی لکھتے ہیں:

اذا طعن الذمی فی دین الاسلام طعنا ظاهرا جاز قتله لان العهد معقود معه علی ان لا یطعن فاذا طعن فقد نکث عہده وخرج من الذمة۔ (المدارک)

حضرت شاہ صاحبؒ بھی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اگر ثابت ہو ایک کافر عیب دیتا ہے ہمارے دین کو وہ ذمی نہ رہا“ (موضح القرآن)

چونکہ اسلام ایک مکمل اور محفوظ دین ہے اور اس دین ہی میں انسانوں کے لئے کامیابی ہے اور اس دین نے قیامت تک محفوظ رہنا ہے اسی لئے اسلام اس معاملے میں بہت محتاط اور حساس ہے۔ دنیا کے باقی مذاہب اسی چیز کے اہتمام سے محروم رہنے کی وجہ سے لوگوں کے ہاتھ کا کھلونا بن گئے۔ وہاں افراد کی عزت کا تو قانون ہے جبکہ دین کی عزت اور حرمت کا کوئی قانون نہیں۔ چنانچہ ان کے ادیان اور مذاہب محفوظ نہیں رہے اور ہر آئے دن ان میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ اسلام اللہ پاک کا آخری اور سچا دین ہے۔ چنانچہ کسی کو اس بات کا حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ اسلام کی حرمت سے کھیلے۔ مسلمان قرآن پاک کے اس حکم کو سمجھتے ہیں چنانچہ وہ اسلام یا پیغمبر اسلام کے خلاف کسی طرح کی گستاخی برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی جان دے سکتے ہیں مگر اسلام پر کوئی آواز کسے اس بات کو وہ گوارا نہیں کر سکتے۔ اللہ پاک مسلمانوں کے اس جذبے کو مزید مضبوطی عطا فرمائے۔ بے شک اللہ پاک کے دین اور اللہ پاک کے قوانین کی حفاظت ہی انسانیت کا اصل جوہر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اہم نکتہ

جو لوگ دین یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی، بدزبانی اور گستاخی کرتے ہیں وہ شیطان کے خاص کارندے ہوتے ہیں ان لوگوں کو اگر نہ مارا جائے اور نفرت کا نشانہ نہ بنایا جائے تو شیطان ان کو اور ہمت دلاتا ہے اور وہ خود کو دانشور اور دینی پیشوا قرار دینے لگتے ہیں اور اپنی خرافات کو مذہب میں شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ یہودیت، نصرانیت اور دیگر مذاہب میں غور فرمائیں آپ کو بے شمار خرافات اور گستاخیاں مذہب کا حصہ نظر آئیں گی۔ اس لئے اسلام کی حفاظت کے لئے اس طرح کے مردود لوگوں کو ”ائمۃ الکفر“ قرار دے کر ان کو مارنے کا حکم دیا گیا اور مسلمانوں نے ہر زمانے میں اس حکم پر عمل کرنے کی مکمل جذبے کے ساتھ کوشش کی۔ جس کا فائدہ الحمد للہ ساری دنیا کے سامنے ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُ ١٣

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَلَا تَقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَرَبُوا بِأَخْرَاجِ

خبردار! تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر کو جلا وطن

الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ قَالَ

کرنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے پہلے تم سے عہد شکنی کی کیا تم ان سے ڈرتے ہو اللہ تعالیٰ

أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾

زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو

خلاصہ

اے مسلمانو! کیا تم ان لوگوں سے قتال نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے نکال دینے کا ارادہ کیا اور پھر خود ہی جنگ کی ابتداء کی یعنی بنی خزاعہ کے مقابلہ میں جو تمہارے حلیف تھے بنی بکر کی مدد کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو اور قتال نہیں کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو، اس کا حکم مانو اور قتال مت چھوڑو اگر تم مؤمن ہو تو ایمان کے تقاضوں کو پورا کرو جس میں حکم قتال کی تعمیل بھی ہے۔ (انوار البیان لمفص)

جہاد پر ابھارا جا رہا ہے

امام شافعیؒ آیت مبارکہ کی یہ جامع و مختصر تفسیر کرتے ہیں:

أَلَا تَقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمُ الَّتِي حَلَفُوا فِي الْمَعَاهِدَةِ وَهَرَبُوا بِأَخْرَاجِ الرَّسُولِ مِنْ مَكَّةَ وَهُمْ بَدَءُكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ بِالْقِتَالِ وَالْبَادِي أَظْلَمُ فَمَا يَمْنَعُكُمْ مِنْ أَنْ تَقَاتِلُوهُمْ وَبِخَهُمْ بَتَرَكِ مَقَاتِلَتِهِمْ وَحَضُّهُمْ عَلَيْهَا ثُمَّ وَصَفَهُمْ بِمَا يُوجِبُ الْحُضَّ عَلَيْهَا مِنْ نَكْثِ الْعَهْدِ وَأَخْرَاجِ الرَّسُولِ وَالْبَدْءِ بِالْقِتَالِ مِنْ غَيْرِ مُوجِبٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ تَوْبِيخٍ عَلَى الْخَشْيَةِ مِنْهُمْ قَالَ اللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ بَانَ تَخْشَوْهُ فَقَاتِلُوا أَعْدَاءَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

فاخشوه ای قضیۃ الایمان الکامل ان لا یخشى المؤمن الاربہ ولا یبالی بمن سواه (المدارک)
اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

① اس آیت میں قتال نہ کرنے پر عار دلائی گئی ہے۔

۲ اس آیت میں قتال کرنے پر ابھارا گیا ہے۔

۳ اس آیت میں وہ تین اسباب بیان فرمائے گئے ہیں جن کی وجہ سے قتال ضروری ہو گیا ہے: (الف) عہد شکنی۔ (ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی دشمنی۔ (ج) بلا وجہ جنگ شروع کرنا۔

۴ کافروں سے ڈر کر ان سے جنگ نہ کرنا قابل مذمت فعل ہے۔

۵ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے دشمنوں سے قتال کیا جائے۔

۶ ایمان کامل کا تقاضہ یہ ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پروا نہ کرے۔
حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

اسبابِ محاصمت (جنگ اور دشمنی کے اسباب) میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں، علاوہ اس کے ان کی خباثت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اپنی قسموں کا کوئی لحاظ نہیں کرتے جب چاہتے ہیں توڑ ڈالتے ہیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

اور زیادہ جوش دلایا جا رہا ہے

”اس آیت میں مسلمانوں کو اور زیادہ جوش دلایا جاتا ہے کہ تم ان کفار سے کیوں نہیں جنگ کرتے، جنہوں نے اپنے عہد ناموں کی پروا نہ کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مبارکہ سے نکالنے کی کوشش کی۔

ایک جگہ آتا ہے: **وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ** (۳۰:۸)

سورۃ ممتحنہ میں فرمایا: **يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِذْ كُفِرُ أَنْ تَوُصُّوا بِاللَّهِ دَرَكَكُمْ** (۱:۶۰)

ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا: **وَإِنْ كَادُوا لَيَكْسِفُونَا مِنْ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوا مِنْهَا** (۷۶:۱۷)

اور یہ بغض و عداوت صرف آپ ہی کی ذات کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اب بھی ان مخالفین کی سعی و کوشش یہی ہے کہ آپ کے جانشینوں اور نام لیواؤں کو مرکز اسلام سے نکال دیں اور خود اس پر قابض ہو جائیں پھر ابتداء بھی انہی لوگوں کی طرف سے ہوئی ہے صلح نامہ حدیبیہ کو جس طرح بنو مکہ نے توڑا اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ تم ان لوگوں سے کیوں نہیں جنگ کرتے کیا ان سے ڈرتے ہو، تمہیں تو صرف ایک اللہ ہی سے ڈرنا چاہئے اسی کے قانون کی حفاظت اور نشر و اشاعت کا خیال تمہیں ہر وقت دامن گیر رہے۔“ (تفسیر الفرقان)

ایمانی غیرت

”ایمان والوں کو انہیں کے ایمان کی غیرت اور واسطہ دلایا ہے کہ ان مردود کافروں سے ڈرنا ہی کیا، ڈرنے کے قابل تو بس اللہ ہی ہے جو ہر طرح کی قوت و اختیار رکھتا ہے۔ **أَتَخْشَوْنَهُمْ** کیا تم ان سے اس لئے ڈرتے ہو کہ وہ سامان اور جمعیت زیادہ رکھتے ہیں؟ ڈرا یہ موقع پر ایک حد تک امر طبعی ہے اور اس کا علاج ایمان باللہ کی تثبیت و تقویت ہے۔“ (تفسیر ماجدی)

یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان کو مضبوط کرنا طبعی خوف کا علاج ہے اس لئے ان کنتم مؤمنین فرما کر اس علاج کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

امام قرطبیؒ کا عجیب جملہ

امام قرطبیؒ قَالَ لَهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ای تخافوا عقابه فی ترک قتالہم، من ان تخافوا ان ینالکم فی قتالہم مکروہ۔
یعنی اس سزا سے ڈرو جو جہاد نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے نہ کہ اس تکلیف سے جو جہاد میں تمہیں پہنچ سکتی ہے۔

تقریر رازیؒ

امام رازیؒ نے اس آیت پر تفصیل سے لکھا ہے ذیل میں ان کے کلام کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں:

ربط اعلم انه تعالى لما قال فَقَاتِلُوا أَمَّةَ الْكُفْرِ اتبعه بذكر السبب الذي يبعثهم على مقاتلتهم فقال أَلَا تَقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا

پچھلی آیت میں ائمۃ الکفر سے قتال کا حکم فرمایا اب اس آیت میں وہ اسباب ارشاد فرمائے ہیں جو ائمۃ الکفر کے خلاف قتال پر کھڑا کرنے والے ہیں.....

تین اسباب: واعلم انه تعالى ذكر ثلاثة اسباب الخ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تین ایسے اسباب ذکر فرمائے ہیں جن میں سے اگر ایک بھی ان میں پایا جائے تو ان سے لڑنا لازم ہو جائے چہ جائیکہ تینوں اسباب جمع ہو جائیں:

۱) عہد شکنی..... پس معلوم ہوا کہ معاہدہ توڑنے والے کفار سے لڑنا دوسرے کفار کی بہ نسبت زیادہ افضل ہے تاکہ دوسروں کو تنبیہ ہو جائے۔

۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالنے کی فکر کرنا..... یہ وہ اہم ترین سبب ہے جس کی وجہ سے قتال لازم ہوتا ہے۔

۳) ان کی طرف سے قتال کا آغاز ہونا.....

جہاد پر ابھارنے کے مزید چار اسباب

ان تین اسباب کے ذکر کے بعد ارشاد فرمایا: أَخْشَوْهُمْ قَالَ لَهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ اس کلام سے بھی قتال کرنے کے حکم کو مزید چار طرح سے قوت ملی:

۱) اتنے سارے اسباب کو بیان کرنے سے قتال کے حکم کی تاکید ہوئی ۲) جب کسی کو کہا جائے کیا تم اپنے دشمن سے ڈرتے ہو تو وہ اس بات میں عار محسوس کرتا ہے اور غیرت میں آ جاتا ہے۔ یہاں بھی فرمایا گیا کیا تم ان کافروں

سے ڈرتے ہو؟ ﴿۳﴾ **فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ** سے گویا یہ سمجھایا گیا کہ اگر تم نے کسی سے ڈرنا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرو کیونکہ اس کی قدرت، بڑائی اور جلال کی کوئی حد نہیں ہے اور کافروں کی طرف سے زیادہ سے زیادہ جو نقصان تمہیں پہنچ سکتا ہے وہ ہے قتل ہونا (اور موت تو ویسے ہی آتی ہے) جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کا شدید عذاب اور دنیا کی لازمی ذلت تمہیں پہنچے گی (اگر تم نے اس کی نافرمانی کی)۔

﴿۴﴾ **اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** اگر تم ایمان والے ہو تو تم پر لازم ہے کہ قتال کے لئے نکلو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم جہاد پر نہیں نکلو گے تو ایمان والے نہیں رہو گے..... پس اس آیت میں ان سات امور کے ذریعہ قتال کے لئے ابھارا گیا۔

فتح مکہ کی ترغیب ہے

حضرت ابن عباس سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ آیت ”فتح مکہ“ کی ترغیب میں نازل ہوئی ہے مگر حسن بصریؒ نے فرمایا کہ یہ ممکن نہیں کیونکہ سورۃ براءۃ فتح مکہ کے ایک سال بعد نازل ہوئی ہے۔ (ملخص از تفسیر کبیر)

حضرت تھانویؒ کا خیال بھی یہی ہے کہ یہ آیات فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئیں اور ان میں ترغیب ہے فتح مکہ کی۔ مگر اکثر مفسرین حضرات اسی بات کے قائل ہیں کہ یہ آیات فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ ٩

آیت ۱۴، ۱۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصَرِّكُمْ

ان سے لڑو تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے اور انہیں ذلیل کرے اور تمہیں

عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُودَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۝ وَيَذْهَبُ غِيْظُ

ان پر غلبہ دے اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے۔ اور ان کے دلوں سے غصہ دور

قُلُوبِهِمْ ۝ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ۝ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

کرے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے توبہ نصیب کرے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے

خلاصہ

(اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے قتال کا) پس تم ان سے قتال کرو (اللہ تعالیٰ کے اس حکم قتال میں بہت حکمتیں اور فائدے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں)

۱) اللہ تعالیٰ ان کافروں کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا۔ پہلے نافرمان قوموں کو عذاب فرشتوں اور دیگر طریقوں سے دیا جاتا تھا اب مجاہدین کو یہ شرف عطا ہوا کہ وہ دست قدرت کے آلہ کار بنادیتے گئے۔

۲) اور اللہ تعالیٰ ان کافروں کو رسوا فرمائے گا۔ کافروں کی رسوائی سے کفر رسوا ہوگا اور کفر و شرک کی شوکت ٹوٹ جائے گی، ان کی قوت اور شوکت ہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو فتنے میں ڈالتے ہیں مگر جب وہ خود قید و غلامی کی رسوائی میں ہوں گے تو کفر و شرک کی آواز کمزور پڑے گی اور اسلام کی خوب اشاعت ہوگی۔

۳) اور اللہ پاک مسلمانوں کو ان کافروں پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ یہ غلبہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ہوگا مسلمان جب اس نصرت کو دیکھیں گے تو ان کے دل کا ایمان مضبوط ہوگا اور جب وہ غالب ہوں گے تو زمین پر اسلام یعنی اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کریں گے، یوں ساری مخلوق کو جہاد کا فائدہ پہنچے گا کیونکہ اسلامی نظام کے غلبے اور نفاذ میں ہر کسی کا فائدہ ہے۔

۴) اور اللہ پاک ایمان والوں کے دلوں کو شفاء دے گا، ان کے دل ٹھنڈے ہوں گے، مسلمان کا دل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سربلندی کے لئے بے چین اور اسلام کے غلبے کے لئے بے قرار رہتا ہے، اور کفر و شرک کی طاقت، قوت اور غلبہ دیکھ کر مسلمان کا دل پریشان رہتا ہے۔ جہاد کی برکت سے جب اسلام غالب اور کفر مغلوب ہوگا تو ایمان والوں کے دلوں کو سکون اور ٹھنڈک مل جائے گی ویسے بھی جہاد دل کی بہت سی بیماریوں کا علاج ہے مثلاً حب

دنیا، بزدلی، وہن، قوت غضب کا غلط استعمال وغیرہ۔

۵ اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے غم اور رنج کو دور فرما دے گا..... یعنی ان کی حسرتیں خوشیوں میں بدل جائیں گی، کفر و شرک کے پجاریوں نے جو ظلم کئے ان کی وجہ سے ایک خاص قسم کی گھٹن مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ کمزوری اور بے بسی کے دنوں میں کافروں کا ہر ظلم اور ان کی ہر بزدبانی ان کے دلوں پر زخم لگاتی ہے۔ جب جہاد کے بعد فتح ملے گی تو دلوں کا یہ سارا غم اور رنج دھل جائے گا۔

۶ اور اللہ پاک جہاد کی برکت سے جس پر چاہے گا توبہ کے دروازے کھول دے گا۔ کافر اپنی ذلت اور رسوائی دیکھ کر غور و فکر کریں گے اور مسلمانوں پر اترتی ہوئی نصرت دیکھ کر ان کا ذہن بدلے گا تب ان میں سے بہت سوں کو توبہ کی توفیق مل جائے گی اور خود مسلمانوں کو جہاد کرنے کی وجہ سے توبہ اور گناہوں سے معافی نصیب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ علم والا اور حکمت والا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کس چیز میں بندوں کا فائدہ اور کس چیز میں نقصان ہے اور وہی ہر ایک کی حالت جان کر حکمت کا معاملہ کرتا ہے۔

بظاہر جنگ و قتال میں نقصان نظر آتا ہے مگر علم و حکمت والا رب اس حکم میں طرح طرح کے فائدے ارشاد فرما رہا ہے پس ایمان والوں کو اسی کی بات ماننی چاہئے۔

مختصر و جامع تفسیر

”اس آیت میں مشروعیت جہاد کی اصلی حکمت پر متنبہ فرمایا ہے قرآن کریم میں اقوام ماضیہ (گزری ہوئی قوموں) کے جو قصے بیان فرمائے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم کفر و شرارت اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب و عداوت میں حد سے بڑھ جاتی تھی تو قدرت کی طرف سے کوئی تباہ کن آسمانی عذاب ان پر نازل کیا جاتا تھا جس سے ان کے سارے مظالم اور کفریات کا دفعہ خاتمہ ہو جاتا تھا۔

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذُنُوبِهِ فَمِنْهُمْ مَنَّا أَمْ سَلَمْنَا عَلَيْكَ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنَّا أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ
مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنَّا أَخْرَقْنَاهُ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ
وَمِنْهُمْ يَظْلِمُونَ (العنكبوت ۴۰)

کوئی شبہ نہیں کہ عذاب کی یہ اقسام بہت سخت، مہلک اور آئندہ نسلوں کے لئے عبرت ناک تھیں لیکن ان صورتوں میں معذبین کو دنیا میں رہ کر اپنی ذلت و رسوائی کا نظارہ نہیں کرنا پڑتا تھا اور نہ آئندہ کے لئے توبہ و رجوع کا کوئی امکان باقی رہتا تھا، مشروعیت جہاد کی اصلی غرض و غایت یہ ہے کہ مکذبین و معصنین کو حق تعالیٰ بجائے بلا واسطہ عذاب دینے کے اپنے مخلص و فادار بندوں کے ہاتھ سے سزا دلوائے، سزا دہی کی اس صورت میں مجرمین کی رسوائی اور مخلصین کی قدر افزائی زیادہ ہے۔ وفادار بندوں کا نصرت و غلبہ علانیہ ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے دل یہ دیکھ کر ٹھنڈے ہوتے ہیں کہ جو لوگ کل تک انہیں حقیر و ناتواں سمجھ کر ظلم و ستم اور استہزاء و تمسخر کا تختہ مشق بنائے ہوئے تھے، آج خدا کی تائید و رحمت

سے انہی کے رحم و کرم یا عدل و انصاف پر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ کفر و باطل کی شوکت و نمائش کو دیکھ کر جو اہل حق گھٹتے رہتے تھے یا جو ضعیف و مظلوم مسلمان کفار کے مظالم کا انتقام نہ لے سکتے کی وجہ سے دل ہی دل میں غیظ کھا کر چپ ہو رہتے تھے جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ ان کے قلوب تسکین پاتے ہیں اور آخری بات یہ ہے کہ خود مجرمین کے حق میں بھی سزا دی کا یہ طریقہ نسبتاً زیادہ نافع ہے، کیونکہ سزا پانے کے بعد بھی رجوع و توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، بہت ممکن ہے کہ حالات سے عبرت حاصل کر کے بہت سے مجرموں کو توبہ نصیب ہو جائے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہی ہوا کہ تھوڑے دنوں میں سارا عرب صدق دل سے دین الہی کا حلقہ بگوش بن گیا۔ (تفسیر عثمانی)

جہادی نکات از امام رازی رحمہ اللہ

امام رازیؒ نے ان دو آیات کی تفسیر میں کئی جہادی نکتے بیان فرمائے ہیں..... امام صاحب کی تقریر کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے:

رابط

پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا **أَزْكُ تَقَاتِلُونَ قَوْمًا** اور اس کے ساتھ ایسی سات چیزیں بیان فرمائی جن میں سے ہر ایک اقدام جہاد کو لازم کرنے والی ہے۔ اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پھر جہاد کا حکم دہرایا ہے اور اس میں جہاد کے پانچ قسم کے فوائد کو ذکر فرمایا ہے۔

يُعِذُّ بِهِمُ اللَّهُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں سے کافروں کو جو تکلیف پہنچتی ہے اللہ پاک نے اسے ”عذاب“ کا نام دیا۔ یہ عذاب کبھی قتل کی صورت میں ہوتا ہے کبھی قیدی صورت میں اور کبھی مال چھیننے کی صورت میں۔ عذاب میں یہ تمام صورتیں داخل ہیں۔

وَيُخْرِجُهُمُ اللَّهُ اور اللہ پاک انہیں رسوا فرمائے گا، یہ رسوائی دنیا میں بھی ہوگی **وَيَنْصُرُكُمْ عَلَيْهِمُ** مسلمانوں کو غالب ہونے کی وجہ سے ان پر قوت ملے گی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان کی رسوائی اور مسلمانوں کا غلبہ ایک ہی چیز ہے تو آیت میں تکرار ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ان کو ذلت اور رسوائی مسلمانوں کے ہاتھوں سے مل جائے مگر کسی آفت کی وجہ سے مسلمان غلبہ کا فائدہ نہ اٹھا سکیں تو **يَنْصُرُكُمْ عَلَيْهِمُ** نے بتا دیا کہ مسلمان اس فتح اور غلبے کا فائدہ اٹھائیں گے۔

وَيَسْتَفِضُّنَّ مِنْهُمْ قبیلہ خزاعہ کے لوگوں کو بنو بکر اور قریش سے تکلیف پہنچتی تھی اللہ پاک نے ان کے دل بنو بکر کی شکست سے ٹھنڈے فرما دیئے اور یہ بات واضح ہے کہ اگر کسی کو اپنے دشمن کی طرف سے طویل عرصہ تک اذیت پہنچی ہو پھر اللہ تعالیٰ اس کو بہت عمدہ طریقے سے اپنے دشمن پر غالب کر دے تو اس کو بہت عظیم خوشی نصیب ہوتی ہے اور یہ خوشی اس کے اندر قوت اور عزیمت پیدا کرتی ہے۔

وَيُنْهَبُ غَيْظُ قُلُوبِهِمْ اور ان کے دلوں کے غم کو دور کر دے۔ پس دلوں کی شفاء تو اس فتح اور نصرت کے

وعدے سے ہوئی اور دلوں کا غم فتح کے ملنے سے دور ہوا اس لئے دونوں میں ٹکرا نہیں ہے۔

ان آیات میں جو احوال بیان ہوئے ہیں وہ سب فتح مکہ کے ذریعہ مسلمانوں کو نصیب ہوئے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیات فتح مکہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ (تفسیر کبیر طحطاوی)

امام رازیؒ نے **وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ** کے بھی دو معنی بیان فرمائے ہیں ایک معنی یہ بیان فرمایا ہے کہ جہاد کے ذریعہ خود مسلمان مجاہد کو توبہ کا اعلیٰ مقام نصیب ہوتا ہے۔ پھر جہاد کے ذریعہ مجاہد کو توبہ نصیب ہونے کی پانچ بہت دلچسپ وجوہات بیان فرمائی ہیں، طلبہ علم تفسیر کبیر میں ملاحظہ فرمائیں۔ جبکہ اکثر مفسرین کے نزدیک توبہ سے مراد کفار و مشرکین کی توبہ ہے امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

والذين تاب عليهم مثل ابي سفيان وعكرمة بن ابي جهل وسهيل بن ابي عمرو فانهم اسلموا..... (القرطبي)

یعنی ان تین حضرات کو اللہ پاک نے توبہ کی توفیق مرحمت فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے۔

یہ خوشخبری قیامت تک کے لئے ہے

علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں ایک سوال اور پھر اس کا جواب ذکر کیا ہے ملاحظہ فرمائیے صاحب انوار البیان کے قلم سے.....

فائدہ

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ مکہ تو ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا اور سورۃ برآۃ ۹۶ھ میں نازل ہوئی پھر ان آیات میں کون سے جہاد کی ترغیب دی گئی ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے صاحب روح المعانی ص ۶۲ ج ۱۰ پر لکھتے ہیں کہ سورۃ برآۃ کی ابتدائی آیات فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھیں اور یہ آیات اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں (یعنی فتح مکہ سے بھی پہلے) الی آخرہ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور نصرت کی خوشخبری دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اہل کفر سے جو تمہیں تکلیف پہنچے گی اور ان کی شرارتوں کی وجہ سے جو تمہارے دل میں غیظ و غضب ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو دور کر دے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا اور کافروں کو ذلیل کرے گا اور تمہارے دلوں کو کافروں کی ذلت دکھا کر شفاء عطا فرمائے گا۔ جس طرح اہل مکہ میں قتال کے لئے بعض چیزیں جمع ہو گئی تھیں کہ انہوں نے اپنا عہد توڑا اور تمہارے دین میں طعن کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جلا وطن کرنے کا مشورہ کیا اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی پہل کی اس طرح کی بہت سی باتیں آئندہ بھی کافروں کی طرف سے پیش آ سکتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو تمہارے درمیان نہ ہوں گے کیونکہ وہ دنیا سے تشریف لے جا چکے ہوں گے اور ان کے بعد کوئی نبی اور رسول بھی نہیں لیکن اس طرح کے واقعات پیش آ سکتے ہیں اگر ایسا ہو تو ان سے لڑو تاکہ کافر ذلیل و خوار ہوں اور تمہارے دل ٹھنڈے ہوں۔ خطاب کا رخ حضرات صحابہؓ کو ہے لیکن عموم خطاب میں سب مسلمان داخل ہیں۔ (تفسیر انوار البیان)

نکتہ

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

ولما وبخهم الله على ترك القتال جرد لهم الامر به بقوله قَاتِلُوهُمْ ووعدهم النصر
ليثبت قلوبهم ويصح نياتهم بقوله يُعِدُّ اللَّهُ بِكُمْ الله يَايِدُكُمْ
پچھلی آیات میں قتال نہ کرنے پر عار دلائی تھی تو اس آیت میں جہاد کا صاف اور واضح حکم دیا اور فرمایا قَاتِلُوهُمْ
اور مسلمانوں کے ساتھ اپنی نصرت کا وعدہ فرمایا تاکہ ان کے دلوں کو مضبوط کر دے اور ان کی نیتوں کو خالص کر دے
چنانچہ فرمایا: يُعِدُّ اللَّهُ بِكُمْ الله يَايِدُكُمْ (المدارک)

تقریر لاہوریؒ

انہیں قتل کرو اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں سے سزا دینا چاہتا ہے تاکہ تمہارے سینے ٹھنڈے ہوں جس طرح
انہوں نے تمہیں ایذا دی تھی تم بھی بدلہ لو، اللہ تعالیٰ مومنوں کے دل کا غصہ نکلوائے گا ہاں ان کافروں میں سے جس
کو چاہے گا ایمان دے دے گا۔ چنانچہ یوسفیانؒ اور عمر مہربنؒ ابی جہل کو اسلام نصیب ہوا۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

نکتہ

ان آیات میں جو احوال و کیفیات اور فوائد بیان ہوئے ہیں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تو پورے
ہوئے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے برحق ہونے کی ایک دلیل ہے اسی لئے مفسرین کرام نے ان آیات
کو ”معجزات“ پر مشتمل آیات قرار دیا ہے..... اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب بھی مسلمانوں نے اللہ
تعالیٰ کے حکم قتال پر ٹھیک طرح سے عمل کیا اللہ پاک نے یہ سارے فوائد ان کو بھی عطا فرمائے۔ بے شک قتال فی
سبیل اللہ اپنے تمام تر فوائد کے ساتھ قیامت تک جاری رہے گا۔
علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

وقد انجز الله تعالى جميع ما وعدهم به على اجمال ما يكون فالآية من المعجزات لما فيها
من الاخبار بالغيب ووقع ما اخبر عنه (روح المعاني)
صاحب کشف لکھتے ہیں:

وقد حصل الله لهم هذه المواعيد كلها فكان ذلك دليلاً على صدق رسول الله صلى الله
عليه وسلم وصحة نبوته (كشاف)

مظلوموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مدد

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

وكانت خزاعة حلفاء النبي صلى الله عليه وسلم فانشد رجل من بني بكر الخ

خزاعہ قبیلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف تھا، قبیلہ بنو بکر کے ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی میں اشعار پڑھے، خزاعہ قبیلہ کے کسی فرد نے اسے کہا اگر تو نے دوبارہ یہ حرکت کی تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا اس نے دوبارہ وہی اشعار کہے تو اس خزاعی نے اس کا منہ توڑ دیا اس پر دونوں قبیلوں میں قتال بھڑک اٹھا اور خزاعہ کے بہت سے افراد قتل کر دیئے گئے، عمرو بن سالم بنو خزاعہ کے ایک وفد کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو پوری بات بتائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ واقعہ سنا تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا مجھ پر پانی ڈالو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل بھی کر رہے تھے اور یہ بھی فرما رہے تھے کہ اگر میں نے بنو خزاعہ کی مدد نہ کی تو اللہ تعالیٰ میری مدد نہ کرے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی تیاری اور مکہ کی طرف خروج کا حکم دیا تو مکہ فتح ہو گیا۔ (القرطبی)

اس طرح آیت کریمہ میں وَيَسْتَعِزُّ صُدُورُ قَوْمٍ مِّنْ دِينِ سے مراد خزاعہ کے مظلوم مسلمان ہیں۔ اس قبیلہ کے کئی افراد مسلمان تھے تحقیق کے لئے ملاحظہ فرمائیے تفسیر البحر المحیط۔

صاحب کشف اور علامہ آلوسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

انهم بطون من اليمن والسبأ قدموا مكة واسلموا فلقوا من اهلها اذی كثيرا فبعثوا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم يشكون اليه فقال عليه الصلوة والسلام "ابشروا فان الفرج قريب"

یہ یمن اور سبأ کے قبائل کے کچھ حضرات تھے جو مکہ آئے تھے انہوں نے اسلام قبول کیا تھا چنانچہ انہیں مکہ والوں کی طرف سے بہت تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے دکھ کی شکایت بھیجی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تمہیں خوشخبری ہو اچھے حالات بہت قریب ہیں۔“ (روح المعانی)

جن مومنین کے دلوں کو شفاء ملی وہ خزاعہ بھی ہیں اور یمن اور سبأ کے یہ مظلوم حضرات بھی اس کے اولین مصداق ہیں مگر آیت کا مفہوم اور مصداق قیامت تک کے لئے عام ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

وهذا عام في المومنين كلهم (ابن کثیر)

یہ سب مسلمانوں کے لئے عام ہے کہ جہاد کی بدولت ان کے دل کو ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔

مظلوموں کو مسرت کا حاصل ہونا ان کو کام پر کھڑا کرنے کے لئے ضروری ہے

تفسیر الفرقان میں ہے:

”تم جنگ کے لئے آگے بڑھو تو حسب ذیل فوائد حاصل ہوں گے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک انبیاء علیہم السلام کے تبعین کی تعداد کم تھی اس لئے اس وقت تک امتوں کو عذاب دینے کا قانون یہ تھا کہ آفات ارضی و سماوی سے ان کو ہلاک کر دیا جاتا، مگر جب ایمانداروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا تو پھر خود ان کے ہاتھوں مخالفین کو ذلیل کیا جانے لگا اب خود مسلمان ہی اللہ تعالیٰ کا (مجازاً) دستِ عمل بن کر حق و صدق کی نشر و اشاعت کریں گے۔ اور اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو یَسْتَبْدِلُ قَوْمًا عَصِيًّا ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَهُمْ کے مطابق ذلیل ہوں گے۔ جب ان لوگوں (یعنی مشرکوں، کافروں) کا قتل ضروری قرار پا گیا ہے تو بہتر ہے کہ یہ کام مسلمانوں کے ہاتھ سے سرانجام پائے، کیونکہ انہیں بے انتہا مظالم کا شکار ہونا پڑتا ہے، انسان کا فطری تقاضا ہے کہ مظلوم ہونے کے بعد جب تک ظالم سے انتقام نہ لے چکے اس کو سرور حاصل نہیں ہوتا، اس کی ہمت پست ہو جاتی ہے اس کے فوائے عملیہ بیکار ہو جاتے ہیں، اس لئے اب اگر مسلمان اپنے ہاتھ سے کفار کو قتل کریں گے تو ان کی طبیعت میں مسرت پیدا ہوگی اور آمادہ کار ہو جائیں گے (یعنی کام پر کھڑے ہو جائیں گے) وَاعْرِضْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ اور قانونِ عدل کے مطابق اس سرور کا بدلہ ہوگا جو ابتداء میں ظالموں کو حاصل ہوا تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کفار میں سے قابل اصلاح افراد یقیناً حق کے تابع بن کر اللہ کی رحمت و مغفرت کے مستحق قرار پائیں گے۔“ (تفسیر الفرقان)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَةٌ ۱۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے ایسے لوگوں کو جدا ہی نہیں کیا جنہوں نے تم میں سے

وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ

جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا

وَلِيَّةٌ ۖ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے

خلاصہ

مشروعیت جہاد فی سبیل اللہ کی ایک اور حکمت یہ ہے کہ ایمان اور بندگی کے زبانی دعوے کرنے والے تو بہت ہیں، لیکن جب تک امتحان کی کسوٹی پر پرکھا نہ جائے تو کھرا کھوٹا ظاہر نہیں ہوتا۔ جہاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کتنے مسلمان ہیں جو اس کی راہ میں جان و مال قربان کرنے کو تیار ہیں اور اللہ، رسول اور مسلمان کے سوا کسی کو اپنا راز دار یا خصوصی دوست بنانا نہیں چاہتے، خواہ وہ ان کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو، یہ معیار ہے جس پر مومنین کا ایمان پرکھا جاتا ہے، جب تک عملی جہاد نہ ہو صرف زبانی جمع خرچ سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے پس اگر جہاد میں جستی کرو گے یا سستی کرو گے اسی کے موافق جزاء دے گا۔ (مخلص از عثمانی و بیان القرآن)

جہاد کے ذریعے حقیقی اور سچے مسلمان ممتاز ہو جاتے ہیں

صاحب انوار البیان لکھتے ہیں:

”اس کے بعد جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا (الایۃ) کیا تمہارا خیال ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے اور تمہارا امتحان نہ ہوگا؟ ایسا خیال نہ کرو امتحان ضرور ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان لے گا جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سے سچی محبت کرنے والے عملی طور پر ان لوگوں سے علیحدہ ہو کر ممتاز ہو جائیں گے جنہوں نے جہاد سے جان چھڑائی اور جنہوں نے کافروں اور مشرکوں کو راز دار بنایا۔ یہ امتحان والا مضمون دیگر آیات میں بھی ہے، سورۃ آل عمران میں ہے:

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ (اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو جب تک کہ پاک کو ناپاک سے تمیز نہ فرمادے)

اور سورۃ عنکبوت میں فرمایا ہے:

أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يَتَذَكَّرُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْقَدُونَ (کیا لوگوں نے گمان کیا ہے کہ صرف یوں کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی جانچ نہ کی جائے گی)۔ (انوار البیان)

جہاد مومن اور منافق میں امتیاز کرتا ہے

امام رازیؒ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

قال: ولما فرض القتال تبين المنافق من غيره وتميز من يوالى المومنين ممن يعاديهم
یعنی جب اللہ تعالیٰ نے قتال فی سبیل اللہ کو فرض کیا تو منافق اور غیر منافق واضح ہو گئے اور مسلمانوں سے دوستی کرنے والے اور ان سے دشمنی کرنے والے بھی الگ الگ ہو گئے۔ (تفسیر کبیر)

نکتہ

پوری دنیا میں جہاں بھی جہاد ہوتا ہے وہاں آپ یہ منظر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ کچھ مسلمان کفار کے خلاف جہاد کرتے ہیں جبکہ کچھ مسلمان کہلانے والے لوگ کافروں کے دوست، معاون اور ہم راز بن جاتے ہیں۔ جہاد شروع ہونے سے پہلے یہ سب طبقے خود کو مسلمان کہتے تھے مگر جیسے ہی جہاد شروع ہوتا ہے چھانٹی شروع ہو جاتی ہے اور منافق بھاگ بھاگ کر کافروں کے سائے میں پناہ ڈھونڈتے ہیں اور ان کو اپنی دوستی کا یقین دلاتے ہیں اور ان کے اتحادی بن جاتے ہیں یوں جہاد کی برکت سے مومن اور منافق الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دو طرح کے امتحانات

امام رازیؒ کی رائے یہ ہے کہ آیت میں دو طرح کے امتحانات کا تذکرہ ہے پہلا امتحان یہ ہوتا ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں میں سے کون جہاد کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔ پھر جہاد کرنے والوں کا امتحان ہوتا ہے کہ ان میں کون اخلاص کے ساتھ جہاد کرتا ہے اور کون اپنی ذاتی اغراض کے لئے جہاد کے دوران کافروں سے یاریاں اور دوستیاں باندھتا ہے۔ پس جو اخلاص کے ساتھ جہاد کرتا ہے وہ مومن اور جو ذاتی اغراض کے لئے لڑتا ہے اور کافروں سے یاریاں بناتا ہے وہ منافق۔

امام صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

والمقصود من ذكر هذا الشرط ان المجاهد قد يجاهد ولا يكون مخلصا بل يكون منافقا،
باطنه خلاف ظاهره، وهو الذي يتخذ الوليعة من دون الله ورسوله والمومنين، فبين
تعالى انه لا يتركهم الا اذا اتوا بالجهد مع الاخلاص خاليا عن النفاق والرياء والتودد الى
الكفار وابطال ما يخالف طريقة الدين۔ (تفسیر کبیر)

اگر مسلمان ہو تو جہاد نہ چھوڑو

صاحب تفسیر الفرقان اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”تمام دنیا مسلمانوں کی دشمن ہے، ہر ایک اجنبی حکومت ان کو فنا کرنے کی فکر میں ہے اور کوئی غیر مسلم سلطنت ان کی طرف دست اعانت دراز کرتی ہے تو وہ مکر و فریب اور دجل و شیطنت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، اس لئے ضروری ہے کہ ان دشمنوں سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو آمادہ جہاد کیا جائے اور وہ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ان کی زندگی کا راز سربستہ جہاد فی سبیل اللہ میں پنہاں ہے اگر وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اسے ترک کر دیں گے تو چاروں طرف سے دشمن ان پر حملہ آور ہوں گے اور انہیں تباہ کر دیں گے، اس لئے فرمایا کہ جب تک تم میں سے مجاہدین کو ممتاز نہ کیا جائے گا تمہیں خاموش بیٹھنے نہ دیا جائے گا۔

ایک جگہ فرمایا: أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (۲:۲۹) ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا: أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسْتَهْمُؤْنَ الْبَاسَاءِ وَالضَّالِّينَ وَذُرِّيَّتُهَا (۲:۲۱۴) ایک جگہ اس طرح آتا ہے: مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ (۳:۱۷۹) اور اس جہاد سے مقصود قتل و خونریزی نہیں، بلکہ غرض یہ ہے:

(الف) اس نبی کی تعلیم سے تمہارے اخلاق کس درجہ مہذب و شائستہ ہوئے اور ہر ایک مسلمان نے فرداً فرداً آپ کی ذات اقدس سے کس قدر فائدہ اٹھایا، اس کو واضح کر دیا جائے۔
(ب) اس وقت اور آئندہ زمانہ کے لوگوں کو دکھا دیا جائے کہ اس امت میں اور گزشتہ امتوں میں اتباع انبیاء کے اعتبار سے کتنا فرق ہے، بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر کو یہ جواب دیا تھا:

فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبِّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ

(ج) آئندہ چل کر تمہیں حکومت دی جائے گی، پس جب تک نبی کی نگرانی میں اس اہم ترین خدمت کے لئے تیار نہ ہو، کام نہیں چل سکے گا۔ گویا مسلمان ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا، تمہیں معلوم ہے جس وقت نبوت کے تیرہویں سال مدینہ کے ۳۷ مرد اور دو عورتیں اس لئے مکہ مکرمہ حاضر ہوئیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیں تو حضرت عباس نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا تھا: لوگو! تم جانتے ہو کہ قریش ان کے جانی دشمن ہیں اگر تم ان سے عہد کرتے ہو تو یہ سمجھ لینا کہ یہ ایک نازک اور مشکل کام ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عہد باندھنا سرخ و سیاہ لڑائیوں کو مول لینا ہے۔

لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا (تفسیر الفرقان)

آیت میں جنگوں کی طرف اشارہ ہے

اس آیت کی تفسیر میں حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

”کفار کی سرکوبی اور تباہی تمہارے ہاتھوں سے ہوگی، تمہیں میدان جنگ میں اترنا پڑے گا اور اس میں کھرے اور کھوٹے کی تمیز بھی ہو جائے گی۔“ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

دین کی خاطر اپنے عزیزوں، قریبوں سے قتال کرنا

یعنی اصل امتحان کا موقع تو اب آیا ہے، جب اپنے عزیزوں قریبوں سے قتال کرنا ہوگا اور اللہ اور اسلام کی خاطر اپنے ہر تعلق، ہر محبت کو قربان کرنا پڑے گا۔ (تفسیر ماجدی)

ولیعہ؟ غیروں سے یاری

ولیعہ کا لفظ ولوج سے ہے جس کا معنی ہے دخول۔ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں: وقال ابو عبیدہ: کل شیء ادخلته فی شیء لیس منه فهو ولیعہ..... یعنی ہر وہ چیز جسے تم غیر چیز میں داخل کرو تو یہ ”ولیعہ“ ہے۔

والرجل یکون فی القوم ولیس منهم ولیعہ

ایک آدمی کسی قوم میں شامل ہو جائے حالانکہ وہ ان میں سے نہ ہو تو یہ ولیعہ کہلاتا ہے۔

پس اے مسلمانو! یہ کافر و مشرک تمہارے غیر ہیں تم ان میں خود کو شامل نہ کرو اور نہ ان کو اپنا راز دار بناؤ۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: ولیعہ کا ایک معنی بطنہ بھی ہے یعنی اتحادی اور خاص دوست۔ (بطانہ کے لفظ کی تحقیق سورۃ آل عمران میں گزر چکی ہے)

وقیل: ولیعہ بطانہ: والمعنی واحد نظیرہ

لا تتخذوا بطانۃ من دونکم (آل عمران ۱۱۸) وقال الفراء ولیعہ بطانۃ من المشرکین

یتخذونہم ویفشون الیہم اسرارہم ویعلمونہم امورہم۔ (القرطبی)

امام قرطبیؒ آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

”ام حسبتم ان تترکوا امن غیر ان تبطلوا بما یظهر بہ المومن والمنافق (قرطبی)

کیا تم نے گمان کر لیا کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے بغیر اس کے کہ تم کو اس چیز کے ذریعہ آزمایا جائے گا جس سے مومن اور منافق ظاہر ہو جاتے ہیں۔ (القرطبی)

معارف القرآن میں ہے:

اس آیت میں مخلص مسلمان کی دو علامتیں بتادی گئیں، اول یہ کہ اللہ کے واسطے کفار سے جہاد کریں، دوسرے یہ کہ کسی غیر مسلم کو اپنا راز دار دوست نہ بنائیں..... آیت مذکورہ میں جو لفظ ولیعہ آیا ہے اس کے معنی ذخیل اور بھیدی کے ہیں اور ایک دوسری آیت میں اس معنی کے لئے لفظ ”بطانہ“ استعمال کیا ہے..... مراد اس سے ایسا آدمی جو اندر کے رازوں

سے واقف ہو (معارف القرآن)

تفسیر مظہری میں ہے:

ولججہ کا معنی ہے اندرونی دوست راز دار (تفسیر مظہری)

آئندہ مجاہدین کے ہمیشہ موجود رہنے کا اشارہ

علامہ ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

وَلَمَّا يَعْلَمُ اللَّهُ فِي اس طرف اشارہ ہے کہ امت محمدیہ میں مخلص مجاہدین کے پائے جانے کی امید رکھنا چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ایک گروہ مسلسل ایسا ہوتا رہے گا جو اللہ کے احکام کو قائم کرے گا کوئی انکی مدد نہ کرے اور کوئی مخالفت کرے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا (یعنی اللہ ان کا مددگار اور حامی ہوگا کسی کی مخالفت ان پر اثر انداز نہ ہوگی) وہ اسی حالت پر قائم رہیں گے کہ اللہ کا حکم آجائے گا (قیامت برپا ہو جائے گی) یہ حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیحین میں منقول ہے (تفسیر مظہری)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكْنِيَّةٌ آيَةُ ۱۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَى

مُشْرِكُونَ كَامٍ نَحْنُ كَمَا اللَّهُ تَعَالَى كِي مَسْجِدِينَ آبَاد كَرِيں جَبَكِ وَه اِنِے آفِ پَر

أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي النَّارِ هُمْ

كُفْرِ كِي گَوَاهِي دے رَہے ہوں اِن لوگوں كے سب اَعْمَال بے كَار ہيں اور وَه ہيئشہ آگ

خُلْدُونَ ۱۴

میں رہیں گے

خلاصہ

مشرکین مکہ کا مسجد حرام کی خدمت کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا جبکہ وہ مشرک اپنے شرک پر کھلم کھلا قائم ہیں۔ یہ اپنے شرکیہ عقائد اور اعمال کی وجہ سے اس قابل ہرگز نہیں کہ مسجد حرام کا انتظام سنبھالیں اور وہاں عبادت کریں اگر کرنا بھی چاہیں تو انہیں اس سے روکا جائے گا۔ ان کے سب اچھے اعمال بے کار ہیں اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اس لئے:

ان کے ساتھ براءۃ کا اعلان بالکل حق ہے اور یہ اعلان بھی برحق ہے کہ اگلے سال کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔ اور ان کے ساتھ قتال بھی حق ہے مسجد حرام کی خدمت کی وجہ سے ان کو چھوڑا نہیں جاسکتا بلکہ مسجد حرام کو ان کے وجود سے پاک کرنا ضروری ہے۔

آیت کا پہلا موضوع

۱ حضرت لاہوری لکھتے ہیں:

مشرکین اگر بعض اعمال صالحہ کے پابند ہوں تو ان کے خلاف جہاد رک نہیں جائے گا لہذا قریش مکہ کے خلاف جہاد اس وجہ سے ترک نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مسجد حرام کے مجاور ہیں (حاشیہ حضرت لاہوری) تفسیر الفرقان میں بھی یہی موضوع اختیار کرتے ہوئے لکھا ہے:

جب چاروں طرف سے دشمن مسلمانوں کو گھیرے ہوئے ہیں تو ضروری ہے کہ ہر ایک فرزند اسلام جہاد کیلئے ہر وقت آمادہ رہے اس موقع پر بعض کمزور طبیعتیں مختلف قسم کے حیلے بہانے کر کے اس فکر میں رہتی ہیں کہ ان کو جہاد کی شرکت سے مستثنیٰ کر دیا جائے، آگے چل کر بتایا جائے گا جنگ کیلئے تیاری نہ کرنا اور ایسے اسباب فراہم کرنا

جن کی بنا پر جنگ میں شریک نہ ہو سکیں، نفاق ہے۔ بس آج ہر مسلمان اپنے حالات کا اندازہ لگا کر خود ہی اس امر کا فیصلہ کر لے کہ وہ کہاں تک نفاق میں مبتلا ہے، آئندہ آیات میں ان عذروں اور رکاوٹوں کو بیان کیا جاتا ہے جو جنگ شروع ہونے کے وقت عام طور پر پیدا کی جاتی ہیں، ہر ایک عذر لنگ کی حقیقت مستورہ کو بنے نقاب کر کے بتایا جائے گا کہ یہ سب باتیں غلط اور مہمل ہیں اور ہر ایک مسلمان کو جہاد کی تیاری کرنی پڑے گی۔ (تفسیر الفرقان)

آیت کا دوسرا موضوع

اما کرازیؒ نے تفسیر کبیر میں بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ صاحب تفسیر حقانی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

۲ مکہ کے بت پرست قدیم سے خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے تھے اور ایام حج میں لوگوں کو پانی بھی پلایا کرتے تھے اسلام کے مقابلے میں وہ اپنی نیکیوں پر فخر کرتے تھے کہ ہم مجاور بیت اللہ اور اس کے خادم ہیں، ہم سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک کس کا رتبہ ہے؟ پھر اس پر بھی (یعنی اس کے باوجود بھی) محمد (ﷺ) ہم سے لڑنے اور معاہدے ختم کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ چنانچہ یہود نے بھی اس بارہ میں انکی تصدیق کر کے یہی کہا کہ تم ہی اللہ کے نزدیک بڑے درجے رکھتے ہو اس کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (حقانی بتغییر)

امام قرطبیؒ نے بھی آیت کے اس موضوع کی تصدیق ان الفاظ میں فرمائی ہے:

أراد ليس لهم الحج بعد مانودي فيهم بالمنع عن المسجد الحرام وكانت امور البيت كالسدانة والسقاية والرمادة إلى المشركين فبين انهم ليسوا أهلا لذلك بل أهله المؤمنون
یعنی بیت اللہ کے معاملات مشرکین کے پاس تھے اور اعلان کیا جا رہا تھا کہ اب ان کا مسجد حرام میں داخلہ بند ہے تو اسکی وجہ بیان فرمائی کہ مشرکین مسجد حرام کی خدمت کے اہل نہیں ہیں اس کے اہل تو ایمان والے ہیں۔

آیت کا تیسرا موضوع

جواکثر مفسرین (قرطبی، کبیر، روح، موضح القرآن) نے بیان فرمایا ہے درج ذیل ہے:

۳ إن العباس لما أسر و عير بالكفر وقطعية الرحم قال تذکرون مساوئنا ولا تذکرون محاسننا فقال علیؑ ألكم محاسن؟ قال نعم إنما لنعمر المسجد الحرام ونحجب الکعبة ونسقى الحاج ونفک العانی فنزلت هذه الآية رداً علیه فيجب إذا علی المسلمین تولى احکام المساجد ومنع المشركين من دخولها. (قرطبی)

اسی کو صاحب انوار البیان تفسیر معالم التنزیل کے حوالے سے یوں بیان کرتے ہیں:

معالم التنزیل ص ۳۷۷ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب غزوہ بدر کے موقع پر عباسؓ کو قید کر لیا گیا تو مسلمانوں نے عباسؓ کو عار دلائی کہ تم کفر اختیار کئے ہوئے ہو اور تمہارے اندر قطع رحمی بھی ہے

(کیوں کہ رسول صل اللہ علیہ وسلم کو مشرکین نے مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا) اس بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سخت باتیں کہہ دیں تو اس کے جواب میں عباسؓ نے کہا آپ لوگ ہماری برائیاں تو ذکر کرتے ہیں کیا بات ہے ہماری خوبیاں ذکر نہیں کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس خوبیاں بھی ہیں؟ عباس نے کہا کہ ہاں! ہم مسجد حرام آباد کرتے ہیں اور کعبہ کی دربانی کرتے ہیں اور حجاج کو پانی پلاتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ (آخر تک) نازل فرمائی۔ اور یہ بتایا کہ مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ مسجدوں کو آباد کریں مشرک ہوتے ہوئے مسجد کی آباد کاری کا کوئی معنی نہیں کعبہ شریف تو شرک کے دشمن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ کعبہ اور کعبہ کی مسجد کی بنیاد تو حید پر ہے، جو لوگ اپنے اقرار و اعمال سے یہ گواہی دے رہے ہیں کہ ہم کافر ہیں، یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو نہیں مانتے ان کا مسجد کو آباد کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہاں یہ لوگ شرک کرتے ہیں، اگر ظاہری کوئی آبادی کر دی یعنی اس کے متولی بن کر کچھ درود و یوار کی دیکھ بھال کر لی تو کفر اور شرک جیسی بغاوت کے سامنے یہ بے حقیقت ہے پھر مسجد حرام میں جاتے تھے سیٹھاں اور تالیاں بجاتے تھے، ایسا آباد کرنا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک آباد کرنے میں شمار نہیں ہے۔

صاحب معالم التنزیل ص ۳۷۲ ج ۲ لکھتے ہیں:

ای ما ینبغی للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ او جب علی المسلمین منعهم من ذلك لأن المساجد انما تعمر لعبادة الله وحده فمن كان كافرا بالله فلیس من شأنه ان یعمرها۔
یعنی مسجدوں کو آباد کرنا مشرکوں کا کام نہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے وہ مشرکوں کو اللہ کے گھر سے روکیں کیونکہ مسجدیں خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت سے آباد ہوتی ہیں، جو اللہ کا منکر ہے مسجدوں کو آباد کرنا اس کا کام نہیں ہے (انوار البیان)

آیات کی مختصر جامع تشریح

حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں:

پہلے فرمایا تھا کہ مسلمان بدون (یعنی بغیر) امتحان کے یونہی نہیں چھوڑے جاسکتے، بلکہ بڑے بڑے عزائم اعمال مثلاً جہاد وغیرہ میں انکی ثابت قدمی دیکھی جائے گی اور یہ کہ تمام دنیا کے تعلقات پر کس طرح خدا و رسول کی جانب کو ترجیح دیتے ہیں اس رکوع میں یہ بتلایا کہ خدا کی مساجد حقیقۃً ایسے ہی اولوالعزم مسلمانوں کے دم سے آباد رہ سکتی ہیں جبکہ ان میں خدائے واحد کی عبادت اسکی شان کے لائق ہو ”ذکر اللہ“ کرنے والے کثرت سے موجود ہوں، جو بے روک ٹوک خدا کو یاد کریں، لغویات و خرافات سے ان پاک مقامات کو محفوظ رکھیں، یہ مقصد کفار و مشرکین سے کب حاصل ہو سکتا ہے؟ دیکھیں مشرکین مکہ بڑے فخر سے اپنے کو ”مسجد حرام“ کا متولی و خادم کہتے تھے۔ مگر ان کی بڑی

خدمت گزاری یہ تھی کہ پتھر کی سینکڑوں مورتیاں کعبہ میں رکھ چھوڑی تھیں ان کی نذر و نیاز کرتے اور منتیں مانتے تھے، بہت سے لوگ ننگے طواف کرتے تھے ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے اور خدا واحد کے سچے پرستاروں کو وہاں تک پہنچنے کی اجازت نہ دیتے تھے، لے دے کر ان کی بڑی خدمت یہ تھی کہ حاجیوں کے لئے پانی کی سیبلیں لگادیں، حرم شریف میں چراغ جلا دیا، یا کعبہ پر غلاف چڑھا دیا یا کبھی ضرورت ہوئی تو شکست و ریخت کی مرمت کرا دی، مگر یہ اعمال محض بے جان اور بے روح تھے۔ کیونکہ جب مشرک کو خدا کی صحیح معرفت حاصل نہیں تو کسی عمل میں اس کا قبلہ توجہ اور مرکز اسلام خدائے وحدہ لا شریک، کی ذات منبع الکمالات نہیں ہو سکتی اس لئے کافر کا کوئی عمل خدا کے نزدیک زندہ اور معتد بہ نہیں ہے، (اسی کو حَبَطَتْ أَعْمَالُهُمْ سے تعبیر فرمایا) الغرض کفار و مشرکین جو اپنے حال و قال سے اپنے کفر و شرک پر ہر وقت شہادت دیتے رہتے ہیں، اس لائق نہیں کہ ان سے مساجد اللہ خصوصاً مسجد حرام کی حقیقی تعمیر (آبادی) ہو سکے۔ (تفسیر عثمانی)

”أَنْ يَّعْمُرُوا“ کا ترجمہ عمارت عربی محاورہ میں ضد ہے ویرانگی کی، سو عمارت کے تحت میں مسجدوں کا آباد کرنا، ان میں داخل ہونا، انکی تعمیر کرنا، انکی خدمت کرنا سب کچھ آگیا۔“

عمارة المسجد تكون بمعنيين احدهما زيارته والكون فيه والاخر بنيانه وتجديد ما القزم منه (جصاص). (تفسير ماجدي)

مشرکوں کا اعتبار نہیں

”اس سے پہلے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ کفر و شرک کے اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں ان کی تمام تر زندگی باطل پرستانہ سعی و کوشش کی مجسم تصویر ہوتی ہے، وہ اگر بعض اعمال صالحہ کے پابند ہوں، فرشتے بن کر لوگوں کے سامنے آئیں، اور اپنی معصومیت سے عوام الناس کو فریفتہ کر کے انہیں یہ بتا دیں کہ ہم تمہارے مقدس مقامات کا احترام کریں گے تمہارے مذہبی و سیاسی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہ کریں گے اور تمہیں ہر طرح آرام پہنچانے کی کوشش عمل میں لائیں گے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ ان جھوٹے وعدوں پر ہرگز اعتماد نہ کریں اور انکی باتوں میں آکر جنگ سے باز نہ رہیں، کیونکہ یہ اعلان صرف اس لئے کیا جاتا ہے کہ فرزند ان اسلام ان کے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوں اور جہاد نہ شروع کر دیں ان لوگوں کے وعدوں پر اعتماد کرنا خود اپنے آپ کو تباہ کرتا ہے وہ ان وعدوں کے کبھی پابند نہ ہونگے،“ (تفسیر الفرقان)

طلبہ کے لئے آیت کے الفاظ کی آسان تفسیر

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ مَا صَحَّ لَهُمْ وَمَا اسْتَقَامَ أَنْ يَّعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ

مسجد اللہ مکی و بصری یعنی المسجد الحرام، و انما جمع فی القراءة بالجمع لا نه قبله المساجد فعامره كعامر جميع المساجد ولان كل بقعة منه مسجد او أريد جنس المساجد

وإذا لم يصلحوا لأن يعمرُوا جنسها دخل تحت ذلك أن لا يعمرُوا المسجد الحرام الذي هو صدر الجنس وهو أكد إذ طريقه طريق الكناية كما نقول: فلان لا يقرأ كتب الله فإنه انفى لقراءة القرآن من تصرحك بذلك شَهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ يَكْفُرُ باعترافهم بعبادة الأضام وهو حال من الواو فى يعمرُوا والمعنى ما استقام لهم أن يجمعوا بين امرين متضادين عمارة متعبدات الله مع الكفر بالله وعبادته أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ع وَفِي النَّارِهِمْ خَالِدُونَ دائمون (المدارك)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُهَا ١٨

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ

اللہ تعالیٰ کی مسجدیں وہی آباد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور نماز

الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَقَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ

قائم کی اور زکوٰۃ دی اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرا سو وہ لوگ

أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿١٨﴾

امیدوار ہیں کہ ہدایت والوں میں سے ہوں

خلاصہ

مساجد کو آباد رکھنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو دل سے اللہ، رسول اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز، زکوٰۃ اور اسلامی فرائض کی پابندی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اس لئے مساجد کی حفاظت اور تطہیر کی خاطر جہاد کے لئے تیار رہتے ہیں ایسے مؤمنین جو دل، زبان، ہاتھ پاؤں، مال و دولت ہر چیز سے اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار ہیں ان کا فرض منصبی ہے کہ مساجد کو آباد رکھیں اور تعمیر مساجد کے جھوٹے دعوے رکھنے والے مشرکین کو خواہ وہ اہل قرابت ہی کیوں نہ ہوں وہاں سے نکال باہر کریں کیونکہ ان کے وجود سے مساجد اللہ کی آبادی نہیں بربادی ہے۔ (خلاصہ تفسیر عثمانی وغیرہ)

نکتہ

مساجد کی حفاظت جہاد سے ہے اور جہاد کی دعوت اور تربیت مساجد سے ہے مساجد آباد کرنا ایمان والے مجاہدین کا کام ہے، مجاہدین مساجد سے دور ہوتے ہیں تو ان کا جہاد کمزور پڑ جاتا ہے۔ مجاہدین کے ذمہ لازم ہے کہ مساجد کو آباد رکھیں اور مساجد کی حفاظت کریں۔ آیت مبارکہ میں غور فرمائیں اور اس کے سیاق و سباق (آگے پیچھے کی آیات) کو دیکھیں تو یہ نکتہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فوائد

۱ آیت میں ایمان باللہ کا ذکر ہے ایمان بالرسول کا نہیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ ایمان باللہ میں ایمان بالرسول خود بخود آگیا کیونکہ یہ دونوں لازم ملزوم ہیں اور کلمہ شہادت سے لیکر اذان اقامت اور شہد میں دونوں کا تذکرہ ساتھ ساتھ ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں نماز اور زکوٰۃ کا بھی تذکرہ ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کو رسول لائے

ہیں اس لئے ایمان بالرسول بھی ثابت ہو گیا۔ ولم یذكر الايمان بالرسول عليه السلام لما علم ان الايمان بالله قرينة الايمان بالرسول لا قترانها في الاذان والاقامة وكلمة الشهادة وغيرها، اودل عليه بقوله وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ (المدارك)

۲ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے یعنی دین کے معاملے میں غیر اللہ سے ڈر کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے یا اللہ کے سوا کسی سے ڈر کر اس کی عبادت نہ کرے۔ طبعی خوف مراد نہیں ہے درندے اور سانپ بچھو سے ڈرنا اس کے منافی نہیں ہے۔

إن قيل : ما من مؤمن إلا وقد خشي غير الله، وما زال المومنون والا نبياء يخشون الاعداء من غير هم قيل له : المعنى ولم يخش الا الله مما يعبد فان المشركين كانوا يعبدون الاوثان ويخشونها ويرجونها جواب ثانى لم يخف فى باب الدين الا الله (القرطبي)
اور یہ جوارشاد فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے اس کے معنی یہ ہیں کہ دین کے معاملہ میں کسی کے خوف سے اللہ کے حکم کو ترک نہ کرے ورنہ خوف کی چیزوں سے ڈرنا اور دہشت کھانا تو تقاضائے عقل و فطرت ہے، درندے اور زہریلے جانور، چور ڈاکو سے طبعی طور پر ڈرنا اس کے خلاف نہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب جادوگروں نے رسیوں کے سانپ بنا کر دکھلائے تو ڈر گئے۔

فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَى، اس لئے ایذا اور نقصان پہنچانے والوں سے طبعی خوف نہ حکم قرآنی کے خلاف ہے، نہ رسالت اور ولایت کے، ہاں اس خوف سے مغلوب ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکام میں خلل ڈالنا یا ان کو ترک کر دینا یہ مؤمن کی شان نہیں، یہی اس جگہ مراد ہے۔ (معارف القرآن)

۳ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مساجد کی تعمیر و عبادت میں کیا کیا کام آتے ہیں؟ امام نسفی لکھتے ہیں:

عمار تها رم ما استترم منها وقمها و تنظيفها وتنويرها بالمصابيح وصيانتها مما لم تبني له المساجد من احاديث الدنيا لأنها بنيت للعبادة والذكر ومن الذكر درس العلم
۱ مسجد میں ٹوٹ پھوٹ ہو جانے پر اسکی اصلاح کرنا ۲ جھاڑ دینا ۳ اسے پاک صاف رکھنا ۴ چراغوں وغیرہ سے روشنی کا انتظام کرنا ۵ وہ چیزیں جن کیلئے مساجد کو نہیں بنایا گیا جیسے دنیا کی باتیں وغیرہ ان سے مساجد کی حفاظت کرنا۔ مساجد تو عبادت اور ذکر کیلئے بنائی گئی ہیں اور ذکر میں علم پڑھنا پڑھانا بھی شامل ہے۔ (المدارك)
تفسیر مظہری میں ہے:

عمارت مساجد سے اس جگہ مراد ہے ہمیشہ عبادت، ذکر الہی اور علم و قرآن کی تعلیم سے مسجدوں کو آباد رکھنا۔ مسجدوں کی آباد کاری کے ذیل میں آتا ہے مسجد کو بنانا، سجانا، روشن کرنا، اور نامناسب امور سے اس کی حفاظت کرنا مثلاً خرید و فروخت اور دنیا کی باتوں سے اس کو پاک کرنا۔ (مظہری)

انوارالبیان میں ہے:

مسجد بنانا اور اس کا نظم و نسق سنبھالنا، مرمت کرنا، نمازیوں کی واقعی ضرورتیں پوری کرنا یہ سب مسجد کی آبادکاری میں داخل ہے لیکن مسجد کی آبادکاری جو دوسری شان سے ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مساجد کو نمازیوں سے، ذکر سے، تلاوت سے، تعلیمی حلقوں سے تدریس قرآن سے آباد رکھا جائے کیونکہ مسجد کی اصل بناء انبی امور کے لئے ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مسجد کا دھیان رکھتا ہے تو اس کے لئے ایمان کی گواہی دے دو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنِ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (مشکوٰۃ عن الترمذی وابن ماجہ)۔ (تفسیر انوارالبیان)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد نبوی شریف میں جہاد کی باقاعدہ دعوت دی جاتی تھی وہیں سے جہاد کا اعلان ہوتا تھا جہاد کیلئے اموال جمع کیے جاتے تھے اور جہاد کی تشکیل ہوتی تھی۔ مساجد کو ان کاموں سے بھی آباد رکھنا چاہیے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

۲) فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَن يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ

ایسے لوگوں کیلئے وعدہ ہے کہ وہ اپنے مقصود کو پہنچ جائیں گے جو نجات اور جنت ہے (ماجدی) یعنی اللہ تعالیٰ ان کو جنت تک پہنچنے کا راستہ بتا دے گا۔ دنیا میں اللہ کی طاعت اور عبادت میں لگنا نصیب ہوگا اور پھر یہ طاعت اور عبادت جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ بن جائے گی۔ (انوارالبیان)

فائدہ

تفسیر ابن کثیر اور دیگر تفاسیر میں اس آیت کے ذیل میں فضائل مساجد پر احادیث جمع فرمائی ہیں۔ تعمیر مساجد کی فضیلت، مساجد میں صفائی کرنے کی فضیلت، مساجد میں بیٹھنے کی فضیلت وغیرہ اور وہ روایات بھی جمع فرمائیں ہیں جن میں مساجد کو دنیاوی باتوں سے پاک رکھنے کی تاکید ہے۔

اہل اسلام کو چاہیے کہ مساجد کی طرف لوٹ آئیں اور مساجد کو خوب خوب آباد کریں، دنیا بھر کی مساجد کی حفاظت کریں اور مساجد کی آزادی اور حفاظت کی خاطر جہاد کریں اور دینی تحریکوں کو چاہیے کہ وہ ہالوں اور ہوٹلوں کے بجائے مساجد کو آباد کریں اس سے انکی تحریکیں فتنوں سے محفوظ رہیں گی اور ان میں خالص دینی روح پیدا ہوگی۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُهَا ١٩

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ أَمَنَ

کیا تم نے حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد کرنا اس کے برابر کر دیا جو

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَهْدٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ

اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑا اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ برابر نہیں

عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝١٩

ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو راستہ نہیں دکھاتا

خلاصہ

حاجیوں کو پانی پلانے والے اور مسجد حرام کی تعمیر و خدمت کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے، جو ایمان لائے اور جنہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کیا..... جو ایمان نہیں لائے وہ کبھی ایمان والے مجاہدین کے برابر نہیں ہو سکتے خواہ کعبہ شریف کی جتنی خدمت کر لیں اور حاجیوں کا جتنا اکرام کر لیں..... اور جو ایمان لائے ہیں ان میں بھی جہاد کرنے والے مؤمن ان مسلمانوں سے افضل ہیں جو حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور مسجد حرام کی تعمیر و خدمت میں مشغول رہتے ہیں..... یعنی جہاد فی سبیل اللہ ”احب الاعمال الی اللہ“ ہے..... اللہ تعالیٰ ایسی باتوں کی سمجھ ظالموں کو عطا نہیں فرماتے.....

اقوال وحوالے

ترک جہاد کے دوسرے عذر کی نفی

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

مسلمان مسجد میں بیٹھ کر ذکر و فکر کرنے اور ان کے آباد رکھنے کو ترک جہاد کا عذر نہیں بنا سکتے۔ (حاشیہ حضرت

لاہوریؒ)

ایمان بھی افضل اور جہاد بھی افضل

”ایمان اور جہاد میں سے ہر ایک افضل ہے سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے) اور عمارۃ (مسجد حرام کی تعمیر) ہر ایک سے یعنی ایمان بھی دونوں سے افضل ہے اور اس سے جواب ہو گیا مشرکین کا کہ ان میں ایمان نہ تھا اور جہاد بھی دونوں سے افضل ہے اس سے جواب ہو گیا بعض مؤمنین کا جو ایمان کے بعد سقایہ اور عمارت کو جہاد سے افضل سمجھتے

تھے۔ (بیان القرآن ”تسہیل“)

جہاد مسجد حرام کا متولی بننے سے بھی افضل ہے

”اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تو تمام اعمال سے افضل ہے ہی، جہاد فی سبیل اللہ بھی حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بال اور تولیت سے افضل ہے۔“

اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اصل مقصود جہاد کی فضیلت کا بیان ہے

مفسرین حضرات نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا جامع خلاصہ حضرت شیخ الاسلام کی اس تحریر میں ملاحظہ فرمائیں۔

”مشرکین مکہ کو اس پر بڑا ناز تھا کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے، انہیں پانی پلاتے، کھانا کپڑا دیتے اور مسجد حرام کی مرمت یا غلاف کعبہ یا روشنی وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں اگر مسلمان اپنے جہاد و ہجرت وغیرہ پر نازاں ہیں تو ہمارے پاس عبادات کا یہ ذخیرہ موجود ہے۔ ایک زمانہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلے میں اس طرح کی بحث کی تھی بلکہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ چند مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے (یعنی بحث کر رہے تھے) کوئی کہتا تھا کہ میرے نزدیک اسلام لانے کے بعد حاجیوں کو پانی پلانے سے زیادہ کوئی عبادت نہیں۔ دوسرے نے کہا میرے خیال میں اسلام کے بعد بہترین عمل مسجد حرام کی خدمت ہے مثلاً جھاڑو دینا یا روشنی وغیرہ کرنا تیسرا بولا کہ جہاد فی سبیل اللہ تمام عبادات و اعمال سے افضل و اشرف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا کہ تم ”جمعہ“ کے وقت منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر اس طرح بحثیں کر رہے ہو، ذرا صبر کرو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے فارغ ہو جائیں گے آپ سے یہ چیز دریافت کر لی جائے گی چنانچہ جمعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ أَجَعَلْتُمْ بَيْنَا وَبَيْنَهُ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا ظاہری طور پر بسانا، ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ میں سے کسی ایک کے برابر عمل نہیں ہو سکتا افضل ہونا تو کجا؟ (یعنی افضل ہونا تو دور کی بات ہے) یہاں جہاد کیساتھ ایمان باللہ کا ذکر یا تو اس لئے کیا کہ مشرکین کے فخر و غرور کا جواب بھی ہو جائے کہ تمام عبادات کی روح ایمان باللہ ہے، اس روح کے بغیر حاجیوں کو پانی پلانا یا مسجد حرام کی خدمت کرنا محض مردہ عمل ہے۔ تو یہ بے جان اور مردہ عمل ایک زندہ جاوید عمل کی برابری کیسے کر سکتا ہے؟ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْأَعْمَىٰ وَالْأَعْمَىٰ (فاطر رکوع ۳) اور اگر مؤمنین کے باہمی اعمال کا موازنہ کرنا ہے تو ایمان باللہ کا ذکر جہاد فی سبیل اللہ کی تمہید کے طور پر ہوگا۔ اصل مقصود جہاد وغیرہ عزائم اعمال کی فضیلت کا بیان فرمانا ہے ایمان کے ذکر سے تنبیہ فرمادی کہ جہاد فی سبیل اللہ ہو یا کوئی عمل ایمان کے بغیر بیچ اور لاشعے محض ہے..... ان عزائم اعمال جہاد و ہجرت وغیرہ کا تقوُّم بھی ایمان باللہ سے ہوتا ہے اور اس نکتہ کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو فہم سلیم رکھتے

ہیں ظالمین (بے موقع کام کرنے والوں) کی ان حقائق تک رسائی نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی ”تسہیل“)

خود کو جہاد سے مستثنیٰ کرنے والوں کو تنبیہ

”گزشتہ آیات میں ابتدائی تعلیم (یعنی بنیادی احکام) پر زور دیا گیا تھا، اب ایک شخص اسی کو اپنی زندگی کا انتہائی مقصد بنا لیتا ہے اور کہتا ہے نماز پڑھنا اور دوسرے لوگوں کو چند اعمال کا پابند کرنا ہی حقیقت اسلام ہے، ان ہی باتوں کو وہ اعلیٰ تعلیم خیال کرتا ہے (یعنی مکمل دین) اور انکی وجہ سے اپنے آپ کو حقیقی جہاد فی سبیل اللہ سے مستثنیٰ کرنا چاہتا ہے، مگر حسب ذیل آیات حقیقت کو یوں بے نقاب کرتی ہیں۔ اَجْعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ خ آگے لکھتے ہیں:

قرآن نے دوسری جگہ اسی (جہاد فی سبیل اللہ) کو احب الاعمال الی اللہ قرار دیا اور فرمایا
 اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُعَارِلُوْنَ رِىْ سَبِيْلِهِ صَفًا كَا تَهْمُ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (۴:۶۱)
 آگے لکھتے ہیں:

اس طرح یقین کر لو کہ مساجد الہی کی تعمیر اور مجاہد فی سبیل اللہ میں برابر کوئی نسبت نہیں اور جو یہ خیال کرے کہ دونوں برابر ہیں تو قرآن حکیم ان کو ظالم کے نام سے یاد کرتا ہے اس لئے کہ قوموں کی حیات و ممات کے راز سے وہ واقف نہیں، اگر تمہیں خیال ہو کہ احادیث میں افضل الاعمال نماز کو کہا گیا ہے تو وہ بھی اپنے درجہ میں ٹھیک ہے، یعنی انفرادی حیثیت میں وہی بہترین عمل ہے مگر جب قوم کی زندگی اور موت کا سوال ہوگا تو اس وقت اعلیٰ ترین عمل یہی جہاد فی سبیل اللہ قرار دیا جائے گا۔ (تفسیر الفرقان)

نکتہ

پچھلی آیت میں یہ سبق تھا کہ مجاہدین مساجد کی تعمیر کریں، انہیں آباد رکھیں اور انکی حفاظت و تطہیر کریں یہ انکی لازمی ذمہ داری ہے..... اور اس آیت میں یہ سبق ہے کہ مساجد کی آبادی حتیٰ کہ مسجد حرام کعبہ شریف کی آبادی اور خدمت بھی جہاد فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہے..... دراصل حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر و خدمت کرنا ایسے اعمال ہیں جن میں بے حد روحانی کشش ہے اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان انہیں میں مشغول ہو کر جہاد سے منہ موڑ لیں..... یہ کام بھی مسلمانوں نے خود ہی کرنے ہیں مگر ساتھ ساتھ انہوں نے فریضہ جہاد کو بھی زندہ رکھنا ہے اور جہاد ان کاموں سے افضل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؓ نے غالباً اسی آیت کے مفہوم کو سامنے رکھ کر عابد الحرمین حضرت فضیل بن عیاضؓ کو وہ اشعار لکھے تھے جو مشہور عالم ہیں۔

يا عابد الحرمين لو ابصرتنا

لعلمت انك بالعبادة تلعب

حضرت فضیل بن عیاضؓ نے بھی ان کے اس دعوے کی تصدیق فرمائی کہ جہاد فی سبیل اللہ بے شک زیادہ فضیلت

والاعمال ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

پس مجاہدین کرام کو جہاد فی سبیل اللہ جاری رکھتے ہوئے مساجد کی تعمیر و آبادی اور حفاظت کی ترتیب بنانی چاہیے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو راستہ نہیں دیتا۔

”آخر آیت میں وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ فرما کر بتلادیا کہ یہ کوئی دقیق اور باریک بات نہیں بلکہ

بالکل واضح ہے کہ ایمان سارے اعمال کی بنیاد اور ان سب سے افضل ہے، اور یہ کہ جہاد بہ نسبت عمارت مسجد اور سقاۃ الحجاج کے افضل ہے، مگر اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو سمجھ نہیں دیتا اس لئے وہ ایسی کھلی اور ظاہری باتوں میں بھی کج بحثی کرتے رہتے ہیں۔ (معارف القرآن)

تھوڑا سا غور فرمائیں

آج اگر ایک مسلمان کو یہ سعادت نصیب ہو جائے کہ وہ اپنے مال سے مسجد حرام اور خانہ کعبہ کی تعمیر اور دیکھ بھال کرے اور حجاج کرام کی خدمت کرے تو ایسے مسلمان کو کتنا خوش نصیب سمجھا جائے گا اور بے شک وہ ہے بھی خوش نصیب..... مگر جہاد فی سبیل اللہ کا عمل اس شخص کے عمل سے بھی اعلیٰ اور افضل ہے پس مجاہد کی خوش نصیبی کا خود اندازہ لگا لیجئے..... واللہ اعلم بالصواب

سعادت تو جان و مال کی قربانی میں ہے

تفسیر حقانی میں ہے: ”رہا حاجیوں کا پانی پلانا جس پر حضرت عباسؓ کو بھی فخر تھا اور جس کو وہ جہاد اور ہجرت کے برابر سمجھتے تھے اسکی نسبت فرمایا کہ کیا یہ کام اللہ اور قیامت پر ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے برابر ہو سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں یہ کام ان کو سعادت کا راستہ نہیں دکھائے گا۔ سعادت تو جان اور مال اللہ کی راہ میں صرف کرنے سے حاصل ہوتی ہے سو وہ ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ میں ہے۔ (تفسیر حقانی)



سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُهَا ۲۵۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الَّذِينَ اٰمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ

جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے لڑے

وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُونَ ﴿۲۰﴾

اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کیلئے بڑا درجہ ہے اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَدَتْ لَهُمْ فِيهَا نِعِيمٌ

انہیں ان کا رب اپنی طرف سے مہربانی اور رضا مندی اور باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں انہیں

مُقِيمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِينَ فِيهَا اَبَدًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

ہمیشہ کا آرام ہوگا ان میں ہمیشہ رہیں گے بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا ثواب ہے

خلاصہ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے قرب میں بہت اونچا درجہ ہے اور یہی لوگ مکمل اور پورے کامیاب ہیں اللہ تعالیٰ ان کو خوشخبری دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی رحمت کی، اور بڑی رضا مندی کی اور ایسی جنتوں کی جن میں ان کے لئے دائمی نعمتیں ہوں گی یہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر ہے.....

اقوال وحوالے

مبارکبادیاں

ایمان و ہجرت کے بعد جانی اور مالی جہاد کرنے والوں کا درجہ بہت بلند ہے ایسے لوگوں کو رحمت، رضوان اور جنت کی مبارکبادیاں مل رہی ہیں، ان نعمتوں سے کبھی علیحدہ نہیں کیے جائیں گے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

پورے کامیاب یہی لوگ ہیں

اور پورے کامیاب یہی لوگ ہیں کیونکہ ان کے مقابلہ میں جو مشرک ہیں ان کو تو کامیابی کا کوئی درجہ ہی حاصل نہیں اور جو مسلمان ہیں اگرچہ کامیابی میں وہ بھی شریک ہیں مگر ان صفات (ہجرت اور جہاد) والوں کی کامیابی ان سے بڑھی ہوئی ہے اس لئے کامیاب یہی لوگ ہیں۔ (بیان و معارف تسہیل)

انسانیت کے بلند ترین درجے تک پہنچانے والی چار صفات

امام رازیؒ نے یہ عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے:

فقال : ان من كان موصوفا بهذه الصفات الاربعة كان اعظم درجة عند الله الخ

امام رازیؒ کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے:

اس آیت میں بتایا گیا کہ جس شخص میں چار صفات ہوں گی اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا درجہ ہوگا۔ وہ چار یہ ہیں

- ۱ ایمان ۲ ہجرت ۳ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال سے جہاد کرنا ۴ اللہ کے راستے میں جان سے جہاد کرنا۔

ہم نے جو یہ کہا کہ ان چار صفات والے لوگ انتہاء درجے کی بلندی اور مقام پر ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ انسان کے پاس تین ہی چیزیں ہوتی ہیں ۱ روح ۲ بدن ۳ مال۔ جہاں تک روح کا تعلق ہے تو جب اس سے کفر دور ہو گیا اور اس میں ایمان آ گیا تو وہ سعادت کے بڑے مرتبے تک پہنچ گئی۔ باقی رہا بدن اور مال تو ہجرت کی وجہ سے وہ دونوں نقصان میں پڑے اور جہاد کی وجہ سے ان دونوں کو ہلاکت کی جگہ ڈالا گیا۔ ظاہر بات ہے کہ جان اور مال انسان کو محبوب ہیں اور انسان کبھی بھی اپنی محبوب چیز کو ہلاکت میں نہیں ڈالتا مگر اس وقت جب اُسے اس سے بھی زیادہ محبوب چیز ملنے کی اُمید ہو۔ پس اگر مجاہدین کے نزدیک اللہ کی رضا اپنی جان اور مال سے زیادہ محبوب نہ ہوتی تو وہ کبھی اپنی جان و مال کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قربان کرنے پر تیار نہ ہوتے۔ پس ثابت ہو گیا کہ ان چار صفات کا حاصل کرنے والا انسان بشریت کے بلند ترین درجے اور ملائکہ کے پہلے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ (انبیاء علیہم السلام کا درجہ اس سے بہت بلند ہے) (تفسیر کبیر)

صاحب تفسیر حقانی نے بھی اسی مضمون کو تھوڑے سے فرق سے بیان فرمایا ہے طالب علم وہاں سے ملاحظہ فرمائیں یہاں ان کے چند جملے پیش خدمت ہیں آپ اس پر خوب غور فرمائیں۔

واضح ہو کہ انسان کے لئے تین چیزیں ہیں روح، بدن، مال۔ جب تک وہ تینوں کو مہذب اور درست نہ کرے گا سعادت کا منہ نہ دیکھے گا۔ روح کی تہذیب (یعنی پاکی اور اصلاح) یہ ہے کہ اللہ اور قیامت پر ایمان لاوے۔ روح جب منور ہو جاتی ہے تو اپنے حیز طبعی (یعنی اصل مقام) عالم نور اور عالم سرور کی طرف بے خود ہو کر کھینچی جاتی ہے۔ اور مال کے صرف کرنے کا موقع بنی نوع (انسانوں) کی نفع رسانی اور انکو ورطہ ہلاکت جاودانی (یعنی ہمیشہ کی ہلاکت) سے نکال کر کرسی سعادت پر بٹھانے میں ہے اور اپنے محبوب حقیقی (اللہ تعالیٰ) کا نام پاک زمین پر روشن کرنے میں ہے اور اس راستہ میں جو سہ راہ (یعنی رکاوٹ) ہیں ان کو دور کرنے میں ہے اور اس کا نام جہاد ہے۔ جہاد کیا ہے؟ گویا جلتوں کو آگ میں سے نکالنا یا ڈبوتوں کو تھامنا ہے۔ اس میں جان اور بدن اور مال تینوں صرف ہوتے ہیں اور انکی پوری تہذیب (یعنی پاکی اور اصلاح) اور آراستگی ہو جاتی ہے اور یہ لوگ گویا ہمیشہ کیلئے توحید اور حق

پرستی کا نشان زمین پر چھوڑ جاتے ہیں..... جس کے صلہ میں ان کو سعادت عظمیٰ اور حیات جاودانی عطا ہوتی ہے۔ اس لئے اول ان کے مساعی جمیلہ کو بیان فرماتا ہے أَمِنُوا وَهَاجِرُوا وَجَهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ..... الخ یہ تین کام ہوئے ایمان لانا، ہجرت کرنا، جہاد کرنا، اب ان کے نتائج ذکر کرتا ہے أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةٍ عِنْدَ اللَّهِ ان کا درجہ خدا کے نزدیک بہت بڑا ہے یہ ایک بات ہوئی وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ اور وہی کامیاب اور بامراد ہیں یہ دوسری بات ہوئی۔ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ کہ ان کا رب اپنی رحمت کی انہیں بشارت دیتا ہے ان کا رب اپنی رحمت اور جو کچھ مقام عشق میں لطف دے رہا ہے وہ بیان سے باہر ہے یہ تیسری بات ہوئی اس تیسری بات میں پھر تین چیزیں ہیں، اول رضوان، اپنی خوشنودی کی بشارت کہ اللہ ان سے ہمیشہ خوش رہے گا۔ دوم جنت یعنی ایسے باغ ملیں گے کہ جن میں نعیم و ناز دائمی ہیں۔ سوم اس میں ہمیشہ رہا کریں گے یہ تین انعام تو ان کے تین مساعی جمیلہ (ایمان، ہجرت، جہاد) کے بدلہ میں تھے مگر اپنی طرف سے خدا تعالیٰ ایک اور بہت بڑے انعام کی خوشخبری سناتا ہے وہ ہے اجر عظیم اسکی تفسیر میں علماء کے بہت اقوال ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ أَجْرٌ عَظِيمٌ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی اجر نہیں۔ (تفسیر حقانی تسہیل)

ایمان، ہجرت اور جہاد کا بدلہ رحمت، جنت اور رضوان

امان ابو حیان نے تفسیر البحر المحیط میں یہ ایمان افروز نکتہ لکھا ہے..... پہلے عربی عبارت ملاحظہ فرمائیں کہ اس میں خوب چاشنی ہے۔

ولما كانت الاوصاف التي تحلوا بها وصاروا بها عبیده حقيقة هي ثلاثة الايمان والهجرة والجهاد بالمال والنفس قبولوا في التبشير بثلاثة الرحمة والرضوان والجنات فبدأ بالرحمة لانها الوصف الاعم الناشئ عنها تيسير الايمان لهم وثني بالرضوان لانه الغاية من احسان الرب لعبده وهو مقابل الجهاد اذ هو بذل النفس والمال، وقدم على الجنات لان رضاء الله عن العبد افضل من اسكانهم الجنة وفي الحديث الصحيح "ان الله تعالى يقول يا اهل الجنة هل رضيتم؟ فيقولون يا ربنا كيف لانرضى وقد باعدتنا عن نارك، وادخلتنا جنتك، فيقول لكم عندي افضل من ذلك فيقولون: وما افضل من ذلك؟ فيقول: احل عليكم رضائي فلا اسخط عليكم بعدها واتى ثالثا بقوله وَجَدْتُمْ لَكُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ اي دائم لا ينقطع وهذا مقابل لقوله وهاجروا لانهم تركوا اوطانهم التي نشؤوا فيها وكانوا فيها منعمين فاثروا الهجرة على دار الكفر إلى مستقر الايمان والرسالة فقولوا ذلك بالجنات ذوات النعيم الدائم (البحر المحیط)

یعنی وہ صفات تین ہیں جن سے مزین ہو کر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حقیقی بندے بنے ❶ ایمان ❷ ہجرت ❸ مال و جان سے جہاد..... تو انہیں اُن کے مقابلے میں تین چیزوں کی خوشخبری دی گئی ❶ رحمت ❷ اللہ پاک کی رضا ❸ جنت۔ ان تین انعامات میں سب سے پہلے رحمت کو ذکر فرمایا جو سب سے عام اور ضروری ہے جو ایمان کی بدولت نصیب ہوتی ہے پھر اس کے بعد رضوان کو لایا گیا یعنی اللہ پاک کی رضا، کیونکہ یہ اللہ پاک کا اپنے بندے پر سب سے بڑا احسان ہے اور یہ جہاد کا بدلہ ہے کیونکہ جہاد میں جان و مال کی قربانی ہوتی ہے اور ”رضوان“ (یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا) کا تذکرہ جنت سے پہلے فرمایا کیونکہ اللہ پاک کی رضا جنت میں داخل کرنے سے زیادہ افضل نعمت ہے حدیث صحیح میں آیا ہے اللہ تعالیٰ جنت والوں سے فرمائے گا کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم کیسے راضی نہ ہوں آپ نے ہمیں اپنی آگ سے بچایا اور جنت میں داخل فرمایا اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے پاس تمہارے لئے اس سے بھی بڑھ کر افضل چیز ہے وہ عرض کریں گے اس سے افضل کیا چیز ہے اللہ پاک فرمائے گا میں تم سے راضی ہو گیا اب کبھی ناراض نہیں ہوں گا..... اور تیسرے نمبر پر جنتوں کی ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتوں کا ذکر فرمایا یہ ہجرت کا بدلہ ہے کیونکہ انہوں نے اپنے وطن چھوڑے جن میں وہ پہلے بڑھے تھے اور انہیں وہاں ہر طرح کی سہولتیں میسر تھیں مگر انہوں نے مرکز ایمان و رسالت کی طرف ہجرت کو ترجیح دی تو اس کے بدلے میں ان کو جنتوں کی دائمی نعمتیں عطا کی جائیں گی۔

حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:

پہلی آیت میں تین چیزوں کا ذکر تھا ❶ ایمان ❷ جہاد ❸ ہجرت۔ ان تین پر بشارت بھی تین چیزوں کی دی ❶ رحمت ❷ رضوان ❸ خلود الجنۃ۔ ابو حیانؒ نے لکھا ہے کہ رحمت ایمان پر مرتب ہے، ایمان نہ ہو تو آخرت میں خدا کی رحمت و مہربانی سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا اور رضوان جو بہت ہی اعلیٰ مقام ہے جہاد فی سبیل اللہ کا صلہ ہے مجاہد فی سبیل اللہ تمام نفسانی حظوظ و تعلقات ترک کر کے خدا کے راستے میں جان و مال نثار کرتا ہے اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے انتہائی قربانی پیش کرتا ہے۔ لہذا اس کا صلہ بھی انتہائی ہونا چاہیے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی رضا کا مقام ہے۔ باقی ”ہجرت“ وہ خدا کیلئے وطن مولوف اور گھر بار چھوڑنے کا نام ہے۔ اس لئے مہاجر کو خوشخبری دی گئی کہ تیرے وطن سے بہتر وطن اور تیرے گھر سے بہتر گھر تجھ کو ملے گا جس میں ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی آرائش و راحت سے رہنا ہوگا، جس سے ہجرت کرنے کی کبھی نوبت نہ آئے گی۔ (تفسیر عثمانی)

کامیاب لوگ

تفسیر الفرقان میں ہے:

”حدیث میں آتا ہے: انا امرکم بخمس اللہ امرنی بہن، الجماعة، والسمع، والطاعة، والهجرة، والجہاد فی سبیل اللہ میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے ایسا ہی ارشاد ہوا ہے، لزوم جماعت، احکام کا سننا، اطاعت امیر، ترک وطن اور جہاد فی سبیل اللہ پس کامیاب وہی رہیں گے

جو اس اعلیٰ تعلیم کی جانب قدم بڑھائیں گے اور اپنی زندگی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وقف کر دیں گے، اس کے اختیار کرنے سے انسان کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں: ان السیف محاءٌ للخطایا (احمد) اور جنت کے ابواب بھی اسی تلوار کے سائے میں ہیں: ان ابواب الجنة تحت ظلال السیوف (مسلم) پھر کون ہے جو اس جنت کا خریدار ہے۔ (تفسیر الفرقان)

جنت کی نعمتیں ہمیشہ کے لئے

”مُعِیْمٌ“ کے لفظ نے اسے صاف کر دیا کہ انعامات جنت جتنے بھی ہوں گے مستقل، پائیدار، دائمی ہوں گے مسافر انداز کے وقتی، عارضی نہ ہوں گے۔ استعارة للدائم (روح) دائم (بیضاوی) بِرَحْمَةٍ اور رِضْوَانٍ کے صیغہ نکرہ رحمت اور رضوان الہی کی عظمت و کثرت کے اظہار کے لئے ہیں۔ نکر الرحمة والرضوان للتفخيم والتعظيم (بحر) اَبَدًا یہاں خلود کے ساتھ اَبَدًا کی بھی تصریح اس لئے کر دی ہے کہ محض خلود کے معنی زمانہ طویل کے بھی آتے ہیں اکد الخلود بالتأیید لانه قد يستعمل للمکث الطویل (بیضاوی) اور یہ حقیقت ایک بار اور صاف ہو گئی ہے کہ اجر جنت، عظیم و گرانقدر ہونے کے ساتھ ساتھ دائمی اور لازوال اور غیر منقطع بھی ہوگا۔ (ماجدی) اَعْظَمُ دَرَجَةٍ عِنْدَ اللّٰهِ میں اسم تفضیل کا صیغہ لانے پر جو ظاہری اشکال محسوس ہوتا ہے امام رازیؒ نے اس کے تین جوابات بیان فرمائے ہیں، طلبہ علم تفسیر کبیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ پاک کی رضا کے طلب گار

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ سے ایک مومن کو اللہ پاک کے قرب خاص (جس کا اشارہ عند اللہ کے لفظ میں ہے) میں بڑے درجات ملتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ پاک کی رضا نصیب ہوتی ہے۔ پس مسلمانوں کو جہاد میں سبقت کرنی چاہیے اور وہ لوگ جنہوں نے جہاد کو اپنی زندگیوں سے یکسر نکال دیا ہے ان کو فکر کرنی چاہیے۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكْنِيَّةٌ آیت ۲۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِن

اے ایمان والو! اپنے باپوں اور بھائیوں سے دوستی نہ رکھو اگر وہ ایمان

اَسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ

پر کفر کو پسند کریں اور تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے گا سو وہی

هُمْ الظَّالِمُونَ ﴿۲۳﴾

لوگ ظالم ہیں

خلاصہ

ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور حکم پر قریبی رشتہ داروں کو ترجیح نہ دیں۔ اور اگر ان کے قریبی رشتہ دار کفر پر پکے ہوں تو ان سے دوستی نہ رکھیں جس نے یہ غلطی کی اور اپنے قریبی رشتہ داروں کی محبت میں آکر ہجرت اور جہاد کو چھوڑا تو ایسے لوگ ظالم ہوں گے۔

آیت مبارکہ کا ربط اور جہادی مضامین

﴿۱﴾ کوئی خونی رشتہ جہاد کے لئے رکاوٹ نہ بنے

کوئی دنیاوی تعلق اور کوئی نسلی و خونی رشتہ جہاد سے مانع نہیں ہو سکتا (یعنی یہ چیز جہاد چھوڑنے کا عذر نہیں بن سکتی) (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

﴿۲﴾ وہ تعلقات جو ہجرت و جہاد میں خلل انداز ہوں

”پچھلی آیات میں بتلایا تھا کہ جہاد و ہجرت اعظم و افضل ترین اعمال ہیں۔ بسا اوقات ان دونوں اعمال میں خویش و اقارب، کنبہ اور برادری کے تعلقات خلل انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے فرما دیا کہ جن لوگوں کو ایمان سے زیادہ کفر عزیز ہے، ایک مؤمن انہیں کیسے عزیز رکھ سکتا ہے۔ مسلمان کی شان یہ نہیں کہ ان سے رفاقت اور دوستی کا دم بھرے حتیٰ کہ یہ تعلقات اس کے ہجرت و جہاد سے مانع ہو جائیں، ایسا کرنے والے گناہ گار بن کر اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں“ (تفسیر عثمانی)

﴿۳﴾ جہاد میں اپنے قریبی رشتہ داروں سے لڑنا پڑے تب بھی دریغ نہ کرے

”مسلمانوں کو کفار سے اعلاناً جنگ کا حکم دیا گیا جہاں فریق مخالف میں سے ان کو اپنے بال بچوں، کنبہ برادری

(یعنی خاندان) سے لڑنا پڑتا تھا۔ ایک شخص مسلمان ہوتا تھا اور اس کے باقی رشتہ دار کافر دشمن اسلام ہوتے تھے۔ اور عموماً ہجرت کا حکم بھی صادر ہوا تھا جس میں کنبہ، بھائی، بند اور جگر کے ٹکڑے جدا ہوتے تھے، تجارت بگڑتی تھی، افلاس کا منہ دیکھنا پڑتا تھا یہ ساری باتیں ایسی تھیں جو انسان کو فطری طور پر جہاد و ہجرت سے باز رکھتی تھیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات طے تھی کہ دنیا میں سچائی اور توحید کے انوارات پھیلانے کے لئے مسلمانوں کو مدینہ منورہ میں جمع ہو کر کفر و بت پرستی کی سیاہی کو تھوڑا سا دھونا ہے اس لئے تاکید کے ساتھ حکم فرمایا دیا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کہ اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ اور بھائی کفر کو پسند کریں تو تم ان کو دوست نہ بناؤ اور جو ایسا کرے گا وہ بے انصاف و ظالم ہوگا۔ (تسہیل از تفسیر حقانی)

فائدہ

یہ دراصل امام رازیؒ کی تحقیق ہے وہ اس آیت کو اعلان برائۃ کے ساتھ جوڑتے ہیں کہ جب یہ حکم ملا کہ مشرکوں سے برائۃ یعنی معاہدے ختم اور جنگ شروع ہونے کا اعلان کیا جائے تو مسلمانوں کو اس جنگ کے لئے ذہنی طور پر تیار کیا جا رہا ہے تو جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ کر رشتہ داروں کو ترجیح دی وہ اپنا بہت بڑا نقصان کرے گا..... خود پر بڑا ظلم کرے گا۔

امام صاحبؒ لکھتے ہیں:

اعلم أن المقصود من ذكر هذه الآية ان يكون جوابا عن شبهة اخرى ذكرها في أن البراءة من الكفار غير ممكنة، و تلك الشبهة ان قالوا ان الرجل المسلم قد يكون ابوه كافرا و الرجل الكافر قد يكون ابوه أو أخوه مسلماً و حصول المقاطعة التامة بين الرجل وأبيه وأخيه كالمتعذر الممتنع، و اذا كان الامر كذلك كانت تلك البراءة التي امر الله بها، كالشاق الممتنع المتعذر، فذكر الله تعالى هذه الآية ليزيل هذه الشبهة. (تفسير كبير)

رشتہ داروں کے ساتھ حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تعلق کی مذمت

”آیات مذکورہ میں ہجرت اور جہاد کے فضائل کا بیان آیا ہے، جن میں وطن اور اعزہ، اقارب اور احباب و اصحاب اور احوال و املاک سب کچھ چھوڑنا پڑتا ہے، اور ظاہر ہے کہ انسان کی طبیعت پر یہ کام سب سے زیادہ شاق اور دشوار ہیں، اس لئے اگلی آیت میں ان چیزوں کے ساتھ حد سے زیادہ تعلق اور محبت کی مذمت فرما کر مسلمانوں کے ذہنوں کو ہجرت و جہاد کے لئے مادہ کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْبُوا آبَاءَكُمْ الاية..... ماں باپ، بہن بھائی اور تمام رشتہ داروں سے تعلق کو مضبوط رکھنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے۔ مگر اس آیت میں یہ بتلادیا کہ ہر تعلق کی ایک حد ہے، ان میں سے ہر تعلق خواہ ماں

باپ اور اولاد کا ہو، یا حقیقی بھائی بہن کا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کے مقابلے میں نظر انداز کرنے کے قابل ہے، جس موقع پر یہ دونوں رشتے ٹکرا جائیں تو پھر رشتہ و تعلق اللہ و رسول کا ہی قائم رکھنا چاہیے، اس کے مقابلہ میں سارے تعلقات سے قطع نظر کرنا چاہیے۔ (بیان و معارف القرآن)

ایک اور عجیب ربط

پچھلی آیات میں ہجرت اور جہاد کرنے والوں کے لئے بہت بڑی بڑی بشارتیں تھیں اس آیت میں اشارہ فرمایا کہ یہ دونوں کام آسان نہیں ہیں ان میں سے اپنے خونی رشتوں سے بھی ٹکراؤ اور جدائی ہوتی ہے اسی لئے مہاجر اور مجاہد اتنے بڑے انعامات کے مستحق ہوتے ہیں تفسیر مدارک وغیرہ میں ہے کہ یہ آیت مکہ مکرمہ سے ہجرت کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب یہ حکم آیا کہ کسی کا ایمان بغیر ہجرت کے قبول نہیں ہوگا تو کچھ لوگ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ منورہ کی طرف بھاگ پڑے جبکہ کچھ کے بیوی، بچے اور رشتہ دار ان سے چٹ گئے اور کہنے لگے کہ ہم تو تمہارے بغیر برباد اور ضائع ہو جائیں گے۔ اس وقت ان لوگوں نے یہ خوفناک غلطی کی کہ دل کی نرمی کا شکار ہو کر مکہ مکرمہ رک گئے اور ہجرت سے محروم رہے۔ ایسے لوگوں کو ظالم قرار دیا گیا۔ الغرض ہجرت اور جہاد کا کافی مشکل اعمال ہیں پچھلی آیات میں ہجرت و جہاد کرنے والوں کے لئے بشارتیں تھیں۔ اور اس آیت میں ہجرت و جہاد چھوڑنے والوں کے لئے وعید ہے..... امام رازیؒ نے اشکال فرمایا ہے کہ یہ سورۃ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تو ان آیات کو مکہ سے ہجرت پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے؟..... علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں جواب دیا ہے کہ سورۃ توبہ کے فتح مکہ کے بعد نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سورۃ کا اکثر حصہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوا چنانچہ بعض آیات کا فتح مکہ سے پہلے نازل ہونا اس کے منافی نہیں بلکہ ممکن ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک سخت وعید

اوپر جو عبارتیں آپ نے پڑھی ہیں ان میں آیت کے آخری حصے فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ کا مطلب بھی واضح ہو گیا..... مگر امام قرطبیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل فرمایا ہے کہ یہاں ظالم مشرک کے معنی میں ہے کہ جو تم میں سے اُن سے دوستی کرے گا وہ ظالم یعنی مشرک ہو جائے گا۔

قال ابن عباس: هو مشرك مثلهم لأن من رضى بالبشرک فهو مشرك (القرطبی)
یعنی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ بھی انکی طرح مشرک ہے کیونکہ جو مشرک پر راضی ہو وہ مشرک ہے۔

اہم سبق

مسلمانوں کو دنیا میں ایک عظیم مقصد کے لئے بھیجا گیا ہے۔ پورے عالم میں اسلام کی دعوت اور سر بلندی کی خاطر مسلمان ہر وقت ہجرت اور جہاد کیلئے تیار رہتا ہے۔ پس اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ خود کو حد سے زیادہ ”گھریلو انسان“

نہ بنالے کہ بس اپنے گھر کا ہو کر اجتماعی ذمہ داریوں سے غافل ہو جائے۔ والدین، اولاد، اہل خانہ اور رشتہ داروں کی محبت خود پر اتنی غالب نہ کر لے کہ پھر انہیں جہاد کی خاطر چھوڑ نہ سکے ہر انسان نے مرجانا ہے۔ وہ لوگ بھی دنیا سے چلے گئے جنہوں نے سب کچھ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ آپ نے پچھلی آیت میں پڑھ لیا کہ ان کے لئے اللہ پاک کے خاص قرب میں خوشیاں ہی خوشیاں نعمتیں ہی نعمتیں اور رحمتیں ہی رحمتیں ہیں۔ اور وہ لوگ بھی مر گئے جو اپنے اہل خانہ اور بچوں کے ساتھ چھٹے رہے اور ہجرت و جہاد سے محروم رہے ایسے لوگوں کو مرتے ہی عذاب کا سامنا کرنا پڑا۔ دنیا میں ہر کسی نے دوسرے سے جدا ہونا ہی ہوتا ہے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اللہ پاک کی رضا کے لئے یہ جدائی برداشت کرتے ہیں اور دنیا و آخرت میں اس کا خوب خوب بدلہ پاتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اصل رشتہ اسلام و ایمان کا رشتہ ہے نسبی و ملکی تعلقات سب اس پر قربان کرنے ہیں

” (اس آیت سے سمجھ آنے والا) ایک بنیادی مسئلہ (یہ) ہے کہ رشتہ داری اور دوستی کے سارے تعلقات پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق مقدم ہے، جو تعلق اس سے ٹکرائے وہ توڑنے کے قابل ہے، صحابہ کرام کا وہ عمل جس کی وجہ سے وہ ساری امت سے افضل و اعلیٰ قرار پائے یہی چیز تھی کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان و مال قربان اور ہر رشتہ و تعلق کو قربان کر کے زبان حال سے کہا۔

تو نخل خوش ثمر کیستی کہ سرود و سمن

ہمہ ز خویش بریدند و با تو پیوستند

بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ، سلمان فارسیؓ اور قریش مکہ، انصار مدینہ تو (الگ الگ قوموں، قبیلوں سے ہونے کے باوجود) بھائی بھائی ہو گئے اور بدر اور احد کے میدان میں باپ بیٹے بھائی بھائی کی تلواریں آپس میں ٹکرا کر اسکی شہادت دی کہ ان کا مسلک یہ تھا کہ

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد

فدائے یک تن بیگانہ کا شنا باشد

اللہم ارزقنا اتباعهم واجعل حبک أحبّ الیّنا وخشیتک اخوف الیّنا
عندنا۔ (معارف القرآن)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَةُ ۲۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا

کہہ دے اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں

وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ

اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سودا گری جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو

وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ

اور مکانات جنہیں پسند کرتے ہو تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے

سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ

سے زیادہ پیارے ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجے اور اللہ تعالیٰ

الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ

نافرمانوں کو راستہ نہیں دکھاتا

خلاصہ

اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اس لئے نہیں مانتے..... اور ہجرت اور جہاد اس لئے نہیں کرتے کہ تمہیں خیال ہے کہ اس کی وجہ سے تمہیں اپنے گھر والوں اور خاندان والوں سے جدا ہونا پڑے گا..... اور تمہارے اموال ضائع ہو جائیں گے اور تمہاری تجارت بند ہو جائے گی اور تمہیں آرام دہ مکانوں سے نکل کر بے آرام ہونا پڑے گا..... تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے عذاب کا انتظار کرو..... جو اس تن آسانی اور دنیا طلبی پر آنے والا ہے..... جو مشرکین کے تعلقات یا دنیوی خواہشات میں پھنس کر احکام الہیہ کی تعمیل نہ کریں ان کو حقیقی کامیابی کا راستہ نہیں مل سکتا۔ حدیث میں ہے کہ جب تم بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور ”جہاد“ چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس سے کبھی نہیں نکل سکو گے یہاں تک کہ پھر اپنے دین یعنی جہاد فی سبیل اللہ کی طرف واپس آ جاؤ۔ (تفسیر عثمانی بالتفہیل)

آیت کا موضوع

امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

ثم امر الله تعالى رسوله ان يتوعد من آثر اهله وقرباته وعشيرته على الله ورسوله

وجہاد فی سبیلہ فقال: قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اُن کو وعید سنائیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں) جو اپنے گھروالوں رشتہ داروں اور خاندان والوں کو اللہ، رسول اور جہاد فی سبیل اللہ پر ترجیح دیتے ہیں پس ارشاد فرمایا: قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ (تفسیر ابن کثیر)

ہجرت کے مقابلہ جہاد کا تذکرہ

پہلے ہجرت کی بات چل رہی تھی مگر اس آیت میں ہجرت کا لفظ نہیں ہے بلکہ جہاد کا تذکرہ ہے اسکی ایک وجہ حضرت تھانویؒ یوں بیان فرماتے ہیں:

مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ سے مراد چونکہ من العمل بامر اللہ ورسولہ ہے اس میں ہجرت بھی آگئی اور جہاد کی تصریح سے مقصود مبالغہ ہے کہ ہجرت تو پھر بھی سہل (یعنی آسان) ہے مطلوب تو یہ ہے کہ جہاد کو بھی اشیاء مذکورہ پر ترجیح دی جائے جس میں اپنی جان اور کبھی ان عزیزوں کی جان کو جبکہ ان سے مقابلہ ہو جائے بے قدر اور بیچ سمجھنا پڑتا ہے۔ (بیان القرآن)

”مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ سے مراد من العمل بامر اللہ ورسولہ یعنی احکام خدا اور رسول پر عمل سے عزیز تر وفي الكلام حذف ای احب اليكم من امتثال امر اللہ تعالیٰ ورسولہ (بحر) وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ ہجرت سے ایک درجہ ترقی کر کے یہاں نام جہاد فی سبیل اللہ لے دیا گیا ہے کہ ہجرت تو پھر بھی ہلکی چیز ہے مسلمانوں کو تو جہاد کو بھی ہر دنیوی و مادی تعلق پر غالب رکھنا چاہیے۔“ (تفسیر ماجدی)

فائدہ

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات سے بھی محبت ہو اور ان کی ذات سے بھی محبت ہو۔ امام ابن کثیرؒ نے اس پر کئی احادیث مبارکہ ذکر فرمائی ہیں تفسیر ابن کثیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسلمان کا جہاد چھوڑنا قابلِ تعجب ہے

”پھر کس قدر تعجب ہے کہ ایمان باللہ کا دعویٰ کرنے کے بعد دنیاوی ضرورتوں کی وجہ سے تم جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دو، اور اگر ایسا کیا تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ تم اللہ کے عذاب کو دعوت دے رہے ہو، جو غلامی و محکومی کی صورت میں نازل ہوگا۔“ (تفسیر الفرقان)

ایمان سے بھی دور اور عقل سے بھی دور

اللہ تعالیٰ کی وعید پر نظر نہ رکھنا اور رشتہ دار یوں اور تجارتوں اور گھروں کا دھیان رکھنا اور ان کی محبت میں جہاد اور ہجرت کو چھوڑ دینا یہ ایمان سے بھی دور ہے اور عقل سے بھی۔ (انوار البیان)

جہاد سے روکنے کے لئے شیطان کا مورچہ

امام قرطبیؒ نے اس آیت مبارکہ کے ذیل میں درج ذیل حدیث ذکر فرمائی ہے:

إن الشيطان قعد لابن آدم ثلاث مقاعد: قعد له في طريق الاسلام فقال لم تذر دينك ودين اباك فخالفه واسلم، وقعد له في طريق الهجرة فقال له أ تذر مالك واهلك فخالفه وهاجر ثم قعد في طريق الجهاد فقال له تجاهد فتقتل فينكح اهلك ويقسم مالك فخالفه وجاهد فحق على الله ان يدخله الجنة.

یعنی شیطان آدمی کے لئے تین راستوں پر مورچہ لگاتا ہے (یعنی اسکی تاک میں بیٹھتا ہے) ❶ وہ اسلام قبول کرنے کے راستے میں بیٹھتا ہے اور آدمی سے کہتا ہے تم کیوں اپنا اور اپنے آبا و اجداد کا دین چھوڑتے ہو آدمی اسکی بات نہیں مانتا اور اسلام قبول کر لیتا ہے۔ ❷ وہ اس کے ہجرت کے راستے میں بیٹھتا ہے اور اسے کہتا ہے کیا تم اپنے مال اور گھر والوں کو چھوڑ رہے ہو (یعنی مال اور اہل واولاد کی محبت کا جذبہ جگا کر ہجرت سے روکتا ہے) آدمی اس کی بات نہیں مانتا اور ہجرت کر لیتا ہے۔ ❸ پھر شیطان جہاد کے راستے میں بیٹھتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تم جہاد کرو گے تو مارے جاؤ گے پھر تمہاری بیوی کی شادی (کسی اور سے) کر دی جائے گی اور تمہارا مال تقسیم کر دیا جائے گا، آدمی اسکی بات نہیں مانتا اور جہاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لازم فرمایا ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (القرطبی)

(امام قرطبیؒ نے اسے حدیث صحیح قرار دیا ہے)

اس آیت میں جہاد کی فضیلت کا بیان ہے

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

وفى قوله **وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ** دليل على فضل الجهاد، و ايثاره على راحة النفس وعلائقها بالاهل والمال

یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمان **وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ** میں جہاد کی فضیلت پر دلیل ہے اور اس پر کہ جہاد کو ترجیح دینی چاہیے نفس کی راحت پر اور مال و اہل سے محبت اور تعلق پر۔ (القرطبی)

آہ! ایسے لوگ کم ہیں

”بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ آیت (کے حکم) میں بڑی شدت ہے اور کم ہیں ایسے لوگ جو اس (وعید) سے بچے رہتے ہیں۔ یعنی جن کو اللہ، رسول اور جہاد کی محبت ہر چیز سے زائد ہو ایسے لوگ کم ہیں۔“ (تفسیر مظہری)

امام نسفیؒ نے بھی اسی غم کا رونا رویا ہے وہ فرماتے ہیں:

والآية تنعى على الناس ما هم عليه من رخاوة عقد الدين واضطراب حبل اليقين،

إذ لا تجد عندا ورع الناس ما يستحب له دينه على الأبناء والأبناء والأموال والحظوظ يعني یہ آیت لوگوں پر نوحہ کر رہی ہے (یعنی غم اور افسوس کا رونا رو رہی ہے) انکی اس حالت کی وجہ سے جس پر وہ ہیں، یعنی دین کے معاملات میں ڈھیلا پن اور یقین میں بہت کمزوری۔ لوگوں میں سے جو زیادہ متقی ہیں وہ بھی دین کے معاملات کو ماں باپ، اولاد، اموال اور خواہشات سے زیادہ محبوب نہیں رکھتے۔

اب تو یہ جرم عار بھی نہیں

امام بیضاویؒ اور امام نسفیؒ نے تو اپنے زمانے کا رونا روایا ہے وہ اگر آج کے حالات دیکھ لیتے تو معلوم نہیں غم سے انکی کیا حالت ہوتی۔ اب تو مسلمان حد درجہ ”گھریلو ملازم“ اور ”مال کے نوکر“ بن گئے ہیں..... اکثر لوگ اپنی گھریلو زندگیوں، اولاد کی شادیوں اور خاندانی مسائل میں محدود ہو کر رہ گئے ہیں اور ایک مکان کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا بنانے کی فکر میں رہتے ہیں..... ان کی زندگیاں کئی ماہ تک جاری رہنے والی شادیوں میں برباد ہو رہی ہیں..... اور مال کمانا اور زیادہ سے زیادہ جمع کرنا ہی بڑا کمال بن چکا ہے۔ آج مال اور اولاد کی خاطر لوگ دین سے دور ہوتے ہیں، کافروں کے ملکوں میں کمانے کے لئے جاتے ہیں اور بڑے مکانات کی ہوس میں ہر ناجائز کام کرتے ہیں..... اور جہاد کا تو دور دور تک ان کے دماغوں میں تصور اور خیال بھی نہیں ہے..... چنانچہ ان کی حالت دیکھ کر زمانے کے کافر یہی کہتے پھرتے ہیں کہ جہاد غربت کی وجہ سے ہوتا ہے، چنانچہ صرف غریب مسلمان ہی جہاد کرتے ہیں اس لئے انکو مال کمانے اور مال بنانے پر لگاؤ تو یہ جہاد چھوڑ دیں گے..... ان حالات میں یہ آیت آسمانی بجلی کی طرح کڑک کر اعلان کرتی ہے کہ اپنے اہل اولاد، خاندان، مال تجارت اور مکان کو جہاد پر ترجیح دینے والو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرو..... (واللہ اعلم بالصواب)

تمام مسلمانوں سے گزارش ہے کہ وہ اس آیت مبارکہ کا صرف ترجمہ ہی چند بار پڑھ لیں اور اس عذاب سے بچنے کی دعا کریں جس کا تذکرہ اس آیت میں ہوا ہے.....

ایک ناصحانہ عبارت

”ایمان قبول کرنے کے بعد ایمان کے تقاضے انسان کو شرعی احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ شرعی احکام میں بہت سی ایسی چیزیں آجاتی ہیں جو نفس پر گراں ہوتی ہیں ان میں سے ہجرت بھی ہے جہاد بھی ہے حرام مال کا چھوڑنا بھی ہے۔ شریعت کے مطابق انہوں سے قطع تعلق کرنا بھی ہے اور بہت سے امور ہیں جو نفس کو ناگوار ہیں۔ جو لوگ یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے اور اس کا حق سب سے زیادہ ہے اور مال بھی اس نے دیا ہے اور رشتہ داریاں بھی اسی نے پیدا فرمائی ہیں انہیں اسلامی احکام پر عمل کرنے میں کچھ بھی دشواری نہیں ہوتی وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے اندر تین چیزیں ہوں گی انکی وجہ سے وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا۔ پہلا شخص جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دوسری تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسرا وہ شخص جو کسی بندہ سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے۔ تیسرا وہ شخص جسے اللہ نے کفر سے بچا دیا ہو اور وہ واپس کفر میں جانے کو برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔ (رواہ البخاری)

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اسکی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (رواہ البخاری ص ۷۰ ج ۱۰)

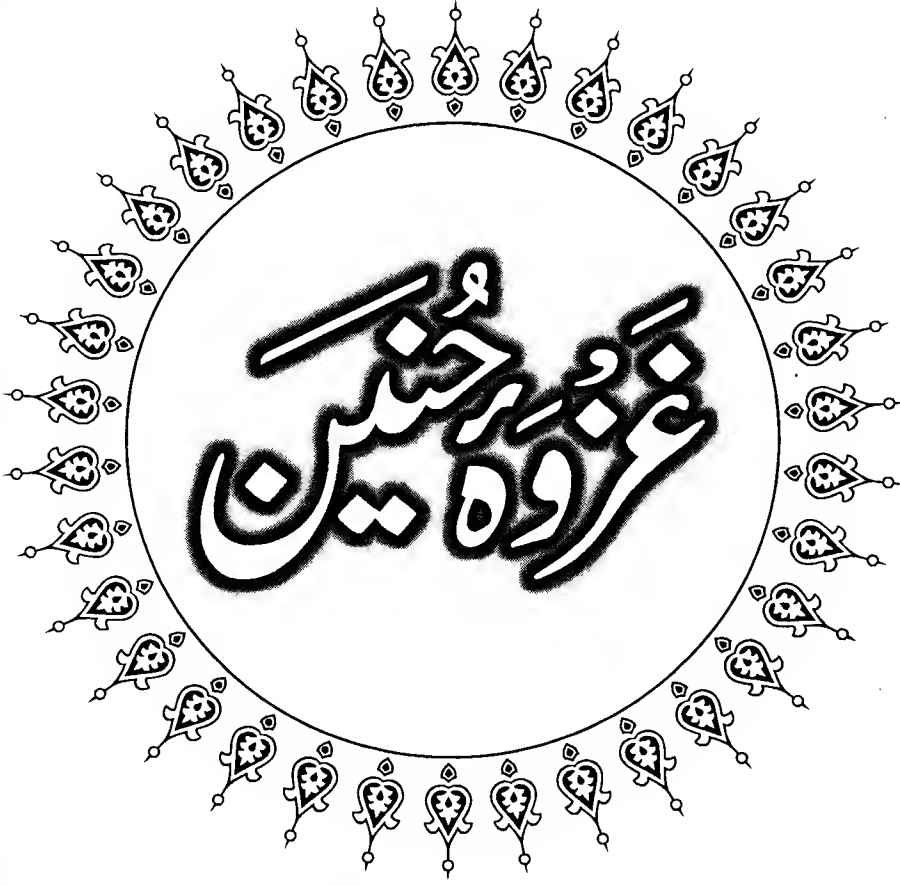
ایمان کی مٹھاس سے یہ مراد ہے کہ طاعات اور عبادات میں لذت محسوس ہونے لگے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے ہر طرح کی مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا آسان ہو جائے۔ (تفسیر انوار البیان)

اس آیت کا براءۃ سے تعلق

امام رازیؒ کے نزدیک اس آیت کا تعلق بھی براءۃ یعنی اعلان جنگ کے حکم سے ہے۔ براءۃ کے حکم میں جس جنگ کا اعلان تھا اس میں بہت قربانی کا امکان تھا۔ مد مقابل رشتہ دار اور اپنے قبائل تھے، مال، تجارت، مکانات، سب کچھ ختم ہونے کا امکان تھا تو مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ ان چیزوں کو اللہ اور رسول کے حکم اور جہاد کے راستے کی رکاوٹ نہ بنے دو، جو بنائے گا وہ عذاب کا شکار ہوگا۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک آیت میں ان کے لئے وعید ہے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی ان کو بتایا گیا کہ عنقریب مکہ فتح ہوگا تو تم ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ اٰی بعقوبتہ سبحانہ لکم عاجلاً أو اجلاً علی ماروی عن الحسن واختاره الجبائی ، وروی عن ابن عباس ومجاهد ومقاتل انه فتح مكة (روح المعانی)





سوال ۸

سورۃ توبہ آیت ۲۵ ۲۶ ۲۷ میں غزوہ حنین کا بیان ہے ملاحظہ فرمائیے غزوہ حنین کا مختصر واقعہ

غزوہ حنین

وہ جنگی معرکہ جسکی کمان بھی سروردو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرشتے نازل فرمائے اس غزوہ کے بہت سے واقعات اور حالات خلاف توقع عجیب انداز میں ظاہر ہوئے جن میں غور کرنے سے انسان کے ایمان میں قوت اور عمل میں ہمت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس غزوہ میں مسلمانوں کے لئے بہت سے اہم اسباق اور نصیحتیں ہیں۔

غزوہ حنین

۲ شوال ۸ھ (یکم فروری ۶۳۰ء)

حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے، جو مکہ مکرمہ سے دس میل سے کچھ زیادہ فاصلے پر واقع ہے، رمضان ۸ھ ہجری میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا، اور قریش مکہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے، تو عرب کا ایک بہت بڑا مشہور بہادر جنگجو اور مالدار قبیلہ ہوازن جس کی ایک شاخ طائف کے رہنے والے بنو ثقیف بھی تھے، ان میں باپل چچ گئی، انہوں نے جمع ہو کر یہ کہنا شروع کیا کہ مکہ فتح ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو کافی قوت حاصل ہو گئی ہے، اس سے فارغ ہونے کے بعد لازمی ہے کہ ان کا رخ ہماری طرف ہوگا، اس لئے دانشمندی کی بات یہ ہے کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہم خود ان پر حملہ کر دیں، اس کام کے لئے قبیلہ ہوازن نے اپنی سب شاخوں کو جو مکہ سے طائف تک پھیلی ہوئی تھیں جمع کر لیا، اس قبیلہ کے سب بڑے چھوٹے بجز چند معذور افراد کے جن کی تعداد ۱۰۰۰ سو سے بھی کم تھی، باقی سب ہی جمع ہو گئے، اس تحریک کے لیڈر مالک بن عوف، تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے اور اسلام کے بڑے علمبردار ثابت ہوئے، اس وقت مسلمانوں کے خلاف حملہ کا سب سے زیادہ جوش انہی میں تھا قبیلہ کی عظیم اکثریت نے ان کی رائے سے اتفاق کر کے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، اس قبیلہ کی چھوٹی چھوٹی شاخیں بنو کعب اور بنو کلاب اس رائے سے متفق نہیں ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو کچھ بصیرت دیدی تھی، انہوں نے کہا اگر مشرق سے مغرب تک ساری دنیا بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف جمع ہو جائے گی تو وہ ان سب پر ہی غالب آئیں گے، ہم خدائی طاقت کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے، باقی سب کے سب نے معاہدے کئے، اور مالک ابن عوف نے ان سب کو پوری قوت سے جنگ پر قائم رہنے کی ایک تدبیر یہ حکم دے کر کی کہ ہر شخص کے تمام اہل و عیال بھی ساتھ چلیں، اور اپنا اپنا پورا مال بھی ساتھ لے کر نکلیں، جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ میدان سے بھاگنے لگیں تو بیوی بچوں اور مال کی محبت ان کے پاؤں کی زنجیر بن جائے، میدان سے گریز کا ان کے لئے کوئی موقع ہی نہ رہے۔ ان کی تعداد کے بارے میں اہل تاریخ کے مختلف اقوال ہیں، حافظ حدیث علامہ ابن حجر وغیرہ نے راجح اس کو قرار دیا ہے کہ چوبیس یا اٹھائیس ہزار کا مجمع تھا اور بعض حضرات نے چار ہزار کی تعداد بیان کی ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ سب اہل و عیال عورتوں بچوں سمیت تعداد چوبیس یا اٹھائیس ہزار ہوں، اور لڑنے والے نوجوان ان میں چار ہزار ہوں۔

بہر حال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں ان کے خطرناک عزائم کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کے مقابلے پر جانے کا عزم فرمایا، مکہ مکرمہ پر حضرت عتابؓ بن اُسید کو امیر بنایا اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو ان کے ساتھ لوگوں کو اسلامی

تعلیمات سکھانے کے لئے چھوڑا اور قریش مکہ سے اسلحہ اور سامان جنگ عاریت کے طور پر مانگا، صفوان بن امیہ جو قریش کا سردار تھا بول اٹھا کہ کیا آپ یہ سامان جنگ ہم سے غصب کر کے لینا چاہتے ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ عاریت کے طور پر لیتے ہیں جس کی واپسی ہمارے ذمہ ہوگی، یہ سن کر اس نے ۱۰۰ اسوزر ہیں مستعار دین اور نوفل بن حارث نے ۳۰۰۰ تین ہزار نیزے اسی طرح پیش کر دیئے، امام زہریؒ کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چودہ ہزار صحابہ کا لشکر لیکر اس جہاد کی طرف متوجہ ہوئے جن میں بارہ ہزار مہاجرین و انصار تھے، جو فتح مکہ کے لئے آپ کے ساتھ آئے تھے اور دو ہزار وہ مسلمان تھے جو مکہ اور اطراف مکہ کے لوگوں میں سے بوقت فتح مسلمان ہو گئے تھے، اور جن کو طلقاء کہا جاتا ہے، اکثر مومنین اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار بیان کرتے ہیں۔ شوال کی چھٹی تاریخ ہفتہ کے دن آپ ﷺ اس غزوہ کے لئے نکلے، اور فرمایا انشاء اللہ کل ہمارا قیام خیف بنی کنانہ کے اس مقام پر ہوگا جہاں جمع ہو کر قریش مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مقاطعہ کے لئے عہد نامہ لکھا تھا۔

یہ چودہ ہزار مجاہدین کا لشکر تو جہاد کے لئے نکلا ان کے ساتھ مکہ کے کئی لوگ مرد و عورتیں متاشائی بن کر نکلے، جن کے دلوں میں عموماً یہ تھا کہ اگر اس موقع پر مسلمانوں کو شکست ہوگی تو ہمیں بھی اپنا انتقام لینے کا موقع ملے گا، اور یہ کامیاب ہوں تو بھی ہمارا کوئی نقصان نہیں۔

اسی قسم کے لوگوں میں ایک شیبہ بن عثمان بھی تھے، جنہوں نے بعد میں مسلمان ہو کر خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ غزوہ بدر میں میرا باپ حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے اور چچا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا جس کا جوش انتقام اور انتہائی غیظ میرے دل میں تھا، میں اس موقع کو غنیمت جان کر مسلمان کے ساتھ ہولیا کہ جب کہیں موقع پاؤں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دوں، میں ان کے ساتھ ہو کر ہر وقت موقع کی تلاش میں رہا، یہاں تک کہ اس جہاد کے ابتدائی وقت میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے اور وہ بھاگنے لگے تو میں موقع پا کر حضور (ﷺ) کے قریب پہنچا، مگر دیکھا کہ دائی طرف حضرت عباسؓ آپ کی حفاظت کر رہے ہیں اور بائیں طرف ابوسفیان ابن حارث، اس لئے میں پیچھے کی طرف پہنچ کر ارادہ ہی کر رہا تھا کہ یکبارگی تلوار سے آپ پر حملہ کروں کہ یکا یک آپ ﷺ کی نظر مجھ پر پڑی، اور آپ ﷺ نے مجھے آواز دی کہ شیبہ یہاں آؤ اپنے قریب بلا کر دست مبارک میرے سینہ پر رکھ دیا، اور دعا کی کہ یا اللہ اس سے شیطان کو دور کر دے، اب جو میں نظر اٹھاتا ہوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل میں اپنے آنکھ، کان اور جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا جاؤ کفار کا مقابلہ کرو، اب تو میرا یہ حال تھا کہ میں اپنی جان آپ پر قربان کر رہا تھا، بڑی بے جگری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس جہاد سے واپس آئے تو میں خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے میرے دل کے تمام خیالات کی نشاندہی کر دی کہ تم مکہ سے اس نیت سے چلے تھے، اور میرے گرد میرے قتل کے لئے گھوم رہے تھے، مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ تم سے نیک کام لینے کا تھا جو ہو کر رہا۔

اس طرح کا واقعہ نصر بن حارث کو پیش آیا کہ وہ بھی اسی نیت سے جنین گئے تھے، وہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت اور محبت ڈال دی اور وہ ایک مجاہد بن کر دشمنوں کی صفوں سے نکلے گئے۔

اسی سفر میں ابو بردہ بن نیار گو یہ واقعہ پیش آیا کہ مقام اوطاس پر پہنچ کر دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف رکھتے ہیں، اور ایک اور شخص آپ کے پاس بیٹھا ہے آپ ﷺ نے ذکر فرمایا کہ میں سو گیا تھا یہ شخص آیا اور..... میری تلوار اپنے قبضہ میں لے کر میرے سر پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ! اب بتلاؤ تمہیں کون میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ بچا سکتا ہے، یہ سن کر تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی، ابو بردہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اجازت دیجئے کہ میں اس دشمن خدا کی گردن مار دوں، یہ دشمن قوم کا جاسوس معلوم ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بردہ خاموش رہو اللہ تعالیٰ میری حفاظت کرنے والا ہے جب تک کہ میرا دین سارے دینوں پر غالب نہ آجائے، اور آپ ﷺ نے اس شخص کو کوئی ملامت بھی نہ فرمائی، اور آزاد چھوڑ دیا۔

مقام جنین پر پہنچ کر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت سہیل بن حظلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ خبر لے کر حاضر ہوئے کہ ایک گھڑسوار آدمی ابھی دشمن کی طرف سے آیا ہے وہ بتلا رہا ہے کہ قبیلہ ہوازن پورا کا پورا مع اپنے سب سامان کے مقابلہ پر آ گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور کہا کہ پرواہ نہ کرو یہ سارا سامان مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بن کر ہاتھ آئے گا۔

اس جگہ ٹھہر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن حدر د کو جاسوس بنا کر بھیجا کہ دشمن کے حالات کا پتہ چلائیں، وہ ان کی قوم میں جا کر دو دن رہے، سب حالات دیکھتے سنتے رہے، ان کے لیڈر اور کمانڈر مالک بن عوف کو دیکھا کہ اپنے لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ محمد ﷺ کو اب تک کسی بہادر تجربہ کار قوم سے سابقہ نہیں پڑا، مکہ کے بھولے بھالے قریشیوں کا مقابلہ کر کے انہیں اپنی طاقت کا زعم ہو گیا، اب ان کو پتہ لگے گا، تم سب لوگ صبح ہوتے ہی اس طرح صف بندی کرو کہ ہر ایک کے پیچھے اس کے بیوی بچے اور مال ہو، اور اپنی تلواروں کی میانوں کو توڑ ڈالو، اور سب مل کر یکبارگی بٹہ بولو، یہ لوگ جنگ کے بڑے تجربہ کار تھے، اپنی فوج کے چند دستوں کو مختلف گھاٹیوں میں چھپا دیا تھا۔

اس طرف کفار کے لشکر کی یہ تیاریاں تھیں اور دوسری طرف مسلمانوں کا یہ پہلا جہاد تھا جس میں چودہ ہزار سپاہی مقابلہ کے لئے نکلے تھے، اور سامان جنگ بھی ہمیشہ سے زیادہ تھا اور یہ لوگ بدر واحد کے میدانوں میں یہ دیکھ چکے تھے کہ صرف تین سو تیرہ بے سامان لوگوں نے ایک ہزار کے لشکر جرار پر فتح پائی، تو آج اپنی کثرت اور تیاری پر نظر کر کے حاکم اور ہزار کی روایت کے مطابق ان میں سے بعض کی زبان سے ایسے کلمات نکل گئے کہ آج تو یہ ممکن نہیں کہ ہم کسی سے مغلوب ہو جائیں آج تو مقابلہ کی دیر ہے کہ دشمن فوراً بھاگے گا۔

مالک الملک والمملکت کو یہی چیز ناپسند تھی کہ اپنی طاقت پر کوئی بھروسہ کیا جائے، چنانچہ مسلمانوں کو اس کا سبق اس طرح ملا

کہ جب قبیلہ ہوازن نے قرارداد کے مطابق یکبارگی ہلہ بولا اور گھاٹیوں میں چھپے ہوئے دستوں نے چار طرف سے گھیرا ڈال دیا، گردوغبار نے دن کو رات بنا دیا تو صحابہ کرامؓ کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگنے لگے، صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ رہے تھے اور بہت تھوڑے سے صحابہ کرامؓ جن کی تعداد تین سو اور بعض نے ایک سو یا اس سے بھی کم بتلائی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جے رہے، وہ بھی یہ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ آگے نہ بڑھیں۔ یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے صحابہ کو پکارو کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے جہاد کی بیعت کی تھی، اور سورۃ بقرہ والے حضرات کہاں ہیں، اور وہ انصار کہاں ہیں جنہوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا تھا، سب کو چاہیے کہ واپس آئیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ہیں۔

حضرت عباسؓ کی ایک آواز بجلی کی طرح دوڑ گئی اور یکا یک سب بھاگنے والوں کو پشیمانی ہوئی اور بڑی دلیری کے ساتھ لوٹ کر دشمن کا پورا مقابلہ کیا اور اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد بھیج دی۔ اُن کا کمانڈر مالک بن عوف اپنے اہل وعیال اور سب مال کو چھوڑ کر بھاگا اور طائف کے قلعہ میں جا چھپا اور پھر باقی پوری قوم بھاگ کھڑی ہوئی، ان کے ستر سردار مارے گئے، بعض مسلمانوں کے ہاتھ سے کچھ بچے زخمی ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا، ان کا سب مال مسلمانوں کے قبضہ میں آیا چھ ہزار جنگی قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی ہاتھ آئی۔ غزوہ حنین کے بارے میں نازل ہونے والی ان آیات میں سے پہلی اور دوسری آیت میں اسی مضمون کا بیان ہے، ارشاد فرمایا کہ جب تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور زمین باوجود فریخی کے تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تسلی نازل فرمائی اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور ایسے لشکر فرشتوں کے نازل کر دیے، جن کو تم نے نہیں دیکھا، اور کافروں کو تمہارے ہاتھ سے سزا دلوا دی۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور سب مسلمانوں پر اپنی تسلی نازل فرمادی۔

معنی اس کے یہ ہیں کہ غزوہ حنین کے ابتدائی ہلہ میں جن صحابہ کرامؓ کے پاؤں اکھڑے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب پر اپنی تسلی نازل فرمادی جس سے ان کے اکھڑے ہوئے قدم جم گئے اور بھاگنے والے پھر لوٹ آئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان صحابہ پر جو مضبوطی کے ساتھ محاذ پر جے رہے تسلی نازل فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنی فتح قریب نظر آنے لگی اور چونکہ تسلی کی یہ دو قسمیں تھیں ایک بھاگنے والوں کی دوسری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جے رہنے والوں کی اسی طرف اشارہ کرنے لئے عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ کو علیحدہ علیحدہ تکرار علی کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

اور اس کے بعد فرمایا وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا یعنی ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا،

اس سے مراد عام طور پر لوگوں کا نہ دیکھنا ہے، احاد و افراد سے جو بعض روایتوں میں اس لشکر کا دیکھنا منقول ہے وہ اس کے منافی نہیں۔

پھر فرمایا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ یعنی کافروں کو اللہ تعالیٰ نے سزا دی اور کافروں کی یہی سزا ہے، سزا سے مراد ان کا مسلمانوں کے ہاتھوں مفتوح اور مغلوب ہونا ہے جو واضح طور پر مشاہدہ میں آیا، مطلب یہ ہے کہ دنیاوی سزا تھی، جو فوری طور پر مل گئی، آگے آخرت کے معاملہ کا ذکر بعد کی آیات میں اس طرح آیا ہے:

ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مَنْ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْهُمْ يَنْشَاءُ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ” یعنی پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں توبہ نصیب کر دیں، اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ اس جہاد میں جن لوگوں کے ہاتھوں مغلوب اور مفتوح ہونے کی سزا مل چکی ہے اور ابھی تک وہ اپنے کفر پر قائم ہیں، ان میں سے بھی کچھ لوگوں کو توفیقِ ایمان نصیب ہوگی، چنانچہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔

تقسیم غنائم حنین

طائف سے چل کر آپ ذی القعدہ الحرام کو جعرانہ پہنچے جہاں مالی غنیمت جمع تھا، چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی یہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے دس دن سے زیادہ ہوازن کا انتظار کیا کہ شاید وہ اپنے عزیزوں، بچوں اور عورتوں کو چھڑانے آئیں لیکن جب دس بارہ روز کے انتظار کے بعد بھی کوئی نہ آیا تب آپ ﷺ نے مال غنیمت غانمین پر تقسیم کرویا۔ (ابن حجر، فتح الباری ج ۸ ص: ۳۸، ابن سید الناس، عیون الاثر ج ۲ ص: ۱۹۳)

تقسیم غنائم کے بعد ہوازن کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، جس میں نو آدمی تھے اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد ازاں اپنے اموال اور اہل و عیال کی واپسی کی درخواست کی، آپ ﷺ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ کی تھیں۔ اس قبیلہ کے خطیب زبیر بن ضرو نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! ان اسیروں میں آپ (ﷺ) کی پھوپھیاں، خالائیں، اور گود کھلانے والیاں ہیں، اگر کسی بادشاہ یا امیر سے ہمارے اس قسم کے تعلقات ہوتے تو بہت مہربانی ہوتی اور آپ (ﷺ) کی شان تو ان سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ ہم پر جو مصیبت آئی ہے وہ آپ پر مخفی نہیں، آپ ہم پر احسان کیجئے اللہ آپ پر احسان کرے گا اور یہ شعر پڑھے۔

امنن علينا رسول الله في كرم فانك المرء نرجوه وندخر

آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہارا بہت انتظار کیا اور اب غنائم تقسیم ہو چکے ہیں دو چیزوں میں سے ایک چیز اختیار کر لو قیدی یا مال۔ وفد نے کہا: آپ (ﷺ) نے ہم کو مال اور حسب میں اختیار دیا ہے ہم حسب نسب کو اختیار کرتے ہیں اور اونٹ اور بکری کے بارے میں آپ (ﷺ) سے کچھ نہیں کہتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے اور خاندان بنی ہاشم و بنی المطلب کے حصہ میں جو کچھ آیا ہے وہ سب

تمہارا ہے لیکن اور مسلمانوں کے حصہ میں جو کچھ جا چکا ہے اس کی بابت تم ظہر کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر کہنا میں سفارش کروں گا، چنانچہ ظہر کی نماز کے بعد وفد ہوازن کے خطباء نے فصیح و بلیغ تقریریں کیں، اور اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے مسلمانوں سے درخواست کی، بعد ازاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے۔ اول اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور پھر فرمایا: تمہارے یہ بھائی ہوازن مسلمان ہو کر آئے ہیں، میں نے اپنا اور اپنے خاندان کا حصہ ان کو دے دیا ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اور مسلمان بھی ان کے قیدی واپس کر دیں۔ جو شخص خوشی اور طیب خاطر سے ایسا کر دے تو بہتر ہے ورنہ میں بعد میں اس کا معاوضہ دینے کے لئے تیار ہوں، سب نے کہا کہ ہم طیب خاطر سے اس پر راضی اور خوش ہیں۔ اس طرح چھ ہزار قیدی دفعۃً آزاد کر دیئے گئے۔ (ابن حجر، فتح الباری ج ۸ ص ۲۶)

انہیں اسیران جنگ میں آپ کی رضاعی بہن حضرت شیماء بھی تھیں، لوگوں نے جب ان کو گرفتار کیا تو انہوں نے کہا: میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں، لوگ تصدیق کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں لائے شیماء نے کہا اے محمد ﷺ میں تمہاری بہن ہوں اور علامت بتائی کہ لڑکپن میں ایک مرتبہ تم نے دانت سے کاٹا تھا، جس کا یہ نشان موجود ہے۔ آپ ﷺ نے پہچان لیا، مرحبا کہا اور بیٹھنے کے لئے چادر بچھا دی، فرط مسرت سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا: اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو نہایت عزت و احترام کے ساتھ تم کو رکھوں گا، اگر اپنے قبیلہ میں جانا چاہو تو تم کو اختیار ہے، شیماء نے کہا میں اپنے قوم میں جانا چاہتی ہوں اور مسلمان ہو گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چلتے وقت کچھ اونٹ اور بکریاں اور تین غلام اور ایک باندی عطا فرمائی۔ (ابن حجر الاصابہ (۶۳۷)، ج ۴ ص ۳۴۴)

فتح مکہ میں جو معززین قریش اسلام میں داخل ہوئے، ہنوز مذہب الاعتقاد تھے، ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہ ہوا تھا جن کو اصطلاح قرآن میں مولفۃ القلوب کہا گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم غنائم کے وقت ان کو بہت انعامات دیئے۔ کسی کو سو، کسی کو دو سو اور کسی کو تین سو اونٹ دیئے۔ (ابن حجر کتاب و جلد مذکور ص: ۳۸ زرقانی کتاب و جلد مذکور ص: ۳۶)

الغرض جو کچھ دیا گیا وہ اشرف قریش کو دیا گیا انصار کو کچھ نہیں دیا۔ اس لئے انصار کے بعض نوجوانوں کی زبان سے یہ لفظ نکلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو تو دیا ہے ہم کو چھوڑ دیا حالانکہ ہماری تلواریں اب تک ان کے خون سے ٹپکتی ہیں، بعض نے کہا کہ مشکلات اور شدائد میں تو ہم کو بلایا جاتا ہے اور مالی غنیمت دوسروں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انصار کو جمع کر کے فرمایا، اے انصار! یہ کیا بات ہے جو میں سن رہا ہوں۔ انصار نے کہا یا رسول اللہ ہم میں کے سربرآوردہ اور سمجھدار اور اہل الرائے لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا البتہ بعض نوجوانوں نے ایسا کہا ہے۔ آپ نے فرمایا اے گروہ انصار! کیا تم گمراہ نہ تھے اللہ تعالیٰ نے تم کو میرے واسطے سے ہدایت دی، آپس میں تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے سے تمہارے دل

ملا دیئے تم فقیر اور کنگال تھے، اللہ نے میرے ذریعہ سے تم کو مالا مال کیا۔ انصار نے کہا آپ ﷺ جو فرماتے ہیں وہ بالکل بجا ہے اور درست ہے، بے شک اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم میری تقریر کا یہ جواب دے سکتے ہو کہ اے محمد! جب لوگوں نے تجھ کو جھٹلایا، ہم نے تیری تصدیق کی، جب تو بے یار و مددگار تھا اس وقت ہم نے تیری مدد کی، جب تو بے سہارا اور بے ٹھکانہ تھا تو ہم نے تجھ کو ٹھکانہ دیا، جب تو مفلس تھا تو ہم نے تیری یاری اور نمکساری کی، اے گروہ انصار! کیا تمہارے دل اس بات سے رنجیدہ ہوئے کہ میں نے اس دنیائے دلوں جس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں، کچھ متاعِ قلیل اور درہم معدود چند لوگوں کو تالیفِ قلوب کے لئے دیئے اور تمہارے اسلام و ایمان اور ایقان و اذعان پر بھروسہ کر کے تم کو چھوڑ دیا۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ قریش کو قتل و قید کی مصیبتیں پہنچی ہیں (یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کو جانی اور مالی طرح طرح کی اذیتیں پہنچی ہیں) اس لئے اس داد و دہش سے ان کے نقصان کی کچھ تلافی کرنا چاہتا ہوں اور ان کے دلوں کو اسلام سے مانوس کرنا چاہتا ہوں کہ غزوات میں ان کے بھائی بند قتل اور قید ہوئے اور طرح طرح کی ذلتیں اور مصیبتیں ان کو پہنچیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے تم کو محفوظ رکھا، پس تالیفِ قلب کے لئے ایسے لوگوں کو مال دینا مناسب ہے اور تم اہل ایمان ہو، ایمان اور ایقان کی بے مثال اور لازوال دولت سے مالا مال ہو۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ تو اونٹ اور بکری لے کر اپنے گھر واپس ہوں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ؟ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ہجرت امرِ تقدیری نہ ہوتا تو میں بھی انصار میں سے ہوتا، اگر لوگ ایک گھائی کو چلیں اور انصار دوسری گھائی کو تو میں انصار کی گھائی کو اختیار کروں گا۔ اے اللہ! تو انصار پر اور ان کی اولاد اور اولادِ دراولاد پر رحم اور مہربانی فرما نا۔

یہ فرمانا تھا کہ انصار جاں نثار چیخ اُٹھے اور روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں اور کہا ہم اس تقسیم پر دل و جان سے راضی ہیں کہ اللہ کا رسول ہمارے حصہ میں آیا اس کے بعد مجمعِ برخواست ہو گیا۔

احکام مسائل

ان واقعات کے ضمن میں بہت سے احکام و ہدایات اور ضمنی فوائد آئے ہیں، وہی ان واقعات کے بیان کرنے کا اصل مقصد ہیں۔

آیاتِ مذکورہ میں سب سے پہلی ہدایات تو یہ دی گئی کہ مسلمانوں کو کسی وقت بھی اپنی جمعیت اور طاقت پر غرہ نہ ہونا چاہیے، جس طرح کمزوری اور بے سامانی کے وقت ان کی نظر اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد پر رہتی ہے اسی طرح قوت و طاقت کے وقت بھی ان کا مکمل اعتماد صرف اللہ تعالیٰ کی امداد ہی پر ہونا چاہیے۔

غرہِ حنین میں مسلمانوں کی تعدادی کثرت اور سامانِ حرب کے کافی ہونے کی وجہ سے بعض صحابہ کرام کی زبان پر

جو بڑا بول آگیا تھا کہ آج تو کسی کی مجال نہیں جو ہم سے بازی لجا سکے، اللہ تعالیٰ کو اپنی اس محبوب جماعت کی زبان سے ایسے کلمات پسند نہ آئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدائی ہلہ کے وقت مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اور بھاگنے لگے، پھر اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد سے یہ میدان فتح ہوا۔

مفتوح و مغلوب کفار کے اموال میں عدل و انصاف اور احتیاط

دوسری ہدایت اس واقعہ سے یہ حاصل ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے لئے مکہ کے مفتوح غیر مسلموں سے جو سامان جنگ زرہیں اور نیزے لئے تھے یہ ایسا موقع تھا کہ ان سے زبردستی بھی یہ چیزیں لی جاسکتی تھیں، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاریت کہہ کر لیا تھا اور پھر سب کو ان مستعار چیزیں واپس کرویں۔

اس واقعہ نے مسلمانوں کو دشمنوں کے ساتھ پورے عدل و انصاف اور رحم و کرم کے معاملہ کا سبق دیا۔

تیسری ہدایت اس ارشاد نبوی ﷺ سے حاصل ہوئی جس میں حنین کی طرف جاتے ہوئے خیف بنی کنانہ میں قیام کے وقت فرمایا کہ کل ہم ایسے مقام پر قیام کریں گے جس میں بیٹھ کر ہمارے دشمن قریش مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مقاطعہ کی قرارداد پر معاہدہ کیا تھا اس میں اشارہ ہے کہ جب مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے فتح و قوت عطا فرمادی تو اپنے پچھلے مصیبت کے دور کو نہ بھلا دیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا ہو سکے، ہوازن کے شکست خوردہ لوگوں کے بار بار حملہ آور ہونے اور تیر برس آنے کے جواب میں رحمت للعالمین کی زبان مبارک سے بددعاء کے بجائے ان کے لئے ہدایت کی وعاء مسلمانوں کو یہ سبق دے رہی ہے کہ مسلمانوں کی جنگ و جہاد کا مقصد صرف دشمن کو زیر کرنا نہیں، بلکہ ان کو ہدایت پر لانا ہے، اس لئے اس کی کوشش سے کسی وقت غفلت نہ ہونی چاہیے۔

تیسری آیت نے یہ ہدایت کر دی کہ جو کفار جنگ میں مغلوب ہو جائیں ان سے بھی مایوس نہ ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ ان کو پھر اسلام و ایمان کی ہدایت دیدیں، جیسا کہ وفد ہوازن کے واقعہ اسلام سے ثابت ہوا۔

وفد ہوازن کی درخواست پر ان کے جنگی قیدیوں کی واپسی کے وقت جب صحابہ کرامؓ کے مجمع سے آنحضرت ﷺ نے سوال کیا اور مجمع کی طرف سے یہ آوازیں آئیں کہ ہم سب ان کی واپسی کے لئے خوش دلی سے رضامند ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو کافی نہ سمجھا بلکہ جدا جدا ہر ایک کی اجازت معلوم کرنے کا اہتمام فرمایا۔

اس سے ثابت ہوا کہ حقوق کے معاملہ میں جب تک خوش ولی کا اطمینان نہ ہو جاوے کسی کا حق لینا جائز نہیں مجمع کے رعب یا لوگوں کی شرم سے کسی کا خاموش رہنا رضامندی کے لئے کافی نہیں، اسی سے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ کسی شخص پر اپنی وجاہت کا رعب ڈال کر کسی و بی مقصد کے لئے اس سے چندہ لینا بھی درست نہیں کیونکہ ایسے حالات میں بہت سے شریف آدمی محض شرما شرمی سے کچھ دیدیتے ہیں، پوری رضامندی نہیں ہوتی، اس طرح کے مال میں برکت بھی نہیں ہوتی۔ (ماخوذ معارف ”سیرت المصطفیٰ ﷺ“)

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُهَا ٢٥

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۖ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۖ إِذْ

اللہ تعالیٰ بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد کر چکا ہے اور حنین کے دن جب

أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمْ

تم اپنی کثرت پر خوش ہوئے پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود

الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمُ مُدْبِرِينَ ۖ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ

اپنی فرما کی تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر ہٹ گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اپنے

سَيِّئَتِهِ عَلَىٰ رَسُولِهِ ۖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا

رسول پر اور ایمان والوں پر تسکین نازل فرمائی اور وہ فوجیں اتاریں کہ جنہیں تم نے نہیں دیکھا

وَعَذَابَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۖ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ

اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اس کے بعد جسے اللہ تعالیٰ چاہے توبہ

مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

نصیب کرے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

خلاصہ

جہاد میں فتح اللہ تعالیٰ کی نصرت سے نصیب ہوتی ہے، اے مسلمانو! قلّت تعداد کو عذر بنا کر جہاد نہ چھوڑو اور جب تمہاری تعداد زیادہ ہو تو اس پر فخر و ناز نہ کرو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں کتنی لڑائیوں میں اپنی نصرت دے کر غالب فرمایا مثلاً غزوہ بدر، غزوہ بنی قریظہ، غزوہ بنی نضیر، حدیبیہ، غزوہ خیبر اور فتح مکہ..... اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں حنین میں بھی جس کا قصہ عجیب و غریب ہے اپنی نصرت سے غلبہ عطا فرمایا جبکہ واقعہ یہ ہوا تھا کہ تم اپنی زیادہ تعداد پر ناز کر رہے تھے پھر وہ زیادہ تعداد تمہارے کسی کام نہ آئی اور کفار کی تیر اندازی اور حملے سے تمہیں ایسی پریشانی پہنچی کہ زمین تم پر باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہو گئی اور تم میں سے اکثر افراد میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر اپنی نصرت اور فتح کے یقین کا خاص سکون نازل فرمایا اور مسلمانوں پر بھی سکینت نازل فرمائی اور مدد کیلئے آسمان سے ایسے فرشتے نازل فرمائے جن کو عام طور پر تم نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو تمہاری تلواروں سے سزا دی کہ انہیں شکست، ذلت، موت، اور قید و بند کا سامنا ہوا پھر اللہ تعالیٰ ان کافروں میں سے جس کو

چاہے توبہ نصیب کر دے چنانچہ ان میں سے بہت سے مسلمان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والا ہے کہ کافروں کو بھی توبہ کی توفیق دے کر معاف فرما دیتا ہے اور بہت رحمت کرنے والا ہے کہ اپنے اولیاء کو شکست کے بعد فتح سے ہمکنار فرما دیتا ہے۔

غزوہ حنین میں مسلمانوں کے لئے عجیب اسباق

سبق ۱ | قلت تعداد کو جہاد چھوڑنے کا عذر نہ بناؤ

حضرت لاہوریؒ لکھے ہیں:

قلتِ تعداد مانع جہاد نہیں ہو سکتی فتح خدا تعالیٰ کے ارادہ سے ہوتی ہے خواہ فوج اسلام تھوڑی ہی ہو، بلکہ بعض اوقات کثرتِ فوج کے گھمنڈ نے مسلمانوں کو نیچا دکھایا۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

اعلانِ براءۃ میں تمام مشرکوں سے اعلانِ جنگ کیا جا رہا ہے ایسے وقت میں مسلمانوں کو یہ سبق یاد دلانے کی ضرورت تھی کیونکہ مسلمانوں کی تعداد اتنی تو بہر حال نہ تھی کہ ایک وقت میں تمام مشرکوں سے بیک وقت لڑ سکتے تب ان کو یاد دلایا کہ ہم نے کس کس میدان میں تمہاری نصرت کی اور تمہیں غلبہ ملا حالانکہ تمہاری تعداد بہت کم تھی اور جب ایک بار تمہاری تعداد زیادہ تھی اور تم اس تعداد کی وجہ سے دھوکے میں پڑے تمہیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا مگر اللہ تعالیٰ کی نصرت نے تمہیں تھام لیا اس لئے اپنی نظر اسباب پر نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور نصرت پر رکھو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ملاحظہ فرمائیں یہ عبارت:

بعض لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ہماری تعداد کم تھی، ہمارے پاس سامانِ حرب نہیں، ہم ویسے بھی کمزور اور ناتواں ہیں اور مخالفینِ تعداد کے اعتبار سے شان و شوکت کے اعتبار سے سامانِ حرب کی فراوانی اور ذرائع و وسائل کی کثرت کے اعتبار سے ہم پر کہیں زیادہ فوقیت رکھتے ہیں، اس لئے ایسے موقع پر دشمن سے جنگ کرنی ہلاکت کے مترادف ہے اور خود قرآن میں تصریح ہے وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (یعنی وہ لوگ اس آیت کا غلط مطلب نکال کر خود کو جہاد سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں) ان لوگوں کو جواب دیا جاتا ہے لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ان آیات نے بتا دیا کہ قلیل تعداد کا عذر کر کے مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ سے نہ رکنا چاہیے اس لئے کہ جنگ میں کامیابی کے لئے کثرتِ تعداد کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ صبر و استقامت، استقلال و ثابت قدمی اور ایثار و سرفروشی کی ضرورت ہے۔ (تفسیر الفرقان)

سبق ۲ | اپنی کثرت اور فوجی قوت پر گھمنڈ نہ کرو

ملاحظہ فرمائیے یہ دلنشین عبارت جس کی ہر سطر میں علم و عرفان کا نور چمک رہا ہے۔

”پچھلی آیت میں تنبیہ کی گئی تھی کہ جہاد فی سبیل اللہ کے وقت مؤمنین کو کنبہ، برادری، اموال و املاک وغیرہ کسی چیز پر نظر نہ ہونی چاہیے۔ (یعنی ان چیزوں میں پھنس کر جہاد کو نہیں چھوڑنا چاہیے)“

یہاں (ان آیات میں) آگاہ فرمایا ہے کہ مجاہدین کو خود اپنی فوجی جمعیت و کثرت پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیے۔ نصرت و کامیابی اکیلے خدا کی مدد سے ہے جس کا تجربہ پہلے بھی تم بہت میدانوں میں کر چکے ہو۔ بدر، قریظہ، ونضیر اور حدیبیہ وغیرہ میں جو کچھ نتائج رونما ہوئے وہ محض امداد الہی و تائید غیبی کا کرشمہ تھا، اب اخیر میں غزوہ حنین کا واقعہ تو ایسا صریح اور عجیب و غریب ”نشان آسمانی“ نصرت و امداد کا ہے جس کا اقرار سخت معاند و دشمنوں تک کو کرنا پڑا ہے۔ فتح مکہ کے بعد فوراً آپ کو اطلاع ملی کہ ہوازن و ثقیف وغیرہ بہت سے قبل عرب نے ایک لشکر جرار تیار کر کے بڑے ساز و سامان سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے یہ خبر پاتے ہی آپ نے دس ہزار مجاہدین و انصار کی فوج گراں لے کر جو مکہ فتح کرنے کے لئے مدینہ سے ہمراہ آئی تھی، طائف کی طرف کوچ کر دیا دو ہزار طلقاء (یعنی نئے مسلمان ہونے والے حضرات) بھی جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے آپ کے ہمراہ تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ بارہ ہزار کی عظیم الشان جمعیت کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدان جہاد میں نکلی۔ یہ منظر دیکھ کر بعض صحابہ کرامؓ سے رہانہ گیا اور بے ساختہ بول اٹھے کہ (جب ہم بہت تھوڑے تھے اس وقت ہمیشہ غالب رہے تو) آج ہماری اتنی بڑی تعداد کسی سے مغلوب ہونے والی نہیں۔ یہ جملہ ”مردان تو حید“ کی زبان سے نکلتا ”بارگاہ احدیت“ میں ناپسند ہوا۔ ابھی مکہ سے تھوڑی دور نکلے تھے کہ دونوں طرف لشکر مقابل آگئے۔ فریق مخالف کی جمعیت چار ہزار تھی جو سر کو کفن باندھ کر اور سب عورتوں، بچوں کو ساتھ لیکر ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے پوری تیاری سے نکلے تھے اونٹ گھوڑے، مویشی اور گھر کا کل اندوختہ کوڑی کوڑی کر کے اپنے ہمراہ لے آئے تھے ہوازن کا قبیلہ تیر اندازی کے فن میں سارے عرب میں شہرت رکھتا تھا اس کے بڑے ماہر تیر اندازوں کا دستہ وادی حنین کی پہاڑیوں میں گھات لگائے بیٹھا تھا صحیحین میں براء بن عازبؓ کی روایت ہے کہ پہلے معرکہ میں کفار کو ہزیمت ہوئی اور وہ بہت سا مال چھوڑ کر پسپا ہو گئے یہ دیکھ کر مسلمان سپاہی غنیمت کی طرف جھک پڑے۔ اس وقت ہوازن کے تیر اندازوں نے گھات سے نکل کر ایک دم دھاوا بول دیا۔ آن واحد میں چاروں طرف سے اس قدر تیر برسائے کہ مسلمانوں کو قدم جمانا مشکل ہو گیا۔ اول طلقاء میں بھاگڑ پڑی۔ آخر سب کے پاؤں اکٹڑ گئے زمین باوجود فراخی کے تنگ ہو گئی کہ کہیں پناہ کی جگہ نہ ملتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع چند رفقاء کے دشمنوں کے زرعہ میں تھے۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، عباسؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہم وغیرہ تقریباً سو یا اسی ۸۰ صحابہ بلکہ بعض اہل سیر کی تصریح کے موافق کل دس نفوس قدسیہ (عشرہ کاملہ) میدان جنگ میں باقی رہ گئے جو پہاڑ سے زیادہ مستقیم نظر آتے تھے یہ خاص موقع تھا جبکہ دنیا نے پیغمبرانہ صداقت و توکل اور معجزانہ شجاعت کا ایک محیر العقول نظارہ ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا آپؐ سفید خچر پر سوار ہیں عباسؓ ایک رکاب اور ابوسفیان بن الحارثؓ دوسری رکاب تھا۔ مے ہوئے، چار ہزار کا مسلح لشکر پورے جوش انتقام میں ٹوٹا پڑتا ہے، ہر چہار طرف سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے، ساتھی منتشر ہو چکے ہیں مگر رفیق اعلیٰ آپؐ کے ساتھ ہے ربانی تائید اور آسمانی سکینہ کی غیر مرئی بارش آپؐ پر اور آپؐ کے گئے چنے رفیقوں پر ہو رہی ہے جس کا اثر آخر کار بھاگنے والوں تک پہنچتا ہے۔ جدھر سے ہوازن و ثقیف کا سیلاب بڑھ رہا ہے، آپؐ کی

سواری کا منہ اس وقت بھی اسی طرف ہے اور ادھر بھی آگے بڑھنے کے لئے فخر کو مبیز کر رہے ہیں۔ ول سے خدا کی طرف لوگی ہے اور زبان پر نہایت استغنا اور اطمینان کے ساتھ انا النبی لا کذب۔ انا ابن عبدالمطلب جاری ہے یعنی بے شک میں سچا پیغمبر ہوں اور عبدالمطلب کی اولاد ہوں۔ اسی حالت میں آپ نے صحابہ کو آواز دی اَللّٰہِ عباد اللّٰہ انا رسول اللّٰہ خدا کے بندو! ادھر آؤ، یہاں آؤ کہ میں خدا کا رسول ہوں پھر آپ کی ہدایت کے موافق حضرت عباسؓ جو نہایت جہیر الصوت (یعنی بلند آواز) تھے اصحابِ سمرہ کو پکارا جنہوں نے درخت کے نیچے حضور کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی تھی، آواز کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ بھاگنے والوں نے سوار یوں کا رخ میدان جنگ کی طرف پھیر دیا، جس کے اونٹ نے رخ بدلنے میں دیر کی وہ گلے میں زرہ ڈال کر اونٹ سے کود پڑا اور سواری چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا، اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی سی مٹی اور کنکریاں اٹھا کر لشکر کفار پر پھینکیں جو اللہ کی قدرت سے ہر کافر کے چہرے اور آنکھوں پر پڑی، ادھر حق تعالیٰ نے آسمان سے فرشتوں کی فوجیں بھیج دیں جن کا نزول غیر مرمی طور پر مسلمانوں کی تقویت و ہمت افزائی اور کفار کی مرعوبیت کا سبب ہوا پھر کیا تھا کفار کنکریوں کے اثر سے انکھیں ملتے رہے، جو مسلمان قریب تھے انہوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا آنا فانا میں مطلع صاف ہو گیا، بہت سے بھاگے ہوئے مسلمان لوٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا لڑائی ختم ہو چکی۔ ہزاروں قیدی آپ ﷺ کے سامنے بندھے کھڑے ہیں اور مالِ غنیمت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں فَسُبْحَانَ مَنْ بَيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ۔ اس طرح کافروں کو دنیا میں سزا دی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

سبق ۳۲ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے واقعات یاد کرنے سے قوت ملتی ہے

آیت مبارکہ کا آغاز اس بات سے ہوا کہ یقیناً اللہ پاک نے کئی جنگوں کے موقع پر تمہاری نصرت فرمائی تمہیں غلبہ عطا فرمایا۔ حضرات مفسرین نے آیت کے نزول کے وقت تک ایسے اسی ۸۰ مواقع ذکر فرمائے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی واضح نصرت نازل ہوئی۔

امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وقیل : ان المواطن التي نصر الله فيها النبي عليه السلام والمومنين ثمانون موطناً یعنی وہ مواقع جہاں اللہ پاک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی نصرت فرمائی ہے ان کی تعداد اسی ہے۔ تفسیر ماجدی میں ہے:

بے شک اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری نصرت فرمائی ہے جیسے جنگ بدر میں اور فتح مکہ کے موقع پر..... اور بنو قریظہ و بنو نضیر کے مقابلہ میں قس علیٰ ہذا نصرت غیبی اور تائید ایزدی کا منظر تو کہنا چاہیے کہ ہر موقع پر نمایاں رہتا تھا علماء نے اسی ایسے مواقع گنائے ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

فان ائمة التاريخ والعلماء والمغازي نقلوا انها كانت ثمانين موطناً. (البحر المحيط بمعوال تفسیر ماجدی)

سورۃ توبہ کی ان آیات میں مشرکین کے ساتھ کھلی جنگ کا اعلان ہے تو اس موقع پر انہیں ماضی کے وہ واقعات یاد دلائے گئے جن میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی غیبی اور ظاہری نصرت فرمائی پس معلوم ہوا کہ جہاد کے وقت اللہ تعالیٰ کی نصرت کے قدیم واقعات کو یاد کرنے سے ہمت بڑھتی ہے اور حوصلہ جوان ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر پختہ یقین مضبوط ہو جاتا ہے اور اسباب سے نظر ہٹ جاتی ہے۔ پس مجاہدین کو اس چیز کا التزام کرنا چاہیے اس تالیف میں بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کو تفصیل سے ذکر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ ان واقعات سے جہاد مکمل طور پر سمجھ آ جاتا ہے اور قرآن پاک کے جہادی مضامین کو سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سبق ۴۔ جس گناہ کی وجہ سے نصرت اٹھے اسے چھوڑ دیں تو نصرت واپس آ جاتی ہے

غزوہ جنین میں عجب یعنی اپنی تعداد پر فخر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نصرت ہٹ گئی تھی مگر جب لشکر اسلام کے پاؤں اکھڑے اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت واپس آ گئی، ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

سَيَكُونَنَّ عَلَى رَسُولِهِ مَفْسَرَةً نَّوِيٍّ نَبَاہُ كَمَا مَرَادُ اس سے مطلق یعنی عام تسلی نہیں وہ تو آپ ﷺ کو اور جو صحابہ آپ ﷺ کے ہمراہ گئے تھے انہیں حاصل ہی تھی اور اسی بناء پر وہ ثابت قدم بھی رہے، بلکہ مراد اس سے تسلی خاص ہے جس سے غلبہ کی امید ہو گئی، مرشد تھا نوئی نے فرمایا کہ ترک عجب (یعنی عجب اور فخر کو چھوڑنا) نزول سکینہ کا سبب ہو جاتا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

پس سبق یہ ملا کہ جب مجاہدین کو محسوس ہو کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت نہیں آرہی تو وہ فوراً اپنی نیتوں اور اعمال کا محاسبہ کریں اور جو غلطی نظر آئے اس سے فوراً توبہ کر لیں اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کے شامل حال ہو جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب

سبق ۵۔ جہاد کرتے ہوئے خود کو ٹھیک کریں

ان تین آیات میں بالکل واضح طور پر بتایا گیا کہ مجاہدین اسلام سے جہاد کے دوران ایک غلطی ہوئی مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اسکی اصلاح کر لی تو فوراً نصرت نازل ہو گئی۔ پس مسلمان کو یہ سبق ملا کہ اصلاح کے نام پر جہاد چھوڑ کر نہ بیٹھ جائیں بلکہ جہاد کرتے رہیں اور کوئی غلطی ہو جائے تو جہاد جاری رکھتے ہوئے اس کی اصلاح بھی کریں۔ دیکھیں غزوہ جنین کے اس لشکر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان طلقاء یعنی اہل مکہ کو بھی لے آئے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور پھر اسی جہاد کے مختلف مراحل اور مناظر نے ان کے ایمان کو بے حد قوی اور مضبوط بنا دیا اور مستقبل میں چل کر ان میں سے کئی افراد نے بہت اونچے کارنامے سر انجام دیے۔ اگر مسلمان اس پورے سبق پر غور کریں تو جہاد کے خلاف اٹھنے والے بہت سے مغالطوں اور وسوسوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سبق ۶ | جہاد کفر سے توبہ کا بہت بڑا ذریعہ ہے

ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ

یہ قرآنی حقیقت مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا سبق ہے کہ مسلمانوں کے جہاد کرنے کی وجہ سے اللہ پاک کافروں کو کفر سے توبہ کی توفیق عطا کرتا ہے۔ یہی مضمون پہلے اسی سورۃ کی آیت ۱۵ میں گزر چکا ہے اور اب اس آیت میں بھی اسے دہرایا گیا ہے۔ غزوہ حنین کے واقعہ کو قریب سے دیکھیں اسکی برکت سے اللہ پاک نے کتنے کافروں کو توبہ کی توفیق دی اور وہ بچے مسلمان بن گئے..... مثلاً

۱ مکہ کے وہ بچے کافر جو لشکر اسلام میں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے نکلے تھے کفر سے تائب ہوئے۔

۲ قبیلہ ہوازن وثقیف کے لوگ جو اپنے قیدی چھڑانے آئے تھے وہ مسلمان ہوئے۔

۳ وہ قیدی جو مسلمانوں نے رہا کئے تھے ان میں سے بہت سے مسلمان ہوئے۔

۴ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس خوفناک کفریہ لشکر کا سردار عوف بن مالک نصری بعد میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر مسلمان ہوا اور اس نے اس موقع پر جو اشعار پڑھے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال شجاعت سے وہ بے حد متاثر ہوا۔

صاحب انوار البیان لکھتے ہیں:

انہیں میں مالک بن عوف بھی تھا جو بہت بڑی جمعیت لیکر مقابلہ کے لئے حنین میں آیا تھا جب شکست ہوئی تو طائف جا کر قلعہ بند ہو گیا لیکن آنحضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچنے پر واپس آیا اور مسلمان ہو گیا آپؐ نے اس کو اس کی قوم پر عامل بھی بنایا نیز اور بھی بہت سے بنی ہوازن کے لوگ مسلمان ہوئے جو جنگ میں قتل ہونے سے بچ گئے تھے، طائف میں جا کر آپ ﷺ نے محاصرہ فرمایا پھر محاصرہ کے بعد واپس تشریف لے آئے بعد میں وہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے، اس کے بعد بڑے بڑے دشمنوں نے اسلام قبول کیا اور مستحق جنت ہوئے، زمانہ کفر میں جو کیا تھا اللہ تعالیٰ نے سب معاف فرمایا۔ مالک بن عوفؓ نے اسلام قبول کر کے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے ہوئے چند اشعار کہے، اہل علم کی دلچسپی کے لئے نقل کئے جاتے ہیں:

ما ان رأيت ولا سمعت بمثلہ	فی الناس کلہم بمثل محمد
اوفى واعطى للجزيل اذا جتدى	ومتى تشاء يخبرك عما فى غد
و اذا الكتيبة عردت انيابها	بالسمهرى وضرب كل مهند
فكانه ليث على اشباله	وسط الهباءة خادر فى مرصد

جن کا ترجمہ یہ ہے:

۱ میں نے تمام لوگوں میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہ دیکھا نہ سنا

۲) خوب زیادہ مال کثیر کا دینے والا جب کہ وہ سخاوت کرے۔ اور جو تو چاہے تو تجھے اس بات کی خبر دے دے جو کل ہونے والی ہے (وہ جو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنی ہوازن کے مال کل انشاء اللہ مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہوں گے اس کی طرف اشارہ ہے) (علم غیب اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، انبیاء علیہم السلام مستقبل کے بارے میں جو بتاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے بتاتے ہیں یعنی وحی کے ذریعہ)۔

۳) اور جب لشکر اپنے دانتوں کو پینے لگے نیزوں کے ساتھ اور ہر تلوار استعمال کر لی جائے تو گویا وہ شیر ہے جو غبار کے درمیان اپنے بچوں کی نگرانی کر رہا ہو ہر گھات کی جگہ میں۔

ذکرہا الحافظ ابن کثیر فی البدایہ ص ۳۶۱ ج ۴ والخادر (بالحاء) الاسد الذی اختفی فی اجمتہ کما فی القاموس (اسے حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے، الخادر اس شیر کو کہتے ہیں جو اپنی کچھار میں چھپا ہوا ہو) خلاصہ یہ کہ جہاد کی بدولت بہت زیادہ کافروں کو توبہ کی توفیق ملتی ہے پس جو مسلمان چاہتے ہیں کہ کافر زیادہ سے زیادہ مسلمان ہوں تو وہ جہاد کے فریضے کو زندہ کریں..... توبہ کا یہ مفہوم قرآن پاک کی اور بھی کئی آیات میں آیا ہے مثلاً ملاحظہ فرمائیے سورۃ النصر اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ - (واللہ اعلم بالصواب)

سبق ۷۱ حضور اکرم ﷺ کے وارث بہادر ہونے چاہئیں

اس غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بے مثال شجاعت کا مظاہرہ فرمایا اور قرآن پاک کے ان الفاظ میں اس کی طرف اشارہ ہے ثُمَّ أَوَّاهُ اللَّهُ سَيِّدُنَا عَلَى رَسُولِهِ اللہ پاک کا خاص سکینہ ثابت قدم رہنے والوں پر نازل ہوتا ہے..... تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بہادری، شجاعت اور جنگی مہارت سے یہ سبق ملا کہ اس امت کی قیادت کرنے والے علماء اور حکمران بھی عام لوگوں سے زیادہ بہادر اور زیادہ جنگجو ہوں..... اللہ اکبر کبیرا چار ہزار کا لشکر تیروں کی بوچھاڑ کر رہا تھا اور مسلسل یلغار کر رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی کی طرف آگے بڑھ رہے تھے، مقابلہ فرما رہے تھے، رجزیہ اشعار کے ذریعہ لکار رہے تھے اور اپنے لشکریوں کو آوازیں دے رہے تھے..... معلوم ہوا کہ شجاعت، بہادری اور جنگ بازی بھی ایمان والوں کا کام اور اہل روحانیت کا شیوہ ہے۔

بخاری کی روایت ہے کہ ایک شخص حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابو عمارہ! کیا آپ لوگ حنین کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تھے حضرت براءؓ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری۔ اس روایت کے آخر میں حضرت براءؓ فرماتے ہیں کنا واللہ اذا احمر الباس نتقی بہ وان الشجاع منا للذی یحاذی بہ یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (القرطبی)

یعنی اللہ پاک کی قسم جب لڑائی بہت سخت گرم ہو جاتی تھی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ لیا کرتے تھے اور ہم میں بہادر وہ ہوتا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جا کر لڑتا تھا.....

اس زمانے کے علماء اہل تقویٰ اور دیندار لوگوں کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنی چاہیے اور اپنے اندر بہادری، شجاعت اور جنگی مہارت پیدا کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے تب ہی یہ امت طوفانوں سے نجات پائے گی..... اللہ پاک ہم سب کو اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نصیب فرمائے۔

سبق ۸ | مغلوب کافروں کے ایمان سے مایوس نہ ہوں

معارف القرآن میں ہے:

تیسری آیت (ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ الْآيَةِ) نے یہ ہدایت کردی کہ جو کفار مقابلہ میں مغلوب ہو جائیں ان سے بھی مایوس نہ ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ ان کو پھر اسلام و ایمان کی ہدایت دے دیں جیسا کہ وفد ہوازن کے واقعہ اسلام سے ثابت ہوا۔ (معارف القرآن)

سبق ۹ | جو دین کو دنیا پر ترجیح دے گا اللہ تعالیٰ اسے دین و دنیا دونوں عطا فرمائے گا

امام رازئیؒ نے ان تین آیات پر ایک عجیب نکتہ لکھا ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

پچھلی آیت میں جب اللہ پاک نے حکم دیا کہ رشتہ دار، خاندان، اموال، تجارت اور مکانات میں دل نہ لگاؤ اور دین کی مصلحت کو مقدم رکھو اور اللہ پاک کو علم ہے کہ یہ چیز بہت مشکل اور بھاری ہے تو ان آیات میں ایک واقعہ کے ذریعہ یہ سمجھایا کہ جو دین کی خاطر دنیا چھوڑے گا اللہ پاک اس کو دنیا بھی عطا فرمائے گا۔

چنانچہ جنین کا واقعہ ذکر فرمایا کہ مسلمانوں کے پاس کافی طاقت تھی مگر جب انہیں اپنی کثرت پر گھمنڈ ہوا تو وہ پسپا ہو گئے پھر اس پسپائی کے عالم میں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت دے دی یہاں تک کہ کفار کے لشکر کو شکست ہو گئی..... اس سے یہ ثابت ہوا کہ انسان جب دنیا پر بھروسہ کرتا ہے تو دین و دنیا دونوں سے محروم ہو جاتا ہے اور جب اللہ پاک کی اطاعت کرتا ہے اور دین کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے احسن طریقے سے دین اور دنیا دونوں عطا فرمادیتے ہیں..... پس اس میں ان لوگوں کے لئے تسلی تھی جنہیں دین کی خاطر اپنے آباء اولاد اور مکان و تجارت چھوڑنے کا حکم دیا گیا تھا اور بطور اشارہ ان سے وعدہ تھا کہ اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے سب کچھ چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کے رشتہ دار، اموال اور مکانات بھی بہترین طریقے سے لوٹائے گا۔ ملاحظہ فرمائیے امام صاحب کی عبارت کا آخری حصہ۔

ثم فى حال الانهزام لما تضرعوا الى الله قواهم حتى هزموا عسكر الكفار وذلك يدل على ان الانسان متى اعتمد على الدنيا فاته الدين والدنيا ومتى اطاع الله ورجع الدين على الدنيا اتاه الله الدين والدنيا على احسن الوجوه فكان ذكر هذا تسلياً لأولئك الذين امرهم الله بمقاطعة الآباء والابناء والاموال والمسكن لاجل مصلحة الدين وتصبيراً لهم عليها ووعداً لهم على سبيل الرمز بانهم ان فعلوا ذلك فالله تعالى يوصلهم الى اقاربهم واموالهم

ومساكنهم على احسن الوجوه (التفسير الكبير)

سبق ۱۰ | کافروں کے لئے اصل چیز شکست ہی ہے

وَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِيْنَ میں یہ سبق دیا کہ کافروں کا اصل انجام شکست اور ذلت ہی ہے، اگر انہیں کبھی کوئی فتح وغیرہ ملتی ہے تو کفر کے حق ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ مسلمانوں کی کسی کمزوری وغیرہ کی وجہ سے ملتی ہے پس مسلمان اگر اس بات کو اپنے دل میں بٹھالیں تو کبھی بھی کافروں کی قوت سے مرعوب اور خوفزدہ نہ ہوں۔
تفسیر ماجدی میں ہے:

وَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِيْنَ اور یہی کافروں کے لئے بدلہ ہے چنانچہ جنین میں کافروں کو شکست کی ذلت نصیب ہوئی ستر آدمی قتل ہوئے ہزار ہا کی تعداد میں قید ہوئے جن میں فقط عورتیں ہی چھ ہزار تھیں مال غنیمت میں مسلمانوں کو ۲۴ ہزار اونٹ اور ۴۰ ہزار بھیٹر بکریوں کے علاوہ ۴ ہزار اوقیہ چاندی بھی ہاتھ لگی۔
انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے جدید ایڈیشن جلد ۲ ص ۷۵ ک ۱، وک ۲ کا بیان ہے:
”غرض یہ کہ چند گھنٹوں ہی کے اندر دشمن کو ہزیمت کامل ہو گئی اور یہ اس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے کل بارہ آدمی کام آئے اور قیدیوں کی بہت بڑی تعداد ہاتھ آئی جن میں چھ ہزار تو اکیلی عورتیں اور بچے ہی تھے اور بہ طور غنیمت ۲۴ ہزار اونٹ ہاتھ آئے۔“

اور یہاں یہ عام قانون بھی بتا دیا کہ اصلاً کفر کی سزا ہے ہی شکست، ذلت، عذاب دنیوی تا وقتیکہ کوئی عارض اس کے منافی نہ ہو۔ (تفسیر ماجدی)

اسباق اور بھی ہیں

غزوہ جنین اسلام کا ایک اہم معرکہ ہے اس میں مسلمانوں کے لئے اسباق بہت زیادہ ہیں یہاں صرف ان دس اسباق کو ذکر کیا گیا ہے جو قرآنی آیات کے الفاظ سے سمجھ آ رہے ہیں باقی احادیث اور سیرت میں اس غزوے کا مطالعہ کریں تو بہت سے اہم اسباق ملتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

امام نسفیؒ لکھتے ہیں: (واللہ غفور) بستر کفر العدو بالاسلام (رحیم) بنصر الولی بعد الانہزام یعنی اللہ پاک غفور ہے کہ دشمن کافروں کو اسلام کی توفیق عطا فرماتا ہے اور رحیم ہے کہ اپنے اولیاء کو شکست کے بعد غلبے سے ہمکنار کرتا ہے۔ (المدارک)

یہ آیت آیات حکام میں سے ہے

غزوہ جنین کے تذکرے پر مشتمل ان آیات سے حضرات فقہاء کرام نے کئی مسائل کو سمجھا ہے بطور مثال ایک مسئلہ

اس عبارت میں ملاحظہ فرمائیے:

فقہاء مفسرین نے اس آیت کو بھی ”آیات احکام“ میں شمار کیا ہے اور چونکہ حدیث مالک میں ذکر آیا ہے کہ اس جہاد میں ”صفوان“ مشرک بھی شریک تھا اس لئے اس سے بعض فقہی مسائل بھی مستنبط کئے ہیں امام مالکؒ کی رائے ہے کہ مشرکین کے خلاف جہاد میں مشرک سے مدد لینا جائز نہیں، بجز اس صورت کے کہ وہ مشرک خادم بن کر شریک ہو جائے۔

قال مالك ولم يكن ذلك بامر رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا ارى ان يستعان بالمشرکین على المشرکین الا ان يكونوا خدماً (قرطبی)

دوسرے ائمہ فقہ ابو حنیفہؒ وشافعیؒ وثورئؒ واوزاعیؒ کی رائے میں جب کلمہ اسلام غالب ہو رہا ہو تو اس کے لئے مشرکین سے استعانت جائز ہے۔

وقال ابو حنیفہ والشافعی والثوری والاوزاعی لا یاس بذلك اذا کان حکم الاسلام هو الغالب وانما تکره الاستعانة بهم اذا کان حکم الشریک هو الظاهر (قرطبی)۔ (تفسیر ماجدی)

کلام برکت

حضرت شاہ صاحبؒ نے ان تین آیات پر جو عبارت لکھی ہے اس میں ایک عجیب قسم کی چاشنی، علم اور والہانہ پن ہے۔ طلبہ کی دلچسپی کے لئے یہ عبارت من وعن پیش خدمت ہے:

”فتح مکہ کے بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ مکے اور طائف کے بیچ کافر جمع ہیں لڑائی کو، حضرت ان پر چلے، دس ہزار مسلمان ساتھ تھے اول سے، اور دو ہزار مل لئے مکے سے، پہاڑوں کے بیچ گزارا فوج کا تنگی سے تھا کم کم گزرنے لگے، قوم ہوا زن گرد میں چھپے تھے، جب مکے والے گزرنے لگے وہ ان پر آگرے، یہ الٹے بھاگے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والے بھی بکھر گئے، حضرت پیادہ ہو کر جنگ کو مستعد ہوئے، حضرت عباسؓ نے بلند آواز سے پکارا انصار کو، اس آواز پر مہاجر و انصار پہنچے تب لڑائی ہوئی اور اللہ نے فتح دی، اول کسی مسلمان نے کہا تھا کہ ہم تھوڑوں کو بہت جگہ فتح ملی ہے اب تو ہم ہیں دس ہزار، حق تعالیٰ نے ادب دیا تا کہ اسباب پر نظر نہ رکھیں پھر ان کافروں میں اکثر مسلمان ہوئے۔“ (موضح القرآن)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكْنِيَّةٌ آیت ۲۸

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ

اے ایمان والو! مشرک تو پلید ہیں سو اس برس کے بعد مسجد حرام کے نزدیک نہ

اِحْرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيَكُمْ

آنے پائیں اور اگر تم تنگدستی سے ڈرتے ہو تو آئندہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تمہیں اپنے فضل سے غنی

اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۸﴾

کروے گا بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے

خلاصہ

جب اللہ تعالیٰ نے شرک کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کا مرکزی مقام مکہ معظمہ فتح کر دیا اور عرب کے قبائل جو حق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تب ۹ھ میں یہ اعلان کرایا گیا کہ آئندہ کوئی مشرک (یا کافر) مسجد حرام میں داخل نہ ہو بلکہ اس کے نزدیک یعنی حدود حرم میں بھی نہ آنے پائے کیونکہ ان کے دل شرک و کفر کی نجاست اور گندگی سے اس قدر پلید اور ناپاک ہیں کہ اس سب سے بڑے مقدس مقام اور توحید و ایمان کے مرکز میں داخل ہونے کے لائق نہیں اس کے بعد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۃ العرب سے مشرکین اور یہود و نصاریٰ سب کو نکال دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت کے موافق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ حکم عملاً نافذ ہوا اب بطور استیلا (یعنی غلبہ) یا توطین (یعنی وطن بنانے کے) کفار کے وہاں رہنے پر مسلمانوں کا رضامند ہونا جائز نہیں بلکہ اپنی استطاعت کے مطابق جزیرۃ العرب کو مشرکوں اور کافروں سے پاک رکھنا مسلمانوں کا فریضہ ہے۔

حرم میں مشرکین کی آمد و رفت بند کر دینے سے مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ تجارت وغیرہ کو بڑا نقصان پہنچے گا اور جو سامان تجارت یہ لوگ لاتے تھے وہ نہیں آئے گا اس لئے تسلی دی کہ اس سے مت گھبراؤ تم کو خوشحالی عطا فرمانا تو صرف اللہ تعالیٰ کے ”چاہنے“ پر موقوف ہے وہ چاہے گا تو کچھ دیر نہ لگے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا اللہ تعالیٰ نے سارا ملک مسلمان کر دیا مختلف ملکوں اور شہروں سے تجارتی سامان آنے لگا بارشیں خوب ہوئیں جس سے پیداوار بڑھ گئی فتوحات اور غنیمت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کی رقوم وصول ہونے لگیں، الغرض مختلف طرح سے اللہ تعالیٰ نے غنا اور خوشحالی کے اسباب جمع فرما دیئے بے شک اللہ پاک کو ہر چیز کا پورا علم ہے اور اس کا کوئی

حکم حکمت سے خالی نہیں (تفسیر عثمانی تسہیل)

آیت مبارکہ کا موضوع

”مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے میں اگر بعض دنیاوی ضروریات کے میسر نہ آنے کا خطرہ لاحق ہو تو یہ عذر بھی مانع جہاد نہیں ہو سکتا اگر وہ ضرورت واقعی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی دوسری جگہ سے پوری کر دے گا حاصل یہ ہے کہ اقتصادی خطرات بھی مانع جہاد نہیں ہو سکتے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)“

امام رازئی نے بھی اسی سے ملتی جلتی بات لکھی ہے کہ جب کفار کے ساتھ کھلم کھلا اعلان جنگ اور برات کا اعلان ہوا تو یہ شبہ ہوا کہ اس سے تو مسلمانوں کی معیشت کو سخت نقصان پہنچے گا تو آیت میں اس کا جواب آ گیا ملاحظہ فرمائیے تفسیر کبیر۔ اسی موضوع کی وضاحت کے لئے درج ذیل عبارت بھی چشم کشا ہے:

کفار و مشرکین کے ساتھ تجارتی تعلقات ہیں مسلمانوں کی آمدنی کے ذرائع ان مخالفین ہی کے ہاتھ میں ہیں اور انہیں سے روپیہ وصول ہوتا ہے اگر مسلمانوں کو ان دشمنان دین کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی جائے تو وہ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ برسرِ پیکار ہونے کی وجہ سے ہمارے تمام ذرائع آمدنی مسدود ہو جائیں گے کہیں سے روپیہ وصول نہ ہوگا اور چاروں طرف سے غربت و افلاس ہم پر حملہ آور ہوگا اس لئے مصلحت اس امر کی مقتضی ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ جنگ ہی نہ کی جائے ورنہ تمام قوم کی قوم برباد ہو جائے گی اس غلط فہمی کو قرآن حکیم یوں دور فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (الآیۃ)

حج کے زمانہ میں عام طور پر دستور تھا کہ تجارت کی چیزیں وہاں کثرت سے آتیں اور خرید و فروخت کا سلسلہ جاری ہوتا ذوالمجنۃ اور عکاظ کی منڈیاں خصوصاً اس بات کے لئے مشہور تھیں وہاں میلے لگتے بڑے بڑے تاجر اپنی دکانیں کھولتے اور مختلف قبائل اپنے مفاد و قومی بیان کرتے، جب اس سال مشرکین کا داخلہ بند ہو گیا تو قدرتی طور پر اس خیال کا آنا ضروری تھا کہ اب ہماری ضروریات کیونکر مہیا ہوں گی کیونکہ کفار کے نہ آنے سے آمدنی کے تمام ذرائع مسدود ہو گئے، اور بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ من این نعیش؟ اب کس طرح گزارہ ہوگا، ان کے جواب میں فرمایا کہ مشرکین تو یکسر ناپاک ہیں، امراض کے جراثیم ان کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہیں شرک و بت پرستی اور خیالات فاسدہ کی اشاعت ان کی فطرت بن گئی ہے جہاں جائیں گے یہ بیماریاں ان کے ساتھ ہوں گی اور ہر جگہ وہ بائے عام کی طرح پھیل جائیں گی اس لئے ایسے ناپاک لوگوں کا مسجد حرام کے قریب بھی آنا حرام ہونا ضروری ہے، ہاں اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ ان کے نہ آنے سے تمہاری تجارت بند ہو جائے گی تو تم اس بدظنی کو دل سے نکال دو اور محض اس وجہ سے جہاد فی سبیل اللہ کو ترک نہ کرو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں جو مسلمانوں کو دولت مند کر دینے کا وعدہ دیا تو دیکھو یہ الفاظ کس قدر جلد پورے ہو کر رہے قیصر و کسری کے خزانوں پر چند ہی روز میں

مسلمانوں نے قبضہ کر لیا اور تمام مہذب دنیا ان کے زیر نگیں ہو گئی۔ (تفسیر القرآن)

عصر حاضر کا سب سے بڑا بت معیشت

مکہ کے نئے مسلمان ہونے والے لوگوں کی نظر بس سامنے موجود ”روزی“ پر تھی اور یہ روزی مشرکین کی طرف سے گزر کر آ رہی تھی۔ آیت نے سمجھایا کہ اپنی ظاہری نظروں پر نہ جاؤ۔ اللہ علیم اور حکیم کی بات مانو..... اور یاد رکھو تمہاری روزی اللہ پاک کے چاہنے میں ہے وہ چاہے گا تو روزی کے انبار لگا دے گا۔ یہ آیت سننے والوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر یقین کیا اور معیشت تباہ ہونے کے ڈر سے جہاد نہیں چھوڑا تو اللہ پاک نے ان کے لئے معیشت اور روزی کا مسئلہ ہی ختم فرمادیا..... وہ اتنے مالدار ہو گئے کہ مال کی کوئی حیثیت ہی نہ رہی۔ ہر طرف فتوحات تھیں اور غنیمتیں..... زکوٰۃ دینے والوں کو یہ مشکل پڑتی تھی کہ کس کو دیں کوئی لینے والا نہ ملتا تھا..... اب آج کے زمانے کو دیکھیں کفار و مشرکین نے ”معیشت“ کے تمام ظاہری دروازوں پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو ”تیسری دنیا“ قرار دے دیا ہے اور ہر طرح سے کوشش اور پروپیگنڈہ کر کے معیشت کو سب سے بڑا بت بنا دیا ہے جس کی نعوذ باللہ لوگ پوجا کرتے ہیں اور مسلمان حکمرانوں اور اکثر عوام کے دلوں میں یہ بٹھا دیا ہے کہ معیشت میں ترقی ہی اصل کام ہے..... اور جہاد مسلمانوں کو پسماندہ اور غریب کرتا ہے اور ان کی معیشت کو برباد کرتا ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیت اس بت کو پاش پاش کرتی ہے اور مسلمانوں کو سمجھاتی ہے کہ رزق تو پاک ہونا چاہئے یہ کیا کہ تم نے اپنی روزی نجس اور ناپاک مشرکوں اور کافروں سے وابستہ کر لی ہے۔

روزی اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے۔ اس پر تو گُل کر کے جہاد کرو تو پھر وہ تمہیں اپنے چھپے ہوئے خزانے دکھائے گا اور تمہیں ان کافروں کا محتاج نہیں رہنے دے گا اللہ پاک کے علم پر اعتماد کرو اپنی معلومات پر نہیں..... اور اللہ پاک کی حکمت کو مانو اپنی ظاہری عقل کو نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ

نَجَسٌ اردو زبان میں ناپاک کو کہتے ہیں مگر عربی میں یہ مصدر ہے جس کا معنی ہے ”ناپاکی“ اور یہ مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے کہ مشرک تو سراسر نجاست کا ظاہری و باطنی ڈھیر ہیں۔ یہ ایسا جملہ ہے جو مسلمانوں کو ایک ایسا بہترین اور مضبوط نظریہ عطاء کرتا ہے کہ وہ دنیا کی چمک، عیاشی اور فحاشی میں ڈوبے ہوئے کافروں اور مشرکوں سے ذرہ برابر متاثر نہیں ہوتے کیونکہ ان کے رب نے انہیں سمجھا دیا ہے کہ مشرک تو سراسر نجاست اور گندگی کا ڈھیر ہیں۔

تفسیر ماجدی میں ہے:

نَجَسٌ تو اردو کے برخلاف عربی میں مصدر ہے، باب سمع یمع سے بہ معنی گندگی یا نجاست کے اور تنزیہ و جمع اور مذکر و مونث سب کے لئے یکساں آتا ہے، یہاں مراد مشرکین کی نجاست پر زور دینا ہے کہ وہ نجاست مجسم ہیں۔

اخبّر عنہم المصدر للمبالغة كأنهم عين النجاسة أو المراد ذوو نجس (روح ای

ذو ونجس وهو مصدر (مدارك). (تفسیر ماجدی)

تفسیر معارف القرآن میں نجاست کی تین قسمیں بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

آیت مذکورہ میں کلمہ **إِنَّمَا** لایا گیا ہے جو حصر کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے **إِنَّمَا** **الْمُشْرِكُونَ** **نَجَسٌ** کے معنی یہ ہو گئے کہ مشرکین نری نجاست ہی ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ عام طور پر مشرکین میں تینوں قسم کی نجاستیں ہوتی ہیں، کیونکہ بہت سی ظاہری ناپاک چیزوں کو وہ ناپاک نہیں سمجھتے اس لئے ان ظاہری نجاستوں سے بھی نہیں بچتے جیسے شراب اور اس سے بنی ہوئی چیزیں، اور معنوی نجاست غسل جنابت وغیرہ کے تو وہ معتقد ہی نہیں، اسی طرح عقائد فاسدہ اور اخلاق رذیلہ کو بھی وہ کچھ (برا) نہیں سمجھتے۔ (معارف القرآن)

آیت مبارکہ کے احکامات

اس آیت کو مد نظر رکھ کر حضرات مفسرین اور فقہاء نے کئی بحثیں اور احکامات لکھے ہیں، مثلاً:

- ۱ مسجد الحرام سے مراد تمام حدود حرم ہے صرف کعبہ شریف اور اس کے گرد والی مسجد نہیں۔
 - ۲ کفار و مشرکین کی یہ نجاست قلبی، روحانی اور معنوی ہے نہ کہ نجاست اجسام۔
 - ۳ حدود حرم، مسجد حرام اور دیگر مساجد میں کفار کے داخلے کا حکم..... بطور غلبہ اور وطن بنانے کے تو کسی کے نزدیک جائز نہیں البتہ بطور مسافر وغیرہ کے مسئلے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔
- ان تمام مسائل کی تحقیق اور معلومات کے لئے ملاحظہ فرمائیے تفسیر المدارک، القرطبی، احکام القرآن (بصاص)، روح المعانی، بیان القرآن وغیرہ۔

یہود و نصاریٰ بھی اس حکم میں مشرکین کی طرح ہیں

”حدیثوں سے تمام جزیرہ عرب کا یہی حکم ثابت ہے، مشرکین کے لئے بھی اور یہود و نصاریٰ کے لئے بھی، چنانچہ حسب وصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تمام جزیرہ عرب میں اس قانون کا نفاذ ہو گیا اور فقہ حنفی کی رو سے مراد اس سے قرب و دخول بہ طور توطن یا استیلاء کے ہے کہ یہ ناجائز ہے، ورنہ مسافر انہ امام کی اجازت سے اگر امام کے نزدیک خلاف مصلحت نہ ہو مضاقتہ نہیں“ (تفسیر ماجدی)

یہ بہت بڑا مجاہدہ تھا

”عرب کا ملک کوئی زراعتی تو تھا نہیں، قریش کی آمدنی کا دار و مدار تجارت ہی پر رہتا تھا، نو مسلموں کو یہ خوف پیدا ہونا بالکل قدرتی تھا کہ اگر مشرکوں سے معاشی و تجارتی تعلقات منقطع ہو گئے تو آخر کھائیں گے پہنیں گے کہاں سے؟ یہاں اسی طرف سے اطمینان دلایا جا رہا ہے، قریش نہ صرف اندرون عرب کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے اور ہرمزئی اور سالانہ میلے پر ان کا قبضہ تھا بلکہ ایشیاء اور یورپ کے درمیان بین الاقوامی تجارت پر بھی ان کا قدم جما ہوا تھا، ان سے تجارتی مقاطعہ کرنا کوئی معمولی مجاہدہ نہ تھا“ (تفسیر ماجدی)

روزی دینا اللہ پاک کا کام ہے

حضرت تھانوی نے یہ عجیب نکتہ تحریر فرمایا ہے جو تفسیر ماجدی کی عبارت میں ملاحظہ فرمائیے :

إِنْ شَاءَ (اگر چاہے گا) سے مقصود اس حقیقت پر متوجہ کرنا ہے کہ اسے (یعنی اللہ تعالیٰ کو) ان سے وعدہ پورا کرنے کے لئے کسی لمبے چوڑے سامان کی ضرورت نہیں محض اس کی مشیئت کافی ہے چنانچہ جب اس کی مشیئت ہوئی سارا ملک مسلمان ہو گیا سامان تجارت دور دور سے بہ کثرت آنے لگا بارشیں اچھی ہوئیں پیداوار خوب ہونے لگی فتوحات اور غنیمتوں کے دروازے کھل گئے اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کی رقم وصول ہونے لگی غرض مشیت کی ایک حرکت نے اسباب غنا ہر طرح کے جمع کر دیئے۔ (تفسیر ماجدی)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَثَلَنِيَّةٌ آیت ۲۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا يَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ

ان لوگوں سے لڑو جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اسے حرام جانتے ہیں

مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ

جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور سچا دین قبول نہیں کرتے ان لوگوں میں سے

أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝

جو اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں

خلاصہ

مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے قتال کریں ان سے برابر لڑتے رہیں یہاں تک کہ (یا تو وہ ایمان لے آئیں یا) مسلمانوں کے غلبے کو تسلیم کر کے ان کے محکوم بن کر جزیہ ادا کریں یہود و نصاریٰ کے خلاف جہاد کا یہ حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کیونکہ وہ۔

۱ اللہ تعالیٰ پر جیسا ایمان لانا چاہئے ویسا ایمان نہیں لاتے یہی ان کے خلاف جہاد کو واجب کرنے کی اصل وجہ ہے یعنی ان کا کفر

۲ اور وہ آخرت کو بھی ٹھیک طرح سے نہیں مانتے

۳ وہ ان چیزوں کو حرام قرار نہیں دیتے جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا

۴ وہ حق دین کو اختیار نہیں کرتے

ان چار وجوہات کی وجہ سے ان کے خلاف جہاد جاری رکھو یہاں تک کہ ان کی قوت، حکومت اور شوکت ٹوٹ جائے۔ اور وہ اسلام کے غلبے اور قانون کو تسلیم کر لیں اور مسلمانوں کی رعایا بن کر ان کو جزیہ ادا کریں معلوم ہوا کہ یہ چار خرابیاں جن میں پائی جائیں گی ان کے خلاف جہاد ہوگا..... یعنی اس آیت میں بتلادیا گیا کہ تمام کافروں کے مغلوب ہونے تک جہاد ہوگا..... کیونکہ اہل کتاب عام کافروں کے مقابلے میں اچھے سمجھے جاتے ہیں اور وہ اپنی نسبت انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کی طرف بھی کرتے ہیں تو جب ان چار خرابیوں کی وجہ سے ان کے خلاف جہاد کا حکم ہے تو عام کافروں کے لئے یہ حکم بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔

مسلمانوں کے لئے روزی کا انتظام

اس آیت کا پچھلی آیت کے ساتھ ربط بیان کرتے ہوئے کئی مفسرین نے فرمایا ہے کہ پچھلی آیت میں مسلمانوں سے

وعدہ تھا کہ وہ معاشی نقصان کے ڈر سے جہاد نہ چھوڑیں اللہ پاک عنقریب انہیں غنی فرما دے گا تو اس آیت میں فرمادیا کہ مسلمانوں کے لئے دنیا بھر کے کافروں سے جزیہ آئے گا جس سے ان کی روزی کا بہترین بندوبست ہو جائے گا..... امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

لما حرم الله تعالى على الكفار ان يقربوا المسجد الحرام وجد المسلمون الخ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو حرم شریف آنے سے منع فرمادیا تو بعض مسلمانوں کے دل میں اس تجارت کے ختم ہونے کا اندیشہ آیا جو وہ مشرکین سے کرتے تھے تو اللہ پاک نے (پچھلی آیت میں) فرمایا وان خفتم عيلة الخ۔

ثم احل في هذه الآية الجزية وكانت لم تؤخذ قبل ذلك فجعلها عوضا مما منعهم من موافاة المشركين بتجاراتهم (القرطبي)

یعنی اس آیت میں اللہ پاک نے جزیہ کو حلال فرمادیا جو پہلی امتوں میں نہیں لیا جاتا تھا اور اس کو اس نقصان کا عوض بنادیا جو مشرکین کے ساتھ تجارت ختم ہونے سے مسلمانوں کو پہنچتا تھا۔

مشرکین سے قتال کے بعد اہل کتاب سے قتال کا حکم

بعض مفسرین نے اس آیت کا ربط یہ بیان فرمایا ہے کہ پچھلی آیات میں مشرکین کے خلاف مکمل اور فیصلہ کن جہاد کا نصاب تھا اب یہاں سے اہل کتاب کے خلاف جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے اس میں غزوہ تبوک کی ترغیب بھی ہے۔ امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

وهذه الآية الكريمة اول الامر بقتال اهل الكتاب بعد ما تمهدت امور المشركين ودخل الناس في الله افواجا واستقامت جزيرة العرب امر الله رسوله بقتال اهل الكتابين اليهود والنصارى۔ یعنی یہ آیت اہل کتاب کے خلاف (عمومی) جہاد کے پہلے حکم کے طور پر نازل ہوئی اس کے بعد کے مشرکین کا معاملہ کافی حد تک منٹ چکا تھا اور لوگ فوج در فوج مسلمان ہو رہے تھے اور جزیرہ عرب راہ راست پر آچکا تھا تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو یہود و نصاریٰ اہل کتاب کے خلاف جہاد کا حکم دیا (تفسیر ابن کثیر)

غزوہ تبوک کی تمہید

تفسیر مظہری میں ہے:

مجاہد نے کہا ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رومیوں سے جہاد کا حکم دیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی اس کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک پر تشریف لے گئے (تفسیر مظہری)

آیت میں تمام کافروں سے قتال کا حکم ہے

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فأمر سبحانه و تعالیٰ بمقاتلة جميع الكفار لإصفاقهم على هذا الوصف یعنی اللہ تبارک تعالیٰ نے اس آیت میں تمام کافروں سے لڑنے کا حکم دیا ہے اس لئے کہ یہ (چار) خرابیاں تمام کافروں میں پائی جاتیں ہیں۔ (القرطبی)

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یعنی ہر ایسی جماعت سے لڑنا پڑے گا جو ان امراض کا شکار ہو یہاں تک کہ وہ لوگ اسلام کے جھنڈے کے سامنے سر نہ جھکا دیں (حاشیہ حضرت لاہوری)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس آیت میں دنیا کے تمام کافروں سے قتال کا حکم ہے تو پھر اس میں اہل کتاب کا خاص طور پر تذکرہ کس وجہ سے ہے؟ حضرات مفسرین نے اس کی کئی جوابات دیئے ہیں، تین جواب یہاں پیش خدمت ہیں:

① ”اہل کتاب کی خصوصیت اس لئے کی گئی ہے کہ یہ ممکن تھا کہ مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں جہاد و قتال کرنے سے اس بناء پر جھک ہو کہ یہ لوگ کسی درجہ میں ایمان رکھتے ہیں۔ تورات، انجیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ان کا (جیسا تیسرا) ایمان ہے تو ممکن تھا کہ انبیاء سابقین اور ان کی کتابوں کے ساتھ ان کا منسوب ہونا مسلمانوں کے لئے جہاد سے رکاوٹ کا سبب بن جائے اس لئے بالخصوص ان کے ساتھ قتال کا ذکر کر دیا۔“ (معارف القرآن)

② اہل کتاب زیادہ بڑے مجرم ہیں کیونکہ ان کی کتابوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ موجود تھا اور وہ حق کو پہچاننے کے باوجود اس کا انکار کر رہے تھے اس لئے آیت میں خاص طور پر ان کا تذکرہ کر دیا گیا امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

ولكونهم عالمين بالتوحيد والرسول والشرائع والملل، وخصوصاً ذكر محمد صلى الله عليه وسلم و ملته وامته، فلما انكروه تاكدت عليهم الحجة وعظمت منهم الجريمة (القرطبي)

③ تفسیر الفرقان میں ہے:

اگر آپ غور کر کے دیکھیں تو دنیا میں سب سے بڑے دو مذہب ہیں ”یہودیت و نصرانیت“ ان میں زمانہ دراز تک انبیاء کا سلسلہ قائم رہا اور ان کے پاس کتب الہیہ بھی موجود ہیں پہلے ان کے حالات دیکھو باوجود اہل کتاب ہونے کے انہوں نے کیسے کیسے غلط عقائد اپنی طرف سے بنا لئے ہیں جب ان کی دروغ بیانیوں کی یہ کیفیت ہے تو اور مذہب والے تو ان سے کہیں زیادہ خراب حالت میں ہیں پھر جب اہل کتاب کے ساتھ جنگ کرنی ضروری ہے تو باقی ادیان کے ساتھ بدرجہ اولیٰ لازمی ہوگی اس لئے قرآن حکیم صرف اہل کتاب کے عقائد و اعمال پر بحث کرتا ہے اسی پر دوسرے مذاہب کو قیاس کرلو۔ (تفسیر الفرقان)

وہ دس تحشیں جو اس آیت کی تفسیر میں اہل علم نے فرمائی ہیں

جہادی آیات میں سے یہ آیت کریمہ بہت سے احکامات، فوائد اور نکات پر مشتمل ہے حضرات مفسرین نے اس

آیت میں درج ذیل بحثیں فرمائی ہیں۔

۱) جزیہ کن کافروں سے قبول کیا جائے گا اور کن سے نہیں؟

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مشرکین عرب کے علاوہ تمام کافروں سے جزیہ لیا جاسکتا ہے۔ خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مجوسی ہوں یا مشرک جبکہ مشرکین عرب کے لئے صرف اسلام ہے یا تلوار حضرات مفسرین نے ائمہ کرام کے اقوال کو دلائل اور تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

۲) اسلام کا حکم یہ ہے کہ کافروں کو پہلے اسلام کی دعوت دی جائے اگر مان لیں تو وہ ہمارے بھائی ہو گئے اگر نہ مانیں تو جزیہ کی دعوت دی جائے کہ مسلمانوں کے محکوم بن کر رہو اور جزیہ ادا کرو وہ مان جائیں تو ٹھیک نہ مانیں تو قتال کیا جائے مگر اس آیت میں دعوت ایمان کا تذکرہ نہیں ہے۔ مفسرین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جن کافروں تک اسلام کا پیغام پہنچ چکا ہو ان کو لڑائی سے پہلے دعوت دینا ضروری نہیں ہے۔

۳) جزیہ کا کیا معنی ہے؟ یہ خالص عربی لفظ ہے یا کسی عجمی لفظ کا معرب ہے؟ جزیہ کا مطلب ہے بدلہ تو کافروں سے جو جزیہ لیا جاتا ہے وہ کس چیز کا بدلہ ہے؟ مفسرین نے اس میں بہت تفصیلی کلام فرمایا ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جزیہ قتل کا بدلہ ہے چونکہ ان کو قتل نہیں کیا گیا اس لئے اس کے بدلے جزیہ وصول کیا جا رہا ہے۔

معارف القرآن میں ہے :

وجہ یہ ہے کہ کفر و شرک اللہ اور اللہ کے رسول کی بغاوت ہے جس کی اصلی سزا قتل ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے ان کی سزا میں تخفیف کر دی کہ اگر وہ اسلامی حکومت کی رعیت بن کر عام اسلامی قانون کے تحت رہنا منظور کریں تو ان سے ایک معمولی رقم جزیہ کی لے کر چھوڑ دیا جائے گا اور اس ملک کا باشندہ ہونے کی حیثیت سے ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت اسلامی حکومت کی ذمہ ہوگی ان کی مذہبی رسوم میں کوئی مزاحمت نہ کی جائے گی اس رقم کو جزیہ کہا جاتا ہے (معارف القرآن)

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جزیہ قومی خدمات کا بدلہ ہے کہ ہر مسلمان پر جہاد وغیرہ قومی خدمات لازم ہیں جبکہ ذمیوں کو اس کے بدلے مال دینا ہوتا ہے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جزیہ کفر کا بدلہ ہے کہ چونکہ وہ کافر ہیں تو اس کفر کی وجہ سے ان پر جزیہ ہے یہ قول کافی کمزور ہے۔ زیادہ بہتر پہلا قول ہے کیونکہ اللہ پاک نے فرمایا فَاتِلُوا آلَ دِیْنٍ کہ ان سے قتال کرو اور آخر میں فرمایا حَتَّىٰ يَعْطُوا پِجْزَیْہٖ یہاں تک وہ جزیہ دے دیں تو معلوم ہوا کہ جزیہ قتل کا بدلہ ہے۔ تفصیلات کے لئے تفاسیر ملاحظہ فرمائیں۔

۴) جزیہ کی مقدار کیا ہوگی؟ حضرات مفسرین نے اس پر خوب دل کھول کر لکھا ہے، تفاسیر ملاحظہ فرمائیں۔

۵) عَنْ یَسَّ سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں کسی کو اپنا وکیل نہیں بنا سکتے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام کا غلبہ تسلیم کر کے ماتحت ہو کر اور

فرمانبردار اور تابع ہو کر جزیہ اداء کریں بعض مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ وہ نقد ہاتھ در ہاتھ جزیہ دینا منظور کریں اکثر مفسرین نے عَنْ یَدِ کے معنی پر خوب لکھا ہے شائقین حضرات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت تھانوی لکھتے ہیں عَنْ یَدِ کا حاصل یہ ہے کہ ان کی شوکت نہ رہے اور صَغِيرُونَ کا حاصل یہ ہے کہ وہ شریعت کے قوانین متعلقہ معاملات و سیاسیات کو اپنے ذمے رکھیں۔ (بیان القرآن)

۶ وَهُمْ صَغِيرُونَ کا کیا مطلب ہے اس پر مفسرین نے کافی اقوال اور روایات جمع فرمائی ہیں خلاصہ ان کا یہ ہے کہ ذمی ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں پھر اس ذلت کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ ظاہری طور پر بھی ان کو جزیہ لیتے وقت ذلیل کیا جائے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے محکوم ہو کر رہیں اور مسلمانوں کے عام قوانین کی پابندی کریں اور جزیہ ادا کریں محکوم ہونا سب سے بڑی ذلت ہے اور یہ کافی ہے۔

۷ بعض مفسرین حضرات نے اس آیت مبارکہ کے ذیل میں ”ذمیوں“ کے احکامات بھی بیان فرمائے ہیں کہ ان کو کیا حقوق حاصل ہوں گے اور ان پر کیا کیا پابندیاں ہوں گی۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں وہ خط بھی نقل فرمایا ہے جو حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے جاری ہوا تھا اور اس میں ذمیوں کے مفصل حالات مذکور ہیں۔ اس دور میں اس خط کو پڑھ کر دل میں ہوک سی اٹھتی ہے کہ اس زمانے میں اسلام اور مسلمانوں کو کتنی عزت حاصل تھی اور آج ان کا کیا حال ہے، شائقین حضرات تفسیر ابن کثیر میں یہ معاہدہ نامہ ملاحظہ فرمائیں:

۸ ذمی اگر اسلام قبول کر لیں تو ان سے جزیہ ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟ امام رازی نے ائمہ کرام کے اقوال نقل فرمائے ہیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسلام قبول کرتے ہی جزیہ ساقط ہو جائے گا۔

۹ اگر کسی علاقے کے ذمی جزیہ دینے سے انکار کر دیں تو ان کے ساتھ قتال ہوگا ان کا علاقہ دار الحرب قرار پائے گا ان کی عورتیں مال فتنے بن جائیں گی امام قرطبی نے اس مسئلے کی تفصیل لکھی ہے۔

۱۰ اس آیت کی تفسیر میں سب سے اہم بحث یہ کی گئی ہے کہ یہود و نصاریٰ تو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں جبکہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تو اس کا کیا جواب ہے؟ مفسرین کرام نے اس پر صفحات کے صفحات لکھے ہیں اور یہ حقیقت ثابت فرمائی ہے کہ ان کا اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان اس طرح نہیں ہے جس طرح ہونا چاہئے بلکہ ان کا یہ غلط ایمان خالص کفر ہے اور ان کا کفر اتنا سخت ہے کہ اس سے زمین آسمان بھی پھٹ پڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۚ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۚ تَكَادُ السَّمُوتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۚ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ۚ وَكَذَّٰبًا ۚ (سورہ مریم ۸۸ تا ۹۱)

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا یقیناً تم سخت بات زبان پر لائے ہو کہ جس سے ابھی آسمان پھٹ جائیں اور زمین چر جائے اور پہاڑ ٹکڑے ہو کر گر پڑیں اس لئے کہ انہوں نے رحمن کے لئے بیٹا تجویز کیا۔

الغرض مفسرین حضرات نے دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان قابل قبول اور ٹھیک ایمان نہیں ہے۔

وایمانهم الذی یزعمونه لیس علی ماینبغی فهو کلا ایمان (روح المعانی)

یعنی ان کا وہ ایمان جسے وہ ایمان سمجھتے ہیں درحقیقت ایمان نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ صرف اللہ تعالیٰ اور آخرت کا نام لینا تو کافی نہیں ہے بلکہ اس طرح ایمان لانا ضروری ہے جس طرح کا ایمان اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔

مزید تفصیل کے لئے معتبر تفاسیر ملاحظہ فرمائیے۔

فائدہ

یہ ہیں وہ دس بحثیں جو اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اکثر مفسرین کرام نے تفصیل کے ساتھ لکھی ہیں اس تالیف میں ان بحثوں کو نہیں لکھا جا رہا ہے جس کی وجوہات یہ ہیں۔

۱ آیت کا بنیادی پیغام اور حکم یہ ہے کہ مسلمان ساری دنیا کے کافروں تک دین کی دعوت پہنچائیں اور جو کافر بھی اس دعوت کو ٹھکرائے اس سے قتال کریں اور اسے اسلام اور مسلمانوں کا محکوم بنائیں..... یہ آیت ”اقدامی جہاد“ کا حکم دیتی ہے اور مسلمانوں کے دل میں پورے عالم پر اسلام کو غالب کرنے کا جذبہ پیدا کرتی ہے افسوس کہ اس وقت مسلمانوں کی اکثریت نے جہاد کو چھوڑ رکھا ہے اور اقدامی جہاد کا تو تصور بھی مسلمانوں میں کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ ان حالات میں ”جزیہ“ جیسی اونچی بحثیں کرتے ہوئے دل روتا ہے آج کہاں جزیہ اور کہاں ذمی؟ اب تو مسلمان خود محکوم ہیں اور کافروں کو ٹیکس دے کر جی رہے ہیں۔ اس وقت تو اس آیت کے بنیادی حکم یعنی جہاد کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے جہاد عام ہوگا تو جزیہ بھی آئے گا اور ذمی بھی بنیں گے تب فقہا کرام اور مفسرین کی وہ محنتیں کام آئیں گی جو انہوں نے یہ مسائل سمجھانے میں صرف فرمائی ہیں۔

۲ یہ تمام بحثیں الحمد للہ کتب حدیث، فقہ اور تفسیر میں مذکور ہیں یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

ایک درد بھری عبارت

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ کافروں کو ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کرنا چاہئے۔ پھر اس ذلت کی کیا صورت ہوگی اس پر کئی اقوال لکھنے کے بعد نہایت دردمندی کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے آج کل کے حکمران ان اقوال پر عمل نہیں کرتے بلکہ اگر کوئی ذمی اپنے وکیل کے ہاتھ جزیہ بھجوادے تو وہ بھی قبول کر لیتے ہیں ایسے لوگ اسلام کو کمزور کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے نمٹے..... وہ لکھتے ہیں:

وکل الاقوال لم نر الیوم لها اثر لان اهل الذمه فيه قد امتازوا علی المسلمین والامر لله عزوجل

بکثیر حتی انه قبل منهم ارسال الجزیه علی يد نائب منهم واصح الروایات انه لا یقبل ذلك منهم بل یكلفون ان یاتوا بانفسهم مشاة عامل اللہ تعالیٰ من كان سببale بعدله. (روح المعانی)

یہ تو تھا علامہ آلوسیؒ کا زمانہ۔ بہر حال اس وقت جزیرہ تو آ رہا تھا بس وصول کرنے کے طریقے میں جو کوتاہی تھی اس پر علامہؒ آلوسیؒ اپنے دکھ اور رنج کا اظہار فرما رہے ہیں مگر آج تو جزیرہ کا عملی طور پر نام و نشان تک نہیں ہے ہماری بزدلی کم ہمتی اور دنیا پرستی نے یہ دن لائے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کے لئے کفر کی غلامی کا طوق چھوڑ کر جاتے ہیں ہمارے اسلاف نے اسلام کے ایک ایک حکم کو اپنی جان سے قیمتی سمجھا چنانچہ وہ کامیاب ہو گئے جبکہ ہم نے اپنی جان ہی کو قیمتی سمجھا ہوا ہے چنانچہ ہم بے قدر ہو گئے۔ عصر حاضر کے ایک مفسر نے علامہؒ آلوسیؒ کی مذکورہ بالا عبارت پڑھ کر اپنے زمانے کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے: (یہ عبارت بہت غور سے پڑھیں)

”پھر آخر میں فرمایا وَهُمْ ضِعُفُونَ“ اس حالت میں جزیرہ دیں کہ وہ ذلیل ہوں بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ کھڑے ہو کر اداء کریں اور جو مسلمان لینے والا ہو وہ بیٹھ کر وصول کرے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے ذمی کا گلا پکڑ کر یوں کہا جائے گا کہ اعط الجزیرہ یا ذمی (اے ذمی جزیرہ دے) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وصول یابی کرنے والا یوں کہے اد حق اللہ تعالیٰ یا عدو اللہ (اے اللہ کے دشمن اللہ تعالیٰ کا حق اداء کر) حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ذمیوں کے ذلیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں جو احکام دیئے جائیں گے ان پر عمل کریں گے اور مسلمانوں کی ماتحتی میں رہیں گے (بس ذلت سے یہی مراد ہے) یہ اقوال صاحب روح المعانی نے (ص ۱۷۹ ج ۱) نقل کئے ہیں پھر آخر میں لکھا ہے کہ آج کل مسلمانوں کا ان میں سے کسی قول پر بھی عمل نہیں وہ اپنے نائب کے ذریعہ ہی بھیج دیتے ہیں۔ ان سے لے لیا جاتا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو مجبور کیا جائے کہ خود لے کر آئیں، پیدل آئیں سوار نہ ہوں اور اس کی خلاف ورزی اسلام کے ضعف کی وجہ سے ہو رہی ہے الی آخرہ، صاحب روح المعانی نے اپنے زمانہ کے ملوک اور امراء کی شکایت کی کہ مسلمان امراء نائب سے جزیرہ قبول کر لیتے ہیں۔ آج تو یہ حال ہے کہ مسلمان کسی ملک میں جزیرہ لینے کا قانون جاری کرتے ہی نہیں یہ لوگ کافروں سے ڈرتے ہیں جزیرہ مقرر نہیں کرتے بلکہ ملک میں رہنے والے کافروں کو مسلمان سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان کا اکرام کرتے ہیں ان کو اسمبلی کا ممبر بھی بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہمت اور حوصلہ دے اور کفر اور کافر کی قباحات اور شناعیت اور نجاست اور نفرت مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دے تاکہ اہل کفر کو ذلیل سمجھیں اور ذلیل بنا کر رکھیں۔“ (تفسیر انوار البیان)

آیت مبارکہ کے احکامات کو سمجھنے کے لئے چند آسان سوالات

۱ اللہ پاک کے ساتھ کفر کرنا بڑا گناہ ہے یا کسی قتل کرنا؟

۲ کفر بڑا گناہ ہے یا ڈاکہ ڈالنا؟

۳ کفر بڑا گناہ یا چوری کرنا؟

۴ کفر بڑا گناہ ہے یا زنا کرنا؟

۵ کفر بڑا گناہ ہے یا منشیات کی سمگلنگ کرنا؟

۶ کفر بڑا گناہ ہے یا کسی حکومت کے خلاف بغاوت کرنا؟

جواب

ان تمام سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ کفر کرنا ان تمام گناہوں سے بڑا گناہ اور ان تمام جرائم سے بڑا جرم ہے۔

تو پھر!

چور، ڈاکو، قاتل کو سزا دینے پر انسانی حقوق کا کوئی شور نہ اٹھے اور کافر کو کفر کی سزا دینے پر دل میں ہمدردی آئے تو معلوم ہوا کہ دل میں اپنی قدر زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی کم نعوذ باللہ من ذالک

دوسرا سوال

کینسر کا مرض خوفناک موت کی طرف بڑھ رہا ہو۔ ڈاکٹر حکم دے کہ اس مریض کو اگر بچانا ہے تو اسے فلاں فلاں چیزوں کی پرہیز کراؤ اور اس کے جسم کا فلاں حصہ آپریشن سے کاٹ دو۔ آپ بتائیے ڈاکٹر کا یہ حکم مریض کے لئے خیر خواہی ہے یا دشمنی؟

یقیناً خیر خواہی..... اب دیکھیں کفر کا مریض ایک خطرناک موت اور لا فانی عذاب کی طرف بڑھ رہا ہے ایک کافر کا کفر پر مرجانا بہت بڑا عذاب ہے کہ اب اس کے بچنے اور نجات پانے کی کوئی صورت نہیں دائمی عذاب، دائمی مصیبت۔ اب اسلام اس مریض کو جہنم سے بچانے کے لئے اسے عزت وغیرہ اُن چیزوں سے پرہیز کرواتا ہے جو چیزیں اسے اپنے کفر پر پختہ کرتی ہیں تو یہ اسلام کی طرف سے اس کے لئے خیر خواہی ہے یا دشمنی؟

ایک بالکل واضح بات

اگر اسلام میں جہاد نہ ہوتا، اگر اسلام میں جزیہ نہ ہوتا، اگر اسلام میں کفر کو ذلت دینے کے احکامات نہ ہوتے تو ہم لوگوں تک یہ دین نہ پہنچتا اور نعوذ باللہ ہم بھی کفر کے عذاب میں گرفتار ہوتے مگر افسوس کہ جس عمل نے ہمیں اسلام تک پہنچایا ہم نے اسی عمل کو چھوڑ کر اپنی آئندہ نسلوں کو کفر کا ترنوالہ بننے کے لئے چھوڑ دیا ہے..... اللہ پاک رحم فرمائے اور امت مسلمہ کو اپنے فرائض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ارحم الراحمین

فائدہ

اس زمانے میں جو کافر اسلامی ملکوں میں رہتے ہیں یا جو کافر ان ملکوں کا باقاعدہ ویزہ لے کر آتے ہیں ان کو قتل کرنا جائز نہیں دور حاضر کے علماء کا یہی فتویٰ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

من ظلم معاهدا او انتقصه او كلفه فوق طاقته أو اخذ شيئا منه بغير طيب نفس منه فانا حججه يوم القيمة (القرطبي عن ابو داود)

یعنی جو کسی معاہدہ پر ظلم، زیادتی کرے گا یا اسکی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے گا یا اس کی مرضی کے بغیر اس کی کوئی چیز لے لے گا تو میں (حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت کے دن اس کی طرف سے وکالت کروں گا۔
حضرات فقہا کرام نے بعض چیزیں ایسی لکھی ہیں جن سے عہد اور ذمہ ختم ہو جاتا ہے مثلاً دین اسلام کے خلاف کھلم کھلا کام کرنا، دین کی گستاخی کرنا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنا وغیرہ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائے کتب تفسیر و فقہ (واللہ اعلم بالصواب)

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

پہلے حکم ہوا کہ مشرکوں سے لڑو اور ملک سے نکالو اب حکم ہوا اہل کتاب سے لڑائی کا کہ یہ بھی دین حق سے منکر ہیں اور اللہ کو اور آخرت کو جیسے چاہئے نہیں مانتے لیکن ان سے جزیہ قبول رکھا بشرطیکہ ادنیٰ، اعلیٰ سب ذلیل ہو کر جزیہ دیا کریں باقی عرب کے مشرکوں سے جزیہ ہرگز قبول نہیں (اس کے لئے اسلام ہے یا تلوار) اور جہان کے مشرک سے حنفی پاس (یعنی احناف کے نزدیک) قبول ہے جزیہ ہر مہینے میں پانچ آنے یا دس یا سو روپیہ موافق حال اور ذلیل رہنا یہ کہ سواری میں، لباس میں، راہ چلنے میں، ہتھیار باندھنے میں مسلمان کی برابری نہ کریں اور بھی بہت بندوبست ہیں۔ (موضح القرآن)

اہل علم کے لئے تحفہ

اہل کتاب سے قتال کی جو جو بات اس آیت میں بیان فرمائی گئی ہیں ان میں بظاہر آپس کا اشتراک نظر آتا ہے امام قرطبی کی یہ عبارت اس اشکال کو رفع کرتی ہے۔

الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَذَلِكَ بَيَانٌ لِلذَّنْبِ الَّذِي أَوْجِبَ الْعُقُوبَةُ وَقَوْلُهُ وَلَا يَأْتِيَوْمُ الْآخِرُ تَأْكِيدٌ لِلذَّنْبِ فِي مَخَالَفَةِ الْأَعْمَالِ ثُمَّ قَالَ - وَلَا يُجْزَمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ - زِيَادَةٌ لِلذَّنْبِ فِي مَخَالَفَةِ الْأَعْمَالِ ثُمَّ قَالَ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ إِشَارَةٌ إِلَى تَأْكِيدِ الْمَعْصِيَةِ بِالْأَنْحِرَافِ وَالْمُعَانَدَةِ وَالْإِنْفَةِ عَنِ الْإِسْتِسْلَامِ - ثُمَّ قَالَ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ تَأْكِيدٌ لِلْحُجَّةِ لَانَّهُمْ كَانُوا يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ ثُمَّ قَالَ - حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ - فَيُبَيِّنُ الْغَايَةَ الَّتِي تَمْتَدُّ إِلَيْهَا الْعُقُوبَةُ وَعَيْنُ الْبَدَلِ الَّذِي تَرْتَفِعُ بِهِ. (القرطبي)

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُ ۳۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ

اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهَوْنَ قَوْلَ الَّذِينَ

بِئْنَا ۚ هَٰذَا قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهَوْنَ قَوْلَ الَّذِينَ

بِئْنَا ۚ هَٰذَا قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهَوْنَ قَوْلَ الَّذِينَ

كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۖ قَتَلْتَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿۳۰﴾

ان سے پہلے گزرے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے یہ کدھر اٹے جارہے ہیں

خلاصہ

یہود و نصاریٰ سے قتال کی وجوہات میں سے یہ بھی ہے کہ.....

بعض یہودی کہتے ہیں عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اکثر عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کے اپنے منہ سے کہی ہوئی اور گھڑی ہوئی باتیں ہیں یہ لوگ ماضی کے مشرکوں جیسی باتیں کر رہے ہیں اللہ ان کو غارت کرے یہ کدھر بٹکے جارہے ہیں۔

ایمان والوں کو یہود و نصاریٰ سے قتال پر ابھارا جا رہا ہے

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وهذا اغراء من الله تعالى للمؤمنين على قتال الكفار من اليهود والنصارى لمقاتلتهم هذه المقالة

الشنيعية والفرية على الله تعالى

یعنی اس آیت میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کافروں کے خلاف قتال پر ابھارا جا رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر کیسی بری اور بہتان والی بات کرتے ہیں (پس اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے اور توحید چھوڑنے کی وجہ سے ان کے خلاف جہاد کیا جائے)۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

یہود و نصاریٰ کے انبیاء ہمارے قریب تر زمانہ کے ہیں لیکن جب یہ لوگ توحید کو چھوڑ کر شرک میں مبتلا ہو چکے ہیں اور ان سے لڑنا لازم ہے تو باقی تو میں جن کے انبیاء علیہم السلام ان سے بھی پرانے ہیں وہ بطریق اولیٰ راہ راست سے زیادہ دور ہو چکی ہیں لہذا مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ساری قوموں کو درست کریں۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

ایک سوال کا جواب

عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں یہ عمومی طور پر یہودیوں کا عقیدہ نہیں ہے تو قرآن مجید نے اس کو کیسے بیان فرمایا:

جواب ۱ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بنو قریظہ کے یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا اگر ان کا یہ عقیدہ نہ ہوتا تو وہ قرآن پاک کی اس آیت پر اعتراض کرتے مگر ان کا اعتراض کرنا ثابت نہیں ہے البتہ اس کے بعد والی آیت پر انہوں نے اعتراض کیا کہ ہم تو اپنے علماء اور راہبوں کی عبادت نہیں کرتے جیسا کہ قرآن پاک نے بتایا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب دیا کہ حلال و حرام کرنے کا اختیار دے دینا یہ عبادت کرنا ہی ہے ملاحظہ فرمائیے (قرطبی عثمانی بیان القرآن)

جواب ۲ یہود کے بعض بڑے مذہبی رہنماؤں کا یہ عقیدہ تھا مثلاً سلام بن مشکم، نعمان بن ابی اوفی، شاس بن قیس، مالک بن صیف بعد میں اس عقیدے کے لوگ ختم ہو گئے۔ (قرطبی)

جواب ۳ ابن کا معنی نسلی اور حقیقی بیٹا نہیں بلکہ محبوب اور مجازی بیٹا ہے جبکہ نسلی اور حقیقی بیٹے کے لئے قرآن میں ولد کا لفظ استعمال ہوا ہے بہر حال مجازی طور پر بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کا ابن یعنی بیٹا کہنا سخت گمراہی، کفر اور گستاخی ہے امام قرطبی فرماتے ہیں:

ويقال ان بعضهم يعتقدونها بنوة حنوة ورحمة وهذا المعنى ايضا لا يحل ان تطلق البنوة عليه وهو كفر.

صاحب تفسیر ماجدی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے ملاحظہ فرمائیے ان کی یہ عبارت جو حضرت عزیر علیہ السلام کے تعارف سے شروع ہوئی ہے۔

”عزیر“ یا توریت کے تلفظ میں ”عزرا“ (متوفی غالباً ۴۵۸ ق م)

یہود کے مذہبی نوشتوں (یعنی مذہبی تحریروں) میں نبی سے زیادہ کاتب کی حیثیت سے مشہور ہیں بخت نصر (۶۰۴ تا ۵۶۱ ق م) کے حملہ یروشلم اور اس کی کامل تباہی اور بربادی (۵۸۶ ق م) کے بعد جب توریت کے نسخے یہود کے پاس بالکل غائب ہو گئے تو انہیں عزیر (عزرا) نے توریت کو از سر نو اپنی یادداشت سے لکھ دیا اور اس لئے انہیں یہود ”مثل موسیٰ“ تسلیم کرتے ہیں بلکہ بعض نے غلو کر کے اس مرتبہ سے بھی بڑھا دیا ہے۔

ابن اللہ..... عربی میں ابن اور ولد دو الگ الگ مفہوم رکھنے والے لفظ ہیں، اردو کے لڑکے اور بیٹے کے مرادف اور انگریزی میں بھی ان کے مقابلے میں بائبل کی مذہبی اصطلاحیں (CHILD OF GOD) اور (SON OF GOD) کی الگ الگ ہیں، ابن اللہ جو ترجمہ ہے (CHILD OF GOD) کا، اس سے مراد صلیبی یا حقیقی فرزند نہیں بلکہ خدا کا لاڈلا چھیتا یا فرزند معنوی و مجازی ہے، جیسے قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ اہل کتاب ہی کی زبان سے

استعمال ہوا ہے **نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاجِبَاؤُهَا** یہاں ابناء اللہ کے کھلے ہوئے معنی یہی مجازی اولاد کے ہیں۔ یہود اسی معنی میں حضرت عزیر علیہ السلام کو اپنا ”مطاع کل“ اور بارگاہ حق میں محبوب مطلق مانتے ہیں۔ مسیحیت کی دو گمراہیاں ایک شدید اور دوسری شدید تر الگ الگ ہیں، ایک ہے حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا ولد (Son of God) قرار دینا، اس کا ذکر قرآن مجید میں جہاں آیا ہے اکثر بہت سخت وعید کے ساتھ آیا ہے **تَكَذَّبَ السَّمَوَاتُ بِتَقَطُّرٍ** وغیرہا۔ دوسری گمراہی ہے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا فرزند مجازی (Child of God) قرار دینا، قرآن نے اس عقیدہ کو ”ابن اللہیت“ سے تعبیر کیا ہے، یہ گو بجائے خود شدید ہے پھر بھی ”ولد اللہیت“ کا عقیدہ اس سے اشد ہے..... ہمارے بعض قدیم مفسرین بھی اس نکتہ تک پہنچ گئے ہیں کہ یہاں ابنیت سے مراد ابنیت نسبی و نسلی نہیں بلکہ لاڈ و پیار والی ابنیت ہے اور یہ بھی کفر ہے۔

قال ابن عطية ويقال ان بعضهم يعتقدونها بنوة حنوّ ورحمة وهذا المعنى ايضا لا يحل ان تطلق البنوة عليه وهو كفر۔ (قرطبی)۔ (تفسیر ماجدی)

دواہم نکتے

۱ حضرات مفسرین نے کئی واقعات لکھے ہیں، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو پوری تورات یاد ہو گئی تھی جو انہوں نے بنی اسرائیل کو سنائی اور لکھوائی پھر بنی اسرائیل نے تورات کے اصل نسخے نکال کر موازنہ کیا تو حضرت عزیر علیہ السلام کی لکھوائی ہوئی تورات بالکل ٹھیک اور مکمل نکلی اس پر بنی اسرائیل ان سے چٹ گئے اور ان کو طرح طرح کے القابات دینے لگے۔ جبکہ مسلمان اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر کر سکتے ہیں کہ ہر زمانے میں لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو پورا قرآن پاک یاد ہوتا ہے۔ یہ اسلام کی عظمت اور واضح افضلیت کی دلیل ہے۔

۲ یہود و نصاریٰ کے دل میں اللہ پاک کی عظمت اور قدر و منزلت نہیں تھی اس لئے وہ انسانوں کو ان کے مقام سے بڑھا کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرتے تھے پس مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدر کو پہچانیں اور کسی کے مقام کو بھی اللہ تعالیٰ تک بڑھانے کی گستاخی نہ کریں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ

یعنی یہود و نصاریٰ بھی ماضی کے کافروں جیسی باتیں کرتے ہیں۔

یہ ماضی کے کافروں ہیں؟ ملاحظہ فرمائیے چند اقوال.....

۱ وہ جاہل مشرک قومیں جو اللہ تعالیٰ کی تجسیم کی قائل تھیں اور عقیدہ ”حلول“ یا ”اتوار“ کی ماننے والی تھیں، اشارہ خاص مشرکین یونان کی جانب ہے، انہی کے ”حکما و فلاسفہ“ کے اقوال سے پہلی صدی عیسوی کے یہود و نصاریٰ دونوں ہی متاثر ہو گئے تھے اور ان کی مشرکانہ تعلیمات کو برابر اپنے عقائد کا جزو بتاتے چلے گئے۔ (ماجدی)

۲) مشرکین مکہ مراد ہیں، جن کی گمراہی قدیم تھی اور فرشتوں کو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔

(قرطبی)

۳) خود ان کے گمراہ اسلاف مراد ہیں۔ (قرطبی)

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

یعنی اہل کتاب ہو کر مشرکوں کی ریس کرنے لگے۔ (موضح القرآن)

(پس ان سے بھی مشرکوں کی طرح قتال ہوگا)

فَقَاتِلْهُمْ اِنَّهُمْ
اللہ عنہما کے نزدیک اس کے معنی لعنت کے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، اس سے بھی مسلمانوں کو قتال کی ترغیب ملی
کہ ایسے ملعون لوگوں سے قتال کرنا چاہئے تاکہ لعنت عام نہ ہو اور یہ لوگ ملعون ہیں تو مطلب ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی
رحمت اور نصرت سے دور اور محروم ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكْنِيَّةٌ آيَةُ ۳۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ

انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا خدا بنا لیا ہے اور مسیح

ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا ۚ لَا إِلَهَ

ابن مریم کو بھی حالانکہ انہیں حکم یہی ہوا تھا کہ ایک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے سوا

إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۳۱﴾

کوئی معبود نہیں وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے

خلاصہ

یہود و نصاریٰ سے قتال کی وجوہات میں سے یہ بھی ہے کہ

وہ عقیدے کے شرک کے ساتھ ساتھ عمل کے شرک میں بھی مبتلا ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ

تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنا رکھا ہے اور حضرت مسیح بن مریم کو بھی رب بنا رکھا ہے۔

یعنی وہ اپنے علماء اور مشائخ کو حلال و حرام کے فیصلے کرنے کا اختیار دیتے ہیں اور اس معاملے میں ان کی اس طرح اطاعت کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے۔ پس یہ بھی توحید فی الطاعت کا انکار اور شرک ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کو تو اللہ تعالیٰ کا (نعوذ باللہ) بیٹا اور جزء مانتے ہیں۔ حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ فقط ایک معبود برحق کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہ ان کے شرک سے بلند اور پاک ہے۔

اقوال و حوالے

علماء سوء اور بناوٹی صوفیوں کے پجاری

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

خدا تعالیٰ اور اس کے قانون اور اس کے انبیاء علیہم السلام کا اتباع چھوڑ کر علماء سوء اور بناوٹی صوفیوں کے پیچھے لگ گئے ہیں اور ان سے وہی تعلقات قائم کر لئے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص تھے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

رومہ کے پوپ

”ان دونوں فرقوں نے ایک اور غضب ڈھا رکھا تھا وہ یہ کہ یہود نے اپنے احبار یعنی مولویوں کو اور نصاریٰ نے اپنے درویشوں اور مسیح علیہ السلام کو خدا بنا رکھا تھا، احبار اور رہبان کو خدا بنانے کی یہ صورت تھی کہ وہ تورات اور انجیل کے

خلاف اور عقل کے خلاف جو فتویٰ دیتے تھے یہ اسے خدا کے حکم کے برابر جانتے تھے، رومہ کے پوپ خدائی کرتے تھے۔“ (تفسیر حقانی تسہیل)

ایک روایت

اس آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین حضرات نے یہ روایت پیش کی ہے: (یہ ترمذی کی روایت ہے) حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جو پہلے نصرانی تھے (بعد میں مسلمان ہوئے) انہوں نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عدی اپنی گردن سے اس بت کو نکال کر پھینک دو۔ میں نے اس کو پھینک دیا، واپس آیا تو آپ ﷺ وَرَهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ پڑھ رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم عالموں اور درویشوں کی عبادت تو نہیں کرتے پھر یہ کیوں فرمایا کہ احبار اور رہبان کورب بنالیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ بات نہیں کہ یہ لوگ جو چیز تمہارے لئے حرام کر دیں تم اسے حرام کر لیتے ہو اور جو چیز حلال کر دیں تم اسے حلال کر لیتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہاں یہ بات تو ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ان کی عبادت ہے۔ (معالم التنزیل ص ۲۵۸ ج ۲ انوار البیان)

آسمانی وحی کے احکامات کو چھوڑنے والے

”کتب سماویہ (یعنی آسمانی کتابوں سے ان لوگوں نے) کچھ سروکار نہ رکھا تھا، محض احبار اور رہبان کے احکام پر چلتے تھے اور ان کا یہ حال تھا کہ تھوڑا سا مال یا جاہی (عزت و مقام کا) فائدہ دیکھا اور حکم شریعت کو بدل ڈالا۔“ (تفسیر عثمانی) آجکل بھی دنیا دار دانشور اور بدعتی نفلی پیرو لوگوں کو قرآن و سنت سے ہٹا کر اپنی پیروی پر لگا لیتے ہیں اور اس طرح کے لوگ جہاد سے بھی محروم ہو جاتے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

عالم کا قول کوام کو سند ہے جب تک وہ شرع سے سمجھ کر کہے جب معلوم ہو کہ طمع سے کہا پھر وہ سند نہیں۔ (موضح القرآن)

دورِ حاضر کی ایک پریشانی

صاحبِ انوار البیان لکھتے ہیں:

اب دورِ حاضر میں جبکہ آزاد منش لوگ اسلامی احکام پر چلنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں اور دشمنان اسلام سے متاثر ہیں، کہتے ہیں کہ حضرات علماء کرام جمع ہو کر میٹنگ کریں اور اسلامی احکام کے بارے میں غور و فکر کریں اور فلاں فلاں احکام کو بدل دیں یا ہلکا کر دیں اور فلاں فلاں حرام چیزوں کو حلال قرار دے دیں، یہ ان لوگوں کی جہالت اور حماقت کی بات ہے، اگر علماء ایسا کرنے بیٹھیں گے تو کافر ہو جائیں گے اور کسی حرام چیز کو حلال قرار دے دیں گے تو ان کے حلال کر دینے سے حلال نہ ہوگی۔ (انوار البیان)

امامؑ ”کہتے ہیں:

لَا تَخْذُواْ اِیْ اَہْلِ الْکِتَابِ اَحْبَابًا هُمْ عَلَمَاءُہُمْ وَرُہْبَانُہُمْ نَسَاکُہُمْ اَرْبَابًا اِلٰہَہٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ
 حَیْثُ اطَاعُوہُمْ فِی تَحْلِیْلِ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَتَحْرِیْمِ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ کَمَا یَطَاعُ الْاَرْبَابُ فِیْ اَوَامِرِہُمْ
 وَنَوَاہِیہُمْ۔ (المدارک)

آجکل کے مغرب زدہ حکمران بھی یہی بات کہتے ہیں کہ علماء کرام عوام کو صحیح دین پیش کریں اور ان کے نزدیک صحیح
 دین وہ ہے جس میں جہاد نہ ہو اور جو دین کافروں کو پسند ہو۔ نعوذ باللہ، نعوذ باللہ.....

ایک تحقیقی عبارت

”انہوں نے اللہ کے ہوتے ہوئے اپنے علماء اور اپنے مشائخ کو بھی اپنا پروردگار بنا رکھا ہے یعنی انہیں مستقلاً ایسا
 صاحب اختیار مان رکھا ہے کہ گویا وہی معبود اور رب ہیں، جو چاہیں جائز کر دیں جو چاہیں وہ حرام ٹھہرا دیں، سارے
 اختیارات شریعت و قانون سازی کے گویا انہی کو حاصل ہیں۔ مسیحیوں کے ہاں فرقہ کی تھولک میں پوپ (پاپائے روم)
 یہ حیثیت نائب مسیح علیہ السلام آج بھی سارے اختیارات علانیہ رکھتا ہے اور فرقہ پروٹسٹنٹ نے بھی عملاً سارے
 اختیارات کلیسا (CHURCH) کو دے رکھے ہیں، یہود کے ہاں بھی ربیوں کے احکام، خود توریت کی تعلیمات پر
 غالب آ گئے تھے۔“

الاکثرون من المفسرين قالوا ليس المراد من الارباب انهم اعتقدوا فيهم انهم الهة العالم
 بل المراد انهم اطاعوهم في اوامرهم و نواهيهم۔ (تفسير كبير)

مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ یعنی اللہ کی ”توحید فی الطاعة“ چھوڑ کر..... خدا کی خدائی سے تو یہ لوگ بھی انکار نہیں کرتے لیکن
 عملاً اس کی طاعت و اطاعت میں دوسروں کو بھی شریک کئے ہوئے ہیں۔ (تفسیر ماجدی)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكْنِيَّةٌ آیت ۳۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُّورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ

چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی روشنی کو اپنے منہوں سے بجھادیں اور اللہ تعالیٰ اپنی روشنی کو پورا کیے بغیر

يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿۳۲﴾

نہیں رہے گا اور اگرچہ کافر نا پسند ہی کریں

خلاصہ کلام

یہود و نصاریٰ سے قتال کی وجوہات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دین اسلام کے سخت دشمن ہیں اور وہ اس دین کو مٹانا چاہتے ہیں وہ لوگ اس دین برحق کا انکار اور اس سے دشمنی کرتے ہیں جو کفر ہے وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور یعنی دین اسلام کو اپنے منہ کی پھونکوں (سازشوں، مخالفتوں، اعتراضوں اور شرارتوں) سے بجھادیں..... مگر اللہ پاک ان کافروں کے نہ چاہنے کے باوجود اپنے اس نور کو پورا فرمائے گا۔

اقوال و حوالے

- ۱ مذاق (یعنی ذوق) تو ان کا بگڑا ہوا ہے لیکن وہ دین حق اسلام کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہونے دے گا۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)
- ۲ یعنی توحید خالص اور اسلام کا آفتاب جب چمک اٹھا پھر یہ دوغلی باتیں اور مشرکانہ دعاوی کہاں فروغ پاسکتے ہیں، یہ کوشش کہ بے حقیقت اور بے مغز باتیں بنا کر اور فضول بحث و جدل کر کے نور حق کو مدہم کر دیں، ایسی ہے کہ کوئی بے وقوف منہ سے پھونکیں مار کر چاند یا سورج کی روشنی کو بجھانا اور ماند کرنا چاہے۔ یاد رکھو خواہ یہ کتنے ہی مجلس مگر خدا نور اسلام کو پوری طرح پھیلا کر رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ایک خبر ایک وعدہ

آیت مبارکہ میں ایک خبر دی گئی کہ یہود و نصاریٰ اور ان جیسے دوسرے کافر دین اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے وہ مسلسل کوشش کرتے رہتے ہیں، یہ خبر قرآن پاک کی اور بھی کئی آیات میں مختلف طریقے سے دی گئی ہے۔ پس مسلمانوں کو اپنے ان دشمنوں سے ہوشیار اور خبردار رہنا چاہئے اور ان کی قوت اور طاقت کو ختم کرنے کی خوب فکر اور محنت کرنی چاہئے کیونکہ دین حق کے دشمن تمام انسانیت کے دشمن ہیں جو لوگوں کو نور سے ہٹا کر ظلمت اور اندھیرے میں

دھکیلتے ہیں اور سچائی سے ہٹا کر ان میں کفر کے گندے بیج بوتے ہیں..... پھر اس آیت میں یہ اشارہ بھی دیا گیا کہ یہ کم عقل لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ دین اسلام کو اسی طرح بجھا دیں گے جس طرح کوئی اپنی پھونک سے چراغ بجھا دیتا ہے، حالانکہ دین اسلام کسی انسان کا جلایا ہوا چراغ نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا کسی کے بس کی بات نہیں ہے..... اور آیت کے آخر میں وعدہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی خوب نصرت فرمائے گا اور اس نور کو حد کمال تک پہنچائے گا۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

ثم انه تعالى وعد محمدا صلى الله عليه وسلم مزيد النصرة والقوة واعلاء الدرجة وكمال الرتبة فقال وَيَا بَنِي اللَّهِ إِلَّا أَنْ يُيْتِمَ نُورُهُ وَكُوْكَرَهُ الْكَافِرُونَ
یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ ان کی خوب نصرت فرمائے گا اور دین اسلام کو قوت، بلند درجہ اور کمال مرتبہ عطا فرمائے گا چنانچہ ارشاد فرمایا وَيَا بَنِي اللَّهِ..... الآية (تفسیر کبیر)

کھلی صداقت

تفسیر ماجدی میں ہے:

آیت کی صداقت پر امت کی ساڑھے تیرہ سو سال کی پوری تاریخ گواہ ہے۔ یہود، نصاریٰ، مشرکین، ملحدین، غرض ہر مخالف و معاند، مکرو حیلہ، زور و جبر کے مختلف درجوں اور طریقوں سے اسلام کی بیخ کنی میں لگا ہوا ہے، لیکن اس کے باوجود اسلام ہے کہ پھیلتا ہی جاتا ہے اور پیروان اسلام کی تعداد میں اضافہ ہی روز افزوں ہے، یہاں تک کہ مسیحی مشنریوں کو اعتراف ہے کہ روپیہ کے بے دریغ خرچ کرنے اور اپنے نہایت درجہ مستحکم نظام کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے مشن افریقہ وغیرہ میں ناکام ہی رہے۔ (تفسیر ماجدی)

بہت بڑی تسلی

آیت مبارکہ میں مسلمانوں کے لئے بہت بڑی تسلی اور خوشخبری ہے کہ اسلام کے خلاف ہونے والے حملوں، سازشوں اور اعتراضات کی حیثیت ان پھونکوں سے زیادہ نہیں ہے جو کوئی بیوقوف شخص سورج کو بجھانے کے لئے مارے..... پس مسلمانوں کا فرض ہے کہ اللہ کے نور یعنی دین اسلام پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو جائیں..... وہ جس قدر اللہ تعالیٰ کے نور پر کاربند ہوں گے اسی قدر مضبوط اور غالب ہوں گے۔ اور کفار کی ساری طاقت، محنت اور سازشیں مکڑی کے جالے اور منہ کی پھونکوں سے زیادہ طاقت نہیں رکھتیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قرآن پاک کی یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب اسلام جزیرۃ العرب تک محدود تھا، جبکہ عیسائیوں اور یہودیوں کی سلطنتیں اور حکومتیں دنیا کے بڑے حصے پر چھائی ہوئی تھیں..... مگر قرآن پاک کے وعدے کے مطابق اسلام کا نور پھیلتا چلا گیا اور کچھ ہی عرصہ میں اس نے ایک بڑے جہان کو منور کر دیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ ٣٢ آیت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ

اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے سب دینوں پر غالب

کِلِّهِ ۚ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿۳۲﴾

کرے اور اگرچہ مشرک ناپسند کریں

خلاصہ

دین اسلام دنیا میں غالب ہونے کے لئے آیا ہے، اللہ پاک نے اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت یعنی قرآن پاک اور دین حق یعنی اسلام دے کر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین جن میں یہود و نصاریٰ بھی شامل ہیں جتنا بھی نہ چاہیں۔ پس یہود و نصاریٰ اور دوسرے مشرکین اس دین کے غلبے کو روکنے کی پوری کوشش کریں گے تو ان کے خلاف مسلمانوں کو جہاد کرنا ہوگا تاکہ ان کی قوت ٹوٹ جائے اور وہ دین اسلام کے راستے کی رکاوٹ نہ بن سکیں۔

اقوال وحوالے

یہ دین نازل ہی اسی لئے ہوا ہے

۱ اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کی منشاء کے خلاف اسلام کو سارے دینوں پر غالب کر دے گا اور یہ دین نازل ہی اسی لئے ہوا ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

۲ اس نے اپنا ”رسول“، ”ہدایت“ اور ”دین حق“ دے کر بھیجا تاکہ سب غلط اور پُر اوہام مذاہب پر غالب ہو کر بنی آدم کی ذوقی ہوئی کشتی کو تھام لے، سو وہ دین حق کو غالب ہی کر کے رہے گا چنانچہ صحابہ کے عہد میں ایسا ہو چکا یعنی وہ روشنی مشرق سے مغرب تک پھیل گئی اور عہد مہدی علیہ السلام میں پھر پھیلے گی۔ (تفسیر حقانی)

۳ اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر معقولیت اور حجت و دلیل کے اعتبار سے، یہ تو ہر زمانہ میں بحمد اللہ نمایاں طور پر حاصل رہا ہے، باقی حکومت و سلطنت کے اعتبار سے وہ اس وقت حاصل ہوا ہے اور ہوگا، جبکہ مسلمان اصول اسلام کے پوری طرح پابند اور ایمان و تقویٰ کی راہوں میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے یا آئندہ ہوں گے اور دین حق کا ایسا غلبہ کہ باطل ادیان کو مغلوب کر کے بالکل صفحہ ہستی سے محو کر دے، یہ نزول مسیح علیہ السلام کے بعد قرب قیامت میں ہونے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

”محققین نے کہا ہے کہ اسلام کا غلبہ سارے ادیان پر عقل و استدلال کی رو سے تو مطلق ہے اور کسی وقت و زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، البتہ مادی غلبہ اہل اسلام کی صلاحیت و اہلیت کے ساتھ مخصوص و مشروط ہے، بہت سے مفسرین اس طرف بھی گئے ہیں کہ اسلام کے غلبہ کامل کا ظہور و مشاہدہ قرب قیامت میں ہوگا جب نزول مسیح علیہ السلام کے وقت دوسرا دین موجود نہ رہ جائے گا۔“

واكثر المفسرين على الاحتمال الثاني قالوا وذلك عند نزول عيسى عليه السلام فانه حينئذ لا يبقى دين سوى الاسلام۔ (روح) (تفسیر ماجدی)

اسلام کے غلبے کی تین صورتیں

”غالب ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ دلیل اور حجت کے ساتھ غلبہ ہو اور یہ غلبہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کوئی بھی شخص خواہ دین آسمانی کا مدعی ہو خواہ بت پرست ہو، خواہ آتش پرست ہو، خواہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو، خواہ طہر ہو اور زندگی ہو وہ اپنے دعویٰ اور اپنے دین کو لے کر دلیل کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے نہیں آ سکتا اور اپنے دعویٰ کو صحیح ثابت نہیں کر سکتا، اسلام کے دلائل سے یہود و نصاریٰ اور مشرکین، زنادقہ اور طہرین سب پر حجت قائم ہے اس اعتبار سے دین اسلام ہمیشہ سے غالب ہے۔ اسلام دین کامل ہے انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ دیگر تمام ادیان کے ماننے والے صرف چند تصورات اور خود تراشیدہ معتقدات کو لے کر بیٹھے ہیں۔ عبادات، معاملات، مناکحات، معیشت اور معاشرت، سیاست اور حکومت، اخلاق اور آداب کا کوئی مذہبی نظام ان کے پاس نہیں ہے، اسلام نے انسانوں کو ہر شعبہ زندگی کے احکام دیئے ہیں اور اخلاق عالیہ کی تعلیم دی ہے۔ دوسری صورت اسلام کے غالب ہونے کی یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والے کفر و شرک چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں اور دنیا میں اسلام ہی اسلام ہو اور اس کا راج ہو، ایسا قیامت سے پہلے ضرور ہوگا۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت مہدی علیہما السلام کے زمانے میں اسلام خوب اچھی طرح پھیل جائے گا اور زمین عدل و انصاف سے بھر جائے گی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں دوبارہ تشریف آوری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ویبطل الملل حتی یهلك الله في زمانه الملل كلها غیر الاسلام۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام ملتوں کو باطل کر دیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں اسلام کے علاوہ ساری ملتوں کو ختم فرمادیں گے۔ (مسند احمد ص ۴۳۷ ج ۲)

تیسری صورت اسلام کے غالب ہونے کی یہ ہے کہ مسلمان اقتدار کے اعتبار سے دوسری اقوام پر غالب ہو جاتا ہے اور یہ ہو چکا ہے۔ جب مسلمان جہاد کرتے تھے، اللہ کے دین کو لے کر آگے بڑھتے تھے اور اللہ کی رضا پیش نظر تھی اس وقت بڑی بڑی حکومتیں پاش پاش ہو گئیں۔ قیصر و کسریٰ کے ملکوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، ان میں سے جو

قیدی پکڑے گئے وہ غلام باندی بنائے گئے اور مشرکین اور اہل کتاب میں بہت سے لوگوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا اور مسلمانوں کے ماتحت رہے، صدیوں یورپ اور ایشیا، افریقہ کے ممالک پر مسلمانوں کا قبضہ رہا اور اس وقت یہی تین بڑے عظیم دنیا میں معروف تھے اور اب بھی مسلمانوں کی حکومتیں زمین کے بڑے حصے پر قائم ہیں۔ اگر اب بھی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کھڑے ہو جائیں اور آپس میں اتفاق و اتحاد کر لیں، کافروں سے بغض رکھیں کافروں کی حکومتوں کو اپنا سہارا نہ بنائیں تو اب بھی وہی شان واپس آ سکتی ہے جو پہلے تھی۔

اقتدار والے غلبہ کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو چکا ہے اور آئندہ پھر اس کا وقوع ہوگا، انشاء اللہ۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زمین پر مٹی سے بنا ہوا کوئی گھریا بالوں سے تیار کیا ہوا کوئی خیمہ ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ داخل نہ فرمادے، عزت والے کی عزت کے ساتھ اور ذلت والے کی ذلت کے ساتھ، حدیث کی روایت کرنے کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس تو پھر سارا دین اللہ ہی کے لئے ہوگا۔ (مشکوٰۃ ص ۱۱۶ از مسند احمد) (یعنی) جن کو اللہ تعالیٰ عزت دے گا انہیں کلمہ اسلام کا قبول کرنے والا بنا دے گا اور جن کو اللہ ذلیل کرے گا وہ مقتول ہو گیا مجبور ہو کر جزیہ ادا کرے گا۔ (انوار البیان)

اس آیت میں جہاد کی دعوت ہے

”اہل کتاب کو بہترین مذہب دیا گیا مگر انہوں نے اس کی تعلیم کو بالکل بگاڑ دیا، اب مذہب کے مقصد اصلی کو پورا کرنے کے لئے ایک رسول آیا ہے جس کا دین تمام دینوں پر غالب ہو کر رہے گا۔ یہود و نصاریٰ اس مذہب کو بچا دکھانے کی فکر میں رہیں گے اس لئے مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ ان کو کمزور کر دیں۔“

احادیث میں تفصیل کے ساتھ اس فتح و کامرانی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله زوى لى الارض مشارقها ومغاربها وسيبلغ ملك امتى ما زوى لى منها الله تعالىٰ نے زمین کے مشرق و مغرب کو لپیٹ کر میرے سامنے رکھ دیا، جس قدر زمین لپیٹ دی گئی وہ سب میری امت کے زیر حکومت ہوگی۔

مسند امام احمد میں ہے: انه ستفتح لكم مشارق الارض ومغاربها وان عمالها فى النار الامن اتقى الله وادى الامانة، زمین کے مشرق و مغرب تمہارے لئے مفتوح ہوں گے اور اس کے حکام میں سے صرف وہی لوگ جنت کے مستحق ہوں گے جو تقویٰ اللہ اختیار کریں اور اداائے امانت کے خوگر ہوں۔ (تفسیر الفرقان)

اسلام کے غلبے کی احادیث

اکثر مفسرین کے نزدیک آیت میں جس غلبے کا تذکرہ ہے اس کا مطلب اسلام کا تمام ادیان پر ظاہری اور اقتدار والا غلبہ ہے، امام نسفیؒ فرماتے ہیں:

لیظہرہ لیعلیہ (المدارک) جلالین میں بھی اظہار کا ترجمہ اعلاء سے کیا ہے اور یہی حال دیگر مفسرین کرام کا ہے حتیٰ کہ امام ابن کثیرؒ نے اس آیت کا صرف یہی ایک مفہوم مراد لے کر وہ احادیث ذکر فرمائی ہیں جن میں اسلام کے غالب آنے اور زمین پر اس کے چھا جانے کا تذکرہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے تفسیر ابن کثیر.....

ایک دلچسپ بحث

امام قرطبیؒ نے اس آیت کے ذیل میں اس مسئلے پر بحث کی ہے کہ حضرت امام مہدی کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہونا متواتر احادیث سے ثابت ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی امام مہدی نہیں ہیں، بلکہ دونوں الگ الگ شخصیات ہیں اور وہ روایت غلط ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہی امام مہدی قرار دیا گیا ہے..... ملاحظہ فرمائیے اس بحث کی تفصیل کے لئے تفسیر قرطبی (اس زمانہ میں کئی لوگ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیتے ہیں اس لئے اس بارے میں صحیح علم ہونا ضروری ہے تاکہ فتنوں سے حفاظت رہے)

عجیب نکتہ

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مراد دین اسلام کا دیگر مذاہب پر ظاہری غلبہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کے طور پر فرمایا ہے کہ لَيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ مُجْلِبًا کہ وہ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب فرمائے گا تو ظاہر بات ہے کہ وعدہ اس چیز کا ہوتا ہے جو ابھی موجود نہ ہو تو اس کے آئندہ موجود ہونے کا وعدہ کیا جاتا ہے اب اگر غلبہ سے مراد دلیل اور حجت کا غلبہ ہو تو یہ غلبہ تو اُس زمانے میں بھی موجود تھا چنانچہ غلبے سے مراد قوت اور اقتدار والا غلبہ ہے جو اس زمانے میں اسلام کو حاصل نہیں تھا مگر بعد میں اس وعدے کے مطابق یہ غلبہ عطاء فرمایا گیا تو یہ آیت بھی معجزات میں سے ہے کہ جس غلبے کا وعدہ کیا گیا تھا وہ الحمد للہ حاصل ہو گیا..... امام صاحب کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

واعلم ان ظهور الشيء على غيره قد يكون بالحجة وقد يكون بالكثرة والوفور وقد يكون بالغلبة والاستيلاء ومعلوم ان الله تعالى بشر بذلك ولا يجوز ان يبشر الا بامر مستقبل غير حاصل وظهور هذا الدين بالحجة مقرر معلوم، فالواجب حمله على الظهور بالغلبة. (تفسير كبير)

آگے لکھتے ہیں کہ اس آیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ دین اسلام تمام ادیان پر غالب آجائے مگر مکمل طور پر تو ایسا نہیں ہوا اور ہند، چین اور روم اور دیگر کافر ملکوں میں اسلام مکمل غالب نہیں آیا تو اس کے کئی جوابات ہیں، ایک یہ کہ دنیا کے جتنے بڑے ادیان ہیں اسلام ان پر کئی مقامات پر غالب آیا، جزیرہ عرب میں مشرکوں اور یہودیوں پر، ملک شام میں عیسائیوں پر اور مجوسیوں پر ان کے ممالک میں اور بت پرستوں پر ترکی اور ہند کے اطراف میں وغیرہ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اسلام کا مکمل غلبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ السلام کی تشریف آوری پر ہوگا۔

فثبت ان الذي اخبر الله عنه في هذه الآية قد وقع وحصل وكان ذلك اخبارا عن الغيب فكان معجزا۔ (تفسير كبير)

وقال السدي: ذلك عند خروج المهدي، لا يبقى احد الا دخل في الاسلام او ادى الخراج۔ (تفسير كبير)

اسلامی غلبے کے عناصر

امام رازیؒ کی رائے وزنی معلوم ہوتی ہے کیونکہ پچھلی آیات میں بھی جہاد کا تذکرہ تھا اور آگے کی آیات بھی غزوہ تبوک سے متعلق ہیں اور خود ان آیات کے بارے میں بھی اکثر مفسرین کا فرمانا ہے کہ یہ غزوہ تبوک کی ترغیب میں نازل ہوئی ہیں۔ پس غلبے سے مراد قوت اور اقتدار والا غلبہ ہے۔ پھر اس آیت مبارکہ کے الفاظ میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا ظاہری غلبہ چند چیزوں کے ساتھ مشروط ہے۔ هُوَ الَّذِي آتَىٰ أَرْسَلًا رَسُولًا سے اشارہ ملا کہ مسلمانوں میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوں اور جب آپ تشریف لے جائیں تو آپ کا کوئی ”خلیفہ“ موجود ہو معلوم ہوا کہ اسلامی غلبے کے لئے مسلمانوں میں جماعت اور خلافت کا قیام اہم کردار ادا کرتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سے اشارہ ملا کہ قرآن مجید ہی مسلمانوں کا رہنما اور دستور ہو، مسلمان قرآن پاک ہی کو اپنا قانون بنائیں اور اسی کو اپنا نظام اور دستور بنائیں۔ وَذِينَ الْحَقِّ سے اشارہ ملا کہ اسلام کی حقانیت، اس کا نفاذ اور اس کا غلبہ مسلمانوں کے پیش نظر ہو اور يُظَاهِرُهُ عَلَى الدِّينِ الْحَقِّ سے اشارہ ملا کہ مسلمان اسلام کے غلبے کے لئے اسلام کے مخالفین سے جہاد کریں۔

چنانچہ جب بھی مسلمان ایک خلیفہ اور امیر پر متفق ہوئے اور انہوں نے قرآن کو اپنا قانون اور دستور بنایا اور وہ اسلام کی حقانیت اور تنفیذ کے لئے خود آگے بڑھے اور انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کو پوری قوت سے جاری کیا تو انہیں یہ غلبہ نصیب ہوا..... اب بھی الحمد للہ مسلمان جہاد کرتے ہیں غالب اور کامیاب ہوتے ہیں..... اب ایک اور بات پر غور فرمائیں..... تمام مفسرین لکھ رہے ہیں کہ متواتر احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جب مسلمان حضرت امام مہدیؑ کی امارت اور خلافت پر متحد ہوں گے اور جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا امیر بنا کر جہاد کریں گے تو ساری دنیا پر غالب آجائیں گے..... معلوم ہوا کہ غلبے کا راز خلافت اور جہاد میں پوشیدہ ہے..... اللہ پاک مسلمانوں میں ان دونوں چیزوں کا احیاء فرمائے۔ آمین۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكْنِيَّةٌ آيَةٌ ۳۵-۳۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لِيَآكُلُونَ

اے ایمان والو! بہت سے عالم اور فقیر لوگوں کا مال

أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ

ناحق کھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں اور جو لوگ

يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ

انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے جس دن وہ جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان کی

بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَذَا مَا كُنْتُمْ لَا نَفْسِكُمْ

پیشانیوں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا

فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ۝

سو اس کا مزہ چکھو جو تم جمع کرتے تھے

خلاصہ

یہود و نصاریٰ سے قتال کی وجوہات میں سے یہ بھی ہے کہ :

ان کی مذہبی قیادت بے حد گمراہ اور لالچی ہو چکی ہے ان کے اکثر علماء اور مشائخ حرام طریقے سے مال حاصل کرتے ہیں اور دنیا کی خاطر دین کو بیچتے ہیں اور لوگوں کو دین اسلام سے روکتے ہیں (پس ایسے لوگوں کا قوت اور اقتدار میں رہنا انسانیت کے لئے کتنا بڑا نقصان ہے) ان کے عام لوگوں نے علماء اور مشائخ کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور علماء اور مشائخ کی حالت یہ ہے کہ وہ مال اور دنیا کے بے حد حریص اور لالچی ہیں اور مال اور عہدے کی وجہ سے دین حق کو قبول نہیں کرتے بلکہ اور لوگوں کو بھی دین حق سے روکتے ہیں اور یہ یہود و نصاریٰ دنیا میں معاشی اور اقتصادی ناہمواری اور ظلم عام کرتے ہیں (یہ لوگ ناجائز سرمایہ داری کے ذریعہ انسانوں کے حقوق پا مال کرتے ہیں) یہ لوگ مال کو ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے پس ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے، قیامت کے دن اس مال سے ان کو عذاب دیا جائے گا.....

یہود و نصاریٰ کے مذہبی رہنماؤں کی خاص نشانی

تفسیر حقانی میں ہے:

یہود و نصاریٰ کے عالم اپنی کتابوں میں تحریف کرنے کے عادی تھے وہ لوگوں کو طرح طرح کے شبہات میں مبتلا کرتے تھے جیسا کہ آج کل مشنری کرتے ہیں۔ اب مسلمانوں کو ان کی ایک خباثت بتا کر ان کے فریب سے مطلع فرماتا ہے کہ وہ مکار لوگ فریب کر کے مال مارتے اور اسکو جمع کرتے ہیں، اللہ کی راہ میں خود صرف کرنا نہیں جانتے جیسا کہ ہندوؤں کے برہمن اور پنڈت کرتے ہیں، پس ایسے لالچیوں کی بات کا کیا اعتبار ہے، ایسے مال کو قیامت میں گرم کر کے ان کے منہ اور پیٹھ اور پہلو پر داغ دیئے جائیں گے۔

اس آیت میں ان مسلمانوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ زکوٰۃ دینے کے بعد مال جمع کرنا جمہور کے نزدیک جائز ہے (کچھ شرائط کے ساتھ)۔ یہود و نصاریٰ کے احبار اور رہبان جو کچھ جال پھیلاتے اور بہروپ بدلتے تھے سب مال و زر کے لئے تھا جس کا انجام جہنم میں داغ دیا جانا ہوگا۔ یہود و نصاریٰ پر کیا موقوف ہے یہ مال و زر کی طمع ایسی بلا ہے کہ جس سے انسان بمشکل نجات پاسکتے ہیں۔ مسلمانوں کے بعض گروہوں کو بھی اس مہلک مرض نے ہلاک کیا ہے۔ اولیاء کرام کا بہروپ بدل کر درویشوں، پیرزادوں نے وہ ڈھنگ بنائے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ کہیں میلہ، کہیں نذر و نیاز کا طریقہ اور پھر اس بزرگ کے (نعوذ باللہ) خدائی اختیارات کے قصے۔ اور پھر ان علماء سوء کا ان کی تاویلات کرنا اور ان پر علمی قلعی چڑھا کر ان کو رواج دینا، کہیں راگ و رنگ کی مجالس کو اور جملہ لہو و لعب کو دین بنانا اور بحث میں علمی زور دکھانا، پھر پیر صاحب کا اپنی تعظیم و تکریم کے احکام جاری کرنا، سجدے کرنا، نذرانے وصول کرنا اور درپردہ شہوات و لذات کے مزے اڑانا سب پرانے احبار و رہبان کی تقلید ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباع نصیب کرے۔ (آمین) (تفسیر حقانی تسہیل)

ان دو آیات کے مضامین

ان دو آیات پر حضرات مفسرین نے بہت تفصیل سے لکھا ہے اور درج ذیل امور پر مفصل کلام فرمایا ہے:

- ۱۔ یہود و نصاریٰ کی اور ان کے علماء و مشائخ کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی حب دنیا، حرص اور ظالمانہ سرمایہ داری
- ۲۔ مسلمانوں کو ان پیاریوں سے بچنے کی تلقین اور دنیا پرست علماء کی مذمت
- ۳۔ کنز کا مفہوم کہ کون سا مال کنز کہلاتا ہے اور کون سا نہیں
- ۴۔ سونے چاندی کو اصل مال قرار دے کر ذکر فرمایا گیا ہے جبکہ مقصد ہر طرح کا مال اور جاگیر ہے اس کے دلائل
- ۵۔ زکوٰۃ اور دیگر حقوق واجبہ ادا کرنے کے بعد مال جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟
- ۶۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی سخت وعیدیں اور مال جمع کرنے کی وعیدیں اور ان کا مطلب
- ۷۔ مسلمانوں کو اپنے لئے کوئی چیزیں ذخیرہ کرنی چاہئیں، احادیث میں تین چیزوں کا زیادہ تذکرہ آیا ہے:

(الف) ذکر کرنے والی زبان (ب) شکر کرنے والا دل (ج) دین اور آخرت کے معاملات میں تعاون کرنے والی بیوی

۸ یہ آیت صرف یہود و نصاریٰ کے لئے ہے یا مسلمانوں کے لئے بھی؟

۹ ان احادیث مبارکہ کا تذکرہ جن میں اس بات کا بیان ہے کہ مسلمانوں میں بھی یہود و نصاریٰ والی بیماریاں پھیل جائیں گی۔

۱۰ حضرت ابوذر غفاریؓ اور دیگر اہل زہد کا تذکرہ۔

تقریباً اکثر مفسرین نے یہ تمام بحثیں ذکر فرمائی ہیں، شائقین حضرات تفاسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک دعاء

تفسیر ابن کثیر میں مسند احمد کے حوالے سے یہ روایت بیان فرمائی گئی ہے:

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اذا كنز الناس الذهب والفضة فاكثروا هؤلاء الكلمات

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جب لوگ سونا چاندی کو ذخیرہ کرنے لگیں تو تم ان کلمات (یعنی اس دعاء) کو ذخیرہ کرو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَةَ عَلٰی الرُّشْدِ وَاَسْئَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَاَسْئَلُكَ حُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْئَلُكَ قَلْبًا سَلِیْمًا وَاَسْئَلُكَ لِسَانًا صَادِقًا وَاَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ. (تفسیر ابن کثیر)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ ٣٦ آیت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ

بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں جس دن

خُلِقَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضُ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ

سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کیے ان میں سے چار عزت والے ہیں یہی سیدھا دین

الْقِيمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا

ہے سو ان میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو اور تم سب مشرکوں سے لڑو جیسے

يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۷﴾

وہ سب تم سے لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے

خلاصہ

یہود و نصاریٰ، مشرکین اور تمام کفار کا ایک جرم یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنی خواہشات کی خاطر بدلتے رہتے ہیں اور ان احکامات کے اوقات میں بھی اپنی مرضی سے تبدیلیاں کرتے رہتے ہیں، اس لئے بہت واضح ہدایت دی جا رہی ہے کہ مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ہے یعنی ایک سال بارہ قمری مہینوں پر مشتمل ہوتا ہے اور ان میں سے چار مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب زیادہ ادب والے مہینے ہیں، پس اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ سال اور مہینے دینی احکامات میں معتبر ہیں جن میں چار ادب والے مہینے بھی ہوتے ہیں اور ادب والے یہ چار مہینے قمری سال میں ہوتے ہیں پس قمری سال ہی اللہ تعالیٰ کا مقرر فرمودہ سال ہے۔ حرمت والے مہینوں کا یہ حکم ہے کہ ان میں گناہ اور ظلم سے بچنے کا زیادہ اہتمام کیا جائے جب یہود و نصاریٰ اور تمام مشرکین کے جرائم معلوم ہو گئے تو اے مسلمانو! تم ان تمام مشرکین سے ہر حال میں لڑو، ان سے قتال کرو جیسے وہ تم سب سے ہر حال میں لڑتے ہیں اور یہ بات دل میں بٹھا لو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد متقی لوگوں کے ساتھ ہے اور جہاد کے وقت جہاد کرنا تقویٰ کا اہم تقاضا ہے.....

آیت کا ربط

امام رازی لکھتے ہیں:

اعلم ان هذا شرح النوع الثالث من قبائح اليهود والنصارى والمشرکين وهو اقدامهم

على السعى في تغييرهم احكام الله

یعنی یہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی خرابیوں کی تیسری قسم کا بیان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات میں تبدیلی کی جسارت کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر) (پس یہ آیت بھی وجوہات قتال کے بیان پر مشتمل ہے)

جہاد ہمیشہ رہے گا

”یہاں تک (کی آیات میں) یہ بات ثابت ہوگئی کہ کسی بڑی سے بڑی مذہبی جماعت کا تقدس (یعنی یہود، نصاریٰ اور ان کے علماء مشائخ کا نام نہاد تقدس) ہمیں جہاد فی سبیل اللہ سے روک نہیں سکتا، اب بتایا جاتا ہے کہ اشہر حرم اور مقدس مہینوں میں بھی جنگ نہیں رک سکتی بلکہ ہمیشہ جاری رہے گی۔“ (تفسیر الفرقان)

آیت کا تعلق جہاد و قتال سے ہے

تفسیر حقانی میں ہے:
پھر ان باتوں میں سے ایک بات بیان فرماتا ہے جو جہاد و قتال سے مناسب تھی۔ (تفسیر حقانی)

نکتہ

مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مہینوں میں گڑ بڑ کرتے تھے اور ان کو اپنی مرضی سے آگے پیچھے کرتے رہتے تھے مفسرین میں سے بعض کی رائے ہے کہ انہوں نے یہ بری عادت یہود و نصاریٰ سے سیکھی تھی۔
تفسیر ماجدی میں ہے:

”امام رازیؒ نے حسب معمول اس پر تفصیل و تحقیق سے گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ عربوں کے ہاں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وقت سے سنہ قمری چلا آتا تھا، جس سے ماہ حج کبھی کسی موسم میں پڑتا تھا کبھی کسی میں، لیکن عربوں نے دیکھا کہ اس سے تجارت وغیرہ میں نقصان ہوتا ہے تو انہوں نے مصالح دین کا خیال نہ کر کے اور ان پر مصالح دنیوی کو ترجیح دے کر یہود و نصاریٰ سے حساب کبیسہ سیکھ لیا اور اپنے مہینوں میں کچھ کچھ روز کے بعد ایک مہینہ بڑھا کر حج وغیرہ کا زمانہ بہ حساب شمسی متعین کر دیا اور یہ صریح مصالح شریعت میں دست اندازی ہے علماء سلف نے آیت سے یہ حکم بھی مستنبط کیا ہے کہ مسلمانوں پر اپنے معاملات و عبادات میں سنہ قمری عربی کی پابندی واجب ہے اور سنہ عجمی و سنہ رومی شمسی کی پابندی جائز نہیں۔

قال اهل العلم الواجب على المسلمين بحكم هذه الآية ان يعتبروا في بيوعهم ومدد ديونهم واحوال زكاتهم وسائر احكامهم السنة العربية بالاهل ولا يجوز لهم اعتبار السنة العجمية والرومية. (تفسیر کبیر) (تفسیر ماجدی)

چار مہینوں کی حرمت

اس آیت مبارکہ کے ذیل میں بھی حضرات مفسرین نے اس پر بحث فرمائی ہے کہ چار حرمت والے مہینوں میں مسلمانوں کی طرف سے قتال کی ابتداء کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی ان مہینوں میں قتال کی حرمت باقی ہے یا نہیں؟.....

امام ابن کثیرؒ نے دونوں اقوال اور ان کے دلائل کو تفصیل سے ذکر فرمایا ہے تفسیر ابن کثیر میں ملاحظہ فرمائیں۔
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

ہمیشہ حکم شرع میں برس ہے بارہ مہینے کا، نہ کم نہ زیادہ اور دین ابراہیمؑ میں چار مہینے حرام تھے، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، کہ ان میں لڑنا حرام تھا۔ ملک عرب میں امن تھا تا (کہ) لوگ دور اور نزدیک کے حج و عمرہ کر سکیں اب اکثر علماء کے پاس (یعنی علماء کے نزدیک) یہ حکم نہیں، اس آیت سے بھی نکلتا ہے کہ کافروں سے لڑنا ہمیشہ روا (یعنی جائز) ہے اور ظلم کرنا ہمیشہ گناہ ہے (اور) ان مہینوں میں (ظلم کرنا) زیادہ (بڑا گناہ ہے) لیکن بہتر ہے کہ اگر کوئی کافر ان مہینوں کا ادب مانے تو ہم بھی اس سے ابتداء نہ کریں لڑائی کی۔ (موضح القرآن)

خیر یہ تو ایک اختلافی مسئلہ ہے اور پہلے جمہور کا قول گزر چکا ہے مگر دو باتوں پر سب کا اتفاق ہے ایک یہ کہ اگر کفار مسلمانوں پر حملہ کر دیں تو مسلمانوں کو جوابی کارروائی کرنی ہوگی ان مہینوں کا خیال کر کے ہاتھ روکنا جائز نہیں ہوگا۔ حضرت لاہوریؒ جو چار مہینوں میں حرمت قتال کے قائل ہیں تحریر فرماتے ہیں:

مسلمانوں کو چونکہ ساری دنیا سے لڑائی کرنی ہوگی، اس لئے فوج محمدی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کو ہر سال میں چار ماہ آرام کیلئے دیئے جائیں گے ان مہینوں میں مسلمان خود لڑائی نہیں چھیڑیں گے، ہاں اگر کفار حملہ کر دیں گے تو مجبور لڑنا ہی پڑے گا۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

اس لئے تمام دنیا کے مسلمان ان مہینوں کا احترام کریں گے مگر اس حرمت سے یہ مراد نہیں کہ تم بے دست و پا ہو کر بیٹھ جاؤ بلکہ جب مخالفین تم کو متحد ہو کر تباہ کرنا چاہتے ہیں تو تم بھی اکٹھے ہو کر ان کا نام و نشان مٹا دو۔ (تفسیر الفرقان)
اور دوسری بات یہ ہے کہ ان چار مہینوں میں ظلم یعنی ہر طرح کے گناہوں سے زیادہ بچنے کا اہتمام کرنے کی تاکید ہے۔ تفسیر جلالین میں ہے:

فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ اِى: الاشهر الحرم اَنْفُسَكُمْ بِالْمَعَاصِي فَاَنْهَا فِيهَا اعْظَمُ وَزَرًا۔ (جلالین)
یعنی اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو ان چار مہینوں میں گناہ کر کے کیونکہ ان مہینوں میں گناہ کا وبال زیادہ سخت ہوتا ہے۔
بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ فِيهِنَّ سے مراد تمام مہینے ہیں کہ کسی بھی مہینے میں گناہ نہ کرو۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً

تمام کافروں سے جنگ کرو جیسا کہ وہ تم سب سے جنگ کرتے ہیں۔ (انوار البیان)

فَمَعْنٰی وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً لَا يَتَخَلَفُ احَدُ مِنْكُمْ عَنْ قِتَالِهِمْ اَوْ لَا تَتْرَكُوا قِتَالَ وَاحِدٍ مِنْهُمْ۔ (روح المعانی)

یعنی وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً کا مطلب ہے کہ تم مسلمانوں میں سے کوئی ان کے ساتھ قتال سے پیچھے نہ رہے یا

مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی قتال نہ چھوڑو۔ (یعنی تم سب ان سب سے لڑو)
امام قرطبیؒ بھی یہی معنی کرتے ہیں:

وَقَاتِلُوا أَمْرًا بِالْقِتَالِ وَكَافَّةً مَعْنَاهُ جَمِيعًا وَهُوَ مُصَدَّرٌ فِي مَوْضِعِ الْحَالِ أَيْ مُحِيطِينَ بِهِمْ وَمَجْتَمِعِينَ۔ (قرطبی)
اور آگے لکھتے ہیں:

وانما معنى هذه الآية الحز على قتالهم والتحزب عليهم وجمع الكلمة
یعنی مقصد اس آیت کا مسلمانوں کو کافروں کے خلاف قتال پر ابھارنا اور متحد ہو کر کافروں کے خلاف جہاد کرنے کی
ترغیب دینا ہے۔ (القرطبی)

اور كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً کا معنی ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:
فبحسب قتالهم واجتماعهم لنا يكون فرض اجتماعنا لهم
پس وہ کافر جس قدر ہم سے لڑیں گے اور جس قدر ہمارے خلاف جمع ہوں گے اسی قدر ہم پر بھی ان کے خلاف جمع
ہو کر لڑنا فرض ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (قرطبی)

آیت مبارکہ کا ایک اور ربط

تفسیر عثمانی میں ہے:

میرے نزدیک اوپر سے سلسلہ مضمون کا یوں ہے کہ گذشتہ رکوع میں مشرکین کے بعد اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے
جہاد کرنے کا حکم دیا۔ پھر رکوع حاضر کے شروع میں بتایا کہ ان کے عقائد اور طریق بھی مشرکین سے ملتے جلتے ہیں،
ان کا عزیر مسیح کو خدا کا بیٹا کہنا ایسا ہی ہے جیسے مشرکین ”ملائکہ اللہ“ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، بلکہ نصاریٰ میں ”ابنیت
مسیح“ کا عقیدہ مشرکین کی تقلید سے آیا ہے، وہ بتوں کو خدائی کا درجہ دیتے ہیں، انہوں نے مسیح در روح القدس کو خدا
ٹھہرا لیا، باوجود عوائے کتاب کے احبار اور بہان کے احکام کو شریعت الہیہ کا بدل تجویز کر لیا، یعنی احبار اور بہان رشوتیں
لے کر اور حرام مال کھا کر جس چیز کو حلال یا حرام کر دیتے احکام سادی کی جگہ ان ہی کو قبول کر لیا جاتا، ان کا یہ طریقہ ٹھیک
مشرکین کے طریقہ کے مشابہ ہے، ان کے سرگروہ بھی جس چیز کو چاہتے حلال و حرام ٹھہرا کر خدا کی طرف نسبت
کر دیتے تھے، جس کا ذکر ”انعام“ میں مفصل گزر چکا اور یہاں بھی اس کی ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ عرب میں
قدیم سے معمول چلا آتا تھا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے ”اشہر حرم“ (خاص ادب و احترام کے مہینے)
ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب ان میں خونریزی اور جدال و قتال قطعاً بند کر دیا جاتا تھا۔ حج، عمرہ اور تجارتی کاروبار کے
لئے امن و امان کے ساتھ آزادی سے سفر کرتے تھے، کوئی شخص ان ایام میں اپنے باپ کے قاتل سے بھی تعرض نہ کرتا

تھا بلکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اصل ملت ابراہیمی میں یہ چار ماہ ”اشہر حرم“ قرار دیئے گئے تھے، اسلام سے ایک مدت پہلے جب عرب کی وحشت اور جہالت حد سے بڑھ گئی اور باہمی جدال و قتال میں بعض بعض قبائل کی درندگی اور انتقام کا جذبہ کسی آسمانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا تو ”نسی“ کی رسم نکالی۔ گویا عہد جاہلیت میں کافروں کے کفر و گمراہی کو بڑھانے والی ایک چیز یہ بھی تھی کہ خدا کے حلال یا حرام کیے ہوئے مہینہ کو بدل ڈالنے کا حق کسانہ کے ایک سردار کو سونپ دیا گیا تھا، ٹھیک اسی طرح یہود و نصاریٰ کا حال تھا کہ انہوں نے تحلیل و تحریم کی باگ طامع اور غرض پرست احبار اور ہبان کے ہاتھ میں دے دی تھی، دونوں جماعتوں کی مشابہت ظاہر کرنے کے لئے ”نسی“ کی رسم کا یہاں ذکر کیا گیا اور اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اس کے رد کی تمہید ہے، یعنی آج سے نہیں جب سے آسمان و زمین پیدا کیے خدا کے نزدیک بہت سے احکام شرعیہ جاری کرنے کے لئے سال کے بارہ مہینے رکھے گئے ہیں جن میں سے چار اشہر حرم (ادب کے مہینے) ہیں جن میں گناہ و ظلم سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔ یہی سیدھا دین (ابراہیم علیہ السلام کا) ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ

خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔

”جب تمام دنیا تمہیں برباد کرنے کی ٹھان لے تو اس وقت کمال تقویٰ یہی ہے کہ تم بھی ان کی فاسامانی پر کمر بستہ ہو جاؤ۔“ (تفسیر الفرقان)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُ ٢٤

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحْلُونَهُ عَامًا

یہ مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں اور ترقی ہے اس سے کافر گمراہی میں پڑتے ہیں اس مہینے کو ایک برس تو حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے برس

وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُؤَاطُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيَحْلُوا مَا حَرَّمَ

اسے حرام رکھتے ہیں تاکہ ان مہینوں کی گنتی پوری کر لیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے پھر حلال کر لیتے ہیں جو

اللَّهُ ذِينَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالٍ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ

اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے ان کے برے اعمال انہیں بھلے دکھائی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا

خلاصہ

ان کفار کی طرف سے احکام الہی میں مجرمانہ مداخلت کی ایک مثال نسئ کی رسم ہے کہ جس میں وہ اپنے بعض سرداروں کی مرضی سے حرمت کے مہینے کو آگے پیچھے کرتے رہتے تھے ان کا یہ عمل کفر میں ان کی مزید ترقی ہے۔ اس کے ذریعہ ان کے بڑے اپنے عام لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، یہ لوگ حرمت والے مہینوں کی بس گنتی تو پوری کرتے ہیں مگر اللہ کے حرام کیے ہوئے کو حلال کرتے رہتے ہیں، اور انہیں اپنے ان برے اعمال پر کوئی ندامت بھی نہیں بلکہ انہیں یہ برائیاں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا کیونکہ وہ ہدایت پر آنا نہیں چاہتے۔

نسئ کا مطلب

” (جب عرب کے مشرک) قبائل کی درندگی اور انتقام کا جذبہ کسی آسمانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا تو ”نسئ“ کی رسم نکالی یعنی جب کسی زور آور قبیلہ کا ارادہ ماہ محرم میں جنگ کرنے کا ہوا تو ایک سردار نے اعلان کر دیا کہ اس سال ہم نے محرم کو ”اشہر حرم“ سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا پھر اگلے سال کہہ دیا کہ اس مرتبہ حسب دستور قدیم محرم حرام اور صفر حلال رہے گا۔ اس طرح سال میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے لیکن ان کی تعیین میں حسب خواہش رد و بدل کرتے رہتے تھے۔ ابن کثیر کی تحقیق کے موافق ”نسئ“ (مہینہ آگے پیچھے کرنے) کی رسم صرف محرم و صفر میں ہوتی تھی اور اس کی وہی صورت تھی جو اوپر مذکور ہوئی۔ امام مغازی محمد ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی ”قائس کنانی“ تھا پھر اس کی اولاد در اولاد یوں ہی ہوتا چلا آیا، آخر میں اسی کی نسل سے ”ابو ثامہ جنادہ بن عوف کنانی“ کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کیا کرتا کہ اس سال محرم ”اشہر حرم“ میں داخل رہے گا یا صفر۔ اسی طرح محرم و صفر میں سے ہر مہینہ کبھی حلال اور کبھی حرام کیا جاتا تھا اور عام طور پر لوگ اسی کو قبول کر لیتے تھے۔“ (تفسیر عثمانی)

فائدہ

آیت ۳۶ اور ۳۷ کا مضمون آپس میں بالکل مربوط ہے اس لئے دونوں کے معارف کو جوڑ کر پڑھ لیں تو مفہوم جہاد اچھی طرح سمجھ آ جائے گا کہ کفار و مشرکین کے جرائم میں سے یہ بھی ہے کہ وہ قانون الہی اور قانون فطرت میں اپنی من چاہی اور خواہشات کے تحت رد و بدل کرتے ہیں اور یہود نصاریٰ اور مشرکین عقائد و اعمال کے اعتبار سے ایک جیسے ہیں جس کی مثال نسی کی رسم ہے پس ان سب سے قتال ہوگا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک اہم مسئلہ

تفسیر معارف القرآن میں ہے:

مذکورہ (دو) آیتوں سے ثابت ہوا کہ مہینوں کی جو ترتیب اور ان مہینوں کے جو نام اسلام میں معروف ہیں وہ انسانوں کی بنائی ہوئی اصطلاحیں نہیں، بلکہ رب العالمین نے جس دن آسمان و زمین پیدا کیے اسی دن یہ ترتیب اور یہ نام اور ان کے ساتھ خاص خاص مہینوں کے خاص خاص احکام متعین فرمادیئے تھے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک احکام شرعیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے، اسی قمری حساب پر عام احکام شرعیہ، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ دائر ہیں۔ لیکن قرآن حکیم نے تاریخ و سال معلوم کرنے کے لئے جیسے قمر (چاند) کو علامت قرار دیا ہے اسی طرح آفتاب (سورج) کو بھی اس کی علامت فرمایا ہے۔

لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِّينَ وَالْحِسَابَ اس لئے تاریخ و سال کا حساب چاند اور سورج دونوں سے جائز ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کے لئے چاند کے حساب کو پسند فرمایا اور احکام شرعیہ اسی پر دائر فرمائے، اس لئے قمری حساب کا محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے اگر ساری امت قمری حساب ترک کر کے اس کو بھلا دے تو سب گناہگار ہوں گے اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی جائز ہے لیکن سنت اللہ اور سنت سلف کے خلاف ضرور ہے اس لئے بلا ضرورت اس کو اختیار کرنا اچھا نہیں۔ (معارف القرآن)

تفسیر انوار البیان میں ہے:

دنیاوی معاملات کے لئے بطور یادداشت اگر قمری مہینوں کے علاوہ دوسرے مہینوں کو استعمال کیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے لیکن پسندیدہ نہیں، کیونکہ ہجری مہینوں کے سوا جو دوسرے مہینے رائج ہیں انہیں دشمنان دین نے اختیار کر رکھا ہے۔ وہ ہمارے ہجری مہینوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تو ہمیں ان کی طرف مائل ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ (انوار البیان)

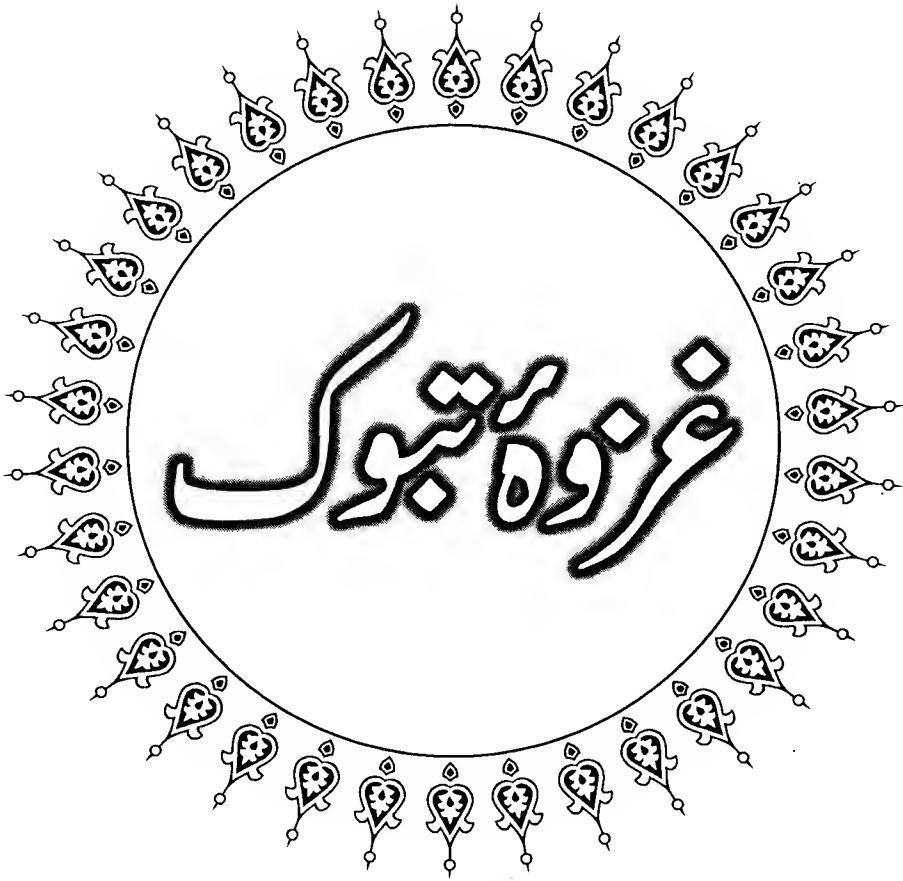
”محققین نے کہا ہے کہ احکامات عبادات میں معتبر صرف سنہ قمری ہے، رومی، ایرانی، مصری کسی اور سنہ کو اسلام معتبر نہیں قرار دیتا۔“

هذه الآية تدل على ان الواجب تعليق الاحكام من العبادات وغيرها انّها يكون بالشهور والسنين تعرفها العرب دون الشهور التي تعتبرها العجم والروم والقبط وان لم تزد على اثني عشر شهراً. (قرطبي، تفسير ماجدي)

فائدہ

سورة توبہ آیت ۲۹ سے اہل کتاب کے خلاف جہاد کا حکم اور ترغیب کا مضمون چل رہا تھا، عرب کے مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں کو مذہبی لوگ سمجھتے تھے، چنانچہ ان کو سمجھایا گیا کہ یہ یہود و نصاریٰ کہلاتے تو ”اہل کتاب“ ہیں مگر ان کے عقائد و اعمال مشرکین جیسے ہیں، اہل کتاب اور مشرکین کے درمیان مشابہت کا مضمون ان آخری دو آیات (۳۶) اور (۳۷) میں بھی بیان ہو گیا۔ ان تمام آیات میں مسلمانوں کی اہل کتاب کے خلاف جہاد کے لئے ذہن سازی کی جا رہی تھی گویا یہ آیات غزوہ تبوک کی تمہید اور ترغیب تھیں، اب آگے غزوہ تبوک کا بیان شروع ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)





(یوم پنجشنبہ ماہ رجب ۹ھ)

حضور اکرم ﷺ کا آخری غزوہ جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قیادت اور کمان فرمائی۔
سورۃ توبہ آیت (۳۸) سے غزوہ تبوک کا بیان شروع ہو رہا ہے اس کو پڑھنے سے پہلے
غزوہ تبوک کا مختصر واقعہ ملاحظہ فرمائیں تاکہ آیات مبارکہ کی تفسیر سمجھنے میں آسانی رہے۔ غزوہ
تبوک کا واقعہ تو بہت مفصل ہے یہاں مختصر واقعہ پیش خدمت ہے۔

غزوة تبوک

(یوم پنجشنبہ ماہ رجب ۹ھ)

معجم طبرانی میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نصارائے عرب نے ہرقل شاہ روم کے پاس یہ لکھ کر بھیجا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہو گیا اور لوگ قحط اور فاقوں سے بھوکے مر رہے ہیں۔ عرب پر حملہ کے لئے یہ موقع نہایت مناسب ہے۔ ہرقل نے فوراً تیاری کا حکم دے دیا۔ چالیس ہزار رومیوں کا لشکر جرار آپ کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۹۱)

شام کے بڑے سوداگرزیتون کا تیل فروخت کرنے مدینہ آیا کرتے تھے۔ ان کے ذریعے یہ خبر معلوم ہوئی کہ ہرقل نے ایک عظیم الشان لشکر آپ کے مقابلہ کے لئے تیار کیا ہے جس کا مقدمہ لکھنؤ تک پہنچ گیا ہے اور ہرقل نے تمام فوج کو سال بھر کی تنخواہیں بھی تقسیم کر دی ہیں۔

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ فوراً سفر کی تیاری کی جائے تاکہ دشمنوں کی سرحد (تبوک) پر پہنچ کر ان کا مقابلہ کریں، لمبی مسافت، موسم گرما، زمانہ قحط، گرانی فقر و فاقہ اور بے سروسامانی، ایسے نازک وقت میں جہاد کا حکم دینا تھا کہ منافقین جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے، گھبرا اٹھے کہ اب ان کا پردہ فاش ہوا جاتا ہے۔ خود بھی جان چرائی اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر ہرکانے لگے: **لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ** ”ایسی گرمی میں مت نکلو“۔

ایک مسخرے نے کہا: لوگوں کو معلوم ہے کہ میں حسین و جمیل عورتوں کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ رومیوں کی پری جمال نازنیوں کو دیکھ کر کہیں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ (ابن سید الناس، عیون الاثر ج ۲ ص ۲۱۵، ابن ہشام، سیرۃ النبی ج ۴ ص ۱۷۰)

مومنین مخلصین سمعاً و طاعتاً کہہ کر جان و مال سے تیاری میں مصروف ہو گئے۔ سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کل مال لا کر آپ کے سامنے پیش کر دیا جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی۔ (ریاض النضرۃ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا اہل و عیال کے لئے کچھ چھوڑا ہے؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: صرف اللہ اور اس کے رسول کو۔ فاروق اعظم نے نصف مال پیش کیا۔ عبدالرحمن بن عوف نے دو سو اوقیہ چاندی لا کر حاضر کی، عاصم بن عدی نے ستر و سق کھجوریں پیش کیں۔ (زرقانی، شرح مواہب ج ۳ ص ۶۴)

عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تین سواونٹ مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار دینار لاکر بارگاہ نبوی میں پیش کیے۔ آپ نہایت مسرور ہوئے، بار بار ان کو پلٹتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اس عمل صالح کے بعد عثمان کو کوئی عمل ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوا، تو بھی اس سے راضی ہو۔ (زرقاتی، ابن حجر، فتح الباری ج ۷ ص ۳۳)

اکثر صحابہ نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق اس مہم میں امداد کی مگر پھر بھی سواری اور زادراہ کا پورا سامان نہ ہو سکا، چند صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم بالکل نادار ہیں، اگر سواری کا کچھ تھوڑا بہت ہم کو سہارا ہو جائے تو ہم اس سعادت سے محروم نہ رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس کوئی سواری نہیں، اس پر وہ حضرات روتے ہوئے واپس ہوئے، انہی کی شان میں یہ آیتیں نازل ہوئیں:

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا فَاَعْيَنُهُمْ تَقِيضُ مِنَ اللَّهِ مِيزَةً أَلَا يَعْلَمُ مَا يُفْقِنُونَ ﴿٩٢﴾ (التوبة ۹۲)

”اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئے کہ آپ ان کو جہاد میں جانے کے لئے سواری عطا فرمائیں تو آپ نے یہ فرمایا کہ اس وقت کوئی چیز نہیں پاتا کہ جس پر تم کو سوار کروں، تو وہ لوگ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں۔ اس غم میں کہ ان کو کوئی چیز میسر نہیں کہ جسے خرچ کر سکیں۔“

عبداللہ بن مغفل اور ابو بلیٰ عبدالرحمن بن کعب جب آپ کے پاس سے روتے ہوئے واپس ہوئے تو راستہ میں یامین بن عمرو نضری مل گئے۔ رونے کا سبب دریافت کیا انہوں نے کہا: نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سواری ہے اور نہ ہم میں استطاعت ہے کہ سفر کا سامان مہیا کر سکیں۔ اب افسوس اور حسرت اس چیز کی ہے کہ ہم اس غزوہ کی شرکت سے محروم رہے جاتے ہیں۔ یہ سن کر یامین کا دل بھر آیا۔ اسی وقت ایک اونٹ خریدا اور زادراہ کا انتظام کیا۔ (زرقاتی، کتاب و جلد مذکور ص ۶۶)

جب صحابہ چلنے کے لئے تیار ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اہل و عیال کی حفاظت اور خبر گیری کے لئے مدینہ میں چھوڑا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (بخاری، الجامع الصحیح ج ۵ ص ۵۲۶، مناقب علی کتاب المناقب)

الغرض آپ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔

(ابن سید الناس، عیون الاثر ج ۲ ص ۲۱۶، زرقاتی، شرح مواہب ج ۳ ص ۷۳)

مقام عذاب سے گزر

راستہ میں وہ عبرتناک مقام بھی پڑتا تھا جہاں قوم شمود پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ جب آپ وہاں سے گزرے تو

اس درجہ متاثر ہوئے کہ چہرہ انور پر کپڑا لٹکا لیا اور ناقہ کو تیز کر دیا اور صحابہ کو تاکید فرمائی کہ کوئی شخص ان ظالموں کے مکانات میں داخل نہ ہو اور نہ یہاں کا پانی پیئے اور نہ اس سے وضو کرے، سر جھکا کر روتے ہوئے اس طرف سے گزر جائیں اور جن لوگوں نے غلطی اور لاعلمی سے پانی لے لیا تھا یا اس پانی سے آٹا گوندھا لیا تھا ان کو حکم ہوا کہ وہ پانی گرا دیں اور وہ آٹا اونٹوں کو کھلا دیں۔ (بخاری، الجامع الصحیح ج ۸ ص ۴۷۸، اخام صالحی قولہ تعالیٰ کذب اصحاب الحجر المرسلین، کتاب الانبیاء ابن حجر، فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۸ زرقانی حوالہ مذکور)

مسجد حرام مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی جو کہ ہر وقت اللہ جل جلالہ کی طاعت اور بندگی سے معمور ہیں وہاں جانا، وہاں ٹھہرنا، وہاں رہنا عین قربت اور عبادت اور سراسر موجب خیر و برکت اور باعث نزول رحمت ہے۔ اس کے برعکس ان مقامات میں قصد داخل ہونا جو ایک عرصہ تک اللہ جل شانہ کی نافرمانی کا مرکز رہے ہوں اور وہاں اللہ کا قہر اور عذاب نازل ہوا ہو، نہایت خطرناک ہے۔ جس طرح حرم الہی میں داخل ہونے والے کے لئے یہ حکم ہے (وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ لَمْ يَمُنَّا) اسی طرح مواقع عذاب میں داخل ہونے سے نزول عذاب کا اندیشہ ہے۔ بیت الحرم خواہ کوئی اس کا طواف کرے یا نہ کرے وہ فی حد ذاتہ خیرات و برکات اور انوار و تجلیات کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ اس کے دیکھنے ہی سے دل کی ظلمتیں اور کدورتیں دور ہوتی ہیں۔ اس سرزمین کی آب و ہوا ہی امراض روحانی کے لئے پیام شفا ہے۔ پس عجب نہیں کہ اطباء روحانی کی نظر میں واقع عذاب کی آب و ہوا مسموم ہو اور وہاں کے زہریلے جراثیم روح اور قلب کے لئے مضر ہوں، اس لئے آپ نے وہاں کے پانی استعمال کرنے کی قطعاً ممانعت کر دی اور جس کنوئیں سے صالح علیہ السلام کی ناقہ پانی پیا کرتی تھی اس کنوئیں سے پانی لینے کا حکم دیا اس لئے کہ وہ کنواں معصیت اور غضب خداوندی کے اثر سے پاک تھا۔ آب زمزم چونکہ مبارک پانی ہے اور امراض ظاہری اور خصوصاً امراض باطنی کے لئے اکسیر ہے اس لئے اس کے پینے کی تاکید فرمائی کہ جس قدر پی سکو پیو۔ جو بدنصیب اللہ اور اس کے رسول کی معصیت اور نافرمانی پر تپل گئے یہاں تک کہ ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا وہ حقیقت میں جانور اور بہائم بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ کما قال تعالیٰ: **أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلَّ هُمْ أَضْمَلُ** (الاعراف ۱۷۹) اس لئے آپ نے اس آٹے کے متعلق جو قوم شمود کے پانی سے گوندھا گیا تھا یہ حکم دیا کہ اونٹوں کو کھلا دیا جائے، ایسا پانی جانوروں کے مزاج کے مناسب ہے۔ انسانوں کے مناسب نہیں، الغرض جس وقت آپ اس سرزمین عذاب سے گزرے تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ مبادا اس مقام کی زہریلی آب ہوا کا اثر صحابہ پر نہ ہو جائے۔ اس لئے اس سے حفاظت کے لئے ایک تریاق تجویز فرمایا وہ یہ کہ اس مقام سے سرنگوں اور روتے ہوئے گزر جائیں یعنی تشفع اور تضرع، گریہ و زاری اور اپنے گناہوں پر ندامت اور شرمساری، اس جیسے مقام کی زہریلی آب و ہوا سے بچنے کے لئے تریاق اور اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ انجکشن لینے کے بعد اگر طاعونی محلہ سے گزر جائے تو اندیشہ نہیں۔ اے دوستو! بارگاہ خداوندی میں گریہ و زاری، توبہ اور شرمساری گناہوں کا ایسا قوی اور زبردست

انجشن ہے کہ سخت سے سخت زہر یلادہ بھی اس کے بعد باقی نہیں رہ سکتا۔ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ۔ قال تعالى: وَلَا تَزُولُ الْأَرْسَالُ إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَحَسْبُكُمْ النَّارُ۔ وَسَكَنْتُمْ فِي مَسْكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ظالموں کی طرف میلان اور ظالموں کے مکانات میں سکونت بھی موجب عتاب ہے۔

حجر پہنچ کر آپ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ کوئی شخص تنہا نہ نکلے۔ اتفاق سے دو شخص تنہا نکل پڑے، ایک کا دم گھٹ گیا جو آپ کے دم کرنے سے اچھا ہوا اور دوسرے شخص کو ہوانے طے کے پہاڑوں میں لے جا کر پھینک دیا جو ایک مدت کے بعد مدینہ پہنچے۔ یہ بیہوشی اور ابن اسحاق کی روایت ہے۔ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تبوک میں پیش آیا۔ ممکن ہے کہ دو واقعے ہوں یا ابن اسحاق اور بیہوشی کی روایت میں راوی کا وہم ہو۔ واللہ اعلم۔

آگے چل کر جب ایک منزل پر ٹھہرے تو پانی نہ تھا، سخت پریشان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے مدینہ برسا دیا جس سے سیراب ہو گئے۔ وہاں سے چلے تو اثناءِ راہ میں آپ کا ناقہ گم ہو گیا۔ ایک منافق نے کہا: آپ آسان کی تو خبر بیان کرتے ہیں مگر اپنے ناقہ کی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم مجھ کو کسی چیز کا علم نہیں مگر وہ جو اللہ نے مجھ کو بتلادیا ہے اور اب بالہام الہی مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ ناقہ فلاں وادی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت سے اٹک گئی ہے جس سے وہ رکی ہوئی ہے۔ چنانچہ صحابہ جا کر اس اونٹنی کو لے آئے۔ (رواہ البیہقی والبیہقی، زرقانی، شرح مواہب، ج ۳ ص ۷۳)

تبوک پہنچنے سے ایک روز پیشتر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ کل چاشت کے وقت تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے کوئی شخص اس چشمہ سے پانی نہ لے، جب اس چشمہ پر پہنچے تو پانی کا ایک ایک قطرہ اس میں سے رس رہا تھا۔ بدقت تمام کچھ پانی ایک برتن میں جمع کیا گیا۔ آپ نے اس پانی سے اپنا ہاتھ اور منہ دھو کر پھر اسی چشمہ میں ڈال دیا۔ اس پانی کا ڈالنا تھا کہ وہ چشمہ فوارہ بن گیا، جس سے تمام لشکر سیراب ہوا اور معاذ بن جبل کو مخاطب کر کے فرمایا: اے معاذ! اگر تو زندہ رہا تو اس خطہ کو باغات سے سرسبز اور شاداب دیکھے گا۔ (رواہ مسلم) ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آج تک وہ فوارہ جاری ہے۔ دور سے اس کی آواز سنائی دیتی ہے۔

تبوک پہنچ کر آپ نے بیس روز قیام فرمایا، مگر کوئی مقابلہ پر نہیں آیا، لیکن آپ کا آنا بیکار نہیں گیا۔ دشمن مرعوب ہو گئے اور آس پاس کے قبائل نے حاضر ہو کر سر تسلیم خم کیا۔ اہل جربہ، اذرح اور ایلہ (جرباء، اذرح اور ایلہ یہ تینوں شہر علاقہ شام میں ہیں) کے فرماں روانے حاضر خدمت ہو کر صلح کی اور جزیہ دینا منظور کیا۔ آپ نے ان کو صلح نامہ لکھوا کر عطا فرمایا۔ (سیوطی، الخصائص الکبریٰ، ج ۳ ص ۲۷۳)

اسی مقام سے آپ نے خالد بن ولید کو چار سو بیس سواروں کے ساتھ اکیدر کی طرف روانہ فرمایا جو ہر قل کی طرف

سے دومۃ الجندل کا حاکم اور فرماں روا تھا۔ آپ نے رواگئی کے وقت خالد بن ولیدؓ سے یہ فرمایا کہ وہ تم کو شکار کھیلتا ہوا ملے گا، اس کو قتل نہ کرنا، گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا، ہاں وہ اگر انکار کر دے تو قتل کر دینا۔ خالدؓ چاندنی رات میں پہنچے، گرمی کا موسم تھا، اکیدر اور اس کی بیوی قلعہ کی فصیل پر بیٹھے ہوئے گا ناسن رہے تھے۔ اچانک ایک نیل گائے نے قلعہ کے پھاٹک سے آکر ٹکڑی ماری۔ اکیدر فوراً ہی مع اپنے بھائی اور چند عزیزوں کے شکار کے لئے اتر ا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے دوڑے۔ تھوڑی ہی دور نکلے تھے کہ خالد بن ولیدؓ پہنچے، اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا وہ مارا گیا اور اکیدر جو شکار کرنے کے لئے نکلا تھا وہ خود خالد بن ولیدؓ کا شکار ہو گیا۔

خالدؓ نے کہا میں تم کو قتل سے پناہ دے سکتا ہوں بشرطیکہ تم میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا منظور کرو۔ اکیدر نے اس کو منظور کیا، خالد بن ولیدؓ اکیدر کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اکیدر نے دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سوزر ہیں اور چار سو نیزے دے کر صلح کی۔ (ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ۲ ص ۲۲، زرقانی، شرح مواہب ج ۳ ص ۷۷)

مسجد ضرار

بیس روز قیام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ جب آپ مقام ذی آوان میں پہنچے جہاں سے مدینہ ایک گھنٹہ کے راستے پر رہ جاتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن دحثم اور معن بن عدی کو مسجد ضرار کے منہدم کرنے اور جلانے کے لئے آگے بھیجا۔ یہ مسجد منافقین نے اس لئے بنائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس میں بیٹھ کر مشورے کریں۔ جس وقت آپ تبوک جا رہے تھے اس وقت منافقین نے آکر آپ سے درخواست کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ چل کر اس میں ایک مرتبہ نماز پڑھ دیں تاکہ وہ مقبول اور متبرک ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اس وقت تو میں تبوک جا رہا ہوں واپسی کے بعد دیکھا جائے گا۔ واپسی کے بعد آپ نے ان دو حضرات کو حکم دیا کہ اس مسجد کو جلادیں اور یہ آیتیں اسی کے بارے میں اتری ہیں:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَآسَرُوا مَسِيحَ ابْنِ مَرْيَمَ وَكُفَرُوا وَتَفَرَّقُوا بِأَيْنِهِمُ الْمَوْتِينَ ۚ وَلَرَّ صَادًا لِّمَن حَارَبَ اللَّهَ

وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ ۚ وَكَانَ لِمَنْ أَتَىٰ الْهَيْكَلُ مِنَ اللَّهِ مَبْعَدٌ ۚ يَشْهَدُ لَهُمُ الْكُفْرُ ۖ لَا تَقْصِرْ فِيهِ أَبَدًا

لَمَسِيحٍ أَمْسَسَ عَلَى الثَّقَلَيْنِ مِن أَوَّلِ يَوْمٍ ۚ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَّبِعَهُمْ وَأَن يَتَّبِعَهُمُ

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ۝ (توبہ ۱۰۷-۱۰۸)

”اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لئے اور کفر کرنے کے لئے اور اہل ایمان میں تفرقہ ڈالنے کے لئے اور قیام گاہ بنانے کے لئے اس شخص کے لئے کہ جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے ہی برسر پیکار ہے اور قسمیں کھائیں گے کہ ہماری نیت سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

آپ اس مسجد میں جا کر کبھی کھڑے بھی نہ ہوں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی (یعنی مسجد قباء) وہ واقعی اس لائق ہے کہ آپ اس میں جا کر کھڑے ہوں اس میں ایسے مرد ہیں کہ جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پسند کرتا ہے پاک رہنے والوں کو۔“

ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ آپ نے سویلم یہودی کے مکان کے بھی جلانے کا حکم دیا جس میں منافقین جمع ہو کر آپ کے خلاف مشورے کیا کرتے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے چند آدمیوں کی ہمراہی میں جا کر اس مکان کو نذر آتش کیا۔ جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو مشتاقان جمال نبویؐ ماہتاب نبوت و رسالت کے استقبال کے لئے نکلے۔ یہاں تک کہ غلبہ شوق میں پردہ نشینان حرم بھی نکل پڑیں۔ لڑکیاں اور بچے یہ اشعار گاتے تھے:

طلع البدر علينا من ثنيات الوداع

وجب الشكر علينا ما دعا لله داع

ايها المبعوث فينا جئت بالامر المطاع

جب مدینہ کے مکانات نظر آنے لگے تو یہ فرمایا: هذه طابة یہ مدینہ طیبہ ہے اور جبل احد پر نظر پڑی تو فرمایا:

هذا جبل يحبنا ونحبه

”یہ پہاڑ ہم کو محبوب رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں۔“

آخر شعبان یا شروع رمضان میں مدینہ میں داخل ہوئے۔ اڈل مسجد نبویؐ میں جا کر ایک دو گنا دعا فرمایا، نماز سے فارغ ہو کر لوگوں سے ملاقات کے لئے کچھ دیر بیٹھے، بعد ازاں آرام کے لئے گھر تشریف لے گئے۔ (زر قانی، شرح مواہب ج ۳ ص ۷۱)

یہ آخری غزوہ تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس شریک ہوئے۔

غزوہ تبوک میں پیچھے رہنے والے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک روانہ ہوئے تو مومنین مخلصین بھی آپ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ منافقین کا ایک گروہ شرکت سے رہ گیا، لیکن چند مومنین مخلصین نفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض کسی عذر سے اور بعض بمقتضائے بشریت گرمی اور لوکی تکلیف سے گھبرا کر پیچھے رہ گئے۔

ابوزر غفاریؓ کا اونٹ لاغر اور دبلا تھا اس لئے یہ خیال ہوا کہ دو چار روز یہ اونٹ کھاپی کر چلنے کے قابل ہو جائے گا اس وقت میں آپ سے جا ملوں گا۔ جب اس اونٹ سے ناامید ہوئے تو اپنا سامان اپنی پشت پر لا دیا اور پایادہ روانہ ہوئے۔ اسی طرح تنہا تبوک پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا: رحم فرمائے اللہ ابوزر پر، اکیلا چلا آ رہا ہے، اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ربذہ میں تنہا وفات پائی، کوئی تجہیز و تکفین کرنے والا نہ

تھا۔ اتفاقاً عبداللہ بن مسعودؓ کو فہ سے واپس آرہے تھے۔ انہوں نے تجنیز و تکفین کی۔ (زرقاتی، حوالہ مذکور)

مجم طبرانی میں ابوخیثمہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک روانہ ہوئے اور میں مدینہ نہ گیا۔ شدت کی گرمی تھی، ایک دن دوپہر میں میرے اہل خانہ نے چھپر میں چھڑکاؤ کیا اور ٹھنڈا پانی اور کھانا لا کر رکھا۔ یہ منظر دیکھ کر یکا یک دل پر ایک چوٹ لگی کہ واللہ یہ سراسر بے انصافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو لو اور گرمی میں ہیں اور میں سایہ میں بیٹھا ہوا اس طرح عیش و آرام کر رہا ہوں، فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور کچھ کھجوریں ساتھ لیں اور اونٹ پر سوار ہوا اور نہایت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب لشکر سامنے آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور سے دیکھ کر فرمایا: ابوخیثمہ آرہا ہے۔ میں نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے میرے لئے دعائے خیر فرمائی۔ (ابن حجر، فتح الباری ج ۸ ص ۸۸، زرقانی شرح مواہب ج ۳ ص ۷۱)

انہیں مومنین صالحین میں سے کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ بھی تھے۔

صحیح بخاری میں کعب بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے اور میں سفر کی تیاری میں تھا۔ یہ خیال تھا کہ ایک دو روز میں جب سامان ہو جائے گا تو آپ سے جا ملوں گا۔ اسی میں دیر ہو گئی اور قافلہ دور نکل گیا اور مدینہ میں سوائے معذورین اور منافقین کے کوئی باقی نہ رہا، جب یہ منظر دیکھتا تو نہایت رنج ہوتا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو منافقین نے جھوٹے عذر بیان کیے۔ آپ نے ظاہری طور پر ان کے عذر قبول کیے اور دلوں کا حال اللہ کے سپرد کیا۔

مغازی ابن عائد میں ہے کہ کعب بن مالک کہتے ہیں میں نے یہ عزم کر لیا کہ ایسا ہرگز نہ کروں گا کہ غزوہ سے پیچھے بھی رہوں اور پھر اللہ کے رسول سے جھوٹ بھی بولوں، چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا۔ آپ نے اعراض فرمایا، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی آپ مجھ سے کیوں اعراض فرماتے ہیں؟ خدا کی قسم میں نہ منافق ہوں، نہ مجھ کو شک لاحق ہوا ہے اور نہ میں دین اسلام سے پھر ہوں۔ آپ نے فرمایا پیچھے کیوں رہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں اگر کسی دنیا دار کے سامنے بیٹھا ہوتا تو باتیں بنا کر اس کے غصہ سے نکل جاتا، لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر آج جھوٹ بول کر آپ کو راضی بھی کر لیا تو ممکن ہے کہ کل خداوند والجلال آپ کو مجھ سے ناراض کر دے اور اگر آپ سے سچ کہہ دیا جس سے آپ ناراض ہو جائیں تو مجھ کو اللہ کے فضل سے امید ہے کہ وہ معاف فرمائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں۔ میں قصور وار ہوں۔ آپ نے فرمایا: اس شخص نے سچ کہہ دیا ہے۔ اچھا اس وقت جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کوئی حکم نازل فرمائے۔ اسی طرح مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قصور کا اعتراف کیا۔ آپ نے یہ حکم دیا کہ پچاس دن تک کوئی شخص ان تینوں آدمیوں سے بات نہ کرے۔ چنانچہ سب نے ہم سے سلام و کلام قطع کر دیا۔ خویش واقارب، دوست احباب سب

ریگا نے نظر آنے لگے۔ کعب کہتے ہیں کہ میرے دونوں ساتھی ضعیفی کی وجہ سے خانہ نشین ہو گئے۔ دن رات گریہ و زاری میں گزرتا۔ میں جوان تھا، میں جماعت میں حاضر ہوتا غرض یہ کہ پچاس دن اسی پریشانی میں گزرے۔ یہاں تک کہ اللہ کی زمین ہم پر تنگ ہو گئی، سب سے زیادہ فکر اس کی تھی کہ اگر اس عرصہ میں موت آگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان میرے جنازہ کی نماز بھی نہ پڑھیں گے۔

پچاس دن کے بعد یکا یک جبل سلع سے مژدہ جانفزا سنائی دیا:

یا کعب بن مالک ابشر

”اے کعب بن مالک تم کو بشارت ہو۔“

یہ سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا اور سمجھ گیا کہ مشکل دور ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ ان لوگوں کی توبہ مقبول ہوئی۔ ہر طرف سے لوگ مجھ کو اور میرے دونوں ساتھیوں کو خوشخبری اور مبارک باد دینے کے لئے دوڑے، ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ کہتے تھے لَتَهْنِكَ تَوْبَةُ اللَّهِ عَلَيْكَ مبارک ہو تجھ کو اللہ کا تیری توبہ کا قبول کرنا۔ جو شخص میرے پاس خوشخبری لے کر آیا اس کو فوراً ہی میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر پہنا دیئے۔ بعد ازاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے مسجد میں قدم رکھا ہی تھا کہ طلحہ بن عبید اللہ دوڑے ہوئے آئے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔ کعب کہتے ہیں حاضرین میں سے اور کوئی شخص نہیں اٹھا خدا کی قسم طلحہ کا یہ احسان میں کبھی نہ بھولوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ آپ کو سلام کیا آپ نے فرمایا:

ابشر بخیر یوم مر عليك منذ ولدتك امك

”مبارک ہو تجھ کو وہ دن جو تمام دنوں سے بہتر ہے جب سے تیری ماں نے تجھ کو جنا ہے۔“

کعب بن مالک جس دن اسلام میں داخل ہوئے بے شک وہ دن تمام دنوں سے بہتر تھا لیکن حقیقت میں یہ دن اس دن سے بھی بہتر تھا، اس لئے کہ اس دن میں بارگاہ خداوندی سے ان کی توبہ قبول ہوئی جس سے ان کے ایمان و اخلاص پر ہمیشہ کے لئے مہر ہو گئی اور یہ آیتیں ان کے بارے میں نازل ہوئیں:

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فِرْعَوْنَ مِنْهُمْ شَرَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُمْ بِهِمْ رَدُّوا رَحِيمٌ ۖ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنَّهُ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۖ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ⑩ (التوبة ۱۱۹ تا ۱۱۷)

”تحقیق اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت اور عنایت سے متوجہ ہوئے پیغمبر پر اور مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے جنگی اور دشواری کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا۔ (بوقت تنگدستی آشنا بیگانہ می گردد، صراحی چوں شود خالی جدا پیانہ می گردد) بعد اس کے ایک گز وہ کے ول قریب تزلزل کے تھے پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی اور اللہ بڑا شفیق اور مہربان ہے اور توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان تین شخصوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی اور موقوف تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین باوجود کشتاوت ہونے کے ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ کی گرفت سے کہیں پناہ نہیں سوائے اس کے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کا قصور معاف کیا تاکہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔ اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور پیچوں کے ساتھ رہو۔“

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ اس توبہ کے شکریہ میں اپنا کل مال خیرات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کچھ رہنے دو اس لئے خیبر میں میرا جو حصہ تھا میں نے وہ رکھ لیا اور باقی سب خیرات کرو یا اور عرض کیا: یا رسول اللہ نے مجھ کو محض سچ کی وجہ سے نجات دی ہے۔ میں اپنی توبہ کا مکملہ اور تتمہ یہ سمجھتا ہوں کہ مرتے دم تک کبھی سوائے سچ کے کوئی بات نہ کروں گا۔ (ماخوذ از سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكْنِيَّةٌ آیت ۳۸

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوچ کرو تو

اِنَّا قُلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ

زمین پر گرے جاتے ہو کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے ہو

فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿۳۸﴾

دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے

خلاصہ

جہاد میں سستی پر شدید تنبیہ..... جہاد سے روکنے والی بیماری..... اور اس بیماری کا علاج.....

تنبیہ

اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے جہاد میں نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو (یعنی گھر بیٹھ جاتے ہو جہاد کے لئے اٹھتے اور چلتے نہیں ہو، یا تم دنیا اور اسکی لذتوں کی طرف مائل ہو جاتے ہو اور سفر جہاد کی مشقت، تکلیف اور تھکاؤ سے گھبراتے ہو یا تم اپنے گھر اور زمینوں میں رہنے کو ترجیح دیتے ہو۔ خلاصہ یہ کہ دنیا کے تقاضے، زمین، وطن، زندگی اور گھر کی محبت تمہارے پاؤں پکڑ لیتی ہے اور تم سست اور بھاری ہو کر جہاد سے محروم ہو جاتے ہو)۔

جہاد سے روکنے والی بیماری

کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی اور یہاں کے فانی مزوں پر راضی ہو چکے ہو۔ (معلوم ہوا کہ جہاد سے روکنے والی بیماری حب دنیا ہے، آخرت کو بھلا کر دنیا کو سب کچھ سمجھنے والے جہاد سے بہت دور ہو جاتے ہیں)۔

بیماری کا علاج

اے اللہ کے بندو! دنیا کی زندگی کے مزے اور فائدے آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ یہ تو بہت کم ہیں تو پھر یہ کونسی عقلندی ہے کہ آخرت کی ہمیشہ کی نعمتوں کو چھوڑ کر دنیا کے فانی مزوں کو اختیار کیا جائے یہ تو بہت نقصان اور گھائے والا سودا ہے۔ دنیا کے مزے آخرت کی لذتوں کے مقابلے میں وہی حیثیت رکھتے ہیں جو ایک قطرہ پانی

سمندر کے مقابلے میں رکھتا ہے۔

پس بیماری کا علاج یہ ہے کہ آخرت کو مقصود بناؤ اور آخرت کی فکر کو مقدم رکھو۔ الغرض اس آیت مبارکہ میں تین باتوں کا بیان ہے: ① جہاد میں نکلنے سے سستی کرنا جرم ہے۔ ② جرم کی وجہ اس جرم کی وجہ حب دنیا کا مرض ہے۔ ③ مرض کا علاج فکر آخرت اس مرض کا علاج ہے۔

آیت مبارکہ کا ربط

① گذشتہ آیات کا حاصل یہ تھا کہ تمہیں اہل کتاب سے جنگ کرنی پڑے گی اب اس غزوہ کا تذکرہ آتا ہے جس میں اہل کتاب سے جنگ (کے لئے روانگی) ہوئی۔ (تفسیر الفرقان)

② یہاں (یعنی اس آیت ۳۸) سے غزوہ تبوک کے لئے مومنین کو ابھارا گیا ہے گذشتہ رکوع سے پہلے رکوع میں قَاتِلُوا الْكٰفِرِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ... الخ سے اہل کتاب کے مقابلہ میں جہاد کرنے کی ترغیب دی گئی تھی، درمیان میں جو ذیلی مضامین آئے ان کا ربط موقع بہ موقع ظاہر ہوتا رہا ہے گویا وہ سب رکوع حاضر کی تمہید تھی اور رکوع حاضر غزوہ تبوک کے بیان کی تمہید ہے۔ (تفسیر عثمانی)

③ المروى عن ابن عباس ان هذه الآية نزلت في غزوة تبوك (تفسیر کبیر)

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی۔

④ کچھ کلی آیات میں کفار کے جرائم اور خرابیاں بیان فرمائی گئیں۔ اب ان سے قتال کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اعلم انه تعالى لما شرح معاييب هؤلاء الكفار وفضائحهم عاد الى الترغيب في مقاتلتهم۔ (تفسیر کبیر)

اس کے بعد امام رازیؒ نے مفید نکتہ بیان فرماتے ہیں:

وتقرير الكلام انه تعالى ذكر في الآيات السابقة اسبابا كثيرة موجبة لقتالهم الخ
یعنی سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے ایسے اسباب ذکر فرمائے جو کفار سے قتال کو واجب کرتے ہیں اور وہ فوائد بھی ذکر فرمائے جو قتال کرنے سے حاصل ہوتے ہیں يُعَدُّ لَهُمُ اللّٰهُ يٰۤاَيُّهَا يٰۤاَيُّهَا وَيُخْزِيْهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ اور پھر کافروں کے غلط اقوال اور ان کے غلط کردار کو بھی بیان فرمایا..... ان تمام چیزوں کی موجودگی میں مسلمان کے لئے قتال سے رکنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی سوائے اس کے کہ وہ اپنے قتل ہونے سے ڈرے اور زندگی کو محبوب رکھے، تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سمجھا دیا کہ جہاد سے رکنے کی یہ وجہ تو بہت فضول ہے کیونکہ آخرت کی کامیابی کے مقابلے میں دنیا کی کامیابی اس طرح ہے جس طرح سمندر کے مقابلے میں قطرہ۔ پس تھوڑی سی تکلیف سے بچنے کے لئے اتنی بڑی خیر سے محروم ہو جانا جہالت اور کم عقلی ہے۔ (تفسیر کبیر)

شدت سے جہاد پر ابھارا ہے

آیتِ حاضرہ (یعنی اس آیت) میں مسلمانوں کو بڑی شدت سے جہاد کی طرف ابھارا ہے اور بتلایا ہے کہ تھوڑے سے عیش و آرام میں پھنس کر جہاد کو چھوڑنا گویا بلندی سے پستی کی طرف گر جانے کے مرادف ہے، مومن صادق کی نظر میں دنیا کے عیش و آرام کی آخرت کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہ ہونی چاہئے، حدیث میں ہے کہ اگر خدا کے نزدیک دنیا کی وقعت پر پشیم (چمھر کے پر) کے برابر ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمانوں کی زندگی کا راز صرف جہاد میں پنہاں ہے

”اس وقت عیسائیوں کی ایک جماعت مسلمانوں کو تباہ کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے پھر ایسے وقت میں مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جب انہیں اللہ کی راہ میں اور اس کے مرکز (اسلام) کے بقاء کی خاطر جہاد کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو کاہلی اور سستی کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کا راز صرف جہاد ہی میں پنہاں ہے
 اَسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْؕ جَب اللہ اور اس کا رسول تم کو ایسی چیز کی دعوت دے جس میں تمہاری زندگی ہے تو اسے فوراً لبیک کہو، کیا تم دنیا کی چند روزہ زندگی پر فریفتہ ہو گئے ہو، حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔“

حدیث میں آتا ہے: مَا الدُّنْیَا فِی الْآخِرَةِ اِلَّا کَمَا یَجْعَلُ اَحَدُکُمْ اَصْبَعَهُ هَذِهِ فِی الْیَمِ فَلَیَنْظُرَ بِمِ تَرْجِعُ وَاَشَارَ بِالسَّبَابَةِ (مسلم) اپنی شہادت کی انگلی سمندر میں ڈال کر دیکھو اس کے ساتھ کس قدر پانی آتا ہے، یہی حال دنیا کا آخرت کے مقابلہ میں ہے۔ (تفسیر الفرقان)

جدید روشن خیالی کا ستم

”امت کے لئے اصلی اور قوی ترین محرک اور داعی عمل اجرِ آخرت ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی بکثرت آیتوں سے ظاہر و روشن ہے۔ جدید ”روشن خیالی“ نے افسوس ہے کہ اسی قوی ترین محرک اور موثر ترین داعیہ کو سب سے زیادہ کمزور کر دیا ہے اب مسلمانوں کو لالچ اور ترغیب ہر قسم کی دی جائے گی، دنیوی ترقی کی، آزادی کی، فلاح کی، مالی خوشحالی کی وغیرہا۔ زبان پر نام نہ آئے گا تو ایک اسی اجرِ آخرت کا۔ (تفسیر ماجدی)

اِنَّآ قَدْ نَمَرُ اِلَیْ الرَّحْمٰنِ : اس جملے کا جو مطلب ”خلاصہ“ میں اختیار کیا گیا ہے اس کی تائید کے لئے ملاحظہ فرمائیے المدارک کی یہ عبارت:

أی ملتئم الی الدنیا وشہواتها وکرہتم مشاق السفر و متاعہ او ملتئم الی الاقامة بارضکم و دیارکم۔ (المدارک)

غزوہ تبوک اور چھ قسم کے لوگ

صاحب بیان القرآن نے تحقیق فرمائی ہے کہ جب غزوہ تبوک میں نکلنے کا حکم دیا گیا تو لوگوں کی چھ قسمیں ہو گئیں:

۱ وہ جو فوراً بلا کسی تردد کے تیار ہو گئے

۲ وہ جن کو شروع میں تھوڑا تردد ہوا مگر پھر وہ ٹھیک ہو گئے اور ساتھ نکل کھڑے ہوئے

ان دونوں طبقوں کا تذکرہ سورۃ توبہ کی اس آیت میں ہوا ہے۔

الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فِرَاقٍ وَنَتْنَهُمْ (التوبة ۱۱۷)

۳ وہ لوگ جو کسی حقیقی عذر کی وجہ سے ساتھ نہ جاسکے ان کا تذکرہ ان آیات میں ہے:

لَيْسَ عَلَى الضَّعْفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى (التوبة ۹۱)

۴ وہ لوگ جو سستی کی وجہ سے ساتھ نہیں گئے مگر وہ منافق نہیں تھے اور واپسی پر انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف بھی کر لیا تھا ان کا تذکرہ ان آیات میں ہے:

وَأَخْرَجُوا عَنْ دُورِهِمْ (التوبة ۱۰۲)

وَأَخْرَجُوا مِنْ دُورِهِمْ (التوبة ۱۰۶)

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَقُوا (التوبة ۱۱۸)

۵ وہ لوگ جو منافقین تھے اور وہ اس سخت امتحان میں اپنے نفاق کو نہ چھپا سکے اور جہاد سے الگ رہے ان لوگوں کے بارے میں بہت سی آیات نازل ہوئیں

۶ وہ منافقین جو جاسوسی اور شرارت کے لئے مسلمانوں کے ساتھ ہو لیے تھے ان کے بارے میں کئی آیات نازل ہوئیں مثلاً:

وَفِيكُمْ سَمْعُونُ لَهُمْ (التوبة ۴۷) (ایک تفسیری قول کے مطابق)

وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ (التوبة ۶۵)

وَهُمْ أَيْمَانُكُمْ يَنْتَظِرُونَ (التوبة ۷۷)

یہ اقسام ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس آیت (۳۸) کا تعلق چوتھی قسم کے لوگوں کے ساتھ ہے جو محض سستی اور

کابل کی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ (مفہوم بیان القرآن)

یعنی آیت اور اس کا مفہوم تو عام ہے البتہ اس کے اولین مخاطب وہ لوگ ہیں جو غزوہ تبوک میں سستی کر رہے تھے، ویسے قرآن پاک کا اسلوب یہی ہے کہ وہ پوری قوت سے دعوت دیتا ہے تاکہ عمل کرنے والے یکے ہو جائیں اور سستی

کرنے والوں کی اصلاح ہو جائے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

صاحب معارف القرآن مذکورہ بالا تحقیق کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

جو آیتیں اوپر لکھی گئی ہیں (التوبہ ۳۸ تا بعد) بظاہر ان کا تعلق اس چوتھی جماعت سے ہے جو بغیر کسی صحیح عذر کے اپنی سستی اور کاہلی کی بناء پر شریک جہاد نہیں ہوئے۔ پہلی آیت میں ان کو اس کاہلی اور غفلت پر تنبیہ کی گئی اور اس کے ساتھ ان کے اس مرض غفلت و کاہلی کا سبب اور پھر اس کا علاج بھی ارشاد فرمایا گیا جس کے ضمن میں یہ بھی واضح ہو گیا کہ چونکہ مرض کا جو سبب اور علاج اس جگہ بیان فرمایا گیا ہے اگرچہ اس جگہ اس کا تعلق ایک خاص واقعہ سے تھا لیکن اگر غور کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ دین کے معاملہ میں ہر کوتاہی، سستی اور غفلت اور تمام جرائم اور گناہوں کا اصلی سبب یہی دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت ہے اسی لئے حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

حَبِّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ یعنی دنیا کی محبت ہر خطا و گناہ کی بنیاد ہے، اس لئے آیت مذکورہ میں فرمایا گیا کہ: ”اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تمہیں اللہ کے راستے میں نکلنے کے لئے کہا جاتا ہے تو تم زمین کو لگے جاتے ہو (حرکت کرنا نہیں چاہتے) کیا تم آخرت کے بدلے صرف دنیا کی زندگی پر لگن ہو گئے۔“

تشخیص مرض کے بعد اس کا علاج اگلے جملہ میں اس طرح ارشاد ہوا کہ:

”دنیوی زندگی سے نفع اٹھانا تو کچھ بھی نہیں بہت قلیل و حقیر ہے“

جس کا حاصل یہ ہے کہ بڑی فکر آخرت کی دائمی زندگی کی چاہئے اور یہ فکر آخرت ہی درحقیقت سارے امراض کا واحد اور مکمل علاج ہے اور انسداد جرائم کے لئے بے نظیر نسخہ اکسیر ہے۔ عقائد اسلام کے بنیادی اصول تین ہیں: توحید، رسالت اور آخرت..... ان میں عقیدہ آخرت درحقیقت اصلاح عمل کی روح اور جرائم اور گناہوں کے آگے ایک آہنی دیوار ہے۔ (معارف القرآن)

ایک شرعی مسئلہ

”فقہاء نے آیت سے یہ (مسئلہ) بھی نکالا ہے کہ جب جہاد کی نفیر (پکار) ہو جائے تو ہر شخص پر جو بلا عذر ہو جہاد

واجب (فرض) ہو جاتا ہے۔

اقتضیٰ ظاہر الآیۃ وجوب النفیر علیٰ من لم یستنفر“ (جصاص) (تفسیر ماجدی)

طلبہ علم کے لئے تحفہ

امام رازیؒ نے اس آیت مبارکہ پر بہت جذبے والی تقریر لکھی ہے شائقین طلبہ تفسیر کبیر میں ملاحظہ فرمائیں اسی طرح امام رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اعلم ان هذه الآیۃ تدل علی وجوب الجہاد فی کل حال (تفسیر کبیر)

یعنی خوب سمجھ لو کہ یہ آیت ہر حال میں جہاد کے فرض ہونے کی دلیل ہے۔

یعنی جہاد صرف دشمنوں کے غلبے اور حملے کے وقت فرض نہیں ہوتا بلکہ ہر حال میں فرض کفایہ رہتا ہے جبکہ دشمنوں کے غلبے اور حملے کے وقت تو وہ فرض عین ہو جاتا ہے۔ امام قرطبیؒ نے بھی یہ ساری تفصیل بہت مدلل تحریر فرمائی ہے۔ یاد رہے کہ غزوہ تبوک میں مسلمان خود لڑنے کے لئے نکلے تھے ان پر کوئی حملہ وغیرہ نہیں ہوا تھا بس اس بات کی خبر آئی تھی کہ رومی اور شامی عیسائی مسلمانوں پر حملے کی تیاری کر رہے ہیں اس میں مسلمانوں کے لئے بہت بڑا سبق ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

غزوہ تبوک میں تو یہ نہیں کیا گیا

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

وقیل : ما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ الا وریٰ عنہا بغیرہا الا فی غزوۃ تبوک لیستعد الناس تمام العدة (المدارک)
اسی بات کو تفسیر مظہری میں یوں بیان کیا گیا ہے:

بنغویؒ نے لکھا ہے کہ طائف سے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے جہاد کرنے کی تیاری کا حکم دے دیا، محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ تبوک کے سال جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے جہاد کرنے کا ارادہ کیا تو وہ زمانہ بڑی تنگدستی کا تھا، گرمی بھی بہت سخت تھی، ملک بھی خشک تھا اور پھلوں کی فصل بھی تیار تھی، لوگ اپنے پھلوں کی نگرانی کے لئے مدینہ میں رکنا اور سایہ میں رہنا پسند کرتے تھے، ایسے وقت اور اس حالت میں روانگی ان کو ناگوار تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کسی جہاد پر جانے کا ارادہ ہوتا تو بطور کنایہ درپردہ بیان فرما دیتے اور تو یہ کہ طور پر کسی دوسری جگہ کا اظہار کر دیتے تھے۔ صرف تبوک کا جہاد ایسا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھل کر لوگوں سے ارادہ کا اظہار کر دیا، کیونکہ مسافت لمبی تھی، زمانہ بھی سخت تھا اور جن دشمنوں کا مقابلہ کرنا تھا ان کی تعداد بھی بہت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (صراحتاً) نام لے کر اظہار فرما دیا تا کہ لوگ تیاری کر لیں ابن ابی شیبہ بخاری اور ابن سعد نے حضرت کعب بن مالکؓ کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرداگرد رہنے والے قبائل عرب کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی اور مکہ (والوں) کو بھی پیغام بھیج دیا تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بکثرت لوگ ہو گئے۔ (مظہری)

فائدہ

تو یہ ایک خاص قسم کی ”جنگی و عسکری تدبیر“ ہے اس کا جھوٹ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور مفسرین نے اسے اس موقع پر اس لئے بیان فرمایا ہے تاکہ مسلمانوں میں جہاد کی اہمیت مزید اجاگر ہو کہ ان کے قائد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگی تدبیروں کا کس قدر اہتمام فرماتے تھے اور وہ کتنے بلند اور ماہر سپہ سالار بھی تھے پس ان کے امتیوں کو بھی اپنے اندر یہ صفات پیدا کرنی چاہئیں اور جہاد کے معاملات کو خاص اہمیت دینی چاہئے۔ (واللہ اعلم بالصواب) ☆☆

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَت ۳۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِلَّا تَنْفَرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَ

اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور تمہاری جگہ اور لوگ

کُم وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾

پیدا کرے گا اور تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے

خلاصہ

سخت وعید اور شدید تنبیہ ان کے لئے جو جہاد میں نکلنے سے سستی کریں..... ایسے لوگوں کو دنیا آخرت میں دردناک عذاب کا سامنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کی جگہ اپنے ایسے فرمانبردار بندوں کو لے آئے گا جو حکم جہاد پر عمل کریں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے دین اور اپنے نبی کی نصرت کرنے میں اور دین کے دشمنوں کو ہلاک کرنے میں کسی کا محتاج نہیں ہے وہ چاہے تو تمہارے جہاد کے بغیر بھی یہ سب کچھ کر سکتا ہے اس لئے جہاد چھوڑ کر تم اپنا ہی نقصان کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

سخت وعید

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

هذا تهديد شديد و وعيد مؤكّد في ترك النّفير.....

اور آگے لکھتے ہیں:

فوجب بمقتضاها النّفير للجهاد والخروج الى الكفار لمقاتلتهم على ان تكون كلمة الله

هي العليا (القرطبی)

یعنی اس آیت میں سخت تنبیہ اور مؤکّد وعید ہے جہاد چھوڑنے پر..... اور اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ

کفار کے خلاف جہاد کے لئے نکلتا تاکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو جائے یہ واجب ہے۔ (القرطبی)

یعنی ان دو آیات (۳۸، ۳۹) سے بھی جہاد کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

قال القاضي : هذه الآية دالة على وجوب الجهاد سواء كان مع الرسول او لا معه، لانه

تعالى قال يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَعَّلُوا وَلَمْ يَنْصَ عَلَىٰ أَنْ ذَلِكَ الْقَائِلُ هُوَ

الرسول فان قالوا: يجب ان يكون المراد هو الرسول لقوله تعالى وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ولقوله وَلَا تَصْرُوهُ شَيْئًا اذ لا يمكن ان يكون المراد بذلك الا الرسول قلنا: خصوص آخر الآية لا يمنع عموم اولها۔ (تفسير كبير)
امام سفيٰ كہتے ہیں:

سخط عظيم على المتناقلين حيث اوعدهم بعذاب اليم مطلق يتناول عذاب الدارين،
وانه يهلكهم ويستبدل بهم قوماً آخرين خيرا منهم واطوع وانه غنى عنهم فى نصره دينه لا
يقدر تناقلهم فيها شيئاً۔

یعنی جہاد سے سستی کرنے والوں کے لئے سخت ترین ناراضگی کا اظہار ہے کہ انہیں ایسے دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے جو مطلق ہے یعنی دنیا آخرت دونوں جگہ کو شامل ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک فرمادے گا اور ان کی جگہ ان سے بہتر اور زیادہ فرمانبردار قوم لے آئے گا اور وہ اپنے دین کی نصرت کے بارے میں ان کا محتاج نہیں ہے ان کی سستی سے اس میں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ (المدا رک نقل عن الکشاف)
تفسیر الفرقان میں ہے:

اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلے تو یہ خیال نہ کرنا کہ تمہارے رہ جانے سے مسلمانوں کی ترقی رک جائے گی، یہ تو نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں دنیا اور آخرت، دونوں جگہ سخت ترین عذاب ہوگا، دنیا کی تاریخ تمہارے سامنے ہے جس قوم نے بھی تلوار سے علیحدگی اختیار کی اس کا کیا انجام ہوا ہے۔ (تفسیر الفرقان)
تفسیر ابن کثیر میں ہے:

ثم توعد تعالى من ترك الجهاد فقال لَا تَنْفَعُوكُمْ يَعْزِبُ عَنْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا

یعنی اللہ تعالیٰ نے ترک جہاد پر وعید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: لَا تَنْفَعُوكُمْ يَعْزِبُ عَنْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا الخ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک قبیلے کو جہاد پر نکلنے کا حکم دیا انہوں نے سستی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش روک لی۔ (قطر السالی میں مبتلا کر دیا) یہ ان کے لئے عذاب تھا
وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ اى لنصرة نبيه واقامة دينه یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا
اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کیلئے اور اپنے دین کی اقامت کیلئے وَلَا تَصْرُوهُ شَيْئًا اى ولا تضروا الله
شيئاً بتوليكم عن الجهاد ونكولكم وتناقلكم عنه یعنی تمہارا جہاد چھوڑنا اور اس میں نافرمانی اور سستی کرنا
اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا وَالله عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اى قادر على الانتصار من الاعداء
بدونكم یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے بغیر بھی دشمنوں سے بدلہ لینے پر قادر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

دوسری قوم کونسی؟

آیت میں فرمایا گیا کہ اگر تم جہاد نہیں کرو گے تو اللہ پاک تمہاری جگہ کسی اور قوم کو اس کام کے لئے لے آئے گا، اس سے کونسی قوم مراد ہے؟ مفسرین کے کئی اقوال ہیں:

۱) کوئی خاص قوم مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جہاد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہٹا کر کسی اور کو لے آئے گا جو اس کی فرمانبرداری اور جہاد کریں گے۔

یہ قول زیادہ مضبوط ہے۔

۲) مراد اہل یمن ہیں

۳) مراد اہل فارس ہیں

۴) مراد تابعین ہیں

امام ابو حنیفہؒ لکھتے ہیں:

والمستبدل الموعود بهم قال: جماعة اهل اليمن، وقال ابن جبير ابناء فارس وقال ابن عباس هم التابعون والظاهر مستغن عن التخصيص۔ (البحر المحیط)

عَدَّ أَبَا إِيْمًا جہاد میں سستی کرو گے تو دروناک عذاب پاؤ گے۔ اس میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں، علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

بالا هلاك بسبب فظيخ لقحط وظهور عدو۔ (روح المعانی)

یعنی کسی خوفناک سبب (مثلاً) قحط اور دشمنوں کے غلبے کے ذریعے ہلاک کر دیا جائے گا۔

تمام اقوال کا خلاصہ یہی ہے کہ ترک جہاد میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے اور دشمنوں کا غلبہ اور ذلت ہے اعاننا اللہ منها..... (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُهَا ۲۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا

اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے تو اس کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی ہے جس وقت اسے کافروں نے نکالا تھا کہ

ثَانِي اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ

وہ دو میں سے دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا تو غم نہ کھا

إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ

بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس پر تسکین اتاری اور اس کی مدد کو وہ فوجیں

لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ

بھیجیں جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو

اللَّهُ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

اللہ تعالیٰ ہی کی بلند ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست (اور) حکمت والا ہے

خلاصہ

اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے تو اس سے اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اللہ تعالیٰ کے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب انہیں مکہ کے کافروں نے مکہ معظمہ سے نکال دیا اور وہ اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں پہنچ گئے اول تو دشمنوں کے درمیان سے صحیح سالم نکال دینا، پھر غارتھوں تک عافیت اور سلامتی کے ساتھ پہنچا دینا پھر جب دشمن غار کے منہ پر پہنچ گئے اس وقت بھی ان کی حفاظت فرمانا اور جو لوگ تلاش میں نکلے تھے ان کو واپس کر دینا اور پھر غارتھوں سے نکال کر پیچھا کرنے والے دشمنوں سے محفوظ فرما کر عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دینا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوا۔

پھر جب دشمن تلاش کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ گئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے پاؤں نظر آنے لگے تو وہ اس بات سے گھبرا گئے کہ دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان نہ پہنچا دیں، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا غم نہ کرو، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر تیرا کیا خیال ہے ان دو کی نسبت جن کا تیسرا اللہ ہے؟ یعنی جب اللہ ہمارے ساتھ ہے تو پھر کس کا ڈر ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک خاص قسم کے سکون اور اطمینان والی کیفیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک پر اور آپ کی برکت

سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل پر نازل فرمائی اور فرشتوں کی فوج سے آپ دونوں کی حفاظت اور مدد فرمائی پس اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات نیچی کر دی اور ان کی تدبیر خاک میں ملا دی (ہجرت کی کامیابی کافروں کی پستی، ذلت اور شکست کا آغاز بن گئی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین روز غار میں قیام فرما کر عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ بے شک انجام کار اللہ تعالیٰ ہی کی بات اونچی رہتی ہے وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ (تلخیص از عثمانی و انوار البیان)

اقوال و حوالے

نصرت کا نمونہ

اللہ تعالیٰ کی مدد کا ایک نمونہ دیکھ چکے ہو جبکہ غارِ ثور میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فقط ایک ہی آدمی (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) تھا اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے زہم سے رسول کو بچایا۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)

غزوہ تبوک کے موقع پر واقعہ ہجرت کی یاد دہانی

غزوہ تبوک ۹ھ میں پیش آیا اور اس موقع پر نو سال پرانا ایک واقعہ یاد دل کر دلوں کو مضبوط کیا جا رہا ہے اور جہاد کی ترغیب ایک نئے انداز میں دی جا رہی ہے۔ غزوہ تبوک میں سفر لمبا ہے تو اے مسلمانو! ہجرت کا سفر بھی تو بہت لمبا اور اس سفر سے زیادہ پرخطر تھا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ اکیلے تھے، اگر یہ سفر نہ ہوتا تو تم میں سے کتنے لوگ ایمان سے محروم رہتے، اب کیوں لمبے سفر سے گھبرا رہے ہو۔

غزوہ تبوک میں دشمن بے حد طاقتور تھا سامنے روم کی پوری سلطنت تھی جو سپر پاور کہلاتا تھا تو ہجرت کو یاد کرو جہاں دو افراد تھے اور پورا ملک اور ارد گرد کے قبائل ان کے دشمن تھے۔ مگر اللہ پاک نے ان دونوں کو بچایا، نکالا، غالب فرمایا اور آج مکہ پر ان کی حکومت ہے۔ ظاہری طاقتوں پر نظر رکھنے والو ہجرت کو یاد کرو..... پھر اہم بات یہ ہے کہ ہر لڑائی کے بعد دونوں فریق فتح مندی کے دعوے کرتے ہیں، ہر کوئی کہتا ہے کہ جیت میری ہوئی حتیٰ کہ شکست فاش کھانے والے بھی کسی نہ کسی طرح اپنے دل کو تسلی دے لیتے ہیں۔ مگر ہجرت کا واقعہ ایسا ہے کہ اس میں اللہ کے دین کی فتح بالکل واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ موجود ہے، غالب ہے اور وہ اپنے نبی اور ان کے ماننے والوں کی مدد کرتا ہے یہ سب کچھ ہجرت کے واقعہ سے سب نے دیکھ لیا وجہ یہ ہے کہ تمام دشمنوں کے نہ چاہنے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچ گئے، سب اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں موجود ہیں۔ اب بتاؤ ان کو کس نے پہنچایا؟ گھر پر دشمنوں کے خوفناک محاصرے کے باوجود غارِ ثور تک کون لایا؟ غارِ ثور کے منہ تک دشمن پہنچ گئے پھر ان کی آنکھوں کو کس نے اندھا کیا کہ وہ دو افراد کو نہ دیکھ سکے۔ حالانکہ اگر وہ اپنے پاؤں پر نظر ڈالتے تو انہیں سب کچھ نظر آ جاتا۔ عرب کے قیاف جو راستے کے پتھروں تک کو پہچانتے تھے کیوں اپنے حواس کھو بیٹھے؟..... الغرض

ہجرت کا ہر واقعہ اور ہر پہلو ایک ہی صدا لگاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، اللہ تعالیٰ غالب ہے، اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے۔ پس غزوہ تبوک کے موقع پر یہی یقین دلوں میں زندہ کرنے کے لئے ہجرت کے واقعہ کو چھیڑا گیا تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے ہر خوف اور ہر پریشانی نکل جائے اور انہیں اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ قربانی بھی یاد آئے جو آپ نے ہجرت کے موقع پر پیش فرمائی، اور انہیں یہ پیغام بھی ملے کہ دیکھو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی، سفر فرمایا تو دین کو کتنا فائدہ پہنچا اب تم بھی اور لوگوں تک دین پہنچانے کے لئے جہاد کا سفر کرو تاکہ یہ دین پھیلتا جائے اور اللہ پاک کا بلند کلمہ ہر طرف اونچا ہوتا چلا جائے۔

غزوہ تبوک کے مشکل موقع پر ہجرت کا واقعہ یاد دلانے میں عجیب فوائد تھے اور ایمان و جذبات کی عجیب تازگی تھی اسے سمجھنے کے لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ ہجرت کا پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ سیرت کی مستند کتب میں پڑھ لے، پھر اس واقعہ کو اس موقع پر ذکر کرنے کی بہت سی حکمتیں سمجھ آ جائیں گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مسلمانو! جہاد کرو

اس آیت کے فوائد میں صاحب تفسیر الفرقان لکھتے ہیں:

اللہ کی بات تو ہر صورت میں اوپر ہی رہے گی مگر مسلمانوں کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ اللہ کا دست عمل (یعنی دست عمل کا آلہ کار) بن کر اسی کے قانون کو بلند کریں ورنہ وہ تو فرشتوں سے بھی کام لے سکتا ہے، اگر تم نے اس کو اپنا مقصد حیات نہ بنایا تو تباہ کر دیئے جاؤ گے۔ (تفسیر الفرقان)

آیت میں جہاد کی ترغیب ہے

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

اعلم ان هذا ذكر طريق آخر في ترغيبهم في الجهاد
یعنی خوب سمجھ لو کہ اس آیت میں ایک اور طریقے سے جہاد کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ (تفسیر کبیر)
واقعی اس آیت کو جس پہلو سے بھی لیا جائے یہ آیت انسان کو جہاد پر کھڑا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا یقین، دین کی خاطر قربانی کا مقام اور مشکل وقت میں ساتھ دینے کا بلند اجر وغیرہ۔

آیت مبارکہ کے بعض نکات اور فوائد

اس آیت مبارکہ پر حضرات مفسرین نے بہت تفصیل سے لکھا ہے اگر چند مفسرین کی تقاریر نقل کر دی جائیں تو ایک پوری کتاب تیار ہو جائے، واقعہ ہجرت، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مناقب، ثانی اثبتین کے معارف، لا تحزن اور لا تخف کا فرق، روافض کا پرزور تعاقب، یجئوہم تروہا کے متعلق اقوال اور لان اللہ معنا کی ایمان افروز تشریح۔

تفسیر کی کتب تو اپنی جگہ سیرت کی کتابوں میں بھی اس آیت پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ حضرت علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے سیرت المصطفیٰ جلد اول میں صرف اس آیت کے معارف پر تیرہ صفحات تحریر فرمائے ہیں۔ شائقین حضرات وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہیں چند ضروری فوائد اور نکات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت پر نص قطعی

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

من انكر صحبة ابى بكر فقد كفر لانكاره كلام الله وليس ذلك لسائر الصحابة (المدارك)

یعنی جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرے وہ کافر ہے کلام اللہ کا انکار کرنے کی وجہ سے اور یہ حکم تمام صحابہ کرام کا نہیں ہے۔

صاحب تفسیر ماجدی بھی لکھتے ہیں:

علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت سے انکار کرتا ہے وہ قرآن سے انکار کرتا ہے اور اس سے اس کا کفر لازم آ جاتا ہے اور یہ بات دوسرے صحابیوں کے لئے نہیں۔ (تفسیر ماجدی)

غزوہ تبوک اور ہجرت دونوں میں صدیق اکبر آگے آگے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حسن بصریؒ اور سفیان بن عیینہؒ سے منقول ہے کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرنے پر تمام عالم کو عتاب فرمایا مگر صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس عتاب سے مستثنیٰ ہی نہیں فرمایا بلکہ ایسے آڑے اور نازک وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور مصاحبت اور معیت کو بطور مدح ذکر فرمایا۔ (مفہوم سیرت المصطفیٰ)

آیت میں حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ بلا فصل ہونے کی دلیل

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

قال بعض العلماء: في قوله تعالى ثَانِيًا أَتَيْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْعَاذِ مَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْخَلِيفَةَ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَأَنَّ الْخَلِيفَةَ لَا يَكُونُ أَبَدًا إِلَّا ثَانِيًا. (القرطبي)

یعنی بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس آیت کے الفاظ ثَانِيًا أَتَيْنَيْنِ میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے کیونکہ خلیفہ ثانی ہوتا ہے امام اور بادشاہ کا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا حزن اور غم

”صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فکر مند ہونا بزدلی کی وجہ سے اور اپنی جان کی وجہ سے نہیں تھا انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کی حفاظت کا خیال ہو رہا تھا، انہوں نے کہا: ان اقتتل فأنا رجل واحد وان قتلت هلكت الامة اگر میں مقتول ہو گیا تو میں ایک ہی آدمی ہوں اور اگر آپ کی ذات مبارک پر حملہ کر دیا گیا تو پوری امت ہلاک ہو جائے گی۔ درمنثور ج ۲ ص ۲۴۱ میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور میں پہنچنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے خیال سے کبھی آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے اور کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف اور مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے پہنچ جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ اور صحیح سالم رہیں، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس خیال سے کہ دشمنوں کو نشان ہائے قدم کا پتہ نہ چل جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر اٹھا کر انگلیوں کے بل چلے یہاں تک کہ ان کی انگلیاں چھل گئیں۔“ (انوار البیان)

نیز کئی مفسرین حضرات نے حزن اور خوف کے معنی میں فرق بھی لکھا ہے.....

غار ثور

تفسیر ماجدی میں ہے:

یہ غار ”غار ثور“ مضامفات مکہ میں سے تھا، مکہ سے جنوب و مشرق میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اندر تین دن تک قیام پذیر رہے، (یہ غار) مدینہ کے راستہ میں نہ تھا، اس سے ہٹ کر تھا، مدینہ کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو راستہ قصد اُذرا چکر کا اختیار فرمایا کہ تلاش کرنے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسانی سے نہ پاسکیں، اس کا دہانہ اب تک اتنا تنگ ہے کہ اندر صرف لیٹ کر ہی جانا ممکن ہے، شیخ رشید رضا مصری نے تفسیر المنار میں ایک مصری امیر الحج رفعت پاشا (سن حج ۱۳۸۱ ہجری) کے حوالہ سے غار کی پیمائش وغیرہ دی ہے اور اس کی تنگی کا ذکر صراحت کے ساتھ کیا ہے۔ (تفسیر ماجدی)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَةُ ۲۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ

تم ہلکے ہو یا بوجھل نکلو اور اپنے مالوں اور جانوں سے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۱﴾

اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو

خلاصہ

جہاد کے لئے نکل پڑو جس وقت بھی نکلنے کا حکم دیا جائے خواہ تم ایسی حالت میں ہو کہ نکلنا آسان ہو یا ایسی حالت میں ہو کہ نکلنا مشکل اور بھاری ہو۔ الغرض ہر حال میں نکل پڑو اور اپنے مال اور جان سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو یہ جہاد کرنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

اقوال وحوالے

اپنے ذاتی اور شخصی تقاضوں کو جہاد کے راستے کی رکاوٹ نہ بننے دو

”ایک مسلمان کا فرض یہی ہے کہ وہ کسی حالت میں ہو جس وقت الجہاد، الجہاد کا اعلان سے فوراً میدان جنگ میں حاضر ہو جائے اور اپنی ہر چیز اللہ کی راہ میں قربان کر دے، اسے نہ تو افلاس اور دولت مندی مانع ہو، نہ افراد و اجتماع کا خیال ہو، جوانی اور بڑھاپے کی جانب توجہ نہ ہو اور پیدل اور سواری کا خطرہ (یعنی خیال) تک نہ آنے پائے۔ غرض یہ کہ شخصی مصلحتوں پر غور کیے بغیر ہر وقت جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار رہے۔“ (تفسیر الفرقان)

”لہذا اگر نصرت دین متین کی سعادت چاہتے ہو تو جس وقت حکم ملے فوراً نکل پڑو خواہ ساز و سامان کی بہتات ہو یا نہ ہو۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)

خَفَافًا وَثِقَالًا

آیت مبارکہ میں دو لفظ خفافا و ثقالا استعمال ہوئے ہیں جن کا اردو میں عام ترجمہ ہلکے یا بوجھل کے الفاظ سے کیا جاتا ہے۔ ان دو لفظوں کی مراد کیا ہے؟ اس میں مفسرین حضرات کے کئی اقوال ہیں۔

امام رازی ایک جامع بات لکھتے ہیں:

انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا : والمراد انفروا سواء كنتم على الصفة التي يخف عليكم الجهاد او

الصفة التي يثقل

یعنی مقصد یہ ہے کہ تم جہاد پر نکلو خواہ تم ایسی حالت میں ہو کہ نکلنا تمہارے لئے آسان ہو یا ایسی حالت میں ہو کہ نکلنا تمہارے لئے بھاری اور مشکل ہو۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر ماجدی میں ہے:

خفافاً اور ثقلاً دو مقابل کے لفظ ہیں، ان کی مختلف اور متعدد تفسیریں آئی ہیں مثلاً تنگدست اور خوشحال، جوان تیز رو اور پیرست رفتار، بیکار اور مشغول، بے سامان اور با سامان، خوش دلی سے اور بے دلی سے وغیرہا۔

ای شیباً و شباناً (ابن جریر عن الحسن) ای اغنیاء و مساکین (ابن جریر عن قتادة)
ای مشاغل و غیر مشاغل (ابن جریر عن الحكم) ای نشاطاً و غیر نشاط (ابن جریر عن ابن عباس و قتادة)

مقصود بہر صورت عموم حکم ہے کہ جس حال میں بھی ہو جہاد کے لئے چل پڑو، نکل کھڑے ہو، ابن جریر نے متعدد تفسیریں نقل کر کے قول فیصل یہ لکھا ہے کہ خفاف کے تحت ہر وہ شخص داخل ہے جسے قوت، صحت، جوان عمری، خوشحالی، بے شغلی غرض کسی بناء پر بھی آسانیاں حاصل ہوں اور ثقلاً کے ماتحت وہ سب آ جاتے ہیں جن میں اس کے برعکس مذکورہ بالا بناؤں میں دشواریاں لاحق ہوں اور اسی کے قریب قریب ابن کثیرؒ نے بھی لکھا ہے: حتم علی المومنین فی الخروج معه علی کل حال فی المنشط والمکره والعسر والیسر۔ (ابن کثیر، تفسیر ماجدی)

تفسیر مظہری میں ہے:

”خفافاً اور ثقلاً کی تفسیر مختلف طور پر کی گئی ہے:

- ۱ جوان ہو یا بوڑھے (حسن، ضحاک، مجاہد، قتادہ، عکرمہ)
- ۲ چست ہو یا چست نہ ہو
- ۳ نادار (یعنی فقیر) ہو یا مالدار
- ۴ ہتھیار کم ہوں یا زیادہ (ابن عباس)
- ۵ سوار ہو یا پیدل (عطیہ عوفی)
- ۶ جائیداد اور جاگیر والے نہ ہو یا جائیداد اور جاگیر والے ہو جس کا چھوڑنا تم کو پسند نہ ہو (ابن زید)
- ۷ کاموں میں مشغول ہو یا خالی ہو (حکیم بن عتبہ)
- ۸ بیمار ہو یا تندرست (ہمدانی)
- ۹ مجزؤ (غیر شادی شدہ) ہو یا بیوی بچے والے
- ۱۰ تمہارے متعلقین (یعنی) نوکر، چاکر نہ ہوں یا ہوں (یمانی)
- ۱۱ مال سے ہلکے ہو یعنی محتاج ہو یا مال کا بوجھ رکھتے ہو یعنی غنی ہو (ابوصالح)

۱۲ بعض کے نزدیک مراد یہ ہے کہ دعوت جہاد سنتے ہی فوراً بلا تاثر و غور اور تیاری کے بعد نکلوز ہری کی روایت ہے کہ حضرت سعید بن مسیب کی ایک آنکھ جاتی رہی، اسی حالت میں آپ جہاد کو نکلے، کسی نے کہا آپ تو بیمار اور دکھی ہیں، فرمایا: اللہ نے خفیف اور ثقیل سب کو جہاد کی دعوت دی ہے، اگر مجھ سے لڑائی نہ ہو سکے گی تو میں مسلمانوں کی جماعت میں اضافہ کا ہی سبب بن جاؤں گا اور سامان کی حفاظت کرتا رہوں گا۔ (تفسیر مظہری)

امام قرطبی نے بھی کئی اقوال ذکر فرمائے ہیں پہلے ان کی عربی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وفيه عشرة اقوال: الاول. يذكر عن ابن عباس فانفروا ثبات أوسرايا متفرقين. الثاني. روى عن ابن عباس ايضا وقتادة: نشاطاً وغير نشاط. الثالث. الخفيف: الغنى والثقل الفقير، قاله مجاهد الرابع. الخفيف: الشاب، والثقل: الشيخ قاله الحسن، الخامس مشاغيل وغير مشاغيل، قاله زيد بن علي والحكم بن عتيبة السادس الثقل: الذي له عيال والخفيف الذي لا عيال له قاله زيد بن أسلم السابع الثقل: الذي له ضيعة يكره ان يدعها والخفيف: الذي لا ضيعة له، قاله ابن زيد الثامن الخفاف: الرجال والثقال: الفرسان، قاله الاوزاعي التاسع الخفاف: الذين يسبقون الى الحرب كالطليعة وهو مقدم الجيش والثقال: الجيش بأسره العاشر الخفيف الشجاع والثقل الجبان حكاه النقاش والصحيح في معنى الآية أن الناس أمروا جملة اي انفروا خفت عليكم الحركة او ثقلت.

اس عبارت میں تقریباً وہی اقوال ہیں جو اوپر تفسیر مظہری کے حوالے سے گزر چکے ہیں، البتہ یہ چند اقوال مختلف

ہیں:

- ۱ خففاً سے مراد چھوٹے چھوٹے دستے اور ثقلاً سے مراد پورا لشکر
- ۲ خففاً سے مراد بہادر اور ثقلاً سے مراد بزدل
- ۳ خففاً سے مراد لشکر کے اگلے دستے اور ثقلاً سے مراد عام لشکر یعنی اگلے اقدامی دستوں میں نکلویا عام لشکر کا حصہ بن کر نکلو۔

امام قرطبی یہ تمام اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”صحیح مطلب آیت کا یہ ہے کہ تمام لوگوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ جہاد میں نکلیں یہ نکلنا ان کے لئے آسان ہو یا

مشکل“۔ (القرطبی)

فائدہ

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت کا عموم منسوخ ہو چکا ہے دوسری آیات کَیْسَ عَلَى الضَّعَفَاءِ وَلَا

عَلَى الْمَرْضَىٰ وغيرہ کے ذریعہ..... مگر امام قرطبیؒ اور دیگر بڑے مفسرین نے نسخ کے قول کو درست قرار نہیں دیا وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے اور اس کا تعلق ان حالات سے ہے جب جہاد فرض عین ہو جائے۔ مثلاً جب دشمن مسلمانوں کے کسی علاقے پر حملہ یا قبضہ کر لیں یا مسلمانوں کا امیر مسلمانوں کو نکلنے کا اعلان عام دے دے۔ اسی طرح سال میں ایک مرتبہ مسلمانوں کے امیر پر لازم ہے کہ وہ ایک لشکر جہاد کے لئے روانہ کرے..... تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے تفسیر قرطبی۔

چند واقعات

اگر یہ آیت منسوخ ہوتی تو حضرات صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس آیت کو اپنی دلیل نہ بناتے، حالانکہ صحابہ کرام تو اسی آیت کا حوالہ دے کر مشکل ترین حالات میں بھی جہاد کرتے رہے، امام قرطبیؒ نے اس موقع پر چند واقعات بیان فرمائے ہیں..... وہ لکھتے ہیں:

والصحيح انها ليست بمنسوخة روى ابن عباس عن ابي طلحة في قوله تعالى: **لَنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا** قال شبانا وكهولاً الخ۔

یعنی صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے **لَنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا** کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ جوان ہو یا بوڑھے ہر حال میں نکلوا، اللہ پاک نے کسی کے عذر کو قبول نہیں فرمایا پھر حضرت ابو طلحہؓ شام کی طرف جہاد میں نکل گئے اور مرتے دم تک جہاد کرتے رہے اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو طلحہؓ نے سورۃ توبہ کی تلاوت فرمائی جب اس آیت پر پہنچے **لَنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا** تو فرمانے لگے اے میرے بیٹو! میرا سامان جہاد تیار کرو، میرا سامان جہاد تیار کرو۔ ان کے بیٹوں نے عرض کیا اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر ان کے آخری دم تک جہاد کیا اور اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر ان کے آخری دم تک جہاد کیا اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر بھی جہاد کیا اب ہم آپ کی طرف سے جہاد کریں گے (آپ آرام فرمائیں) فرمایا نہیں بس میرا سامان تیار کرو پھر سمندر کے جہاد میں شریک ہوئے اور اسی جہاد میں انتقال فرمایا آپ کے رفقاء کو آپ کی تدفین کے لئے کوئی جزیرہ نہیں مل رہا تھا بالآخر سات دن بعد ملا تو اس میں انکی تدفین ہوئی سات دن گزرنے کے باوجود جسم میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ رضی اللہ عنہ

طبریؒ نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ایک صاحب نے حضرت مقدادؓ کو محض (کے علاقے) میں صراف کے صندوق پر بیٹھ دیکھا اور ان کا جسم موٹاپے کی وجہ سے اس صندوق پر پورا نہیں آ رہا تھا اور آپ جہاد میں جانے کی تیاری میں تھے اس وقت ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اللہ پاک نے آپ کو معذور قرار دیا ہے تو فرمانے لگے منافقوں کے حالات کھول کھول کر بیان کرنے والی سورۃ نازل ہو چکی ہے **لَنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا** (القرطبی)

ایک سوال

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ اگر سب لوگ جہاد سے روگردانی کرنے لگیں تو اکیلا آدمی کیا کرے؟ یعنی اگر اکثر لوگ جہاد چھوڑ چکے ہوں (نعوذ باللہ) تو جو آدمی اس آیت پر عمل کرنا چاہے تو اس کے لئے کیا طریقہ ہے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ فدیہ دے کر کسی ایک مسلمان قیدی کو آزاد کرائے اور اگر خود جہاد کر سکتا ہو تو خود لڑے ورنہ جو لوگ جہاد کر رہے ہوں ان تک سامان جہاد لے جائے۔ (قرطبی)

الغرض کسی نہ کسی طرح جہاد میں شرکت اور شمولیت کی کوشش کرے۔

ایک مسئلہ

تفسیر ماجدی میں ہے:

فقہاء نے اِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب جہاد واجب ہو جائے تو امیر جہاد اور لشکریوں کے فاسق ہونے کے باوجود بھی واجب رہتا ہے فان قيل هل يجوز الجهاد مع الفساق قيل له ان كل احد من المجاهدين فانما يقوم بغرض نفسه فجائز له ان يجاهد الكفار وان كان امير الجيش وجنوده فساقاً (جصاص)

ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ

جہاد سے آخرت کی فلاح تو ظاہراً اور یقینی ہے، یعنی وہاں کا اجر و قرب، باقی دنیا کی فلاح بھی اکثر حاصل ہو ہی جاتی ہے مثلاً فتح و عزت اور مال غنیمت وغیرہ۔ (تفسیر ماجدی)

امام رازیؒ لکھتے ہیں اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (اگر تم جانتے ہو) اس لئے فرمایا گیا کہ جہاد کے فوائد اور اسکی خیریں بغیر غور و فکر کے سمجھ نہیں آتیں اسکو تو صرف وہی ایمان والا سمجھ سکتا ہے جو قیامت کو بالکل حق مانتا ہو اور آخرت کی جزا سزا کا یقین رکھتا ہو ولذلك قال تعالى ان كنتم تعلمون لان ما يحصل من الخيرات في الآخرة على الجهاد لا يدرك الا بالتأمل ولا يعرفه الا المؤمن الذي عرف بالدليل ان القول بالقيامة حق وان القول بالثواب والعقاب حق وصدق (تفسیر کبیر)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُ ۲۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَاتَّبَعُوكَ وَلَكِنْ

اگر مال نزدیک ہوتا اور سفر ہلکا ہوتا تو وہ ضرور تیرے ساتھ ہوتے لیکن

بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا خُرْجًا

انہیں مسافت لمبی نظر آئی اور اب اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم سے ہو سکتا تو ہم تمہارے ساتھ

مَعَكُمْ يَهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ

ضرور چلتے اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں

خلاصہ

وہ منافقین جو غزوہ تبوک سے رہ گئے تھے اسکی وجہ ان کی ”حُبِ دنیا“ تھی وہ دنیا ہی کو اپنا مقصود بنائے ہوئے تھے اور آخرت ان کے نزدیک کچھ نہیں تھی کہ اس کی خاطر کوئی مشقت برداشت کرتے یا قربانی دیتے، وہ دنیا ہی کی خاطر ظاہری طور پر مسلمان بنے ہوئے تھے پھر جب انہیں غزوہ تبوک کے لئے بلایا گیا تو انہیں اس میں دنیا کا کوئی فائدہ نظر نہ آیا بلکہ نقصان محسوس ہوا اس لئے کہ سفر بہت لمبا اور پر مشقت تھا اور مال غنیمت ملنے کی کوئی امید ان کو تھی نہیں کیونکہ وہ رومیوں کو بہت طاقتور اور ناقابل شکست سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے جانے سے انکار کر دیا اگر انہیں مال غنیمت ملنے کا یقین ہوتا اور سفر بھی قریب کا ہوتا تو وہ ضرور شریک ہو جاتے تاکہ نفاق بھی چھپا رہے اور دنیا بھی ہاتھ آئے۔ ان لوگوں کا یہ گمان تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء اس سفر سے واپس نہیں آئیں گے مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے غالب و منصور واپس تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی سلطنتوں پر اسلام کی دھاک بٹھلا دی تو منافق بہت رسوا ہوئے تو فرمایا جارہا ہے کہ جب آپ واپس تشریف لائیں گے تو یہ منافق آپ کے پاس آکر قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہماری استطاعت ہوتی تو ہم آپ کے ساتھ ضرور جاتے یہ لوگ خود کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ یہ جھوٹی قسمیں کھا رہے ہیں ان کے پاس استطاعت تھی مگر یہ اپنے نفاق کی وجہ سے نہیں نکلے۔

آیت کا موضوع

۱ حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں :

جو لوگ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور اعلان جہاد کے بعد گھر سے نکلنے سے گھبراتے ہیں وہ اپنے نفسوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

یعنی آیت کا موضوع یہ ہے کہ ترک جہاد میں ہلاکت ہے

۲۱ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

لمارجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غزوة تبوک اظهر الله نفاق قوم
یعنی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو اللہ پاک نے ایک قوم کے نفاق کو ظاہر
فرمادیا۔ (قرطبی)

یعنی آیت مبارکہ میں منافقین کے لئے سخت وعید ہے اور ان کے حالات و نظریات کو بیان کیا گیا ہے صاحب
انوار البیان لکھتے ہیں:

اس کے بعد ان منافقین کا حال بیان فرمایا جنہوں نے مجاہدین کے ساتھ جانا منظور نہیں کیا تھا ان کے بارے میں
فرمایا کہ یہ لوگ طالب دنیا ہیں اگر ان کو معلوم ہوتا کہ جلدی ہی سے کوئی دنیاوی سامان مل جائے گا یا سفر ہی ایسا ہوتا کہ
اسے مشقت کے بغیر برداشت کر لیتے تو آپ کے ساتھ ہو لیتے اس ساتھ لگنے میں ان کے اسلام کے ظاہری دعویٰ
کا بھرم رہ جاتا اور جن دنیاوی منافع کے لئے انہوں نے ظاہراً اسلام قبول کیا ہے ان کے منافع کی امید بدستور قائم
رہتی لیکن سفر کے بارے میں جو انہوں نے غور کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ یہ تو سفر بہت لمبا ہے اور سخت تکلیف دہ ہے لہذا
ان کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا اور انہوں نے ہمراہ نہ جانے ہی کو اپنے لئے پسند کیا اور ساتھ نہ گئے۔ منافقین تھوڑی
بہت تکلیف تو جھیل جاتے تھے لیکن جب زیادہ تکلیف کا موقع آتا تھا تو ان کا نفاق کھل جاتا تھا۔ (انوار البیان)

۲۲ تفسیر الفرقان میں ہے:

اب تک گذشتہ آیات میں ان مشکلات کو بیان کیا گیا تھا جو جہاد فی سبیل اللہ شروع ہونے سے قبل لوگوں کے لئے
رکاوٹ کا باعث بن جاتی ہیں اب ان امور پر بحث ہوتی ہے جو جنگ شروع ہونے کے بعد رونما ہوتے ہیں۔
(تفسیر الفرقان)

منافقین رومی عیسائیوں کی طاقت سے مرعوب تھے

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

فكانوا كالأيسين من الفوز بالغنيمة، بسبب انهم كانوا يستعظمون غزو الروم فلهذا السبب
تخلفوا۔

یعنی منافقین مال غنیمت ملنے سے گویا کہ بالکل مایوس تھے کیونکہ وہ رومیوں کو بڑی طاقت سمجھتے تھے اسی وجہ سے وہ
جہاد سے رہ گئے۔ (تفسیر کبیر)

منافقین کا یہ خاص مرض ہے کہ وہ ہمیشہ کافروں کی طاقت سے مرعوب رہتے ہیں اور اللہ پاک کی طاقت اور نصرت

پران کی نگاہ نہیں جاتی۔

غزوہ تبوک کے نام

اہل سیر نے غزوہ تبوک کے کئی نام لکھے ہیں ان میں سے ایک نام ”غزوہ فاضحہ“ بھی ہے سیرت حلبیہ کے مصنف لکھتے ہیں: اس غزوہ کو غزوہ عسیرہ بھی کہا جاتا ہے (مسلمانوں کی تنگدستی اور اسباب کی کمی کی وجہ سے) نیز اس کو غزوہ فاضحہ بھی کہا جاتا ہے فاضحہ کے معنی ہیں پول کھولنے والا اور فضیضہ (رسوا) کرنے والا کیونکہ اس غزوہ میں بہت سے منافقوں کے نفاق کا پول کھل گیا (جواب تک اپنے نفاق کو چھپائے ہوئے تھے اور اندر اندر مسلمانوں کے خلاف کاروائیاں کرتے رہتے تھے) (سیرت حلبیہ مترجم)

اس آیت مبارکہ سے منافقین کی فضیحت کا بیان شروع ہوتا ہے اور یہی سورۃ براۃ کا سب سے بڑا موضوع ہے۔

ایک در دھری عبارت

”تمام عیسائی دنیا مسلمانوں کو برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے ہر طرف سے ان پر حملے ہو رہے ہیں ان کے ملکوں پر غیروں کا قبضہ ہو رہا ہے مگر آہ ثم آہ (نام کے) مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ اس سخت ترین مصیبت کے وقت مدافعت کے فرض سے الگ رہنے کی فکر میں ہیں، وہ اول تو یہ چاہتے ہیں کہ انہیں اس بات کا یقین دلایا جائے کہ اس جنگ میں کامیابی قطعی (یعنی یقینی) ہے وہ انجام کی فکر میں ہیں اور بغیر اس نتیجہ کے معلوم کئے آگے بڑھنا خلاف عقل سمجھتے ہیں دوسرے انکی دلی آرزو یہ ہے کہ سفر بھی دور دراز کا نہ ہو کسی قسم کی تکلیف بھی نہ اٹھانی پڑے اور مقصد بھی حاصل ہو جائے ظاہر ہے یہ دونوں باتیں بیکار ہیں اور یہ انہیں کو سمجھتی ہیں جن کے دل ملک اور قوم کی ہمدردی سے خالی ہوں اور صرف زبانی باتوں سے مسلمانوں کو خوش کرنا چاہتے ہوں، بلکہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ضرور اس موقع پر مدد کرے مگر حق یہ ہے کہ انہیں اپنے آپ کو جنگ سے مستثنیٰ کرنے کا کوئی حق نہ تھا ان کا فرض تیاری کرنا تھا چونکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا اس لئے انہیں ضرور سزا ملے گی اور ان حرکتوں سے وہ اسلام کو تو نقصان پہنچانے سے رہے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالیں گے۔“ (تفسیر الفرقان)

ہلاکت کے تین اسباب

ارشاد فرمایا کہ یہ منافقین خود کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں **يَهْكُوكُنْ اَنْفُسَهُمْ** مفسرین نے اس ہلاکت کے تین اسباب لکھے ہیں ① نفاق ② فرض جہاد میں نہ جانا ③ جھوٹی قسمیں کھانا۔

اور ان بد نصیب لوگوں میں یہ تینوں اسباب جمع ہو چکے تھے حالانکہ ان میں سے ایک بھی ہلاکت کے لئے کافی ہے، علامہ ابو حیان لکھتے ہیں:

والمعنى: انهم يوقعون هافى الهلاك، بحلفهم الكاذب وما يحلفون عليه من التخلف (البحر المحیط)

اور علامہ قرطبی لکھتے ہیں: **يَهْكُوكُنْ اَنْفُسَهُمْ** ای بالكذب والنفاق (قرطبی) ☆☆☆

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَثَلًا نَسِيحًا آیت ۲۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ

اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا تم نے انہیں کیوں رخصت دی یہاں تک کہ تیرے لئے

صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ﴿۲۳﴾

سچے ظاہر ہو جاتے اور تو جھوٹوں کو جان لیتا

خلاصہ

منافقین نے طے کر لیا تھا کہ وہ غزوہ تبوک میں نہیں جائیں گے مگر پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جہاد سے چھٹی کی اجازت لینے آرہے تھے اور طرح طرح کے بہانے بنا رہے تھے ان کا خیال یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹی دے دی تو نفاق چھپا رہے گا اور گھر رہنے کا موقع بھی مل جائے گا اور اگر چھٹی نہ دی تب بھی ہم گھر بیٹھے رہیں گے اور جہاد میں نہیں جائیں گے پھر وہ اپنے بہانے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گھر بیٹھنے کی اجازت دے دی جس پر فرمایا گیا کہ اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف فرما دیا ہے آپ ان کو اجازت نہ دیتے تو زیادہ اچھا ہوتا اور ان کا نفاق آپ کے سامنے آ جاتا اور سب کے سامنے بھی بالکل کھل جاتا۔

ایک جامع عبارت

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے اس کا بہترین نچوڑ درج ذیل عبارت میں آگیا ہے۔

”منافقین جھوٹے عذر کر کے جب مدینہ میں ٹھہرے رہنے کی اجازت طلب کرتے تو آپ ان کے مکر اور نفاق سے چشم پوشی کر کے اور یہ سمجھ کر کہ ان کے ساتھ چلنے میں فساد کے سوا کوئی بہتری نہیں، اجازت دے دیتے تھے اس پر فرمایا کہ اگر آپ اجازت نہ دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا کیونکہ اس وقت ظاہر ہو جاتا کہ انہوں نے اپنے نہ جانے کو آپ کی اجازت پر موقوف نہیں رکھا ہے۔ جہاد میں جانے کی توفیق تو انہیں کسی حال میں نہ ہوتی، البتہ اجازت نہ دینے کی صورت میں ان کا جھوٹ بچ آپ کے سامنے کھل جاتا، پس اجازت دینا کوئی گناہ نہ تھا، البتہ نہ دینا موجودہ حالات کے اعتبار سے زیادہ موزوں تھا، چنانچہ اس افضل صورت کے ترک کی وجہ سے خطاب کو ”عَفَا اللَّهُ عَنْكَ“ سے شروع فرمایا، عفو کا لفظ ضروری نہیں گناہ ہی کے مقابلہ میں ہو نیز بعض محققین نے ”عَفَا اللَّهُ عَنْكَ“ کے جملے کو کلام کے شروع میں محض دعا اور تعظیم کے طور پر لیا ہے جیسا کہ عرب کے محاورات میں عام تھا مگر سلف سے وہ ہی منقول ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا اور لفظ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ اسکی تائید کرتا ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی تسہیل)

تفسیر ماجدی میں ہے:

لَمْ أَذْنَبْتَ لَهُمْ: اجازت سے مراد جنگ میں نہ شریک ہونا اور وطن میں رہ جانے کی اجازت ہے، یہ اجازت دے دینا کوئی معصیت (یعنی گناہ والی بات) نہ تھی البتہ حالات وقت کے لحاظ سے اجازت نہ دینا بہتر تھا حَقًّا اللہُ عَذَابُكَ لَفْظِ غَفْوِ سے گناہ کا سرزد ہو چکنا لازم نہیں آتا، جس طرح گناہ اور جرم غفو (یعنی معاف) کئے جاتے ہیں اسی طرح معافی خلاف احتیاط اور خلاف اولیٰ کارروائیوں پر بھی ملتی ہے۔ (تفسیر ماجدی)

اصل غصہ منافقین پر ہے

آیت مبارکہ پر غور کیا جائے تو صاف پتا چلتا ہے کہ اصل غصہ منافقین پر ہے بس اس غصے اور عتاب کے دوران اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لطف و محبت کے ساتھ فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں کو اجازت دے کر ان کو تھوڑی دیر کا اطمینان اور پردہ بھی نہیں دینا چاہیے تھا، صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں

آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت ملتے ہی ان لوگوں کو جو گو نہ بے فکری ہو گئی یہ نہ ہوتی (یعنی ان کو جو ایک طرح کا اطمینان ہو گیا کہ ہم تو اجازت سے گھر بیٹھے ہیں یہ بھی نہ نصیب ہوتا) بلکہ اگر آپ کے بغیر اجازت یہ رہ جاتے تو انکی خباثت اور زیادہ کھل کر رہتی۔ (تفسیر ماجدی)

پہلے معافی پھر تنبیہ

مفسر ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

عن عون قال: هل سمعتم بمعاتبه احسن من هذا؟ نداء بالغفو قبل المعاتبه فقال حَقًّا اللہُ عَذَابُكَ لَمْ أَذْنَبْتَ لَهُمْ

حضرت عون فرماتے ہیں کیا تم نے تنبیہ کرنے کا اس سے زیادہ پیارا انداز دیکھا ہے کہ معافی کا اعلان پہلے اور تنبیہ بعد میں چنانچہ فرمایا: اللہ پاک نے آپ کو معاف فرما دیا ہے آپ نے ان کو اجازت کیوں دی۔ (تفسیر ابن کثیر)

منافقین کا طریقہ

قال مجاهد: نزلت هذه الآية في أناس قالوا: استأذنوا رسول الله صلى الله عليه وسلم فان أذن لكم فاقعدوا وان لم يأذن لكم فاقعدوا

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر بیٹھنے کی اجازت مانگو اگر اجازت دے دیں تب بھی بیٹھ جاؤ اور اجازت نہ دیں تب بھی بیٹھ رہو۔

(تفسیر ابن کثیر)

★★★

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكْنَسِيَةً آيَةُ ۲۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَا يَسْتَاذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں وہ تم سے رخصت نہیں مانگتے اس سے کہ

يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝

اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں اور اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کو خوب جانتا ہے

خلاصہ

جہاد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، جہاد آخرت میں کامیابی دلوانے والا عظیم عمل ہے اور جہاد تقویٰ کی علامت ہے اسی لئے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کو مانتے ہیں وہ جہاد کے موقع پر گھر بیٹھنے کی اجازت ہرگز نہیں مانگتے بلکہ خوب بڑھ چڑھ کر اپنی جان اور مال سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے متقی لوگوں کو خوب جانتا ہے وہ انہیں بڑے اجر سے نوازے گا۔

اقوال و حوالے

مؤمن اور منافق کا فرق

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مقصد ایمان والوں اور منافقوں کا فرق بتانا ہے کہ مؤمن تو جہاد کا اعلان ہونے کے بعد خوب بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیتے ہیں اور تھوڑا سا بھی توقف نہیں کرتے جبکہ منافقین سوچ میں پڑ جاتے ہیں اور طرح طرح کے بہانے اور عذر تراش کر خود کو جہاد سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

والمقصود من هذا الكلام تمييز المؤمنين عن المنافقين فان المؤمنين متى أمروا بالخروج الى الجهاد تبادروا اليه ولم يتوقفوا و المنافقون يتوقفون و يتبدلون و يأتون بالعلل والاعذار (تفسیر کبیر)

صحابہ کرامؓ کا طرز عمل

”ایمان والوں کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ وہ آپ سے جہاد کے موقع پر رخصت مانگیں مخلص مہاجرین و انصار تو فرمایا کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی رخصت نہیں مانگیں گے بلکہ ہم لازماً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر اپنی جان و مال سے جہاد کریں گے“

لیس من عادة المؤمنین ان یستأذنوک فی ان یجاهدوا وکان الخلف من المهاجرین و الانصار یقولون: لانستأذن النبی أبداً ولنجاهدن أبداً معه بأموالنا وانفسنا (کشاف)

جہاد ایمان کا تقاضا ہے

اس آیت مبارکہ کو غور سے دیکھیں اللہ پاک نے ایمان والوں کی یہ نشانی بتائی ہے کہ وہ جہاد سے چھٹی نہیں مانگتے بلکہ بڑھ چڑھ کر جہاد میں شریک ہوتے ہیں پس معلوم ہوا کہ جس آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان ہوگا وہ جہاد میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لے گا۔
مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں:

لانهم یرون الجہاد قرۃ ولما ندبهم الیہ بادروا وامتلوا
یعنی ایمان والے تو جہاد کو قرۃ (یعنی اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ) سمجھتے ہیں چنانچہ جب ان کو بلایا جاتا ہے تو وہ تیزی سے اس کی طرف دوڑتے ہیں اور حکم جہاد کو پورا کرتے ہیں (تفسیر ابن کثیر)
اب اس آیت پر حضرات صحابہ کرام کا عمل دیکھیں تو ان کی یہ تین حالتیں سامنے آتی ہیں۔
① وہ فوراً جہاد کے لئے دوڑ پڑتے تھے اور اس بات سے ڈرتے تھے کہ ان کو روک نہ لیا جائے۔

② اگر ان میں سے کسی کو روک لیا جاتا تھا تو اس پر گھر بیٹھنا شاق گذرتا تھا جس طرح کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روکا گیا تو وہ فرمانے لگے یا رسول اللہ کیا مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ گھر بیٹھا جا رہا ہے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی امام رازی لکھتے ہیں: وکانوا بحیث لو امرهم الرسول بالعود لشق علیہم ذالک الا ترى ان علی بن ابی طالب لما امرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بأن یبقی فی المدینہ شق علیہ ذلک ولم یرض الی ان قال له الرسول انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ (تفسیر کبیر)

③ اور جو لوگ کسی واقعی عذر کی وجہ سے نہ جاپاتے تھے وہ سخت غمگین اور پریشان ہوتے تھے اور انکی آنکھیں غم کے آنسو بہاتی تھیں جیسا کہ آگے چل کر سورۃ توبہ ہی میں آرہا ہے
تَوَلَّوْا قِ آَعِدْتُهُمْ تَقِیْضُ مِنَ الدَّامِ حَزَنًا
(التوبہ ۹۲)

چند دلکش عبارتیں

① بلکہ یہ صاحب ایمان لوگ جہاد سے جی چرانا کیسا، التامیل حکم الہی کے لئے اور دوڑیں گے، مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مومن جب خبر کو سنتا ہے تو بلاتا مل اس کی طرف دوڑتا ہے اور یہ حالت شوق سے پیدا ہوتی ہے تو اس میں شوق کا اثبات ہوا۔ (تفسیر ماجدی)
② ایماندار تو جہاد سے جی نہیں چراتے (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

۳ (اس آیت میں) ایک قاعدہ کلیہ بتا دیا گیا کہ اگر باب ایمان کبھی استثناء کی درخواست نہ کریں گے بلکہ ان کی تو ہمیشہ یہ آرزورہتی ہے کہ وہ اپنی ہر چیز اللہ کے نام پر قربان کر دیں إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ میری ہر قسم کی عبادت، زندگی اور موت سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ (تفسیر الفرقان)

۴ اور جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارہ میں اس میں شریک نہ ہونے کی کبھی آپ سے رخصت (یعنی اجازت) نہ مانگیں گے بلکہ وہ حکم کیساتھ دوڑ پڑیں گے اور اللہ تعالیٰ ان متقیوں کو خوب جانتا ہے ان کو اجر و ثواب دے گا۔ (بیان القرآن)

جہاد کے متقی ہونے کی قرآنی شہادت

آیت کے آخر میں فرمایا: وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ کہ اللہ پاک متقی لوگوں کو خوب جانتا ہے، مفسرین فرماتے ہیں کہ اس میں دو باتوں کا خاص طور پر بیان ہے ایک یہ کہ جو لوگ جہاد کرتے ہیں وہ متقی ہیں اور دوسرا یہ کہ اللہ پاک ان سے اجر کا وعدہ فرما رہا ہے۔

وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ شہادۃ لہم بالانتظام فی زمرۃ المتقین وعدۃ لہم بأجل الثواب یعنی اس جملے میں ان کو متقیوں کے زمرے میں شامل کرنے کی شہادت ہے اور ان کے ساتھ بڑے اجر کا وعدہ ہے۔ (کشاف، البحر المحیط)

آخری جملے میں ان لوگوں کے متقی ہونے کی شہادت اور (درپردہ) ثواب کا وعدہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

نکتہ

امام ابو حیانؒ لکھتے ہیں: ”مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جب جہاد کا اعلان ہوتا ہے تو ایمان والے لوگ آپ سے کوئی اجازت نہیں مانگتے نہ گھر بیٹھنے کی اور نہ جہاد میں نکلنے کی، بلکہ وہ فو اُنکل کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ ایسے وقت میں اجازت مانگنا نفاق کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

وقیل: التقدير لا يستأذنك المومنون في الخروج ولا القعود، كراهة ان يجاهدوا بل اذا امرت بشيء ابتدوا اليه وكان الاستئذان في ذلك الوقت علامة على النفاق۔ (البحر المحیط)
امام قرطبیؒ نے بھی اسی تفسیر کو اختیار فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے تفسیر قرطبی۔

مومن تو جہاد کے انتظار میں رہتا ہے

علامہ آلوسیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں وہ حدیث شریف بیان کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن تو ہر وقت جہاد کے انتظار میں رہتا ہے کہ کب اعلان ہو اور وہ اڑ کر جا پہنچے اور وہ اللہ تعالیٰ کے راستے کی موت کا طلبگار ہوتا

★★★

ہے۔ (روح المعانی)

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكْنِيَّةٌ آیت ۲۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

تم سے رخصت وہی مانگتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں

الْآخِرَةِ أَرْتَابَتِ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ﴿۲۵﴾

رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شک میں بھٹک رہے ہیں

خلاصہ

جہاد سے علیحدہ رہنے کی اجازت لینا ان لوگوں کا شیوہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے وعدوں پر یقین نہیں ہے اور نہ وہ آخرت کی زندگی کو مانتے ہیں اور اسلام کے بارے میں اور اسلام اور مسلمانوں کے غالب آنے کے (الہی) وعدوں کے بارے میں ہمیشہ شک و شبہ میں گرفتار رہتے ہیں۔ (عثمانی، تسہیل)

منکرین جہاد در اصل خفیہ دشمنان اسلام ہیں

”یہاں سے نہایت ہی تفصیل کے ساتھ ان لوگوں کی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں جو بظاہر تو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور باطن (یعنی اندر سے) اس کی بیخ کنی (یعنی جڑیں کاٹنے) کی فکر میں رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان حالات کو پڑھ کر اپنے گریبان میں منہ ڈالیں جنگ سے بھاگنے کی صرف وہی شخص کوشش کرے گا جس کا دل ایمان سے خالی ہو، جسے ہر وقت یہ کھکا لگا ہوا ہو کہ مسلمانوں کا پابند مذہب بن کر ترقی کرنا ممکن نہیں اور اسی شک کی وجہ سے وہ خود حیران و سرگردان پھرتا ہو کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔“ (تفسیر الفرقان)

شک میں پھنسے لوگ

”جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت کے طلبگار تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں سو وہ اپنے شکوک میں پڑے ہوئے حیران ہیں، کبھی جہاد میں ساتھ جانے کا ارادہ کر لیتے ہیں تاکہ اگر مسلمانوں کو کامیابی ہو جائے تو مسلمانوں کی طرف سے ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور کبھی شریک نہیں ہونا چاہتے۔“ (تفسیر مظہری)

ایمان جہاد میں لے جاتا ہے اور بے ایمانی جہاد سے روکتی ہے

علامہ آلوسی اور بعض دیگر مفسرین نے یہ عجیب نکتہ لکھا ہے کہ ان دونوں آیات میں ایمان کا تذکرہ ہے، پچھلی آیات

میں تھا کہ ایمان والے جہاد سے چھٹی اور رخصت نہیں مانگتے اور اس آیت میں ہے کہ بے ایمان لوگ جہاد میں نہیں جاتے بلکہ نہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جہاد پر کھڑا کرنے والی چیز ایمان ہے اور جہاد سے روکنے والی چیز بے ایمانی (ایمان نہ ہونا) ہے۔ پس جو ایمان رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور توحید کی خاطر جہاد کرتا ہے اور اس کے لئے جہاد میں قتل ہونا آسان ہوتا ہے کیونکہ وہ آخرت کی ہمیشہ والی نعمتوں کا امیدوار ہوتا ہے اور جو ایمان نہیں رکھتا وہ جہاد میں نہیں جاتا کیونکہ اسے آخرت کے ثواب کی کوئی امید نہیں ہوتی۔

تخصیص الايمان بهما في الموضعين للايدان بان الباعث على الجهاد والمانع عنه الايمان بهما وعدم الايمان بهما فمن آمن بهما قاتل في سبيل دينه وتوحيدِه وهان عليه القتل فيه لما يرجوه في اليوم الآخر من النعيم المقيم ومن لم يؤمن بمعزل عن ذلك على ان الايمان بهما مستلزم للايمان بسائر ما يجب الايمان به (روح المعاني)

شک سے کیا مراد ہے؟

”نہ ایمان کا قصد (یعنی پکا ارادہ) کرتے ہیں اور نہ امت اسلامیہ کے دائرہ سے اپنے کو نکالتے ہی ان سے بن پڑتا ہے (یعنی خود کو مسلمان کہلوانا چاہتے ہیں مگر پورا مسلمان نہیں بننا چاہتے)“
يَكُونُ دُونَ تردد کے معنی ہیں حیران و سرگرداں ہونا، دل کا آگاہی کرنا، دودلے ہوتے رہنا واقعی منافقین کا یہی حال رہا کرتا ہے (ہے) اور ان کا دل الٹا پلٹا ہوتا رہتا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

منافق مزاج لوگ

ہاں منافق مزاج (لوگ) حیلے بہانے (کر کے جہاد) سے بچنا چاہتے ہیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)

انتالیس افراد

ویسے تو یہ آیت مبارکہ عمومی طور پر ایک پورے نفاق زدہ طبقے کی حالت بیان فرماتی ہے مگر ابتدائی طور پر یہ جن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق یہ انتالیس افراد تھے جن کو کوئی عذر نہیں تھا مگر انہوں نے جہاد سے چھٹی مانگ لی۔

والآية نزلت كما روى عن ابن عباس رضي الله عنهما في المنافقين حين استأذنوا في القعود عن الجهاد بغير عذر وكانوا على ما في بعض الروايات تسعة وثلاثين رجلاً. (روح المعاني)
امام نسفیؒ لکھتے ہیں: وكانوا تسعة وثلاثين رجلاً (المدارك) یعنی یہ انتالیس مرد تھے۔

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُهَا ٢٦

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ

اور اگر وہ نکلنا چاہتے تو اس کے لئے کوئی سامان ضرور تیار کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا اٹھنا پسند نہ کیا

اَنْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿٣٦﴾

سو انہیں روک دیا اور حکم ہوا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو

خلاصہ

منافقین دراصل جہاد میں نکلنا ہی نہیں چاہتے، ان کے دل میں نکلنے کا ارادہ ہی نہیں ہوتا، اس لئے ان کی یہ بات غلط ہے کہ ہم تو نکلنا چاہتے تھے مگر چونکہ فلاں فلاں عذر پیش آ گئے۔ ان لوگوں نے اگر نکلنے کا ارادہ کیا ہوتا تو اس کی تیاری کرتے، جہاد کا سامان برابر کرتے اور دل میں جہاد کا شوق اور نیت زندہ کرتے مگر انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا معلوم ہوا کہ یہ لوگ جہاد میں جانا ہی نہیں چاہتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے نفاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے جہاد میں نکلنے کو پسند ہی نہیں فرماتا..... اللہ تعالیٰ ان کو جہاد کی عزت نہیں دینا چاہتا اس لئے اس نے ان کو ست کر دیا اور معذروں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ گھر بٹھا دیا۔

یہ بے ایمان لوگ جہاد کے مبارک سفر کے قابل ہی نہیں

”کوئی ناگہانی چیز ان کو سفر جہاد سے مانع نہیں، بلکہ ان لوگوں نے جہاد کا خیال کر کے کبھی تیاری کا ارادہ ہی نہیں کیا اور ایسے بے ایمانوں کو خدا تعالیٰ بھی اس مبارک سفر پر لے جانا نہیں چاہتا۔“ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

آج کل کے دانشور

جہاد پر اعتراضات کرنے والے آج کل کے نام نہاد دانشوروں کی حالت بھی یہی ہے وہ کبھی بھی جہاد میں نہیں جانا چاہتے انہوں نے خود کو دنیا میں بری طرح سے پھنسا لیا ہے مگر یہ لوگ اپنی بزدلی چھپانے کے لئے جہاد پر اعتراضات کرتے ہیں کہ فلاں جگہ کا جہاد غیر شرعی ہے کیونکہ جہاد تو حکومت کا کام ہے اور حکومت اس جہاد میں ساتھ نہیں ہے اور فلاں جگہ کا جہاد غیر شرعی ہے کیونکہ وہ سرکاری جہاد ہے حکومت کی ایجنسیاں وہاں تعاون کر رہی ہیں۔ ایسے لوگوں سے یہی پوچھا جائے کہ اگر کہیں آپ کی شرائط کے مطابق شرعی جہاد شروع ہو جائے تو اس کے لئے آپ نے کیا تیاری کی ہوئی ہے؟ اور کیا آپ کے دل میں جہاد کرنے کی کوئی نیت ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ جہاد کو سراسر اپنی زندگیوں سے نکال چکے ہیں، اللہ پاک سب مسلمانوں پر رحم فرمائے۔

”عَدَّة“ کے معنی

آیت میں فرمایا گیا کہ اگر ان لوگوں کا جہاد میں نکلنے کا ارادہ ہوتا تو یہ ”عَدَّة“، یعنی کچھ تیاری کرتے، اس تیاری سے کیا مراد ہے؟ امام ابو حیان نے کئی اقوال ذکر فرمائے ہیں:

۱ قال ابن عباس عَدَّة من الزاد والماء والراحلة

یعنی سفر کا توشہ، پانی اور سواری تیار کرتے

۲ عن ابن عباس العَدَّة النية الخالصة في الجهاد

یعنی عَدَّة کا مطلب جہاد کی خالص نیت ہے کہ یہ لوگ اگر نکلنا چاہتے تو جہاد کی خالص نیت کرتے

۳ وحكى الطبري كل ما يعد للقتال من الزاد والسلاح

یعنی عَدَّة سے مراد ہے جنگ میں کام آنے والی تمام چیزیں توشہ اسلحہ وغیرہ۔ (البحر المحیط)

اُس زمانے میں تقریباً سب لوگ تلوار چلانا اور گھوڑا بھگانا جانتے تھے اور یہی چیزیں جنگ میں کام آتی تھیں مگر اُس زمانے میں جس اسلحے سے جہاد ہوتا ہے وہ لوگوں کے عام استعمال کی چیز نہیں ہے اس لئے اسلحہ چلانے کی تربیت بھی ”عَدَّة“ میں شامل ہوگی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جہاد کی تیاری فرض ہے

”اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان لوگوں کا ارادہ جنگ کے لئے نکلنے کا تھا اور معذور ہونے کے باعث رہ گئے تو یہ خیال بھی غلط ہے، اس لئے کہ تیاری کرنا ان کا فرض تھا، اس کے بعد اگر کوئی دقت پیش آ جاتی تو یہ امام کا کام تھا کہ ان کو مستثنیٰ کر دیتا، یہ خود اپنے آپ کو مستثنیٰ کرنے والے کون تھے، یہ لوگ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں، اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان نااہلوں کو جہاد کی عزت سے محروم رکھنا چاہتا تھا، اس لئے سستی اور کاہلی کا شکار بن گئے اور شرکت سے محروم رہے۔“ (تفسیر الفرقان)

”ان کا ارادہ ہی گھر سے نکلنے کا نہیں، ورنہ اس کا کچھ تو سامان کرتے، حکم جہاد سنتے ہی جھوٹے عذر نہ لے دوڑتے، واقعہ یہ ہے کہ خدا نے ان کی شرکت کو پسند ہی نہیں کیا، یہ جاتے تو وہاں فتنے اٹھاتے، نہ جانے کی صورت میں انہیں پتہ لگ جائے گا کہ مومنین کو خدا کے فضل سے ایک ننگے کے برابر ان کی پروا نہیں، اسی لئے خدا نے صفوفِ مجاہدین میں شامل ہونے سے روک دیا، اس طرح کہ رکنے کا وبال انہی کے سر پر ہے گویا ان کو تنگوینا کہہ دیا گیا کہ جاؤ، عورتوں، بچوں اور اپانچ آدمیوں کے ساتھ گھر میں گھس کر بیٹھ رہو اور پیغمبر علیہ السلام نے ان کے اعذار کا ذبہ کے جواب میں جو گھر بیٹھے رہنے کی اجازت دے دی، یہ بھی ایک طرح خدا ہی کا فرما دینا ہے اس لئے تنگوینا کی قید بھی ضروری نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بیٹھے رہو، بیٹھے رہو

آیت کے آخری حصے میں فرمایا گیا وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَوْدِينَ کہ ان سے کہا گیا کہ گھر بیٹھے ہوئے

معدوروں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ یہ عجیب جملہ ہے جو ان کی ذلت اور محرومی کو بیان کرتا ہے، بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ بیٹھے رہو، بیٹھے رہو۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹے بہانے گھڑ کر اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا بیٹھے رہو۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا تکوینی حکم تھا کہ بیٹھے رہو، یعنی جس وقت ایمان والے مسلمان جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور وہ جنت کی طرف دوڑ رہے تھے اور ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر جان و مال پیش کر رہا تھا تو بد نصیب منافقوں کے اندر اور باہر ہر طرف سے ایک ہی آواز آرہی تھی کہ بیٹھے رہو بیٹھے رہو، یعنی اس عظیم الشان نعمت سے محروم رہو۔ اللہ پاک ایسی ذلت ناک صورتحال سے ہم سب مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ جہاد کے موقع پر بلا عذر گھر بیٹھے رہنا ایک بڑی ذلت ہے گویا کہ ان سے کہا جا رہا ہے کہ بیٹھے رہو یعنی ذلت میں پڑے رہو۔

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

هو ذم لهم و إلحاق بالنساء والصبيان والذمنى الذين شانهم القعود فى البيوت (المدارك)

آیت مبارکہ دعوتِ فکر دیتی ہے

- ۱۔ نہ جہاد کی نیت، نہ جہاد کی تربیت، نہ جہاد کی تیاری، نہ جہاد کا شوق اور باتیں اونچی اونچی، کیا یہ کسی مسلمان کا طریقہ ہو سکتا ہے؟ آیت مبارکہ میں غور فرمائیں.....
- ۲۔ کچھ لوگوں نے خود کو جہاد اور مجاہدین سے بالاتر سمجھ رکھا ہے اور کسی حال میں بھی وہ جہاد میں نہیں نکلتا چاہتے، کیا یہ ایمان والوں کا طریقہ ہو سکتا ہے؟ آیت مبارکہ میں غور فرمائیں.....
- ۳۔ رواں گئی غزوہ تبوک کے لئے تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرکز اسلام مدینہ منورہ کو چھوڑ کر جا رہے تھے، صحابہ کرام مسجد نبوی اور صفہ کی درس گاہ کو چھوڑ کر جا رہے تھے، تعلیم و تربیت اور اصلاح نفس سمیت دین کا ہر کام مدینہ منورہ میں یہ حضرات کرتے تھے مگر اب یہ سارے حضرات جنگ کے لئے جا رہے تھے، یہ حضرات کس جہاد میں جا رہے تھے؟ آیت مبارکہ میں واضح طور پر غزوہ تبوک کا بیان ہے جو ایک جنگی سفر تھا، ان حالات میں جو لوگ مدینہ منورہ کی پاک زمین پر رُک رہے ہیں ان کی برائی بیان ہو رہی ہے کہ یہ اللہ پاک کے پسندیدہ لوگ نہیں ہیں۔ آج کل جن چھوٹی چھوٹی چیزوں کی وجہ سے مسلمانوں نے جہاد کو اپنی زندگیوں سے نکالا ہوا ہے کیا ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہے؟ آیت مبارکہ میں غور فرمائیں۔

آیت مبارکہ کا پیغام

جہاد کی سچی نیت نہ ہو، جہاد کی ضروری تیاری نہ ہو اور پھر طرح طرح کے عذر، بہانے اور اعتراضات کر کے جہاد سے دور رہنا یہ اہل نفاق کا طریقہ ہے اللہ پاک ہم سب مسلمانوں کی نفاق سے حفاظت فرمائے۔

★★★

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آیت ۴۷

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَا أُوْضِعُوا لَكُمْ

اگر وہ تم میں نکلتے تو سوائے فساد کے اور کچھ نہ بڑھاتے اور تم میں فساد ڈالنے کی

يَبْغُوا لَكُمْ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَعَمُونَ لَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۴۷﴾

غرض سے دوڑے دوڑے پھرتے اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے

خلاصہ

ان منافقین کا مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نہ نکلنا مسلمانوں کے لئے اچھا ہی رہا کیونکہ یہ بزدل، دنیا پرست اور فتنہ باز لوگ اگر مسلمانوں کے ساتھ نکلتے تو بہت شر پھیلاتے، مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے، دشمنوں کی طاقت کے بارے میں افواہیں پھیلا کر مجاہدین کو خوفزدہ کرتے، اٹلی سیدھی باتیں کر کے لشکر میں بزدلی اور تفرقہ پھیلاتے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے خوب بھاگ دوڑ کرتے، ادھر مسلمانوں میں سے بعض افراد ایسے بھی ہیں جو پرانے تعلقات یا سادہ ولی کی وجہ سے ان کی باتیں سن لیتے ہیں اور ان کا اثر بھی لیتے ہیں اس لئے منافقین کے ساتھ نہ جانے میں مسلمانوں کے لئے بہت خیر ہوئی باقی یہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے اللہ پاک ان سب ظالموں کو خوب جانتا ہے وہ ان سے نمٹ لے گا۔

اقوال وحوالے

تکوینی طور پر اچھا ہوا

”مطلب یہ ہوا کہ ان منافقین کا لشکر اسلام کے ساتھ نہ جانا مصالح تکوینی کے اعتبار سے بھی اچھا ہی ہوا یہ ساتھ جاتے تو اس کے سوا کیا کرتے کہ لگائی بھائی کر کے آپس میں تفریق ڈالتے، جھوٹی خبریں اڑا کر پریشان کرتے اور دشمن کا خوف و رعب دلوں میں بٹھاتے۔ (تفسیر ماجدی)

خَبَالًا کے کئی معنی حضرات مفسرین نے بیان فرمائے ہیں اوپر کی عبارت میں ان سب کا لحاظ رکھا گیا ہے علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

خَبَالًا اِی شَرًّا وَفَسَادًا

یعنی خَبَالًا کے معنی ہیں شر و فساد کہ اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو شر و فساد ہی پھیلاتے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَجَزًا وَجَبْنَا

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ **خَبَالًا** کے معنی کمزوری اور بزدلی کے ہیں کہ اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ نکلتے تو تم میں کمزوری اور بزدلی پھیلاتے۔

وعن الضحاک غدرا و مکرا

اور حضرت ضحاکؒ کے نزدیک **خَبَالًا** کے معنی دھوکہ اور سازش کے ہیں کہ یہ تمہیں دھوکہ دیتے۔

یہ تمام اقوال لکھنے کے بعد صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

اصل الخبال كما قال الخازن: اضطراب ومرض يوتر في العقل كالجنون

کہ خبال کا اصل مطلب اضطراب پھیلا نا ہے اور دماغ خراب کرنا ہے..... (روح المعانی)

مطلب یہ ہوا کہ جہاد کے لئے جس قلبی اور ذہنی اطمینان اور باہمی اتفاق کی ضرورت ہوتی ہے یہ لوگ تمہیں اس سے محروم کر دیتے اور تمہارے اندر اضطراب پھیلا دیتے.....

یہ تمہاری ہمتیں کمزور کر دیتے

”یعنی اگر تمہارے ساتھ نکلتے تو اپنے جہن (یعنی بزدلی) اور نامردی کی وجہ سے دوسروں کی ہمتیں بھی سست کر دیتے اور آپس میں لگا بھا کر مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کی کوشش کرتے اور جھوٹی افواہیں اڑا کر ان کو دشمنوں سے ہیبت زدہ کرنا چاہتے۔ غرض ان کے وجود سے بھلائی میں تو کوئی اضافہ نہ ہوتا، ہاں برائی بڑھ جاتی اور فتنہ انگیزی کا زور ہوتا ان ہی وجوہ سے خدا نے ان کو جانے کی توفیق نہ بخشی **وَفِيكُمْ سَمْعُونَ لَهُمْ** یعنی اب بھی ان کے جاسوس یا بعض ایسے سادہ لوح افراد تم میں موجود ہیں جو ان کی بات سنتے اور تھوڑا بہت متاثر ہوتے ہیں (ابن کثیر) گو (یہ جاسوس) ویسا فتنہ فساد برپا نہیں کر سکتے جو ان شریروں کے وجود سے ہو سکتا تھا بلکہ ایک حیثیت سے ایسے جواسیس کا ہمراہ جانا مفید ہے کہ وہ پچشم خود (یعنی اپنی آنکھوں سے) مسلمانوں کی اولوالعزمی، بے جگری وغیرہ دیکھ کر ان سے نقل کریں گے تو ان کے دلوں پر بھی مسلمانوں کی ہیبت قائم ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

سماعون کون تھے؟

ارشاد فرمایا کہ تم میں کچھ لوگ ان کے ”سماع“ ہیں، مفسرین نے اس کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ تم میں سے کچھ لوگ جو مخلص مسلمان ہیں مگر سادہ مزاج ہیں وہ ان کی باتوں میں آ جاتے ہیں، چنانچہ اگر یہ منافق ساتھ ہوتے تو الٹی باتیں پھیلاتے اور یہ سادہ لوح مسلمان ان کی باتیں سن کر اثر لیتے اور یوں لشکر میں پھوٹ اور بزدلی پھیل جاتی۔ آیت کا یہ مطلب جمہور نے بیان فرمایا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے تفسیر ابن کثیر وغیرہ۔

جبکہ بعض مفسرین کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ ان میں سے بعض لوگ جاسوسی کے لئے تمہارے لشکر میں شامل ہو گئے ہیں تاکہ تمہاری باتیں سن کر واپسی پر اپنے بڑوں کو بتائیں۔ تفسیر ماجدی میں ہے:

سَمْعُونَ کے معنی اس سیاق میں جاسوسی یا نوہ لینے والوں کے ہیں

ای جو اسیس الکفار (ابن عباسؓ) المراد فیکم عیون لهم ینقلون الیهم ما یسمعون منکم (کبیر عن مجاهد وابن زید) و فیکم مخبرون لهم یودون الیهم ما یسمعون منکم وهم الجواسیس (معالم عن مجاهد)۔ (تفسیر ماجدی)

سَمْعُونَ سے مراد اگر وہ مسلمان ہوں جو منافقین کی باتیں سن کر ان کا اثر لیتے تھے تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نکلنے والے افراد ایسے کس طرح سے ہو سکتے ہیں؟ امام رازیؒ لکھتے ہیں:

کیف يجوز ذلك على المومنین مع قوة دينهم ونيتهم في الجهاد؟ یعنی یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنے مضبوط دین اور جہاد والے مسلمان اس طرح کے ہوں کہ منافقین کی باتیں سنیں اور ان کا اثر لیں۔ امام رازیؒ آگے خود ہی جواب دیتے ہیں:

قلنا لا يمتنع فيمن قرب عهده بالاسلام ان يوتر المنافيين فيهم الخ یعنی جواب یہ ہے کہ ممکن ہے بعض نئے اسلام قبول کرنے والے مسلمان ایسے ہوں جن پر منافقین کی باتیں اثر کرتی ہوں..... یا بعض مسلمان طبعی طور پر کمزور دل کے ہوں اور اس طرح کے لوگوں کی باتوں کا جلد اثر لے لیتے ہوں..... یا بعض مسلمان منافقین کے رشتہ دار ہوں اور سردار قسم کے منافقین کی عزت ان کے دلوں میں باقی ہو، اسی وجہ سے ان کی بات سن لیتے ہوں۔ (تفسیر کبیر)

کان بندر کھیں

خلاصہ یہ ہوا کہ اگر کوئی مخلص مسلمان جہاد پر قائم رہنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ قنہ باز لوگوں کی باتوں سے اپنے کان بند رکھے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جہاد میں کامیابی کے لئے لازمی چیز

امام رازیؒ نے یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ وہ سب سے اہم اور بڑی چیز جس سے جہاد میں بچنا ضروری ہے آپس کا اختلاف ہے کیونکہ آپس کے اختلاف سے جماعت میں کمزوری آتی ہے اور ایسا لشکر آسانی سے شکست کھا جاتا ہے، چنانچہ اس آیت میں بتایا گیا کہ اگر یہ منافقین تمہارے ساتھ ہوتے تو تمہارے درمیان اختلافات کا فساد ڈالتے اور پھر تمہارے بڑوں کے درمیان خوب بھاگ دوڑ کر ایسی چغلیاں کرتے کہ وہ بھی آپس کے اتفاق سے محروم ہو جاتے (الغرض ان کے نہ جانے میں بڑی خیر ہوگئی کیونکہ جہاد کے لئے باہمی اختلاف سخت نقصان دہ ہے اور اگر یہ ساتھ ہوتے تو باہمی اختلاف ضرور ڈال دیتے)۔

والخبال هو الفساد الذي يوجب اختلاف الرأي وهو من اعظم الامور التي يجب الاحتراز عنها في الحروب لان عند حصول الاختلاف في الرأي يحصل الانهزام و

الانكسار على اسهل الوجوه، ثم بين تعالى انهم لا يقتصرون على ذلك بل يمشون بين الاكابر بالنميمة فيكون الفساد اكثر وهو المراد بقوله وَلَا أَوْضَعُوا خُلُكُكُمْ۔ (تفسير كبير)

وَاللَّهُ عَلَيْكُمْ بِالظَّالِمِينَ : کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں سے خوب واقف ہے۔ مفسرین حضرات نے اس پر کئی اقوال لکھے ہیں کہ ظالمین سے مراد کون ہیں؟ ویسے اصل مصداق تو منافقین ہیں یعنی جھوٹے عذر گھڑ کے جہاد سے پیچھے رہ جانے، مسلمانوں کے لئے فتنے اٹھانے والے، لیکن بعض مفسرین نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جو منافقین کے جاسوس تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے خوب واقف ہے اور چونکہ وہ منافقین کے بڑے لوگ نہیں ہیں اس لئے وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

تفسیر ماجدی میں ہے:

وَاللَّهُ عَلَيْكُمْ بِالظَّالِمِينَ : چنانچہ اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے کہ ان کے جو لوگ تمہارے ساتھ لگے ہوئے ہیں وہ چونکہ اہل الزائے نہیں، اس لئے ان کا شامل رہنا چنداں مضر (نقصان دہ) نہیں۔ (تفسیر ماجدی)

اس بارے میں جامع قول امام ابو حیان نے یہ ذکر فرمایا ہے:

وَاللَّهُ عَلَيْكُمْ بِالظَّالِمِينَ يعم كل ظالم ومعنى ذلك انه يجازيه على ظلمه واندرج فيه من يقبل كلام المنافقين، ومن يودى اليهم اخبار المومنين ومن تخلف عن هذه الغزاة من المنافقين۔ (المحرر الحيط)

یعنی اس میں سب ظالم آگئے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک ان سب کو ان کے ظلم کی سزا دے گا اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو منافقین کی باتیں قبول کرتے ہیں اور وہ بھی جو منافقین تک مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے ہیں اور وہ بھی جو اپنے نفاق کی وجہ سے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے۔



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكْنِيَّةٌ آیت ۳۸

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَقَدْ ابْتَغُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ

یہ پہلے بھی فساد کے طالب رہے ہیں اور بہت سی باتوں میں تمہارے لیے الٹ پھیر کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ

جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَرِهُونَ ﴿۳۸﴾

حق آ پہنچا اور اللہ تعالیٰ کا حکم غالب ہوا اور وہ ناخوش ہی رہے

خلاصہ

یہ منافقین اس غزوہ تبوک سے پہلے بھی کئی بار فتنہ بازی کر چکے ہیں، یہ لوگ غزوہ احد کے موقع پر بھی راستہ سے واپس چلے گئے تھے تاکہ مسلمانوں کی ہمت ٹوٹ جائے اور اسلامی لشکر میں پھوٹ پڑ جائے اور یہ ماضی میں طرح طرح کی مکاریاں اور آپ کو ایذا پہنچانے کی تدبیریں کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ اللہ پاک نے آپ پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے اور حق غالب آ گیا اگرچہ یہ سب کچھ انہیں ناگوار تھا مگر ان کی ناگواری اور شرارتوں سے اسلام کو اور آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا بالآخر خود انہیں بھی ظاہری طور پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنا پڑا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوتاہی ہے کہ ان کی تدبیریں اور ان کی سازشوں کا الٹ پھیر آپ کے خلاف پہلے سے جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ماضی میں آپ کو ان سے محفوظ فرمایا۔ آئندہ کے لئے بھی آپ ان کی مفسدانہ کارروائیوں کا خیال دل میں نہ لائیں اور اب جو یہ لوگ تبوک کے لئے آپ کے ہمراہ روانہ نہ ہوئے اس سے بھی آپ رنجیدہ نہ ہوں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد نہ کرنا اور اسلام اور داعی اسلام کی دشمنی پر کمر بستہ رہنا یہ ان کی پرانی عادت ہے۔ (انوار البیان مظہری وغیرہ)

عبارات

منافقین کی جہاد میں شرکت مسلمانوں کے لئے مفید نہیں ہے

”یہ سمجھانے کا شفقت آمیز طریقہ ہے کہ مجرم کو اس کے قصور کا ذمہ دار بنادیا اور ادھر مسلمانوں کو بھی اطمینان دلادیا کہ اچھا ہوا یہ تمہارے ساتھ نہیں گئے، فائدہ کی بجائے نقصان ہی پہنچاتے، دوسروں پر برا اثر پڑتا، خرابیاں پھیلانے اور تم میں فتنہ و فساد برپا کرنے کے لئے تمہارے درمیان ریشہ دوانیاں کرتے، یہی ان کی عادت ہے اور کبھی اس سے باز نہ آئیں گے، اگرچہ یہ منافقین اس وقت تمہارے ساتھ میدان جنگ میں نہیں مگر ان کے جاسوس برابر لگے ہوئے ہیں، جن کا کام یہ ہے کہ تمہاری کمزوریوں کی یادداشت تیار کریں اور جب تم واپس آ جاؤ تو ان کی ایک فہرست مرتب کر کے

دنیا کے سامنے پیش کرویں، غزوہٴ احد میں عبداللہ بن ابی بن سلول اسی عاوت سے مجبور ہو کر اپنے ساتھیوں کو راستہ سے واپس لے آیا، غزوہٴ احزاب میں یہودی عہد نامہ توڑ کر کفار مکہ سے مل گئے، غزوہٴ تبوک میں انہوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی مگر اللہ کے فضل و کرم سے تمہیں کامیابی ہوئی اور یہ فتح تو ان کے لئے سخت ناگوار تھی..... پس جو لوگ جہاد فی سبیل اللہ سے بچنا چاہتے ہیں ان کی گذشتہ زندگی پر نظر ڈالنی چاہئے اور اگر وہ ابتداء ہی سے بدکار چلے آتے ہیں تو ان کے پیچھے رہنے سے گھبرانا نہیں چاہئے، کیونکہ ان کی شرکت کبھی مفید نتائج پیدا نہیں کرے گی۔“ (تفسیر الفرقان)

ایک جامع عبارت

مفسر ابن کثیرؒ اور دیگر مفسرین نے اس آیت پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل عبارت میں ملاحظہ فرمائیے:

جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے یہود اور منافقین مدینہ آپ کے خلاف طرح طرح کی فتنہ انگیزیاں کرتے رہے اور اسلام کی روز افزوں ترقیات کا تختہ الٹنے کے لئے بہت کچھ الٹ پھیر کی۔ مگر بدر میں جب کفر و شرک کے بڑے بڑے ستون گر گئے اور حیرت انگیز طریقہ پر اسلام کا غلبہ ظاہر ہوا تو عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے کہا: ان هذا امرٌ قد توجه کہ یہ چیز تو اب رکنے والی معلوم نہیں ہوتی، چنانچہ بہت سے لوگ خوف کھا کر محض زبان سے کلمہ اسلام پڑھنے لگے، مگر چونکہ ول میں کفر چھپا ہوا تھا اس لئے جوں جوں اسلام و مسلمین کی کامیابی اور غلبہ دیکھتے ول میں جلتے اور غیظ کھاتے تھے، غرض ان کی فتنہ پر وازی اور مکاری کوئی نئی چیز نہیں شروع سے ان کا یہی وتیرہ رہا ہے، جنگ احد میں یہ لوگ اپنی جماعت کو لیکر راستہ سے لوٹ آئے تھے مگر آخر دیکھ لیا کہ حق کس طرح غالب ہو کر رہتا ہے اور باطل کیسے ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک قول

امام رازیؒ اور بعض دیگر مفسرین نے ابن جریرؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ آیت مبارکہ میں اشارہ اس سازش کی طرف ہے جو منافقین نے ”لیلۃ العقبۃ“ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لئے تیار کی تھی۔

قال ابن جریر، هو ان اثني عشر رجلاً من المنافقين وقفوا على ثنية الوداع ليلة العقبۃ ليفتکوا بالنبي صلى الله عليه وسلم. (تفسیر کبیر)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَثَلًا نَسِيحًا آیت ۴۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي ۖ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ

اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ مجھے تو اجازت ہی دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالئے خبردار وہ فتنہ

سَقَطُوا ۖ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۴۹﴾

میں پڑ چکے ہیں اور بے شک دوزخ کافروں پر احاطہ کرنے والی ہے

خلاصہ

بعض منافقین اپنے نفاق اور بزدلی پر دینداری کا پردہ ڈالتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جہاد چھوڑ کر گھر رہنے کی اجازت دے دیجئے کیونکہ اگر ہم جہاد میں گئے تو اپنی کمزوری کی وجہ سے گناہوں اور فتنوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ ان کا ایک جھوٹا بہانہ ہے جہاد چھوڑ کر وہ گناہ اور فتنے میں تو مبتلا ہو ہی چکے ہیں (جہاد کے وقت بلا عذر جہاد سے پیچھے رہ جانا ایک بڑی خرابی اور فتنہ ہے) دراصل ان کافروں کو جہنم نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے کہ دنیا میں یہ ان گناہوں کے گھیرے میں رہتے ہیں جو جہنم میں لے جانے والے ہیں اور آخرت میں یہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

اقوال وحوالے

دینی نقصان کا بہانہ

”اس شخص کا نام جد بن قیس تھا اس نے یہ بہانہ تراشا تھا کہ میں عورتوں پر مفتون ہو جاتا ہوں اور رومیوں کی عورتیں حسین زیادہ ہیں (جہاد پر) جانے میں میرا دینی ضرر (یعنی دینی نقصان) ہے اس لئے رخصت کا خواستگار (یعنی طلبگار) ہوں۔ کذا فی الدر المنثور“ (بیان القرآن)

ایک بخیل اور بزدل سردار

مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابتدائی طور پر بنی سلمہ کے سردار ”جد بن قیس“ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ کذا روی عن ابن عباس ومجاهد وغير واحد انها نزلت فی الجد بن قیس وقد کان الجد بن قیس هذا من اشراف بنی سلمہ۔ (ابن کثیر)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو خود جہاد میں جانے کی دعوت دی مگر اس نے کہا کہ مجھے ساتھ نہ لیجائیے بلکہ گھر رہنے کی اجازت دے دیجئے کیونکہ میں عورتوں کا دیوانہ ہوں رومی عورتوں کو دیکھ کر فتنے اور گناہ میں مبتلا ہو جاؤں

گا۔ البتہ میں آپ کے ساتھ مالی تعاون کروں گا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور اسے گھر رہنے کی اجازت دے دی۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم للجند بن قيس اخي بن سلمة لما اراد الخروج الى تبوك "يا جند هل لك في جلال بني الاصرر تتخذ منهم سراري ووصفاء فقال الجند قد عرف قومي اني مغرم بالنساء واني اخشى ان رأيت (بنات) بني الاصرر الا اصبر عنهن فلا تفتني واذن لي في القعود واعينك بمالي فاعرض عنه رسول الله عليه وسلم وقال قد اذنت لك. (القرطبي)

اس شخص کے اس طرز عمل کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبیلہ بنی سلمہ کی سرداری سے بھی ہٹا دیا۔

ولما نزلت قال النبي صلى الله عليه وسلم لبنى سلمة وكان الجند بن قيس منهم "من سيدكم يا بنى سلمة" قالوا: جند بن قيس، غير انه بخيل جبان فقال النبي صلى الله عليه وسلم وای داء ادوى من البخل بل سيدكم الفتى الابيض بشر بن البراء بن معرور۔ یعنی اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سلمہ سے فرمایا تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے کہا جند بن قیس مگر وہ بخیل اور بزدل ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخیل سے بڑھ کر اور کونسی بیماری ہو سکتی ہے۔ تمہارا سردار یہ نہیں بلکہ جو ان مرد خوبصورت جوان بشر بن براء بن معرور (رضی اللہ عنہ) تمہارا سردار ہے۔ (القرطبی)

جہاد چھوڑنا بڑی برائی اور فتنہ ہے

ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ تو کہہ رہے ہیں کہ جہاد میں جا کر ہمیں گناہ اور فتنے میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے حالانکہ برائی اور فتنے میں تو یہ لوگ مبتلا ہو چکے ہیں۔ مراد اس برائی اور فتنے سے جہاد میں نہ جانا ہے۔

ای ان کان انما يخشى من نساء بني الاصرر وليس ذلك به فما سقط فيه من الفتنة بتخلفه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم والرغبة بنفسه عن نفسه اعظم یعنی جس فتنے سے بچنے کی وہ بات کر رہا تھا وہ تو ابھی ہوا ہی نہیں تھا یعنی رومی عورتوں سے گناہ کا فتنہ جبکہ جس فتنے میں وہ گر چکا تھا وہ تو بڑا فتنہ تھا اور وہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں پیچھے رہ جانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان مبارک سے اپنی جان کو زیادہ عزیز رکھنا۔ (ابن کثیر)

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

ای فی الاثم والمعصية وقعوا وهی النفاق والتخلف عن النبي صلى الله عليه وسلم گناہ اور معصیت میں تو وہ مبتلا ہو چکے تھے اور وہ معصیت تھی نفاق اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر جہاد

سے پیچھے رہ جانا۔ (القرطبی)

تفسیر مظہری میں ہے:

یعنی مصیبت اور خرابی تو وہ ہے جس میں یہ خود پڑے ہوئے ہیں مراد یہ ہے کہ جہاد کو نہ جانا اور نفاق کا ظاہر ہو جانا ہی ان کی خرابی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فائدہ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم جہاد میں گئے تو ہم کمزور ہیں ہم بھاگ جائیں گے اس لئے ہم جہاد میں نہیں جاتے۔ ان لوگوں کو اس آیت مبارکہ میں غور کرنا چاہئے اور اس قسم کی باتوں سے بچنا چاہئے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آیت مبارکہ کے دو اور مفہوم

آیت مبارکہ کا ایک مفہوم تو شان نزول کے ساتھ بیان ہو گیا، مفسرین حضرات نے اس آیت کے دو مزید مفہوم بھی بیان فرمائے ہیں:

① فتنہ سے مراد گناہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ بعض منافقین نے کہا کہ آپ ہمیں جہاد میں نہ جانے کی اجازت دے دیجئے کیونکہ اگر ہم بغیر اجازت اپنے گھروں میں رک گئے تو ہم گناہگار ہو جائیں گے تو آپ ہمیں گناہگار نہ کیجئے ان کو جواب دیا گیا کہ تم گناہ میں تو مبتلا ہو چکے ہو کیونکہ تم جہاد میں جانا ہی نہیں چاہتے ہو۔

② بعض منافقین نے کہا کہ ہماری زمینوں اور گھر بار کا مسئلہ ہے آپ ہمیں جہاد میں لے جا کر پریشانی اور آزمائش میں نہ ڈالیں کیونکہ اگر ہم جہاد میں گئے تو زمینیں خراب ہو جائیں گی اور ہمارے بعد ہمارے مال اور بیوی بچوں کا کوئی نگران نہ ہوگا تو یہ سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ ان کو جواب دیا گیا کہ جہاد چھوڑ کر اور نفاق میں پڑ کر تم تباہ تو ہو ہی چکے ہو اب اس سے بڑھ کر اور کیا تباہی ہوگی۔ امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

ولا تفتنى ولا توقعنى فى الفتنة وهى الاثم بان لاتاذن لى فانى ان تخلفت بغير اذنك اثم، اولاً تلقى فى الهلكة فانى ان خرجت معك هلك مالى وعيالى۔ (المدارك)

تفسیر مظہری میں ہے:

بعض علماء نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے (کہ) آپ مجھے خود ساتھ نہ جانے کی اجازت دے دیجئے ایسا نہ ہو کہ آپ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے میں گناہ میں پڑ جاؤں اور آپ کی اجازت نہ ہونے کے باوجود بیٹھ رہوں۔

بعض لوگوں کے نزدیک فتنہ سے مراد ہے مال اور بیوی بچوں کی بربادی۔ یعنی میرے بعد ان کا کوئی نگران نہ رہے گا اور سب کی تباہی ہو جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

صاحب روح المعانی نے ایک چوتھا معنی یہ بیان کیا ہے:

وقال ابو مسلم: ای لاتعذبني بتكليف الخروج في شدة الحر
یعنی مجھے اتنی سخت گرمی میں جہاد کے لئے نکال کر تکلیف میں نہ ڈالئے۔

فائدہ

آیت مبارکہ کے یہ چار مفہوم دیکھ کر اس بات کو سمجھا جاسکتا ہے کہ منافق جہاد میں نہ جانے کے لئے کیا کیا بہانے
بناتے ہیں، پس ہر مسلمان ان کی روشنی میں اپنے دل کا جائزہ لے اور اسے نفاق کے حیلوں سے دور رکھے۔
اللہ پاک ہم سب کی نفاق سے حفاظت فرمائے۔

جہنم نے ان کو گھیر لیا ہے

امام نسفی لکھتے ہیں:

وان جهنم لمحيطة بالكافرين الآن لان اسباب الاحاطة معهم اوهى تحيط بهم يوم
القيامة. (المدارك)

یعنی جہنم نے ان کو ابھی سے گھیر لیا ہے کیونکہ جہنم میں جانے کے اسباب ان کے پاس جمع ہو چکے ہیں یا جہنم انہیں
قیامت کے دن گھیرے گی۔

امام رازیؒ نے یہ عجیب نکتہ لکھا ہے کہ آیت مبارکہ کے اس حصے میں منافقین کی اس حالت کا بیان ہے جس میں وہ
پھنس چکے ہیں۔ ان کی حالت کا خلاصہ یہ ہے:

- ① وہ ایمان اور اس کی حلاوت سے محروم ہیں
 - ② لوگوں میں ان کا نفاق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی دشمنی ظاہر ہو چکی ہے
 - ③ انہوں نے دنیا کے مال و جاہ ہی کو کامیابی سمجھ رکھا ہے
 - ④ وہ نہ چاہنے کے باوجود دن رات اسلام کی قوت اور ترقی دیکھ رہے ہیں
 - ⑤ ان کو ہر وقت اپنی جان، مال اور اولاد پر خوف کے سائے منڈلاتے نظر آتے ہیں
- الغرض وہ شدید جہالت اور سخت خوف کے مشترکہ عذاب میں مبتلا ہیں۔ (ان کے لئے نہ دنیا ہے نہ آخرت) اسی
کو فرمایا گیا کہ جہنم نے ان کو گھیر لیا ہے۔

(یعنی آخرت میں تو جہنم میں جانا ہی ہے دنیا میں بھی اس جہنم کے اثرات ان کو گھیرے ہوئے ہیں) (مفہوم
تفسیر کبیر)

آیت کی تفسیر تو وہی ہے جو اوپر تفسیر المدارک کے حوالے سے بیان ہوئی جبکہ امام رازیؒ کا یہ کلام اس کیفیت کا
بیان ہے جو اس طرح کے جہنمی لوگوں پر مسلط رہتی ہے۔ العیاذ باللہ.....
تفسیر ماجدی میں بھی اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

دین کو مصیبت اور طاعات کو بلا سمجھنے والے کم از کم عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دوران نزول قرآن میں تو امن میں نہ رہ سکے، صحابہ کرام سر بکف سرگرم جہاد رہے اور دنیا میں بھی ہر طرح کامیاب و منصور..... منافقوں نے جتنی تمنائیں احکام دین سے بچنے کی کیں اور زیادہ ہدفِ مصائب بنتے گئے۔ (تفسیر ماجدی)

خود کو جہاد سے مستثنیٰ رکھنے والے

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

مستثنیٰ کی پہلی جماعت تو جانے کے لئے تیار نہیں تھی، دوسری جماعت کا ذکر اس آیت میں ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں ہم اگر گئے تو وہاں کام نہیں کریں گے کیونکہ ہمیں کسی رومی عورت کے حسن پر مفتون ہو جانے کا خطرہ ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آیت ۵۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنْ تُصِيبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِيبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ

اِخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ﴿۵۰﴾

نے تو اپنا کام پہلے سنبھال لیا تھا اور خوشیاں مناتے لوٹ جاتے ہیں

خلاصہ

یہ منافقین خود کو مسلمان کہلاتے ہیں حالانکہ ان کی اسلام دشمنی اور دل کی گمراہی کا یہ عالم ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد میں فتح، غنیمت اور کامیابی ملتی ہے تو ان کو تکلیف پہنچتی ہے یعنی ان کا دل جلنے لگتا ہے اور اگر آپ کو جہاد میں ظاہری طور پر کسی پریشانی یا شکست وغیرہ کا سامنا ہوتا ہے تو یہ لوگ بہت خوش ہو کر کہتے ہیں کہ اچھا ہوا کہ ہم نے احتیاط، حکمت اور دوراندیشی سے کام لیا اور ان کے ساتھ نہیں گئے اور ہم نے اپنے بچاؤ کی جو تدبیریں کیں کہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نہیں نکلے اور کافروں سے اچھے تعلقات بنا کر رکھے وہ تدبیریں کام آ گئیں.....

اقوال وحوالے

اپنی دوراندیشی کا وہم

”حَسَنَةٌ سے فتح اور مال غنیمت مراد ہے، مُصِيبَةٌ سے مراد شکست یا مشقت و دشواری جیسے احد کے دن ہوئی تھی، یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنگ میں کسی طرح کی شکست یا مشقت پڑتی ہے تو منافق اپنے شریک نہ ہونے اور ساتھ نہ جانے پر خوش ہوتے ہیں اور اپنی دور بینی کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے تو اس مصیبت کے آنے سے پہلے ہی وہ بات اختیار کر لی تھی جو ہمارے لئے زیادہ مناسب اور مفید تھی کہ ہم شریک ہی نہ ہوئے یَتَوَلَّوْا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یا اپنے مجمع کی طرف سے یا اپنے اس بیان کے بعد خوش خوش چلے جاتے ہیں اور مسلمانوں کی مصیبت سے شاد ہوتے ہیں۔ (مظہری)

منافقین کی عقلندی اور احتیاطی تدابیر

منافقین ایسے بدنصیب ہیں کہ جہاد اور شہادت سے محرومی پر خوشیاں مناتے ہیں گویا کہ جہنم کا مستحق بننے کو اپنی عقلندی سمجھتے ہیں۔ اس آیت میں فرمایا گیا کہ مسلمانوں کی ظاہری شکست کے وقت وہ کہتے ہیں قَدْ اِخَذْنَا أَمْرَنَا

مَنْ قَبْلُ یعنی ہم نے پہلے سے ہی احتیاطی تدابیر اختیار کر لی تھیں..... یہ احتیاطی تدابیر کیا تھیں؟ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

يعنون به التخلف والقعود عن الحرب والمداراة مع الكفرة وغير ذلك من أمور الكفر والنفاق قولاً وفعلاً

یعنی منافقین اپنی جس عقلمندی اور پیش بندی کا تذکرہ کرتے تھے اس سے مراد یہ تھی کہ وہ جہاد میں نہیں گئے، گھربٹھے رہے، کافروں سے دوستی رکھی اور قول و فعل کے اعتبار سے کفر و نفاق میں مبتلا رہے۔ (روح المعانی)

یہی تھی ان کی عقلمندی، پیش بندی اور احتیاطی تدابیر۔ نعوذ باللہ من ذالک

کامیاب وہ ہے جو فرض ادا کرے

”منافقین کی یہ حالت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی کامیابی انہیں ناگوار گزرتی ہے اور اگر سوائے اتفاق انہیں تکلیف پہنچے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور کہتے ہیں کہ ہم نے پہلے ہی عقلمندی سے کام لے کر اس میں شرکت نہیں کی، ہمیں تو پہلے ہی خیال تھا کہ اس کا یہی انجام ہوگا..... کاش وہ اس بات کو سمجھتے کہ کامیابی تو صرف مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص ہے کیونکہ انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ (تفسیر الفرقان)

بے شک فرض ادا کرتے ہوئے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا کامیابی اور فرض چھوڑ کر پوری دنیا کی بادشاہت پالینا خسارہ اور ناکامی ہے۔

حسنة و مصيبة کا مصداق

امام ابو حیانؒ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حسنة سے مراد بدر کا دن اور مصيبة سے مراد احد کا دن ہے، ممکن ہے یہ قول تمثیل پر مبنی ہو۔

(یعنی بھلائی کی مثال بدر کا دن اور تکلیف کی مثال احد کا دن) ویسے حسنة اور مصيبة کا لفظ عام ہے اس سے ہر طرح کی بھلائی اور تکلیف مراد ہو سکتی ہے البتہ آیت کا سیاق بتاتا ہے کہ مراد جہاد کی بھلائی اور تکلیف ہے اسی لئے مفسرین کہتے ہیں کہ حسنة سے مراد فتح اور غنیمت اور مصيبة سے مراد شکست اور ہزیمت۔

قال ابن عباس: الحسنۃ يوم بدر والمصيبة يوم احد وينبغي ان يحمل قوله على التمثيل، واللفظ عام في كل محبوب ومكروه وسيلق الحمل يقتضي ان يكون ذلك في الغزو ولذلك قالوا: الحسنۃ الظفر والغنيمۃ والمصيبة الخيبة والهزيمة (البحر المحيط)

عجیب نکتہ

تفسیر ماجدی میں یہ عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے کہ مسلمان کے لئے تو جہاد میں خیر ہی خیر ہے، مصیبت تو کوئی ہے نہیں

تو اس آیت میں جو لفظ **مُصِيبَةٌ** آیا ہے یہ منافقین کے نقطہ نظر کے اعتبار سے ہے کہ وہ جس چیز کو مصیبت سمجھتے تھے یعنی دنیاوی نقصان.....

حَسَنَةٌ **مُصِيبَةٌ** دونوں لفظوں کا استعمال منافقین کے نقطہ نظر سے ہے یعنی اس مادی دنیا کا نفع و ضرر۔
(تفسیر ماجدی)

ایک دلچسپ عبارت

”منافقین کی عادت تھی جب مسلمانوں کو غلبہ و کامیابی نصیب ہوتی تو جلتے اور کڑھتے تھے اور اگر کبھی کوئی سختی کی بات پیش آگئی مثلاً کچھ مسلمان شہید یا مجروح (زخمی) ہو گئے تو فخر یہ کہتے کہ ہم نے ازراہ دورانہ پیشی پہلے ہی سے اپنے بچاؤ کا انتظام کر لیا تھا، ہم سمجھتے تھے کہ یہی حشر ہونے والا ہے لہذا ان کے ساتھ گئے ہی نہیں۔ غرض ڈینگیں مارتے ہوئے اور خوشی سے بغلیں بجاتے ہوئے اپنی مجلسوں سے گھروں کو واپس جاتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

عصر حاضر کے مغرب زدہ دانشوروں کا طرز عمل بھی مجاہدین کی فتح و شکست کے وقت اسی طرح کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ پر رحم فرمائے۔



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُهَا ٥١

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ

کہہ دو ہمیں ہر گز نہ پہنچے گا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے لکھ دیا وہی ہمارا کارساز ہے اور اللہ تعالیٰ

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾

ہی پر چاہئے کہ مومن بھروسہ کریں

خلاصہ

ایمان والے کبھی بھی مصیبت کے ڈر سے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے سے نہیں رکتے۔ وہ جانتے ہیں کہ جو تقدیر میں لکھا ہوا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ پھر جہاد اور دیگر فرائض کو موت اور شکست کے ڈر سے کیوں چھوڑا جائے۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار اور ولی ہے وہ ان کے لئے جو کچھ مقدر فرماتا ہے اس میں ان کے لئے خیر ہی خیر ہوتی ہے، فتح مقدر فرمائے تب بھی خیر اور شہادت و فخر عطا فرمائے تب بھی خیر۔ پس اسی قانون کو مدنظر رکھ کر ایمان والوں کو ظاہری اسباب پر نظر نہیں رکھنی چاہئے اور نہ ہی ظاہری تدبیروں کو سب کچھ سمجھنا چاہئے بلکہ ان کو چاہئے کہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی توکل رکھیں۔ (شریعت کے مطابق اسباب اختیار کریں مگر منافقوں کی طرح اسباب اور تدبیر کو سب کچھ نہ سمجھیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں)

اقوال وحوالے

ایمان والوں کے لئے ہر حالت میں خیر ہے

”قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا“ یعنی آپ ان سے فرما دیجئے کہ ہمیں وہی حالت پیش آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمادی ہے، خوشحالی، خوبی اور بہتری ہو یا کسی قسم کا کوئی حادثہ ہو جائے یا دکھ تکلیف سے دوچار ہو جائیں یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے مقرر اور مقدر ہے هُوَ مَوْلَانَا اللہ ہمارا مددگار ہے ہمارا ولی ہے، ہم اس کی قضاء و قدر پر راضی ہیں، سب کچھ اسی کی طرف سے ہے، اور ہماری ہر حالت میں اس نے خیر رکھی ہے، فتح ظفر ہو جائے، مال غنیمت مل جائے تو یہ بھی خیر ہے اگر تکلیف پہنچ جائے تو اجر و ثواب کے اعتبار سے وہ بھی خیر ہے اور ہم میں سے جو لوگ جام شہادت نوش کرتے ہیں یہ بھی خیر ہے وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ اور مومنین ہمیشہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں اپنے سارے امور اللہ ہی کے سپرد کریں اور اسی سے خیر و خوبی اور خوشحالی کی امید رکھیں، مومنین کا بھروسہ صرف اللہ پر ہے وہ اسباب بھی اختیار کر لیتے ہیں لیکن بھروسہ اسباب پر اور ہتھیاروں پر اور اپنی قوت اور طاقت پر نہیں کرتے، اسباب کو اختیار کرنا تقدیر اور توکل کے خلاف نہیں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے توکل بھی سکھایا

اور اسباب بھی اختیار فرمائے اور اسباب اختیار کرنے کا حکم بھی دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا اور جو کر کے دکھایا اہل ایمان اسی کو اختیار کرتے ہیں نہ ترک اسباب کریں اور نہ اسباب پر بھروسہ رکھیں۔“ (انوار البیان)

مومن کو کوئی سختی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے نہیں روک سکتی

”یعنی سختی یا نرمی جو جس وقت کے لئے مقدر ہے وہ تو ٹل نہیں سکتی نہ دنیا میں اس سے (بچنے کے لئے) کوئی چارہ ہے، مگر ہم چونکہ ظاہر و باطن سے اللہ تعالیٰ کو اپنا حقیقی مولا اور پروردگار سمجھتے ہیں، لہذا ہماری گردنیں اس کے فیصلے اور حکم کے سامنے جھکی ہوئی ہیں، کوئی سختی اس کی فرمانبرداری سے باز نہیں رکھتی اور اسی پر ہم کو بھروسہ ہے کہ وہ عارضی سختی (یعنی تکلیف) کو آخرت میں یقیناً اور بسا اوقات دنیا میں بھی راحت و خوشی سے تبدیل کر دے گا۔“ (تفسیر عثمانی، تسہیل)

مومن کا اعتماد صرف اللہ تعالیٰ پر

”انہیں کہہ دیجئے ہمارا اعتماد اللہ تعالیٰ پر ہے اور ہمیں جو چیز پہنچے گی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہنچے گی اور اس میں ہمارے لئے کوئی نہ کوئی بہتری ہوگی۔“ (حاشیہ حضرت لاہوری)

جو تقدیر پر ایمان رکھے گا وہی غالب رہے گا

”ایک مسلمان جب تقدیر کے آگے اپنی گردن خم کر لیتا ہے تو دنیا کے تمام باطل پرستوں کے آگے سر بلند ہو جاتا ہے، وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ خدا کی مرضی کے بغیر مجھے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔“ (تفسیر الفرقان)

یعنی تقدیر پر پختہ ایمان مومن کو بہت مضبوط کر دیتا ہے، پھر وہ موت کے ڈر سے جہاد ترک نہیں کرتا اور نہ ہی دشمنوں کی طاقت اور قوت سے مرعوب ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ سب کچھ اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے اور اللہ پاک ایمان والوں کے ساتھ ہے..... یہی وہ کیفیت ہے جو منافقین کو نصیب نہیں ہو سکتی..... جیسا کہ پچھلی آیت میں گزر چکا ہے۔

فائدہ

امام رازیؒ نے قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا کے تین معانی بیان فرمائے ہیں اور امام ابو حیانؒ نے هُوَ مَوْلَانَا کے تین معانی بیان فرمائے ہیں۔ یہ دونوں مفید بحثیں تفسیر کبیر اور تفسیر البحر المحیط میں ملاحظہ فرمائیں۔

عجیب نکتہ

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا ہے کہ مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں خیر ہی خیر ہے کیونکہ فرمایا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا اور لَنَا کا معنی ہوا ہمارے فائدے کے لئے۔

پس مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں ہمارے فائدے کے لئے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ ہمیں پہنچ کر رہے گا (فتح ہو یا شہادت)۔ یہاں لَنَا کی جگہ عَلَيْنَا نہیں فرمایا، پس معلوم ہوا کہ ہمارے لئے نقصان کی کوئی بات نہیں۔ (خلاصہ تفسیر مظہری)

یعنی تقدیر کا مالک اللہ ہے اور وہ ہمارا مولیٰ ہے پھر ہم کسی دشمن سے یا برے حالات سے ڈر کر جہاد کیوں چھوڑیں؟

عظیم الشان تحفہ

یہ آیت مسلمانوں کے لئے ایک عظیم الشان تحفہ، بہت بڑی تسلی اور بہت بلند بشارت ہے، اگر ہم اس کو اپنے دل کا یقین بنالیں تو پھر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی طاقت کا رعب دل سے نکل جائے گا اور مسلمان کو اپنے ہر طرف کامیابی ہی کا میابی نظر آنے لگے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تقدیر پر کامل ایمان عطا فرمائے اور ہمیں اس بات کا یقین نصیب فرمائے کہ وہ صرف ایمان والوں ہی کا مولیٰ (ناصر و مددگار) ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذات پر پورا توکل نصیب فرمائے۔ (آمین)

تفسیر ماجدی میں ہے:

سکون خاطر، یکسوئی قلب، اطمینان و فراغت کا یہ آسان سستا اور مؤثر نسخہ کتنی بار کا آزمایا ہوا ہے، بد نصیب ہیں وہ لوگ جو اس کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

قیل فی اللوح المحفوظ وقیل: ما اخبرنا به فی کتابہ من انا امان نظفر فیکون الظفر حسنی لنا واما ان نقتل فتكون الشهادة اعظم حسنی لنا. (القرطبی)

یعنی اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے یا قرآن پاک میں ہمیں بتا دیا ہے کہ اگر ہم نے فتح پائی تو یہ فتح ہمارے لئے بھلائی ہے اور اگر ہم قتل کر دیئے گئے تو شہادت ہمارے لئے (فتح سے بھی) بڑی بھلائی ہے۔



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَةٌ ۵۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا أَحَدَى الْحُسَيْنَيْنِ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ

بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهِ أَوْ يَأْخُذَ بِنَا ۖ فَتَرَبَّصُوا

إِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُونَ ﴿۵۲﴾

ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں

خلاصہ

جہاد میں نکلنے والے مومنوں کے لئے دونوں حالتوں میں خیر ہی خیر ہے انہیں فتح ملے تب بھی ان کے لئے اچھائی ہے اور ان کو شہادت ملے تب بھی ان کے لئے اچھائی ہے۔ اس لئے وہ منافق جو خود کو دور اندیش سمجھ کر جان بچانے کے لئے گھر بیٹھے ہوئے ہیں وہ اس بات کی توقع نہ کریں کہ مجاہد مسلمانوں کو کوئی برائی پہنچے گی۔ وہ واپس آگئے تب بھی خیر پانے والے ہوں گے اور واپس نہ آئے اور شہید ہو گئے تب بھی خیر پانے والے ہوں گے۔ مگر ناکامی تو منافقوں کے لئے ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے نفاق اور شرارتوں پر خود بلا واسطہ سزا دی تب بھی وہ ناکام اور اگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان سے لڑنے کی اجازت دے دی تب بھی وہ ناکام۔

پس مسلمان اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے پورا ہونے کا انتظار کریں اور منافق شیطان کے وعدوں کے پورا ہونے کا انتظار کریں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کے وعدے پورے ہوں گے۔ تب معلوم ہو جائے گا کہ مومنوں اور منافقوں میں سے زیادہ انجام بین اور دور اندیش کون تھا۔

اقوال و حوالے

مسلمان کے لئے ناکامی نہیں

”مسلمان تو ایک لمحے کے لئے بھی ناکام نہیں رہ سکتا، وہ اگر جہاد فی سبیل اللہ میں مرجاتا ہے تو بہرہ اندوز شہادت ہوتا ہے، اور اگر زندہ رہا تو غازی ہونے میں کلام نہیں، فرض ادا کرنا تھا اور وہ ہو گیا۔ رہے مخالفین اسلام، ان کی حالت یہ ہے کہ چونکہ وہ اسلام کے دشمن ہیں اس لئے بالکل ممکن ہے کہ آفات ارضی و سماوی سے تباہ ہو جائیں یا مسلمانوں کے ہاتھ سے ذلیل ہوں اگر انتظار کرنا ہے تو کر دیکھو۔“ (تفسیر الفرقان)

خطاب کافروں یا منافقوں کو ہے

”آپ کہہ دیجئے کہ تم تو ہمارے حق میں دو بہتریوں میں سے ایک بہتری کے ہی منتظر رہتے ہو“ یہ خطاب کافروں یا منافقوں کو ہے احدی الحسینین دو اچھے نتیجوں میں سے ایک نتیجہ شہادت (ہے) جو دخول جنت اور دوامی زندگی کے حصول کا ذریعہ ہے دوسرا فتح اور مال غنیمت..... یعنی تم ہمارے قتل ہو جانے کی تمنا کر رہے ہو اور قتل ہو جانا تمہاری نظر میں برا ہے مگر ہمارے لئے وہ بھی سراسر بھلائی ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے کے لئے) نکلا ہو اور اس کے نکلنے کا سبب سوائے اللہ پر ایمان رکھنے اور اللہ کے پیغمبروں کو سچا جاننے کے سوا کچھ نہ ہو تو اللہ نے اس کے لئے وعدہ فرمایا ہے کہ یا تو حاصل کردہ ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ اس کو (صحیح سالم) واپس کر دوں گا یا (بصورت شہادت) جنت میں داخل کر دوں گا (متفق علیہ) یعنی دو چیزوں میں سے ایک اس کو ضرور عطاء کروں گا (فتح یا جنت) لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا کہ فتح کے ساتھ جنت نہیں مل سکتی۔

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُّ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بَعْدَ آبٍ مِّنْ عِنْدِنَا أَوْ يَأْتِيَنَّاهَا

اور ہم تمہارے حق میں اس کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا (خواہ) اپنی طرف سے (دنیا اور آخرت میں) یا ہمارے ہاتھوں سے.....

خطاب اگر کافروں کو ہو تو مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے ہم پر فتح پائی تو اللہ تعالیٰ آخرت میں تم کو عذاب دے گا اور اگر تم نے شکست کھائی تو ہمارے ہاتھوں سے کفر کی حالت میں مارے جاؤ گے اور دوامی عذاب کے مستحق بنو گے اور اگر خطاب منافقوں سے ہو تو مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا کفر ظاہر نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ تمہیں گذشتہ اقوام کی طرح تباہ کر کے جہنم میں ڈالے گا اور اگر تم نے کفر کا اعلان کر دیا تو کفر کی وجہ سے مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے جاؤ گے۔ (مظہری تسہیل) (اکثر مفسرین کے نزدیک خطاب منافقوں سے ہے)

ہمیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہر حالت محبوب ہے

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی راحت و رنج دونوں ہمیں محبوب ہیں اور ہم تو اس بات کے منتظر ہیں کہ تم پر کب عذاب نازل ہوتا ہے یا ہمیں کب حکم دیا جاتا ہے کہ تمہیں سزا دیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

انتظار کرو

ارشاد فرمایا: فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَيبُونَ یعنی تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں:

۱ تم ہمارے انجام کا انتظار کرو اور ہم تمہارے انجام کا انتظار کرتے ہیں۔ یقیناً جب تم اور ہم اپنا انجام پالیں گے تو تم وہ چیز دیکھو گے جو ہمیں خوش کرنے والی ہوگی اور ہم وہ چیز دیکھیں گے جو تمہیں غم میں ڈالنے والی ہوگی۔

فاذا لقي كل منا ومنكم ما يتربصه لا نشاهد الا ما يسؤكم ولا تشاهدون الا ما يسرنا -
(روح المعاني)

۲ تم شیطان کے وعدوں کا انتظار کرو اور ہم اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کا انتظار کرتے ہیں جن میں اسلام کے غلبے اور دشمنوں کے خاتمے کی بشارت ہے۔

فتربصوا مواعيد الشيطان انا متربصون مواعد الله تعالى من اظهار دينه واستئصال من خالفه۔ (قرطبي، روح المعاني)

۳ بہر حال تم اور ہم دونوں کو ایک دوسرے کا انجام دیکھنے کے لئے منتظر رہنا چاہئے، آخر معلوم ہو جائے گا کہ دونوں میں زیادہ انجام بین اور دور اندیش کون تھا۔ (تفسیر عثمانی)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَاتُ ۵۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَلَ مِنْكُمْ إِذَا كُنتُمْ

کہہ دو تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا بے شک تم

قَوْمًا فَسِيقِينَ ﴿۵۳﴾

نا فرمان لوگ ہو

خلاصہ

کچھ منافقین نے کہا تھا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں تو نہیں جاسکتے البتہ جہاد کے لئے مالی تعاون کریں گے۔ ان سے فرمایا گیا کہ تمہارا مال اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہے کیونکہ تم سرکش اور متکبر لوگ ہو۔

شان نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ یہ آیت جد بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی اس نے کہا مجھے جہاد سے تو چھٹی دے دیجئے البتہ میں مالی تعاون کر دیتا ہوں۔

قال ابن عباس: نزلت في الجد بن قيس اذ قال ائذن لي في القعود وهذا مالي اعينك به (القرطبي)

آیت مبارکہ عام ہے

آیت اگرچہ ایک خاص واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر اس کا حکم عام ہے۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں:
واعلم ان السبب وان كان خاصا الا ان الحكم عام۔ (تفسیر کبیر)
”آیت کا سبب نزول خواہ جد بن قیس ہی کا واقعہ ہو لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں جو تمام منافقین کو شامل ہیں۔
(انوار البیان)

ان مالداروں کے لئے عبرت ہے جو مال خرچ کرنے کو ہی کافی سمجھتے ہیں

”آیت کے اندر ہماری قوم (یعنی مسلمانوں) کے امراء و رؤساء کے لئے بڑی عبرت پوشیدہ ہے جو جنگی ایمان اور حسن عمل کی طرف سے غافل محض اپنے بھاری چندوں پر نازاں اور انہیں پر تکیہ کیے رہتے ہیں، مالی اعانت بھی بلاشبہ بہت بڑی خدمت ہے دین کی..... لیکن نفسِ ایمان اور ایمانِ صحیح کا وجود ان پر بھی مقدم ہے۔ (تفسیر ماحدی)

قبولیت کے دو معنی

قبول نہ کیے جانے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ ان سے لیا ہی نہیں جائے گا اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان

کو اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

ونفسی التقبل یحتمل ان یکون بمعنی عدم الاخذ منهم، ویحتمل ان یکون بمعنی عدم الاثابة علیه۔ (روح المعانی)

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ دونوں معنی لینے کی گنجائش ہے۔

ایسے مال کی کوئی قدر نہیں ہے

”گزشتہ آیات میں منافقین کے جو حالات بیان کیے گئے تھے، ان کی وجہ سے مسلمانوں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی تو اس وباؤ میں آ کر انہوں نے مذہبی چندوں میں حصہ لینا شروع کر دیا، ان سے کہا جاتا ہے کہ اگر تم اس تعلیم (اسلام اور حکم جہاد) کو صحیح سمجھتے ہیں ہو تو اس کی خاطر جان دینے کو تیار ہو جاؤ، اس وقت اسلام کو اسی جانی قربانی کی ضرورت ہے، اگر اس کے لئے تیار ہو تو پھر مال بھی قبول کیا جاسکتا ہے اور اگر یہ نہیں تو روپیہ دینا بے سود ہے اور شریعت کی نظر میں اس روپیہ کی کوئی عزت نہیں، تم سے بڑھ کر اور کون بے حیاء ہوگا کہ اپنا خون تو بہاتے نہیں جس کی اس وقت ضرورت ہے اور روپیہ وے کر اس کو ٹالنا چاہتے ہو۔“ (تفسیر الفرقان)

”چونکہ تم میں قانون شکنی کے جذبات موجود ہیں اس لئے بعد جہاد تمہارا چندہ قبول نہیں کیا جائے گا۔“ (حاشیہ حضرت لاہوری)

بے اعتقاد کا مال قبول نہیں

جد بن قیس نے رومی عورتوں کے فتنہ کا بہانہ کر کے یہ بھی کہا تھا کہ حضرت! میں بذات خود نہیں جاسکتا، لیکن مالی اعانت کر سکتا ہوں، اس کا جواب دیا کہ بے اعتقاد کا مال قبول نہیں خواہ خوشی سے خرچ کرے یا ناخوشی سے، یعنی خوشی سے خدا کے راستہ میں خرچ کرنے کی ان کو توفیق کہاں وَلَا یُسْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ کُرْهُوْنَ تاہم اگر بالفرض خوشی سے بھی خرچ کریں تو خدا قبول نہیں کرے گا اس کا سبب اگلی آیت میں آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کئی مفسرین حضرات نے طوعاً و کرہاً کے معنی یہ کیے ہیں کہ خرچہ کی دو قسمیں تھیں ایک وہ جو ان پر لازم کیا جاتا تھا اور دوسرا وہ جو ان پر نہیں کیا جاتا تھا لازم کو کَرْهًا اور غیر لازم کو طَوْعًا کہا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَثَلَنِيَّةٌ آیت ۵۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا

اور ان کے خرچ کے قبول ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوئی سو اے اس کے کہ انہوں نے

بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَى

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے کفر کیا اور نماز میں سست ہو کر آتے ہیں

وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كِرْهُونَ ﴿۵۴﴾

اور ناخوش ہو کر خرچ کرتے ہیں

خلاصہ

ان کا مال قبول نہ کیے جانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے منکر ہیں اور ان کے منکر ہونے کی ظاہری علامت یہ ہے کہ یہ نماز میں بہت سستی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنا ان پر بہت بھاری گزرتا ہے کیونکہ یہ اسے جرمانہ سمجھتے ہیں۔

اقوال وحوالے

یہ جہاد میں نہیں گئے اس لئے چندہ قبول نہیں

حضرت لاہوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

”سفر جہاد کے لئے جو حکم ملا ہے اس میں انہوں نے نافرمانی کی ہے، اس لئے چندہ بھی منظور نہیں ہوگا۔“ (حاشیہ

حضرت لاہوریؒ)

ایک جامع عبارت

عربی تفاسیر میں اس آیت پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل عبارت میں آ گیا ہے:

ان کے صدقات کو قبول ہونے سے منع کرنے والی کوئی چیز اس کے علاوہ نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور رسول کے ساتھ کفر کیا اور کفر کے ساتھ کوئی عمل مقبول نہیں اور گو وہ اسلام کے مدعی ہیں اور کفر کو چھپائے ہوئے ہیں، لیکن ان کا کفر ان کے ڈھنگ (یعنی اعمال اور انداز) سے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

نماز جو ایمان کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے اور جو ایمان کی سب سے بڑی اور سب سے پہلی علامت ہے اس کے لئے آتے ہیں تو سستی کے ساتھ ہارے جی آتے ہیں گویا ان پر بہت بڑی مصیبت آ گئی..... اور جب اللہ کی راہ

میں خرچ کرنے کا موقع آتا ہے تو مسلمانوں کو دکھانے کے لئے بدولی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، جب ایمان نہیں تو آخرت کا یقین بھی نہیں، لہذا مال خرچ کرنے پر ثواب کی امید بھی نہیں، جب ثواب کی امید نہیں تو خوشدلی سے خرچ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، لامحالہ بدولی سے خرچ کرتے ہیں۔ (انوار الیہان)

لوگوں کے سامنے نمازی

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا (نماز میں سستی کا مطلب یہ ہے کہ) جب لوگوں کے سامنے ہو تو ادا کرے اور جب اکیلا ہو تو چھوڑ دے اور ایسا وہی شخص کرتا ہے جو نماز ادا کرنے پر اجرا اور چھوڑنے پر سزا کا یقین نہ رکھتا ہو۔ حاصل یہ کہ نفاق لامحالہ عبادات میں سستی کا ذریعہ بنتا ہے۔

قال ابن عباس: ان كان في جماعة صلى وان انفرد لم يصل، وهو الذي لا يرجو على الصلوة ثواباً ولا في تركها عقاباً فالنفاق يورث الكسل في العبادة لا محالة. (القرطبي)

آگے لکھتے ہیں:

یہ لوگ بدولی سے خرچ کرتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کو تاوان اور نہ خرچ کرنے کو نینیت سمجھتے ہیں۔ لانہم يعدونہا مغرماً ومنعہا مغنماً۔ (القرطبی)

مسلمانوں کو ایک اہم نصیحت

”اس میں مسلمانوں کو بھی تنبیہ ہے کہ نماز میں سستی، کاہلی اور زکوٰۃ و صدقات سے دلی ناگواری پیدا ہونا علامت نفاق ہے، مسلمانوں کو کوشش کر کے ان علامات سے بچنا چاہئے۔“ (معارف القرآن)

جب نماز میں سستی نفاق کی علامت ہے تو نماز چھوڑنا کتنا بڑا جرم ہوگا

”علماء نے لکھا ہے کہ جب محض کسل نماز (یعنی نماز میں سستی کرنا) نفاق کی علامت قرار پائی تو ترک نماز (یعنی نماز چھوڑنا) ظاہر ہے کس درجہ کی چیز ہوگی“ (تفسیر ماجدی)

ہم مسلمانوں کے لئے خوف کا مقام

”آیت میں ہم سب ”نام کے مسلمانوں“ کے لئے ڈرنے کی بات ہے، ظاہری اعمال (تو) منافقین کے بھی مسلمانوں ہی سے مشابہت رکھتے تھے، نام مسلمانوں کے سے، وضع و معاشرت مسلمانوں کی سی، نمازیں بھی کسی نہ کسی طرح پڑھ لیتے تھے، خیر و خیرات بھی کچھ نہ کچھ دے نکلتے تھے، اس پر (یعنی اس کے باوجود) بھی حکم ان پر کفر اور فقدان ایمان ہی کا لگا!..... خدا نہ کرے کہ ہم کلہ گوؤں میں سے کسی کا بھی یہ حشر ہو۔“ (تفسیر ماجدی)

پس مسلمانوں کو چاہئے کہ جہاد کے عمل کو زندہ کریں تاکہ نفاق سے حفاظت رہے۔

★★★

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آيَت ۵۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فَلَا تَعْجَبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

سو تو ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کر اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیا کی

بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۵۵﴾

زندگی میں انہیں عذاب دے اور کفر کی حالت میں ان کی جانیں نکلیں

خلاصہ

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ منافقوں کے زیادہ مال اور اولاد کو دیکھ کر متاثر نہ ہوں اور نہ اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں اور نہ یہ سمجھیں کہ منافق تو بڑی اچھی حالت میں ہیں کیونکہ منافقوں کا مال اور اولاد ان کے لئے رحمت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ وہ اس مال اور اولاد کی وجہ سے دنیا میں طرح طرح کی تکلیفیں، مشقتیں اور پریشانیاں اٹھاتے ہیں۔ اور اسی مال اور اولاد کے چھوٹ جانے کے ڈر سے جہاد میں بھی نہیں جاتے اور توبہ بھی نہیں کرتے چنانچہ ان کی موت بھی کفر کی حالت میں آتی ہے، یہ موت بھی بہت سخت ہوتی ہے اور اس کے بعد کا عذاب تو اور زیادہ سخت ہے۔

خطاب عام ہے

ظاہری طور پر تو آیت میں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر حقیقت میں یہ خطاب سب مسلمانوں کے لئے عام ہے۔

هذا الخطاب، وان كان في الظاهر مختصاً بالرسول عليه السلام الا ان المراد منه كل المؤمنين، اي لا ينبغي ان تعجبوا باموال هؤلاء المنافقين والكافرين ولا باولادهم ولا بسائر نعم الله عليهم. (تفسير كبير)

منافقوں کی مال داری سے متاثر نہ ہوں

فَلَا تَعْجَبْكَ: تفسیر مظہری میں ہے:

اعجاب کا معنی ہے کسی پسندیدہ چیز پر خوش ہونا، مطلب یہ ہے کہ ہم نے (ان کو) جو دولت اور اولاد عطاء کی ہے وہ پسندیدگی کے قابل نہیں یہ تو محض ایک ڈھیل ہے جو حقیقت میں وبال ہے۔ (مظہری)

تفسیر ”البحر المحیط“ میں ہے:

اے سننے والو تم ان منافقوں کے مال کو پسند کی نظر سے نہ دیکھو اور نہ اس کی وجہ سے کسی فتنے میں پڑو۔

ولا يعجبك ايها السامع بمعنى لا يستحسن ولا يفتتن بما اوتوا من زينة الدنيا. (المحراحيط)
جو مجاہدین دنیا داروں کے مال سے متاثر ہوتے ہیں اور اسے پسند کی نظر سے دیکھتے ہیں وہ اکثر حُبِ دنیا کے فتنے میں مبتلا ہو کر جہاد سے محروم ہو جاتے ہیں۔ تفسیر ماجدی میں ہے: فقہاء نے اس آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کافروں، فاسقوں کی ظاہری نعمتوں کو دیکھ کر ان کے حال کو اچھا سمجھنا اور ویسی ہی کیفیت کی تمنا کرنا حرام ہے۔ (تفسیر ماجدی)

اور لکھتے ہیں:

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں اہل ایمان کو تنبیہ ہے کہ اہل دنیا کے مال و زینت کو مستحسن (یعنی اچھا) نہ سمجھیں اور کہیں اس کے باعث آخرت کے عمل اور اس پر نظر کرنے سے محجوب نہ ہو جائیں۔ (تفسیر ماجدی)
تفسیر روح المعانی میں ہے:

ای لا یروکک شیء من ذلک فانہ استدراج لہم و وبال علیہم
یعنی ان منافقوں کا مال آپ کو بھلا نہ لگے کیونکہ وہ تو ان کے لئے ایک ڈھیل اور ان پر ایک وبال ہے۔ (روح المعانی)

ان پر یہ عذاب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے ہے

”انہوں نے خدا تعالیٰ کو راضی نہیں کیا اللہ تعالیٰ بھی ان کو دنیا میں چین نہیں دے گا۔ ان کا مال اور اولاد ایک طرح پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے یہ چیزیں ان کے لئے موجب راحت نہیں ہوں گی بلکہ باعث مصیبت ہوں گی۔“ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

جامع تفسیر

”شبہ گزر سکتا تھا کہ جب یہ (منافق) ایسے مردود ہیں تو ان کو مال و اولاد وغیرہ نعمتوں سے کیوں نوازا گیا ہے۔ اس کا جواب دیا کہ یہ نعمتیں ان کے حق میں بڑا عذاب ہے، جس طرح ایک لذیذ اور خوشگوار غذا تندرست آدمی کی صحت و قوت کو بڑھاتی ہے اور فاسد الاغلاط مریض کو ہلاکت سے قریب تر کر دیتی ہے۔ یہی حال ان دنیوی نعمتوں مال و اولاد وغیرہ کا سمجھو۔ ایک کافر کے حق میں یہ چیزیں سوائے مزاج (یعنی اس کے غلط مزاج) کی وجہ سے زہر ہلاہل (یعنی ہلاک کر دینے والا زہر) ہیں چونکہ کفار دنیا کی محبت میں غریق ہوتے ہیں اس لئے اول اس کے جمع کرنے میں بے حد کوفت اٹھاتے ہیں، پھر ذرا نقصان یا صدمہ پہنچ گیا تو جس قدر محبت ان چیزوں سے ہے اسی قدر غم سوار ہوتا ہے اور کوئی وقت اس کے فکر و اندیشہ اور ادھیڑ بن سے خالی نہیں جاتا، پھر جب موت ان محبوب چیزوں سے جدا کرتی ہے اس وقت کے صدمے اور حسرت کا تو اندازہ کرنا مشکل ہے۔ غرض دنیا کے عاشق اور حریص کو کسی وقت حقیقی چین اور اطمینان میسر نہیں، چنانچہ یورپ و امریکہ وغیرہ کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کے اقوال اس پر شاہد (یعنی گواہ)

ہیں باقی مومنین جو دولت اور اولاد کو (اپنا) معبود اور زندگی کا اصل نصب العین (یعنی مقصد) نہیں سمجھتے چونکہ ان کے دل میں حب دنیا کا مرض نہیں ہوتا اس لئے یہی چیزیں ان کے حق میں نعمت اور دین کی اعانت کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اس کے علاوہ اکثر کفار کثرت مال و اولاد پر مغرور ہو کر کفر و طغیان میں اور زیادہ شدید (یعنی مضبوط اور سخت) ہو جاتے ہیں جو اس کا سبب بنتا ہے کہ اخیر دم تک کافر ہی رہیں، نیز منافقین مدینہ جن کے حق میں یہ آیات نازل ہوئیں ان کا حال یہ تھا کہ بادل نخواستہ جہاد وغیرہ کے مواقع پر ریاء، نفاق سے مال خرچ کرتے تھے اور ان کی اولاد میں بعض لوگ مخلص مسلمان ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوتے تھے، یہ دونوں چیزیں منافقین کے منشاء قلبی (یعنی دل کی خواہش) کے بالکلیہ خلاف تھیں۔ اس طرح اموال و اولاد ان کے لئے دنیا میں عذاب بن گئے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

”یعنی یہ تعجب نہ کر کہ بے دین کو اللہ نے نعمت کیوں دی، بے دین کے حق میں اولاد اور مال و مال ہے کہ ان کے پیچھے دل پریشان رہے اور ان کی فکر سے چھوٹنے نہ پائے مرتے دم تک، تا تو بہ کرے یا نیکی اختیار کرے (یعنی مال اور اولاد کے چھوٹ جانے کے ڈر سے نہ تو جہاد کی نیکی کرتا ہے اور نہ نفاق سے تو بہ کرتا ہے کیونکہ مال اور اولاد اس کی مجبوری بن جاتے ہیں)۔ (تفسیر عثمانی)

ایک تفسیری قول

ایک قول یہ ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور مطلب یہ ہے:

فلا تعجبك اموالهم ولا اولادهم في الحياة الدنيا انما يريد الله ليعذبهم بها في الآخرة
یعنی دنیا کی زندگی میں ان کا مال و اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالے۔ اللہ پاک چاہتا ہے کہ اس مال و اولاد کے ذریعہ آخرت میں ان کو عذاب دے۔ (امین کثیر)

سخت موت

وَتَرْهَقْ أَنْفُسُهُمْ : زہوق کا اصل لغوی معنی ہے دشواری کے ساتھ نکلنا یعنی ان کی جانیں ٹوٹ ٹوٹ کر افسوس اور حسرت کے ساتھ نکلیں۔ (تفسیر مظہری)

حب دنیا سے حفاظت

چونکہ غزوہ تبوک کا بیان چل رہا ہے اور مال و اولاد کی محبت نے منافقوں کو ایمان اور جہاد سے محروم رکھا اس لئے اس آیت میں ایمان والوں کو حب دنیا سے بچنے کا سبق دیا گیا کہ تم منافقوں کی طرح نہ بنو ان کا مال و اولاد تو ان کے لئے دنیا آخرت کا عذاب ہے۔ امام رازنیؒ فرماتے ہیں:

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کا مال زیادہ ہوگا اس کا حساب سخت ہوگا اور جو زیادہ خرید و فروخت میں پڑے گا اس کے شیاطین زیادہ ہوں گے اور جو بادشاہ سے زیادہ قرب رکھے گا تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور

ہو جائے گا..... اور احادیث اس بارے میں بہت ہیں اور مقصود یہ ہے کہ دنیا کی طرف نہ جھکو اور اس میں خود کو تباہ نہ کرو اور دنیا کی کثرت پر فخر نہ کرو۔“

وذكر عبید بن عمیر ورفعه الى الرسول عليه السلام من كثر ماله اشتد حسابه ومن كثر بيعة كثر شياطينه ومن ازداد من السلطان قرباً ازداد من الله بعدا والاعبار المناسبة لهذا الباب كثيرة والمقصود منها الزجر عن الارتكان الى الدنيا والمنع من التهالك في حبها والافتخار بها. (تفسير كبير)

دو علمی تحفے

‘امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں حُبِّ دنیا کی مذمت میں عجیب اور مفصل تقریر فرمائی ہے اور امام ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں وہ آیات ذکر فرمائی ہیں جن میں کافروں کے مال اور ظاہری ترقی کی طرف مسلمانوں کو نہ دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

شائقین طلباء کرام تفسیر کبیر اور ابن کثیر میں یہ دونوں اہم بحثیں ملاحظہ فرمائیں



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ ۝ آيَةُ ۵۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ

اور اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ بے شک تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں لیکن وہ

يَفْرَقُونَ ﴿۵۶﴾

ڈرتے ہیں

خلاصہ

ان منافقین کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ اپنے مسلمان ہونے کی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں بلکہ خالص ڈرپوک لوگ ہیں جن کا مقصد بس اپنی جان بچانا اور اپنے لئے امن پانا ہے۔

سچے مسلمان کو قسموں کی کیا ضرورت؟

”سچے مومن کو اپنے ایمان پر قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی، اہل ایمان اس کے حالات اور معاملات اور احوال و اعمال اور برتاؤ کو دیکھ کر ہی اسے مومن سمجھتے ہیں..... اور منافقین کا رنگ ڈھنگ بتاتا ہے کہ یہ اندر سے مومن نہیں ہیں اس لئے اہل ایمان ان سے بچتے ہیں اور انہیں اپنا نہیں سمجھتے لہذا (وہ) بار بار قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تمہیں میں سے ہیں۔“ (انوار البیان)

اپنے ایمان پر قسمیں کھانا منافقین کا طریقہ

بَيِّنَ ان من اخلاق المنافقين الحلف بأنهم مؤمنون
یعنی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ منافقین کی عادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مسلمان ہونے کی قسمیں کھاتے ہیں۔ (القرطبی)

اللہ کے نبی نے جہاد پر بلایا تو نہیں گئے، نماز میں سستی، زکوٰۃ اور صدقات میں بددلی اور کافروں سے یارانے اور تعلقات اور پھر زوردار قسمیں کہ ہم مسلمان ہیں، ہم مسلمان ہیں۔
یہ طبقہ ہر زمانے میں مسلمانوں کے لئے پریشانی کا باعث بنا رہتا ہے۔

مسلمانوں کے گھر پیدا ہو گئے

”منافقین کی عام عادت یہی ہے کہ قسمیں کھا کر اپنی باطل پرستی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، مسلمانوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ ہیں، حالانکہ وہ خوف و دہشت سے سہمے جاتے ہیں اور سچی بات زبان سے نہیں

نکال سکتے، اس لئے کہ اگر ان میں ہمت ہوتی تو اللہ کے نام پر جان دینے سے جی نہ چراتے، گویا ان کی اصلی حالت یہ ہے کہ صرف دکھانے کی خاطر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں کیونکہ وہ ایک مسلمان کے گھر پیدا ہوئے، ان کے تمام رشتہ دار بھی اتفاق سے مسلمان واقع ہوئے ہیں، اگر انہیں موقع مل جاتا تو فوراً اسلام کو خیر باد کہہ دیتے، اب صرف گرد و پیش کی مجبوریوں نے ان کو مسلمان بنا دیا ہے۔ (تفسیر الفرقان)

صاحب عبارت نے اپنے زمانے کے بعض لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ صاحب تفسیر ماجدی بھی اسی طرح کا ایک اشارہ درج ذیل عبارت میں فرماتے ہیں:

”آج بھی ہمارے اندر کتنے لوگ ایسے ہیں جو محض سوسائٹی کے ڈر سے اور اس مجبوری کی بناء پر کہ کوئی دوسری سوسائٹی انہیں عزت کے ساتھ اپنے اندر جذب کرنے اور قبول کرنے پر تیار نہیں، محض سوشل حیثیت سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کئے ہوئے، اپنے کو اسلامی سوسائٹی کا رکن بنائے ہوئے اور اپنا نام مردم شماری کے رجسٹروں میں مسلمان کے خانہ میں لکھائے ہوئے ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

اور ایسے لوگ بھی ہیں جو مسلمانوں کا حکمران بنے رہنے کے لئے زور دے کر خود کو مسلمان کہتے ہیں حالانکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے ذرہ برابر خیر خواہ نہیں ہوتے۔

مشکل وقت میں کام نہیں آتے

”آڑے وقت (یعنی مشکل وقت) تو اسلام کے کام نہیں آتے (کہ جہاد وغیرہ میں شرکت نہیں کرتے) اور ویسے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم یکے مسلمان ہیں۔“ (حاشیہ حضرت لاہوی)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكْنَسِيَةً آیت ۵۷

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَوْ يَجِدُونَ مَلَجًا أَوْ مَغْرَبًا أَوْ مَدَّ خَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ

اگر وہ کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا گھنے کی جگہ پائیں تو دوڑتے ہوئے

وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿۵۷﴾

ادھر جائیں

خلاصہ

جب اسلام اور مسلمانوں کو قوت ملتی ہے تو یہ منافقین خوف اور نفرت میں جلنے لگتے ہیں چونکہ ان کے پاس بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہوتی اس لئے ڈر کی وجہ سے خود کو مسلمان کہتے ہیں مگر وہ اس تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی قوم ان کو پناہ دے دے یا کسی بھی جگہ وہ مسلمانوں سے دور اپنی بددینی کی زندگی گزاری سکیں..... انہیں اگر ایسی کوئی پناہ گاہ مل جائے تو وہ دوڑ کر وہاں چلے جائیں۔

وہ اسلام اور مسلمانوں سے نفرت رکھتے ہیں

”پھر منافقین کی قلبی بے تعلقی کا تذکرہ فرمایا کہ انہیں کوئی دوسرا ٹھکانہ میسر نہیں اس لئے تم سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں اور تمہاری جماعت کی طرف منسوب ہوتے ہیں اگر انہیں کوئی ٹھکانہ مل جائے جس میں پناہ لے سکیں یا کوئی غار مل جائے جس میں چھپ سکیں یا داخل ہونے کے لئے کوئی دوسری جگہ مل جائے تو تیزی کے ساتھ اس میں چلے جائیں گے اور تمہاری طرف سے نظریں پھیر لیں گے اور پوری طرح طوطا چٹشی اختیار کر لیں گے تم سے انہیں بالکل بھی قلبی تعلق نہیں۔ (انوار البیان)

ملجاً کا معنی

تفسیر مظہری میں ہے:

مَلَجًا یعنی کوئی حفاظت کا مقام جس میں پناہ لی جاسکتی یا کوئی قوم جس کے پاس جا کر امن مل جاتا۔ (مظہری)

مسلمانوں کے لئے تسلی

غزوہ تبوک کا بیان چل رہا ہے منافقین نے جانے سے انکار کر دیا تھا، مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ ان کا نہ جانا اچھا ہے۔ یہ تمہارے دوست نہیں ہیں کہ تمہیں ساتھ جا کر فائدہ پہنچاتے بلکہ یہ تو تمہارے دشمن ہیں ان کو موقع ملے تو تمہیں فوراً چھوڑ کر چلے جائیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

یہ منافق مسلمانوں کی ترقی اور فتح نہیں دیکھ سکتے

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ولهذا لا يزالون في هم وحزن وغم لان الاسلام واهله لا يزال في عز ونصر ورفعة فلهذا كلما سر المسلمون ساء هم ذلك فهم يودون ان لا يخالطوا المؤمنين.

یعنی منافقین مسلمانوں کی فتح اور عزت و سر بلندی و کچھ کر ہمیشہ غم، پریشانی اور تکلیف میں رہتے ہیں اور مسلمانوں کی ہر خوشی ان کے لئے غم کا سبب بنتی ہے اسی لئے وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ نہ رہیں۔ (ابن کثیر)

آج بھی اگر کسی علاقے میں اسلام غالب آجائے، مسلمانوں کی اسلامی حکومت قائم ہو جائے اور وہ اسلام کو نافذ کر دیں تو اس آیت کا منظر ساری دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گی کہ کس طرح خود کو مسلمان کہلوانے والے بعض لوگ رسیاں تڑوا کر کافروں کی پناہ میں بھاگتے ہیں۔ ویسے بھی اپنی بدوینی کو تحفظ دینے کے لئے غیر ملکوں میں پناہ لینے والوں کی آج بھی کوئی کمی نہیں ہے حالانکہ نام سے وہ خود کو مسلمان کہلواتے ہیں۔



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ ۝ آيَةُ ۵۸

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْتَمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا

اور بعضے ان میں سے وہ ہیں جو خیرات بانٹنے میں تجھے طعن دیتے ہیں سو اگر انہیں اس میں سے مل جائے تو راضی

وَأِنْ لَّمْ يُعْطُوا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ۝ ۵۸ وَكَوَاْنَهُمْ

ہوتے ہیں اور اگر نہ ملے تو فوراً ناراض ہو جاتے ہیں۔ اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اسی پر

رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ

راضی ہو جاتے جو انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے دیا ہے اور کہتے ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے

سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ۝ ۵۹

وہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول۔ ہم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں

خلاصہ

اب ایسے لوگوں کا تذکرہ آتا ہے جو جہاد سے صرف اس لئے بھاگتے ہیں کہ انہیں روپیہ (یعنی مال) نہیں ملتا، اگر آج روپیہ مل جائے تو ہر طرح کی خدمت کو تیار ہیں، گویا وہ روپیہ (یعنی مال) کے بندے (یعنی غلام) ہیں (تفسیر الفرقان)

یہ خود کو جہاد سے مستثنیٰ کرنے والوں کی تیسری قسم ہے کہ جن کو جہاد سے رضائے الہی اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم مطلوب نہیں بلکہ مال کمانا مقصود ہے اگر مال تھوڑا ملے تو وہ بگڑ جاتے ہیں، اگر انہیں مال مطلوب نہ ہوتا تو جتنا ملتا اس پر اکتفاء کرتے اور کہتے ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے جب ضرورت ہوگی پھر دے دے گا۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)

آیت مبارکہ کا ربط

غزوہ تبوک کا بیان چل رہا ہے منافقین نے طرح طرح کے بہانے بنا کر جانے سے انکار کر دیا تو ان منافقین کی برائیاں اور احوال بیان ہو رہے ہیں۔ ان کی ایک برائی یہ ہے کہ وہ مال کے بے حد حریص ہیں اور اگر مال کم ملے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی زبان چلانے سے باز نہیں آتے..... اسی طرح ان کی ایک برائی یہ ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اعتماد نہیں ہے ان کو یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ نعوذ باللہ مال غنیمت کی تقسیم میں انصاف نہیں ہوتا..... اور ان کی ایک برائی یہ ہے کہ وہ جہاد نہیں کرتے اور اگر کریں بھی تو اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں مال کے لئے کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کا مسلمانوں کے ساتھ نہ جانا مسلمانوں کے حق میں اچھا ہی رہا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

شان نزول کے واقعات

حضرات مفسرین نے اس آیت مبارکہ کے شان نزول میں کئی واقعات لکھے ہیں جن میں زیادہ مشہور واقعہ ”ذو الخویصرۃ التیمی“ کا ہے جس کا اصل نام ”حرقوص بن زہیر“ تھا..... بخاری و مسلم کی روایت ہے:

بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقسم مالا اذ جاءه حرقوص بن زہیر۔ اصل الخوارج ویقال له ذو الخویصرۃ التیمی، فقال: اعدل یا رسول اللہ فقال: ویلک ومن یعدل اذا لم اعدل فنزلت الآیة۔ (القرطبی)

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال تقسیم فرما رہے تھے، اس دوران حرقوص بن زہیر (خوارج کا مورث اعلیٰ) آیا اس نے کہا یا رسول اللہ انصاف سے کام لیجئے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہلاکت ہو تیرے لئے، اگر میں انصاف نہیں کرتا تو پھر کون انصاف کرے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قبیلہ ہوازن سے حاصل شدہ مال غنیمت کی تقسیم کی وقت پیش آیا۔ (یعنی غزوہ حنین کی فتح کے بعد) بعض روایات میں اعتراض اور نکتہ چینی کرنے والے کا نام ”معتب بن قثیر“ لکھا ہے جو منافق تھا۔ (مظہری)

در منثور ص ۲۵۰ ج ۳ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے موقع پر غنیمت کے اموال تقسیم فرمائے تو میں نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ یہ تو ایسی تقسیم ہے جس کے ذریعہ اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا (العیاذ باللہ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس بات کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا: اللہ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ تکلیف دی گئی پھر انہوں نے صبر کیا اس پر یہ آیت وَ مِنْهُمْ مَنْ یَلْمِزُکَ فِی الصَّدَقَاتِ نازل ہوئی۔ (انوار البیان)

صاحب تفسیر مظہری شان نزول کے کئی واقعات ذکر کرنے کے بعد ان پر رد کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

میرے نزدیک اس آیت کا نزول اس موقع پر ہوا جب لوگ تبوک کے لشکر کی تیاری کے لئے مال، صدقات لا رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان صدقات کی تقسیم کر رہے تھے (اس وقت منافقین نے کچھ اعتراضات اٹھائے)۔ (تفسیر مظہری)

منافقین طالب دنیا

”جن لوگوں کے دلوں میں دنیا کی محبت رچی ہوئی ہوتی ہے، وہ مال ہی سے خوش ہوتے ہیں، دین و ایمان اور اعمال صالحہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے خوش نہیں ہوتے، انہیں اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ ہمیں نعمت اسلام مل گئی اور اعمال صالحہ کی دولت نصیب ہوگئی بلکہ حُب دنیا کی وجہ سے وہ دنیا ملنے ہی کے منتظر رہتے ہیں دنیا مل گئی تو خوش اور نہ ملی تو ناخوش، منافقوں کے دلوں میں چونکہ ایمان نہیں تھا اور دنیا کے منافع ہی کے لئے جھوٹے منہ سے اپنے مسلمان

ہونے کا دعویٰ کر دیا تھا اس لئے مال نہ ملنے پر ان کا موڈ خراب ہو جاتا تھا۔ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا (سوا گران کو صدقات میں سے مال دے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں) وَإِنْ لَّمْ يُعْطُوا مِنْهَا إِذًا هُمْ يَسْخَطُونَ (اور اگر ان کو ان (صدقات) میں سے نہ دیا جائے تو اسی وقت (فوراً) ناراض ہو جاتے ہیں، طالب دنیا کو بس مال چاہئے جو فانی ہے اور ایمان اور اعمال صالحہ کے مقابلہ میں حقیر چیز ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہلاک ہو دنیا کا غلام اور درہم کا غلام اور چادر کا غلام اگر کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائے اور نہ دیا جائے تو ناراض ہو جائے، یہ شخص ہلاک ہو اور اوندھے منہ گرے اور جب اسے کاٹنا لگ جائے تو خدا کرے اس کا کاٹنا نہ نکلے (بخاری) غور کرو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے طالب دنیا کو کیسی بددعا دی۔“

مزید فرمایا:

وَكُتِبَ لَهُمْ مَرَضُ مَا أَتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ

بات یہ ہے کہ مومن آدمی اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی سے امیدیں باندھ رکھتا ہے، تھوڑا مال جو اللہ کی طرف سے مل جائے اس پر بھی راضی رہتا ہے اور منافق تھوڑے پر راضی نہیں ہوتا برکتوں سے واقف نہیں ہوتا، اللہ سے لو نہیں لگاتا، ہر وقت مال ہی کی طلب اور حرص میں لگا رہتا ہے۔ (انوار البیان)



سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ آیت ۲۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا

زکوٰۃ مفلسوں اور محتاجوں اور اس کا کام کرنے والوں کا حق ہے

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَرَمِينَ وَفِي سَبِيلِ

اور جن کی دلجوئی کرنی ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرض میں اور اللہ تعالیٰ کی راہ

اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

میں اور مسافر کو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے

خلاصہ

چونکہ صدقات کی تقسیم کے معاملہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن اور اعتراض کیا گیا تھا اس لئے اس آیت میں متنبہ فرماتے ہیں کہ صدقات کی تقسیم کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اس نے صدقات وغیرہ کے مصارف متعین فرما کر فہرست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے مطابق تقسیم کرتے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کسی کی خواہش کے تابع نہیں ہو سکتے حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے صدقات (زکوٰۃ) کی تقسیم کو نبی یا غیر نبی کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا بلکہ بذات خود اس کے مصارف متعین کر دیئے ہیں جو آٹھ ہیں: ۱ فقراء (جن کے پاس کچھ نہ ہو) ۲ مساکین (جن کو بقدر حاجت میسر نہ ہو) ۳ عاملین (جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات وصول کرنے پر مامور ہوں) ۴ مؤلفۃ قلوب (جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں) (وغیر ذلک من الانواع) اکثر علماء کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد (انتظاماً) یہ مد نہیں رہی) ۵ رقاب (یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزادی دلائی جائے یا خرید کر آزاد کیے جائیں یا قیدیوں کو فدیہ دے کر رہا کرایا جائے) ۶ غارمین (جن پر کوئی حادثہ پڑا اور مقروض ہو گئے یا کسی ضمانت وغیرہ کے بار میں دب گئے) ۷ سبیل اللہ (جہاد وغیرہ میں جانے والوں کی اعانت کی جائے) ۸ ابن السبیل (مسافر جو حالت سفر میں مالک نصاب نہ ہوا اگرچہ اپنے گھر میں مالدار ہو)۔ (تفسیر عثمانی، تسہیل)

اقوال وحوالے

جہاد کے موقع پر مصارف زکوٰۃ کا بیان اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ مال کی تقسیم کا معاملہ بسا اوقات جماعت

میں اختلاف کا باعث بنتا ہے اور مال کے حریص لوگ ”تقسیم کرنے والوں پر“ الزامات لگاتے ہیں اور یوں آپس میں پھوٹ پڑ جاتی ہے، غزوہ تبوک کے موقع پر بھی منافقین دیگر بہانوں کے ساتھ اس طرح کی باتیں بھی کر رہے تھے، اس لئے بتا دیا گیا کہ مال زکوٰۃ کی تقسیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس مال کو اپنے اختیار سے تقسیم فرماتے ہیں اس کی تقسیم کا اختیار بھی اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو دیا ہے، حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

منافقین نے تقسیم صدقات پر اعتراض کیا تھا، اب مصارف مال زکوٰۃ کا اعلان کیا جاتا ہے تاکہ ان منافقین کو پتہ لگ جائے کہ صدقات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی والی کو کوئی ذاتی غرض نہیں ہے آپ تو اس سے ایک کوڑی لینے کے بھی روادار نہیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

فائدہ

اس آیت مبارکہ میں چونکہ اسلام کے ایک اہم رکن ”زکوٰۃ“ کے حتمی مصارف کا بیان ہے اس لئے حضرات مفسرین نے اس پر خوب دل کھول کر لکھا ہے۔

اسی طرح فقیر اور مسکین کے معنی میں بھی کئی اقوال ہیں اور زکوٰۃ کے بعض مسائل میں ائمہ کرام کا اختلاف بھی ہے اسے بھی حضرات مفسرین نے دلائل کے ساتھ لکھا ہے شائقین حضرات تفاسیر معتبرہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

فی سبیل اللہ سے مراد جہاد

زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک ”فی سبیل اللہ“ ہے جس سے اکثر مفسرین نے ”جہاد“ مراد لیا ہے۔ چنانچہ تفسیر ماجدی میں ہے:

”لفظی معنی کے اعتبار سے اس مد میں تو ہر وہ خرچ آ جاتا ہے جو اللہ کی رضا جوئی کے لئے کیا جائے لیکن مفسرین نے احادیث نبوی اور آثار صحابہؓ کی روشنی میں خرچ کی اس مد کو عموماً مجاہدین تک محدود رکھا ہے۔

اراد بها الغزاة فلهم سهم من الصدقة (معالم) فمنهم الغزاة الذين لاحق لهم في الديوان (ابن كثير) هم الغزاة وهذا قول اكثر العلماء وهو تحصيل مذهب مالك (القرطبي). (تفسیر ماجدی)

اس قول کی تائید میں چند دیگر عبارتیں ملاحظہ فرمائیے:

① وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ اِي الْقَائِمِينَ بِالْجِهَادِ، مِمَّنْ لَا فِىءَ لَهُمْ ، وَلَوْ اغْنِيَاءُ (جلالین)

② اور اللہ کی راہ یعنی جہاد کا خرچ (موضح القرآن)

③ اور جہاد کرنے والوں کے سامان میں (بیان القرآن)

④ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَهُمْ الْغَزَاةُ وَمَوْضِعُ الرِّبَاطِ يَعْطُونَ مَا يَنْفِقُونَ فِي غَزْوِهِمْ كَانُوا اغْنِيَاءَ او فقراء (القرطبی)

یعنی اس سے مراد مجاہدین ہیں اور جہادی مقامات، ان مجاہدین کو زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا جو وہ اپنے جہادی

کاموں میں خرچ کریں گے برابر ہے کہ وہ مالدار ہوں یا فقیر۔ (حنفیہ کے ہاں فقر شرط ہے)

⑤ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ فقراء الغزاة او الحجاج المنقطع بهم (المدارک)

⑥ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ قال المفسرون: یعنی الغزاة (تفسیر کبیر)

⑦ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ هو المجاهد يعطى منها اذا كان فقيرا والجمهور على انه يعطى

منها وان كان غنياً ما ينفق في غزوته۔

یعنی مراد اس سے مجاہد ہے جب ضرورت مند ہو مگر جمہور کا قول یہ ہے کہ مجاہد کو جہادی کاموں کے لئے زکوٰۃ دی جائے گی اگر چہ غنی ہو۔ (البحر المحیط)

ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ فِي سَبِيلِ اللَّهِ کا اولین مصداق مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

اور بعض مفسرین نے لفظ فِي سے یہ نکتہ بھی بیان فرمایا ہے کہ یہ مصرف دیگر مصارف سے زیادہ اہم اور تاکید ہے۔

کئی مفسرین حضرات نے فِي سَبِيلِ اللَّهِ کے مصرف میں مجاہدین کے علاوہ بعض دیگر افراد کو بھی شامل فرمایا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے قرطبی، روح المعانی و دیگر تفاسیر معتبرہ۔ (واللہ اعلم بالصواب)



فہرست

سُورَةُ الْاَنْفَالِ

صفحہ نمبر	عنوانات
۶	ابتدائیہ
۷	پچھتر آیات میں مضامین جہاد کا خلاصہ
۱۲	زمانہ نزول
۱۳	وجہ تسمیہ
۱۳	مال غنیمت کو انفال کیوں کہتے ہیں؟
۱۵	نکتہ، بشارت، فائدہ، کلام برکت
۱۶	سورة الانفال کا مختصر خلاصہ
۱۶	یہ اقدامی جہاد تھا، (۱۵) قوانین جنگ
۱۷	(۲۰) فوائد جہاد
۱۹	مجاہدین کے (۲۵) اوصاف
۱۹	حضرت لاہوریؒ کی تحقیق
۲۰	سورة الانفال آیت (۱) خلاصہ
۲۱	اقوال و حوالے
۲۱	پوچھنے والے کون تھے؟
۲۲	فائدہ، مجاہدین کی زبردست اصلاح
۲۳	اسلامی معیشت کا اہم اصول، تقویٰ اور جہاد
۲۴	تقویٰ کے عجیب معنی
۲۵	جہاد کے لئے بڑا خطرہ، تقویٰ کے عجیب فوائد
۲۵	مجاہدین کے باہمی تعلقات
۲۴	خلاصہ مضمون
۲۷	تنبیہ، زبان کی حفاظت کے لئے
۲۷	(۱) اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت
۲۸	(۳) جہاد اور اطاعت، خلاصہ مضمون

۲۹	ایمانِ کامل
۳۰	سورۃ انفال (۲، ۳، ۴) خلاصہ، فائدہ
۳۱	اقوال و حوالے
۳۳	خلاصہ مضمون
۴۰	غزوہ بدر کبریٰ، رمضان المبارک ۲ھ
۴۱	آغاز قصہ
۴۲	رواگی
۴۵	قریش کی رواگی کی اطلاع اور صحابہؓ سے مشورہ اور حضرات صحابہ کرامؓ کی جاں نثارانہ تقریریں
۴۵	حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی جاں نثارانہ تقریر
۴۶	حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی جاں نثارانہ تقریر
۴۷	تنبیہ
۴۸	عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب، فائدہ
۴۹	جہیم بن الصلت کا خواب
۵۱	جنگ کی تیاری
۵۳	میدان کارزار میں عتبہ کی تقریر
۵۳	فائدہ، آغاز جنگ
۵۵	ذکر قتل عتبہ و شیبہ و ولید
۵۷	فائدہ
۵۷	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ خداوندی میں دعاء فتح
۵۹	ایک شبہ اور اس کا ازالہ
۶۰	اہل اسلام کی امداد کیلئے آسمان سے فرشتوں کا نزول
۶۱	نکتہ
۶۲	فرشتوں کو طریقہ جہاد و قتال کی تعلیم
۶۳	ابو جہل کی دعا اور لوگوں کو جنگ کیلئے جوش دلانا
۶۷	امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کا قتل
۶۸	ابو جہل عدو اللہ، فرعون امت رسول اللہ کا قتل

۶۸	فتح کے بعد ابو جہل کی لاش کی تلاش
۷۰	نکتہ، فائدہ
۷۱	اسیران بدر
۷۱	مقتولین بدر کی لاشوں کا کنوس میں ڈلوانا
۷۲	فتح کی بشارت کیلئے مدینہ منورہ قاصد روانہ کرنا
۷۳	مال غنیمت کی تقسیم
۷۴	فائدہ
۷۴	اسیران بدر کی مسلمانوں میں تقسیم اور ان کے ساتھ سلوک اور احسان کا حکم
۷۴	اسیران بدر کی بابت مشورہ
۷۸	فدیہ لینے پر عتاب الہی کا نزول
۷۹	فائدہ
۸۰	ایک شبہ اور اس کا جواب
۸۱	خلاصہ کلام، فضائلِ بدرتین
۸۲	تعدادِ بدرتین
۸۳	اسماء ملائکہ بدرتین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین
۸۳	اسماء شہداء بدر رضی اللہ عنہم ورضواعتہ
۸۸	اسلام کے مقابلہ میں قوم اور وطن کی حمایت
۸۹	غزوہ بدر پر دوبارہ نظر
۹۴	خلاصہ کلام
۹۵	سورۃ الانفال (۶، ۵) خلاصہ، ربط
۹۵	غزوہ بدر کا تذکرہ، جامع تفسیر
۹۶	ایک وضاحت
۹۷	جہاد ”حق“ ہے، ایک شبہ کا جواب، کما کی ترکیب
۹۸	خلاصہ کلام، ایک دلچسپ قول
۹۹	دفع اشکال
۱۰۰	جہاد میں نکلنا ایک عظیم الشان نعمت ہے، اسباق

۱۰۱	سورۃ الانفال آیت (۷، ۸)، خلاصہ، اقوال و حوالے
۱۰۱	کافروں سے مقابلہ اللہ تعالیٰ کا انعام
۱۰۲	کلام برکت
۱۰۲	حق کا حق ہونا ظاہر فرمادے
۱۰۳	کلمات سے کیا مراد ہے؟
۱۰۴	اسباق
۱۰۵	سورۃ الانفال (۱۰۹) خلاصہ، شان نزول
۱۰۷	جنگ کا ماحول بنتے ہی فوراً دیا
۱۰۷	مجاہدین اپنی نظر خالص اللہ تعالیٰ پر رکھیں
۱۰۸	عزیز حکیم، اسباق
۱۰۹	سورۃ انفال (۱۱)، خلاصہ
۱۰۹	اقوال و حوالے، جامع تفسیر
۱۱۰	اونگھ کے دو فائدے
۱۱۰	۷ رمضان المبارک کی رات بارش ہوگئی
۱۱۱	طہارت اور جہاد
۱۱۱	بارانِ رحمت مشرکین کے لئے زحمت، جہاد سب سے افضل عبادت
۱۱۱	دشمنوں کو اقتصادی نقصان پہنچانے کے لئے حملہ جائز ہے
۱۱۲	قتال میں اونگھ اللہ تعالیٰ کی نعمت
۲۱۱	چھ وجوہات، اسباق
۱۱۳	سورۃ الانفال (۱۲) خلاصہ، تلخیص مضامین
۱۱۵	ایک سوال کا جواب، جامع تفسیر
۱۱۵	فرشتوں کا دلوں کو مضبوط کرنا
۱۱۶	کافروں کے دلوں پر رعب بہت بڑی الہی نعمت
۱۱۷	اسباق
۱۱۸	سورۃ انفال (۱۳، ۱۴) خلاصہ
۱۱۸	سب سے بڑے مجرم، مجاہدین کی شان

۱۱۹	اصل عذاب باقی ہے، اسباق
۱۲۰	سورة الانفال (۱۵) (۱۶) خلاصہ
۱۲۰	یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے
۱۲۱	اس حکم کی مکمل وضاحت
۱۲۹	میدان جنگ سے بھاگنا حرام ہے
۱۲۳	زبردست جنگی تدبیر، قرآنی ماحول
۱۲۶	جرم پر استغفار، اسباق، الحاق
۱۲۶	سورة الانفال (۱۷، ۱۸) خلاصہ
۱۲۶	عظیم الشان نعمت
۱۲۷	عجب اور انانیت کا خاتمہ
۱۲۷	رمی یعنی پھینکنے کے واقعات
۱۲۹	ایک ایمان افروز اشارہ، کلام برکت
۱۲۹	نکتہ
۱۳۰	اسباق، حوالہ
۱۳۱	سورة الانفال (۱۹) خلاصہ
۱۳۱	شان نزول
۱۳۲	اب تم نے دلیل دیکھ لی ہے
۱۳۲	اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے
۱۳۳	اسباق
۱۳۳	سورة الانفال (۲۰، ۲۱) خلاصہ، ربط
۱۳۵	جہادی معارف
۱۳۳	ربط کے بارے میں دو حوالے
۱۳۷	نکتہ، اسباق
۱۳۲	سورة الانفال (۲۲، ۲۳) خلاصہ
۱۳۸	ان آیات کے اولین مصداق
۱۳۹	جانوروں سے بدتر، ترک جہاد پر سخت وعید

۱۳۹	نکتہ، دیگر اقوال
۱۴۰	چاروں آیات کا خلاصہ تفسیر، سبق عبرت
۱۴۱	سورۃ الانفال (۲۳) خلاصہ
۱۴۱	پچھلے مضمون کی تاکید، حیات والاعمل کون سا؟
۱۴۲	مسئلہ حل ہو گیا، حائل ہونے کا معنی
۱۴۵	اسباق
۱۴۶	سورۃ الانفال (۲۵) خلاصہ، ربط
۱۴۷	فتنہ کے معنی، کسی گناہ کا جڑ پکڑ لینا
۱۴۷	دو آیات کی مختصر تفسیر
۱۴۸	فتنہ سے مراد ترک جہاد
۱۴۹	الانفال (۲۶) خلاصہ، تفسیر الفاظ
۱۵۰	ایک دلچسپ عبارت، سبق
۱۵۱	الانفال (۲۷) خلاصہ، ربط
۱۵۱	دانش تفسیر
۱۵۲	شان نزول
۱۵۳	جامع تفسیر، خیانت کا ایک اور معنی
۱۵۳	خیانت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ
۱۵۳	اسباق، ایک نکتہ
۱۵۵	نکتہ
۱۵۶	سورۃ الانفال (۲۸) خلاصہ، ربط
۱۵۶	مال و اولاد کی دو قسمیں
۱۵۷	فتنہ یا سبب فتنہ؟
۱۵۷	اسباق، نکتہ
۱۵۹	الانفال (۲۹) خلاصہ
۱۵۹	تفسیری اقوال، ”فرقان“ سے مراد غلبے کی بشارت ہے
۱۶۰	فرقان کے تین مفہوم

۱۶۱	فرقان کے معنی علمی فیصلہ اور عملی فیصلہ
۱۶۲	اور ایک ربط یوں بھی ہو سکتا ہے
۱۶۲	فرقان سے مراد غزوہ بدر ہے، فرقان کا مطلب اللہ تعالیٰ کی مدد
۱۶۳	فرقان کے معنی خلاصی کی صورت
۱۶۳	فرقان کے معنی فتح و نصرت
۱۶۳	فرقان کے معنی میں امام رازیؒ کی تحقیق
۱۶۴	عبرت، نکتہ، گناہوں کا کفارہ اور معافی
۱۶۵	اسباق
۱۶۲	سورۃ الانفال (۳۰) خلاصہ، فرقان نصیب ہونے کا عجیب واقعہ
۱۶۷	مختصر واقعہ
۱۶۸	فتح کی خوشی کو بڑھانے والی آیت، تنبیہ، فائدہ
۱۶۲	بعض الفاظ کی تفسیر نکتہ
۱۷۰	سورۃ الانفال (۳۱) خلاصہ، ربط
۱۷۱	شان نزول، اگر ہم چاہیں
۱۷۰	دور حاضر اور یہ آیات، قرآن پاک کا عجیب اعجاز، ایک دلچسپ عبارت
۱۷۳	سورۃ الانفال (۳۲) خلاصہ، ربط، مختصر تفسیر، کلام برکت
۱۷۵	کافروں کا غرور
۱۷۶	سورۃ الانفال (۳۳) خلاصہ، اقوال و حوالے، کلام برکت، چند مزید اقوال
۱۷۷	روایت ترمذی، عجیب نکتہ
۱۷۸	سورۃ الانفال (۳۴) خلاصہ، دوسرا قول
۱۷۹	کعبۃ اللہ کے آزاد ہونے کی بشارت ہے، فائدہ، عذاب کا مقتضا موجود ہے
۱۸۰	عذاب کا مطلب
۱۸۱	سورۃ الانفال (۳۵)، یہ جہاد کی بشارت ہے، غزوات نبویؐ کی طرف اشارہ ہے
۱۸۲	کفار کی ثقافتی جنگ
۱۸۳	سورۃ الانفال (۳۶)، شان نزول
۱۸۳	مختصر تفسیر، غلبہ اسلام کو روکنے کیلئے مال لگائیں گے

۱۸۴	فائدہ، اقتصادی جنگ، ایک بے حد اہم نکتہ
۱۸۵	آیت کا مضمون عام ہے، فائدہ
۱۸۶	سورۃ الانفال (۳۷) خلاصہ، کلام برکت، کلام رازئی
۱۸۷	فائدہ، نکتہ، دنیا کے اتحادی آخرت میں اکٹھے
۱۸۸	جہاد کرنے والے پاک اور چھوڑنے والے برعکس، اسباق
۱۹۰	سورۃ الانفال (۳۸) خلاصہ، اسلام پچھلے سب گناہ مٹا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت
۱۹۱	اگر پھر لڑیں گے، کافروں کو بدر کی یاد دہانی، دشمنی معاف کر دی جائے گی
۱۹۳	سورۃ الانفال (۳۹) خلاصہ، اقوال، (۱) کلام برکت، (۲) کافروں کی قوت پاش پاش ہو جائے
۱۹۳	(۳) حضرات صحابہ کرام نے آیت کا کیا معنی سمجھا؟
۱۹۳	(۴) جب تک زمین پر حق و سچ قائم نہ ہو جائے
۱۹۴	(۵) قرآن پاک کو اعلیٰ قانون کے درجے پر تسلیم کر لیا جائے، (۶) آیت کی جامع تفسیر
۱۹۵	(۷) جہاد کا حکم قیامت تک جاری و باقی ہے
۱۹۶	نکتہ، فائدہ
۱۹۸	سورۃ الانفال (۴۰) خلاصہ، جہاد اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر ہے، اگر وہ باز نہ آئیں
۱۹۸	یہ فتح کا صریح وعدہ ہے، اگر وہ جنگ کرتے رہے
۱۹۹	تم کسی کی پروا نہ کرو، بزدلی اور جہاد چھوڑنے کی کوئی گنجائش نہیں
۱۹۹	تمہارا اسلحہ کم مگر مددگار بڑا ہے، دعوت جہاد کا دلنشین اختتام
۲۰۰	نکتہ
۲۰۱	سورۃ الانفال (۴۱) خلاصہ، کلام برکت
۲۰۲	تقریر عثمانی، فائدہ
۲۰۳	آیت مبارکہ کا ربط
۲۰۵	غنیمت کے لغوی اور اصطلاحی معنی، بعض الفاظ کے معانی
۲۰۶	یوم الفرقان
۲۰۷	فائدہ، عجیب نکتہ
۲۰۸	سورۃ الانفال (۴۲) خلاصہ، کلام برکت
۲۰۹	بعض الفاظ کی ترکیب اور معنی

۲۱۶	جنگ بدر کا نقشہ بتانے کا مقصد، غزوہ بدر کی کیفیات
۲۱۱	جہاد سے دلیل واضح ہوتی ہے
۲۱۶	طے شدہ جنگ کیوں نہ ہوتی
۲۱۳	سورۃ الانفال (۸۳) (۸۴) خلاصہ، دو سوال
۲۱۴	کلام برکت، تقریر عثمانی
۲۱۵	کلام رازی، تحقیق حقانی، تقریر اندلی
۲۱۶	دوسرے سوال کا جواب، تقریر ابن کثیر
۲۱۶	تقریر عثمانی، تقریر قرطبی
۲۱۷	تحقیق نسفی، ایک قول، عجیب نصرت
۲۱۸	مجاہدین کے لئے خاص نظام قدرت
۲۱۹	سورۃ الانفال (۸۵)، اقوال و حوالے، کلام برکت
۲۲۰	آیت کا ربط، ثابت قدمی سے لڑو
۲۲۱	جنگ کے دوران کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو
۲۲۳	آیت میں ذکر سے کیا مراد ہے؟، تقریر عثمانی، تقریر نسفی، تحقیق رازی
۲۲۴	تقریر حصص، تحقیق قرطبی
۲۲۵	تقریر اندلی
۲۲۶	خلاصہ
۲۲۷	سورۃ الانفال: (۸۶) خلاصہ، اقوال
۲۲۸	کامیابی کی کنجی، تمام الفاظ کی جامع تفسیر
۲۲۹	اختلاف کی نحوست سے پسپائی
۲۳۰	نزاع اور اختلاف سے بچنے کا طریقہ صبر ہے
۲۳۱	ایک ایمان افروز عبارت
۲۳۲	سورۃ الانفال (۸۷) خلاصہ، آیت کا موضوع
۲۳۳	عبارات، (۱) کلام برکت، (۲) ذکر چھوڑنے اور نزاع کرنے کی نحوست، (۳) شکست کے اسباب
۲۳۳	(۴) جہاد عظیم الشان عبادت ہے
۲۳۴	(۵) ثابت قدمی تکبر کی وجہ سے نہ ہو، مجاہدین کے لئے اہم ترین نصیحت

۲۳۶	فخر، غرور اور تکبر مشرکین کی خصلت تھی، ریا کاری سے بچنا
۲۳۶	فائدہ، شان نزول کی ایک عبارت
۲۳۷	جہادی مضمون کی اہم آیت
۲۳۸	سورۃ الانفال (۴۸) خلاصہ، شان نزول
۲۴۰	آیت کا ربط
۲۴۱	عظیم معجزہ، خطرناک حملہ، غزوہ بدر کی اہمیت، شیطان کی رسوائی
۲۴۳	سورۃ الانفال (۴۹) خلاصہ، کلام برکت
۲۴۳	غلبہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ملتا ہے، مسلمان دھوکے میں نہیں توکل پر ہیں
۲۴۴	ربط، منافق کون تھے؟
۲۴۵	دلوں کے مریض کون تھے؟، وہ کس بات کو دھوکا کہہ رہے تھے؟
۲۴۶	عزیز حکیم، دین کی سرشاری
۲۴۷	سورۃ انفال (۵۰) (۵۱) خلاصہ، ربط
۲۴۸	کافروں کی موت کا منظر خوفناک، ابو جہل پر فرشتوں کی مار
۲۴۹	آگ کے کوڑے، نکتہ رازی
۲۵۰	سورۃ الانفال (۵۲) خلاصہ، تکذیب کا بدلہ تعذیب، ربط اور تفسیر
۲۵۱	دوسری تفسیر، معارف
۲۵۲	سورۃ الانفال (۵۳) خلاصہ، کلام برکت، رحمت کے بعد زحمت، کفار مکہ کی خراب حالت
۲۵۳	نکتہ لسانی، تقریر عثمانی، تقریر ماجدی
۲۵۴	فائدہ
۲۵۶	الانفال (۵۴) خلاصہ، فرعون کا تذکرہ
۲۵۷	دونوں آیات میں تکرار نہیں ہے
۲۵۸	الانفال (۵۵، ۵۶، ۵۷) خلاصہ، شان نزول
۲۶۰	ربط
۲۶۱	بعض جملوں اور الفاظ کے مفہام
۲۶۲	(۱) کافروں کی کمرہمت ٹوٹ جائے، (۲) یہ بدترین جانور ہیں
۲۶۳	فائدہ

۲۶۴	الانفال (۵۸) خلاصہ، جامع تفسیر
۲۶۵	حفاظت کی تدابیر، اہم مسئلہ
۲۶۶	اسلام اور عہد کی حفاظت، خائن ترقی نہیں کر سکتا
۲۶۷	الانفال (۵۹) خلاصہ، رابطہ
۲۶۸	فائدہ
۲۶۹	الانفال (۶۰) خلاصہ، دلنشین عبارتیں، (۱) تقریر عثمانی
۲۷۰	(۲) تقریر اشرفی، فائدہ
۲۷۱	(۳) تقریر حقانی، (۴) تقریر ماجدی
۲۷۲	(۵) تقریر خواجہ، (۶) تقریر عاشق الہی
۲۷۳	(۷) تقریر احمدی، (۸) کلام برکت، ہر طرح کی قوت تیار کرو
۲۷۴	اسلحہ سیکھنا فرائض میں سے ہے
۲۷۵	کافروں پر دہشت مسلمانوں کے لئے مفید
۲۷۶	مکمل جہادی تیاری، متفرق نکات، جہاد قیامت تک جاری رہے گا
۲۷۷	بے بسی کا عذر غلط ہے
۲۷۸	اصل چیز دہشت ہے، دہشت کس چیز سے پڑتی ہے؟
۲۷۹	ایک شبہ کا ازالہ، اے مسلمانو! اس حکم پر عمل کرو
۲۸۰	اسلام اور جہاد کی تیاری، افرادی قوت
۲۸۱	عسکری قوت، حدیث
۲۸۲	جہاد کی تیاری کی ضرورت
۲۸۳	قابل غور
۲۸۴	جہاد کی تیاری کا وجوب
۲۸۵	الانفال (۶۱) خلاصہ، رابطہ، صلح کی پیشکش قبول کرنا ضروری نہیں
۲۸۶	تفسیر احکام القرآن کا مطالعہ کریں، کلام برکت
۲۸۷	دس سال سے زائد جنگ بندی کا معاہدہ، تقریر عثمانی، فائدہ
۲۸۸	الانفال آیت (۶۲، ۶۳) خلاصہ، غزوہ بدر کی یاد دہانی
۲۸۹	اور مسلمانوں کے ذریعہ قوت دی، ایک سوال کا جواب

۲۹۸	دلوں میں الفت بہت بڑی نعت
۲۹۹	(۱) دلوں کی حالت بالکل بدل گئی، (۲) ایک سو بیس سالہ دشمنی ختم
۲۹۹	(۳) روئے زمین کے خزانے خرچ کرنے سے بھی یہ کام نہ ہوتا
۳۰۰	نکتہ، (۴) غلبے کی بشارت، (۵) کلام برکت
۳۰۱	فائدہ
۳۰۲	الانفال (۶۴) خلاصہ، آسان تفسیر، کلام برکت
۳۰۳	شان نزول، عجیب ربط، اللہ والی جماعت کے لئے اللہ تعالیٰ کا فی، نکتہ
۳۰۴	بشارت، فائدہ
۳۰۵	الانفال (۶۵، ۶۶) خلاصہ
۳۰۶	مضامین آیت، ربط، حرص کے معنی کی تحقیق
۳۰۹	تقریر عثمانی
۳۱۰	تنبیہ، تقریر احمدی
۳۱۱	تقریر خواجہ، کافروں کے کمزور ہونے کی وجہ
۳۱۳	آیت مبارکہ کا حکم، کیا آیت ۶۵ کا حکم منسوخ ہے؟
۳۱۴	صابر مسلمان، کمزوری کا کیا مطلب ہے، جہاد کو جاری رکھنے کا ذریعہ
۳۱۶	الانفال (۶۷) خلاصہ، کلام برکت، جامع تفسیر
۳۱۸	تنبیہ، نکتہ
۳۱۹	تقریر حقایق، ربط
۳۲۰	صحابہ کرام کی حضرات انبیاء علیہم السلام سے تشبیہ
۳۲۱	فائدہ
۳۲۲	نکتہ
۳۲۴	الانفال: (۶۸، ۶۹) خلاصہ، اس بات سے کیا مراد؟
۳۲۶	فائدہ، عذاب دکھلایا گیا
۳۲۸	الانفال: (۷۰، ۷۱) خلاصہ، شان نزول
۳۲۹	حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا واقعہ
۳۳۱	اللہ تعالیٰ کا وعدہ، اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں خیر دیکھے گا

۳۳۲	یہاں خیانت کا مطلب
۳۳۴	الانفال (۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲)
۳۳۵	خلاصہ
۳۳۶	رابط
۳۳۷	چار طبقے، کلام برکت
۳۳۸	مسلمان اگر کافروں سے یاری کریں، ہجرت اور جہاد
۳۴۰	آیت کی تفسیر میں دو قول
۳۴۱	نکتہ، قرآن پاک کو ماننے والی ایک جماعت
سُورَةُ التَّوْبَةِ	
۳۴۳	ابتدائیہ
۳۴۴	سورۃ کے دیگر نام
۳۴۵	سورۃ مبارکہ کے غزوات و واقعات اور زمانہ نزول
۳۴۷	سورۃ التوبہ کا سورۃ الانفال سے ربط
۳۴۹	ایک عجیب نکتہ، سورۃ توبہ کے بعض جہادی مضامین کا عجیب خلاصہ
۳۵۰	(۱) جہاد فی سبیل اللہ کی سات حکمتیں اور فائدے
۳۵۰	(۲) وہ پانچ باتیں جو جہاد سے روکنے کا عذر نہیں بن سکتیں، (۳) اہل کتاب کے خلاف جہاد
۳۵۱	(۴) خود اپنے آپ کو جہاد سے مستثنیٰ رکھنا نفاق کی علامت ہے
۳۵۱	(۵) جہاد کی بدولت منافق بے نقاب ہو جاتے ہیں
۳۵۲	(۶) ترک جہاد پر سخت وعیدیں، (۷) فرضیت و افضلیت جہاد، (۸) طریق جنگ کی تعلیم
۳۵۲	(۹) سورۃ انفال کا تتمہ اور مسلمانوں کا ایک خالص مرکز
۳۵۳	اس نکتے کو مزید سمجھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے یہ دلنشین عبارت
۳۵۴	(۱۰) سورۃ برآۃ کے چھ حصے
۳۵۶	(۱۰) جہادی نکات سورۃ توبہ از حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ
۳۵۶	ملاحظہ، نماز اور زکوٰۃ نہیں تو امان بھی نہیں، فتح مکہ کے ایک سال بعد برآۃ کا اعلان
۳۵۶	اسلام پر اعتراض کرنے والے کافر کو ذمی نہیں بنایا جاسکتا
۳۵۶	جہاد کا درجہ قربت سے بڑا ہے، اہل کتاب سے جہاد

۳۵۷	غزوہ جنین کا سبق، پھونٹیں مارنے سے مراد کافروں کا جھوٹا پروپیگنڈہ ہے
۳۵۷	دین اسلام سب سے اونچا ہے، کافروں سے لڑنا ہمیشہ جائز ہے
۳۵۷	منافقوں کے حالات کا بیان اس سورۃ کا خاص موضوع ہے
۳۵۷	ایک منافق کا عجیب بہانہ، بد دین کا مال اور اس کی اولاد نعمت نہیں و بال ہے
۳۵۸	مجاہدین زکوٰۃ کا مصرف ہیں، دین کی باتوں کا مذاق اڑانے والے منافق ہیں
۳۵۸	منافقین کے دو بڑے کارنامے، گناہگار اور بد عقیدہ کے درمیان فرق
۳۵۸	السابقون یعنی قدیم مسلمان کون؟، بے انصافی کی شامت، السابقون کے تین معانی
۳۵۹	کافر تم میں سختی دیکھیں، منافق کی پہچان اکثر جہاد کے وقت ہوتی ہے
۳۵۹	نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ میری امت زیادہ ہو جائے
۳۵۹	صاحب مدارک کی ایک جامع عبارت
۳۶۰	ملاحظہ، فائدہ، خلاصہ مضامین سورۃ توبہ مأخوذ از تفسیر الفرقان
۳۶۱	باب دوم
۳۶۲	باب سوم
۳۶۳	التوبہ (۲، ۱) خلاصہ، فائدہ، (۱) تقریر حضرت لاہوریؒ
۳۶۵	مشرکین کی چار قسمیں، (۲) تقریر عثمانیؒ
۳۶۷	ان آیات کا زمانہ اور ماحول
۳۶۹	ایک عجیب نکتہ
۳۷۰	چار مہینے کون سے؟
۳۷۲	التوبہ (۳) خلاصہ، تفسیری اقوال
۳۷۳	اعلان عام کا مختصر واقعہ
۳۷۵	التوبہ (۴) خلاصہ، چند عبارتیں
۳۷۷	التوبہ (۵) خلاصہ، چار مہینے، دوسرا قول
۳۷۸	ایک جامع عبارت
۳۷۹	تقریر عثمانیؒ، کلام برکت
۳۸۰	یہ آیت ”آیت السیف“ ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو چار تلواریں عطاء کی گئیں
۳۸۰	جنگ کی تاکید

۳۸۱	ایک گزارش، ایک قول
۳۹۲	التوبہ (۶) خلاصہ، اقوال وحوالے، اسلام کا دروازہ کھلا ہے، چند ضروری احکامات
۳۸۳	اسلام کے کمالات، طلبہ کے لئے آسان و جامع تفسیر
۳۸۴	التوبہ (۷) خلاصہ، ان مشرکین کو قتل کرنے میں پریشانی محسوس نہ کرو
۳۸۴	یہ برأت اور اعلان جنگ کی وجہ بیان فرمائی ہے
۳۸۵	عجیب تفسیر
۳۸۶	اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دوستی؟، اعلان جنگ کی وجوہات، اعلان برأت کی حکمت
۳۸۷	وجوہات قتال مع المشرکین
۳۸۸	توبہ (۸) خلاصہ، ان سے دوستی کیسے ہو سکتی ہے؟، اللہ پاک مسلمانوں کو سمجھاتے ہیں
۳۸۶	کفر و شرک کی نحوست
۳۹۲	آج کل کی فرنگی قومیں، اللہ اور رسول کے منکر تمہارے دوست کس طرح سے؟
۳۸۱	مشرکین فاسق کس طرح؟
۳۹۲	فائدہ
۳۸۳	التوبہ (۹) خلاصہ، اس میں قتال کی ترغیب ہے، مشرکین کی خرابیوں کا سبب حب دنیا ہے
۳۸۴	آخرت کی ذمہ داری محسوس نہ کرنا جرم ہے، خواہشات کے پیچھے ایمان کو چھوڑنے والے
۳۹۴	طلبہ علم کے لئے آیت کی آسان تفسیر
۳۹۵	کاش، ایک ایمان گمشدہ سترخوان، آیت میں یہودی طرف بھی اشارہ ہے
۳۸۵	اچھے اخلاق صرف سچے دین کی پیروی سے پیدا ہوتے ہیں
۳۹۶	التوبہ (۱۰) خلاصہ، آیت میں تکرار نہیں ہے
۳۸۸	التوبہ (۱۱) خلاصہ، مختصر تفسیر، نکتہ
۳۹۹	اسلامی برادری میں داخل ہونے کی تین شرطیں
۴۰۰	التوبہ (۱۲) خلاصہ، ربط
۴۰۱	تقریر قرطبی
۴۰۲	آسان تفسیر، آیت مبارکہ کے الفاظ کی تشریح
۴۰۳	آيَةُ الْكُفْرِ یعنی کفر کے سردار کون؟
۴۰۶	اہم نکتہ

۴۰۷	التوبہ (۱۳) خلاصہ، جہاد پر ابھارا جارہا ہے
۴۰۸	اور زیادہ جوش دلا یا جارہا ہے، ایمانی غیرت
۴۰۹	امام قرطبی کا عجیب جملہ، تقریر رازی، جہاد پر ابھارنے کے مزید چار اسباب
۴۱۰	فتح مکہ کی ترغیب ہے
۴۱۱	التوبہ (۱۳) (۱۵) خلاصہ
۴۱۲	مختصر جامع تفسیر
۴۱۳	جہادی نکات از امام رازی رحمہ اللہ، ربط
۴۱۴	یہ خوشخبری قیامت تک کے لئے ہے، فائدہ
۴۱۵	نکتہ، تقریر لاہوری
۴۱۶	مظلوموں کو مسرت کا حاصل ہونا ان کو کام پر کھڑا کرنے کے لئے ضروری ہے
۴۱۸	التوبہ (۱۶) خلاصہ، جہاد کے ذریعے حقیقی اور سچے مسلمان ممتاز ہو جاتے ہیں
۴۱۹	جہاد مومن اور منافق میں امتیاز کرتا ہے، نکتہ، دو طرح کے امتحانات
۴۲۰	اگر مسلمان ہو تو جہاد نہ چھوڑو
۴۲۱	آیت میں جنگوں کی طرف اشارہ ہے، دین کی خاطر اپنے عزیزوں قریبوں سے قتال کرنا
۴۲۱	ولیعہ؟ غیروں سے یاری
۴۲۲	اس آیت میں آئندہ مجاہدین کے ہمیشہ موجود رہنے کا اشارہ ہے
۴۲۳	التوبہ ۷ خلاصہ، آیت کا پہلا موضوع
۴۲۴	آیت کا دوسرا موضوع، آیت کا تیسرا موضوع
۴۲۵	آیات کی مختصر جامع تشریح
۴۲۶	مشرکوں کا اعتبار نہیں، طلبہ کے لئے آیت کے الفاظ کی آسان تفسیر
۴۲۸	التوبہ ۱۸ خلاصہ، نکتہ، فوائد
۴۳۰	فائدہ
۴۳۱	التوبہ ۱۹ خلاصہ، اقوال وحوالے، ترک جہاد کے دوسرے عذر کی نفی
۴۳۱	ایمان بھی افضل اور جہاد بھی افضل
۴۳۲	جہاد مسجد حرام کا متولی بننے سے بھی افضل ہے، اصل مقصود جہاد کی افضلیت کا بیان ہے
۴۳۳	خود کو جہاد سے مستثنیٰ کرنے والوں کو تنبیہ، نکتہ

۴۳۶	تھوڑا سا غور فرمائیں، سعادت تو جان و مال کی قربانی میں ہے
۴۳۵	التوبہ ۲۰، ۲۱، ۲۲ خلاصہ، اقوال و حوالے، مبارکبادیاں
۴۳۶	انسانیت کے بلند ترین درجے تک پہنچانے والی چار صفات
۴۳۷	ایمان، ہجرت اور جہاد کا بدلہ رحمت، جنت اور رضوان
۴۳۹	کامیاب لوگ
۴۳۹	جنت کی نعمتیں ہمیشہ کے لئے، اللہ پاک کی رضا کے طلب گار
۴۴۰	التوبہ ۲۳ خلاصہ، آیت مبارکہ کا ربط اور جہادی مضامین
۴۴۰	(۱) کوئی خونی رشتہ جہاد کے لئے رکاوٹ نہ بنے، (۲) وہ تعلقات جو ہجرت و جہاد میں خلل انداز ہوں
۴۴۰	(۳) جہاد میں اپنے قریبی رشتہ داروں سے لڑنا پڑے تب بھی دریغ نہ کرے
۴۴۱	فائدہ، رشتہ داروں کے ساتھ حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تعلق کی مذمت
۴۴۲	ایک اور عجیب ربط، ایک سخت وعید، اہم سبق
۴۴۳	اصل رشتہ اسلام و ایمان کا رشتہ ہے بسبی وطنی تعلقات سب اس پر قربان کرنے ہیں
۴۴۴	التوبہ ۲۴ خلاصہ، آیت کا موضوع
۴۴۵	ہجرت کے مقام پر جہاد کا تذکرہ، فائدہ
۴۴۵	مسلمان کا جہاد چھوڑنا قابل تعجب ہے، ایمان سے بھی دور اور عقل سے بھی دور
۴۴۶	جہاد سے روکنے کے لئے شیطان کا مورچہ، اس آیت میں جہاد کی فضیلت کا بیان ہے
۴۴۶	آہ! ایسے لوگ کم ہیں
۴۴۷	اب تو یہ جرم عار بھی نہیں، ایک ناصحانہ عبارت
۴۴۸	اس آیت کا براءۃ سے تعلق
۴۴۹	غزوہ حنین ۲ سوال ۸ھ (یکم فروری ۶۳۰ء)
۴۵۴	تقسیم غنائم حنین
۴۵۸	احکام و مسائل
۴۵۷	مفتوح و مغلوب کفار کے اموال میں عدل و انصاف اور احتیاط
۴۵۸	سورۃ توبہ آیت (۲۵) (۲۶) (۲۷) خلاصہ
۴۵۹	غزوہ حنین میں مسلمانوں کے لئے عجیب اسباق
۴۵۹	سبق نمبر ۱۔ قلت تعداد کو جہاد چھوڑنے کا عذر نہ بناؤ

۴۵۹	سبق نمبر ۲۔ اپنی کثرت اور فوجی قوت پر گھمنڈ نہ کرو
۴۶۱	سبق نمبر ۳۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے واقعات یاد کرنے سے قوت ملتی ہے
۴۶۲	سبق نمبر ۴۔ جس گناہ کی وجہ سے نصرت اٹھے اسے چھوڑ دیں تو نصرت واپس آ جاتی ہے
۴۶۲	سبق نمبر ۵۔ جہاد کرتے ہوئے خود کو ٹھیک کریں
۴۶۳	سبق نمبر ۶۔ جہاد کفر سے توبہ کا بہت بڑا ذریعہ ہے
۴۶۴	سبق نمبر ۷۔ حضور اکرم ﷺ کے وارث بہادر ہونے چاہئیں
۴۶۵	سبق نمبر ۸۔ مغلوب کافروں کے ایمان سے مایوس نہ ہوں
۴۶۵	سبق نمبر ۹۔ جو دین کو دنیا پر ترجیح دے گا اللہ تعالیٰ اسے دین و دنیا دونوں عطا فرمائے گا
۴۶۶	سبق نمبر ۱۰۔ کافروں کے لئے اصل چیز شکست ہی ہے
۴۶۶	اسباق اور بھی ہیں، یہ آیت آیات حکام میں سے ہے
۴۶۷	کلام برکت
۴۶۸	التوبہ ۲۸ خلاصہ
۴۶۹	آیت مبارک کا موضوع
۴۷۰	عصر حاضر کا سب سے بڑا بت معیشت
۴۷۱	آیت مبارکہ کے احکامات، یہود و نصاریٰ بھی اس حکم میں مشرکین کی طرح ہیں
۴۷۱	یہ بہت بڑا مجاہدہ تھا
۴۷۲	روزی دینا اللہ پاک کا کام ہے
۴۷۳	التوبہ ۲۹ خلاصہ، مسلمانوں کے لئے روزی کا انتظام
۴۷۴	مشرکین سے قتال کے بعد اہل کتاب سے قتال کا حکم
۴۷۴	غزوہ تبوک کی تمہید، آیت میں تمام کافروں سے قتال کا حکم ہے
۴۷۵	وہ دس بحثیں جو اس آیت کی تفسیر میں اہل علم نے فرمائی ہیں
۴۷۸	فائدہ، ایک دروہری عبارت
۴۷۹	آیت مبارکہ کے احکامات کو سمجھنے کے لئے چند آسان سوالات
۴۸۰	جواب، تو پھر! دوسرا سوال، ایک بالکل واضح بات، فائدہ
۴۸۱	کلام برکت، اہل علم کے لئے تحفہ
۴۸۲	التوبہ (۳۰) خلاصہ، ایمان والوں کو یہود و نصاریٰ سے قتال پر ابھارا جا رہا ہے

۴۸۳	ایک سوال کا جواب
۴۸۴	دوا، ہم نکتے
۴۸۹	التوبہ (۳۱) خلاصہ، اقوال وحوالے، علماء سوء اور بناوٹی صوفیوں کے پجاری، رومہ کے پوپ
۴۸۷	ایک روایت، آسمانی وحی کے احکامات کو چھوڑنے والے، دورِ حاضر کی ایک پریشانی
۴۸۸	ایک تحقیقی عبارت
۴۸۹	التوبہ ۳۲ خلاصہ، اقوال وحوالے، ایک خبر ایک وعدہ
۴۹۶	کھلی صداقت، بہت بڑی تسلی
۴۹۱	التوبہ ۳۳ خلاصہ، اقوال وحوالے، یہ دین نازل ہی اسی لئے ہوا ہے
۴۹۶	اسلام کے غلبے کی تین صورتیں
۴۹۳	اس آیت میں جہاد کی دعوت ہے، اسلام کے غلبے کی احادیث
۴۹۴	ایک دلچسپ بحث، عجیب نکتہ
۴۹۵	اسلامی غلبے کے عناصر
۴۹۶	التوبہ ۳۴-۳۵ خلاصہ
۴۹۷	یہود و نصاریٰ کے مذہبی رہنماؤں کی خاص نشانی، ان دو آیات کے مضامین
۴۸۸	ایک دعاء
۴۹۶	التوبہ ۳۶ خلاصہ، آیت کا ربط
۵۰۰	جہاد ہمیشہ رہے گا، آیت کا تعلق جہاد و قتال سے ہے، نکتہ، چار مہینوں کی حرمت
۵۰۲	آیت مبارکہ کا ایک اور ربط
۵۰۴	التوبہ ۳۷ خلاصہ، نسبی کا مطلب
۵۰۵	فائدہ، ایک اہم مسئلہ
۵۰۶	فائدہ
۵۰۷	غزوہ تبوک (یومِ پنجشنبہ ماہِ رجب ۹ھ)
۵۰۰	مقامِ عذاب سے گزر
۵۱۲	مسجدِ ضرار
۵۱۳	غزوہ تبوک میں پیچھے رہنے والے
۵۱۷	التوبہ ۳۸ خلاصہ، تنبیہ، جہاد سے روکنے والی بیماری، بیماری کا علاج

۵۱۸	آیت مبارکہ کا رابطہ
۵۱۹	شدت سے جہاد پر ابھارا ہے
۵۱۹	مسلمانوں کی زندگی کا راز صرف جہاد میں پنہاں ہے، جدید روشن خیالی کا تسم
۵۲۰	غزوہ تبوک اور چھ قسم کے لوگ
۵۲۱	ایک شرعی مسئلہ، طلبہ علم کے لئے تحفہ
۵۲۲	غزوہ تبوک میں تور یہ نہیں کیا گیا، فائدہ
۵۲۳	التوبہ (۳۹) خلاصہ، سخت وعید
۵۲۵	دوسری قوم کو کسی؟
۵۲۶	التوبہ ۴۰ خلاصہ
۵۲۷	اقوال وحوالے، نصرت کا نمونہ، غزوہ تبوک کے موقع پر واقعہ ہجرت کی یاد دہانی
۵۲۸	مسلمانو! جہاد کرو
۵۲۸	آیت میں جہاد کی ترغیب ہے، آیت مبارکہ کے بعض نکات اور فوائد
۵۲۹	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت پر نص قطعی
۵۲۹	غزوہ تبوک اور ہجرت دونوں میں صدیق اکبر آگے آگے
۵۲۹	آیت میں حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ بلا فصل ہونے کی دلیل
۵۳۰	حضرت صدیق اکبرؓ کا حزن اور غم، غار ثور
۵۳۱	التوبہ ۴۱ خلاصہ، اقوال وحوالے، خفا فافثقالا
۵۳۳	فائدہ
۵۳۳	چند واقعات
۵۳۵	ایک سوال، ایک مسئلہ
۵۳۶	التوبہ (۴۲) خلاصہ، آیت کا موضوع
۵۳۷	منافقین رومی عیسائیوں کی طاقت سے مرعوب تھے
۵۳۸	غزوہ تبوک کے نام، ایک درد بھری عبارت، ہلاکت کے تین اسباب
۵۳۹	التوبہ (۴۳) خلاصہ، ایک جامع عبارت
۵۴۰	اصل غصہ منافقین پر ہے، پہلے معافی پھر تنبیہ، منافقین کا طریقہ
۵۴۱	التوبہ (۴۴) خلاصہ، اقوال وحوالے

۵۴۱	مؤمن اور منافق کا فرق، صحابہ کرام کا طرز عمل
۵۴۸	جہاد ایمان کا تقاضا ہے، چند دلکش عبارتیں
۵۴۳	مجاہد کے متقی ہونے کی قرآنی شہادت، مکتبہ، مؤمن تو جہاد کے انتظار میں رہتا ہے
۵۴۴	التوبہ ۴۵ خلاصہ، تفسیری عبارت
۵۴۴	منکرین جہاد دراصل خفیہ دشمنان اسلام ہیں، شک میں پھنسے لوگ
۵۴۴	ایمان جہاد میں لے جاتا ہے اور بے ایمانی جہاد سے روکتی ہے
۵۴۵	شک سے کیا مراد ہے؟، منافق مزاج لوگ، انتالیس افراد
۵۴۶	التوبہ ۴۶ خلاصہ، یہ بے ایمان لوگ جہاد کے مبارک سفر کے قابل ہی نہیں
۵۴۴	آج کل کے دانشور
۵۴۷	”عَدَّة“ کے معنی، جہاد کی تیاری فرض ہے، بیٹھے رہو، بیٹھے رہو،
۵۴۸	آیت مبارکہ دعوتِ فکر دیتی ہے، آیت مبارکہ کا پیغام
۵۴۹	التوبہ ۴۷ خلاصہ، اقوال وحوالے، نگوئی طور پر اچھا ہوا
۵۵۶	یہ تمہاری ہمتیں کمزور کر دیتے، سماعون کون تھے؟
۵۵۱	کان بند رکھیں، جہاد میں کامیابی کے لئے لازمی چیز
۵۵۳	التوبہ ۴۸ خلاصہ، عبارات، منافقین کی جہاد میں شرکت مسلمانوں کے لئے مفید نہیں ہے
۵۵۴	ایک جامع عبارت، ایک قول
۵۵۵	التوبہ ۴۹ خلاصہ، اقوال وحوالے، دینی نقصان کا بہانہ، ایک بخیل اور بزدل سردار
۵۵۶	جہاد چھوڑنا بڑی برائی اور فتنہ ہے
۵۵۷	فائدہ، آیت مبارکہ کے دواور مفہوم
۵۵۶	فائدہ، جہنم نے ان کو گھیر لیا ہے
۵۵۹	خود کو جہاد سے مستثنیٰ رکھنے والے
۵۶۰	التوبہ ۵۰ خلاصہ، اپنی دوراندیشی کا وہم، منافقین کی عقلندی اور احتیاطی تدابیر
۵۴۱	کامیاب وہ ہے جو فرض ادا کرے، حسنة ومصيبة کا مصداق، ایک دلچسپ عبارت
۵۶۳	التوبہ ۵۱ خلاصہ، اقوال وحوالے، ایمان والوں کے لئے ہر حالت میں خیر ہے
۵۶۴	مومن کو کوئی سختی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے نہیں روک سکتی
۵۶۴	مومن کا اعتماد صرف اللہ تعالیٰ پر، جو تقدیر پر ایمان رکھے گا وہی غالب رہے گا، فائدہ، عجیب نکتہ

۵۶۵	عظیم الشان تحفہ
۵۶۶	التوبہ ۵۲ خلاصہ، اقوال وحوالے، مسلمان کے لئے ناکامی نہیں
۵۶۷	خطاب کافروں یا منافقوں کو ہے
۵۶۷	ہمیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہر حالت محبوب ہے، انتظار کرو
۵۶۹	التوبہ ۵۳ خلاصہ، شان نزول، آیت مبارکہ عام ہے
۵۶۹	ان مالداروں کے لئے عبرت ہے جو مال خرچ کرنے کو ہی کافی سمجھتے ہیں
۵۶۹	قبولیت کے دو معنی
۵۷۰	ایسے مال کی کوئی قدر نہیں ہے، بے اعتقاد کا مال قبول نہیں
۵۷۱	التوبہ ۵۴ خلاصہ
۵۷۱	اقوال وحوالے، یہ جہاد میں نہیں گئے اس لئے چندہ قبول نہیں، ایک جامع عبارت
۵۷۲	لوگوں کے سامنے نمازی، مسلمانوں کو ایک اہم نصیحت، ہم مسلمانوں کے لئے خوف کا مقام
۵۷۳	التوبہ ۵۵ خلاصہ، خطاب عام ہے، منافقوں کی مالداری سے متاثر نہ ہوں
۵۷۴	ان پر یہ عذاب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے ہے، جامع تفسیر
۵۷۵	ایک تفسیر قول، سخت موت، حسبِ دنیا سے حفاظت
۵۷۶	دو علمی تحفے
۵۷۷	التوبہ ۵۶ خلاصہ، سچے مسلمان کو قسموں کی کیا ضرورت؟
۵۷۷	اپنے ایمان پر قسمیں کھانا منافقین کا طریقہ، مسلمانوں کے گھر پیدا ہو گئے
۵۷۸	مشکل وقت میں کام نہیں آتے
۵۷۹	التوبہ ۵۷ خلاصہ
۵۷۹	وہ اسلام اور مسلمانوں سے نفرت رکھتے ہیں
۵۷۹	ملجأ کا معنی، مسلمانوں کے لئے تسلی
۵۸۰	یہ منافق مسلمانوں کی ترقی اور فتح نہیں دیکھ سکتے
۵۸۱	التوبہ (۵۸، ۵۹) خلاصہ، آیت مبارکہ کا ربط
۵۸۲	شان نزول کے واقعات، منافقین طالب دنیا
۵۸۳	التوبہ ۶۰ خلاصہ، اقوال وحوالے
۵۸۵	فائدہ، فی سبیل اللہ سے مراد جہاد